URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

TTP/20/2K17

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

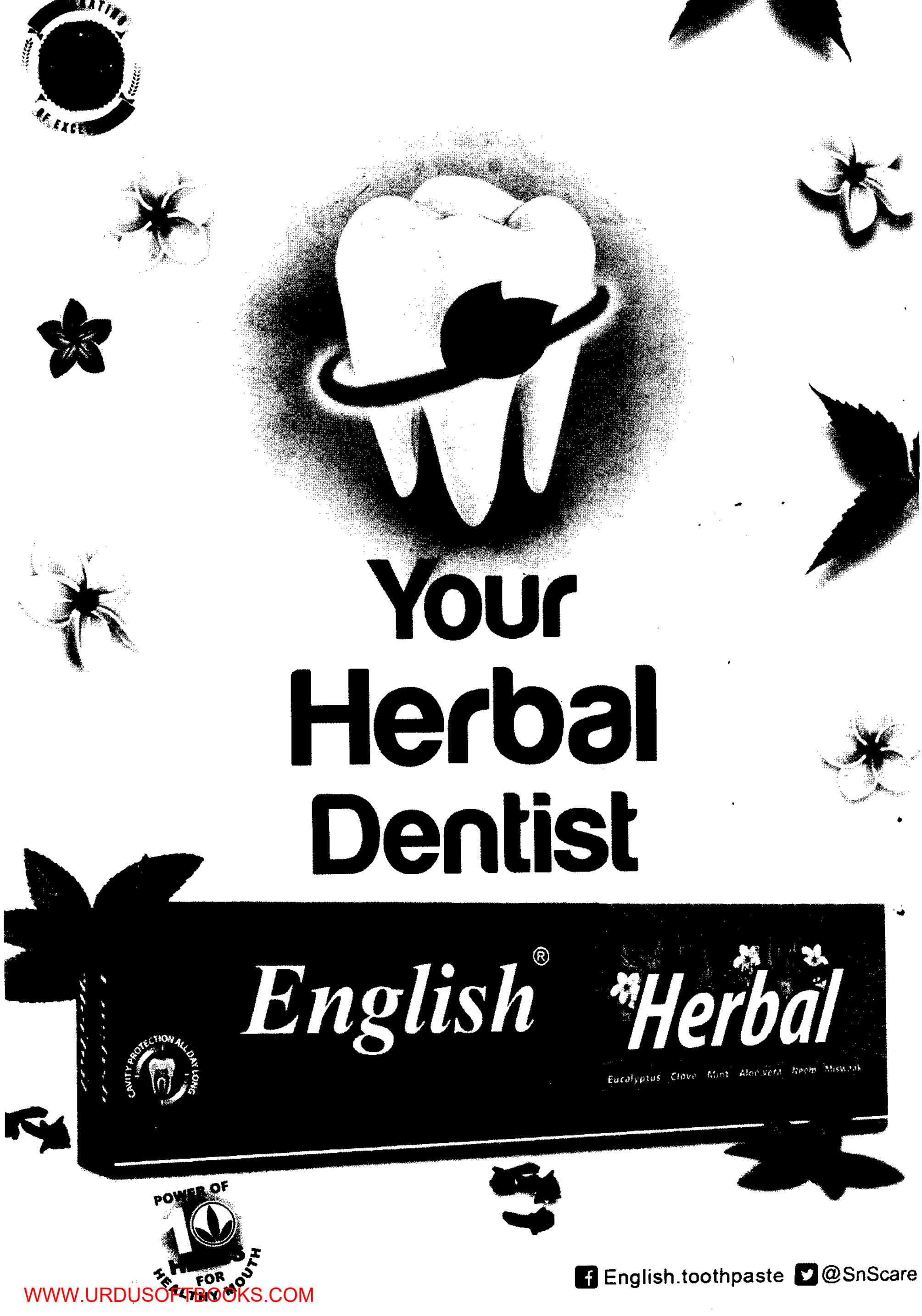

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی و مدیرِ اعلیٰ محمود ریاض
مدیرہ ——— رضیہ جمیل
مدیر منتظم ——— آذر ریاض
مدیر اعزازی ——— امۃ الصبور
قانونی مشیر ——— شاہین رشید
اشتہارات ——— خالدہ جیلانی

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ شعاع
37 - اردو بازار کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تا کہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تا کہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تا کہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تا کہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آسکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 10
حمد، ڈاکٹر سید قاسم جلال 11
نعت، محمد اعظم چشتی 11
نبی ﷺ کی باتیں، ادارہ 12

انٹرویو

بندھن، شگفتہ یاسمین 22
دستک، شاہین رشید 28
جب تجھ سے ناتا، آسیہ ملازم حسین 17

ناول

خواب شیشے کا، عفت سحر طاہر 186
شہزاد، صائمہ اکرم 30

مکمل ناول

سنہری دھوپ، سلوٰی علی بٹ 204
محبت جنوری جیسی، فرزانہ کھرل 94
محبت تمہارے نام، سدرۃ المنتہیٰ 146

ناولٹ

عمروں کے سلسلوں، فوزیہ فرخ 68
آؤ لالہ اگاتے ہیں، ام ایمان قاضی 238

افسانے

سنہری خواہش، سنیعہ عمیر 231
گل فروش، قرۃ العین خرم ہاشمی 55
فیصلہ، نور الصباح 86
چاند روٹھ گیا، عظمیٰ اختیار 140

نظمیں غزلیں

غزل، احمد فراز 263
غزل، متین نیازی 263
غزل، لیاقت علی عاصم 264
نظم، شازیہ مفتی 264

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ----- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	271
مسکراہٹیں	ادارہ	265
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	283
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	268
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	267
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	285
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	280
خوبصورت بنیے	ادارہ	289

فروری 2018
جلد 32 شمارہ 6
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - [illegible]

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

Health

دنیا کا سب سے مہنگا زہر جس کی قیمت اربوں روپے میں ہے | World's Most Expensive Poison

computerxtech 0 Oct 03, 2017

اس ایک لیٹر زہر کی قیمت تقریباً ایک ارب 10 کروڑ پاکستانی روپوں کے مساوی ہے۔(World's Most Expensive Poison)دنیا کا سب سے مہنگا زہر بچھوؤں کی ایک قسم "ل... Readmore

---

Health

بوڑھوں کو جوان بنانے والی سائنس | Old to Young Conversion Science

computerxtech 0 Sep 11, 2017

انسان کے جسم میں خلیوں کی دو سو سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔ فوٹو : فائلپچھلے سال [illegible] 20... Readmore

---

Health

صحت کے معاملے میں خواتین کی 10 سنگین غلطیاں | Ten Health Mistakes by the Women

computerxtech 0 Sep 11, 2017

خوبصورت نظر آنے کے لیے خواتین دنیا بھر کے جتن کرتی ہیں لیکن اکثر کو شکایت رہتی ہے کہ انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فوٹو، فائلکراچی: اچھی صحت اور خ... Readmore

---

Health

ایسپرین دانتوں کو خرابی سے روک کر انہیں ازخود مرمت کے قابل بناتی ہے | Dental Treatment with Aspirin

computerxtech 0 Sep 11, 2017

کوئنزیونیورسٹی کے سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ ایسپرین دانتوں کی حفاظت کرتی ہے۔ فوٹو: فائل لندن: سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ گھروں میں ... Readmore

---

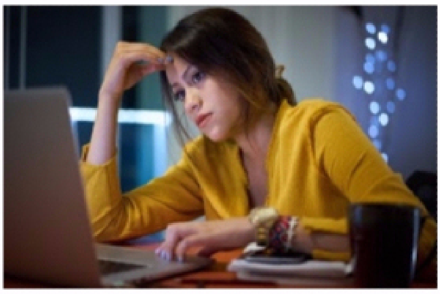

Health News

فکر اور پریشانی سے نجات پانے کے تین آسان طریقے | Three easy ways to eliminate Tension

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ماہرین نفسیات نے پریشان خیالی سے چھٹکارا پانے کے تین اہم طریقے بیان کئے ہیں۔ فوٹو: فائل لندن: ماہر نفسیات کے مطابق پریشان اور فکرمندی کی س... Readmore

---

Health News

ادرک جوڑوں کے درد کے لیے اکسیردوا | Benefits of Ginger

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ادرک میں کئی اجزا جلن، درد اور سوزش کو کم کرتے ہیں۔ فوٹو: فائلکراچی: ادرک کے جسمانی و طبی فوائد سے ہم سب بخوبی واقف ہیں اور اب ماہرین نے اس کے اس... Readmore

Interesting News

بچت کرنے کے 7 طریقے | Seven Methods of Savings

computerxtech 0 Oct 13, 2017

پیسہ خرچ کرنا جتنا ضروری ہے، پیسے بچانا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ یہ بچی ہوئی رقم مستقبل میں کسی آڑے وقت میں کام آ سکتی ہے۔ روز بروز بڑھتی مہنگائی ... Readmore

Interesting News

دنیا کے خطرناک روڈ | World's Most Dangerous Roads

computerxtech 0 Oct 02, 2017

دنیا بھر کے خطرناک ترین روڈ میں ایسی گزرگاہیں شامل ہیں جو اپنی تعمیر، محل وقوع، اونچائی، طوالت اور موسم کی وجہ سے عام سڑکوں کی نسبت مختلف ہیں.دنیا بھر... Readmore

Interesting News

عرب امارات کے حکمران کروڑوں ڈالر خرچ کرکے زمین پر مریخ بنائیں گے

computerxtech 0 Oct 01, 2017

امارات کی حکومت نے اگلے 100 سال میں مریخ پر انسانی آبادی بسانے کے منصوبے کا افتتاح کردیا. فوٹو: حکومتِ بیئبدبئی; متحدہ عرب امارات کے حکمران 15 ک... Readmore

Interesting News

کیا آپ مریخ پر جانا چاہتے ہیں ؟

computerxtech 0 Oct 01, 2017

مریخ ایک ایسا سیارہ ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ پانی کی موجودگی ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرخ سیارہ انسان کی دلچسپی کا سبب بن چکا ہے فوٹو: فلاانسان چاند پر... Readmore

Interesting News

مریخ کے بارے میں 11 حیرت انگیز معلومات

computerxtech 0 Oct 01, 2017

خلائی کھوجیوں کی بڑی تعداد مریخ پر بھیجی گئی ہے اور امید ہے کہ اگر زمین کے علاوہ زندگی اسی سیارے پر ممکن ہے۔ فوٹو، فائلکراچی: زمین کے بعد مریخ عا... Readmore

Interesting News

اے ٹی ایم استعمال کرنے والے اسے ضرور پڑھیں اور فراڈ سے بچیں

computerxtech 0 Sep 24, 2017

سائبر لٹیرے اے ٹی ایم میں تبدیلی کرکے بھی آپ کو قیمتی سرمائے سے محروم کرسکتے ہیں۔ (فوٹو: فائل)کراچی: پورے ملک میں نقد رقم نکلوانے کے لیے آٹو ٹیل... Readmore

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نگہت جمال

پہلی شعاع

شعاع فروری کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

واقعات کی رفتار بڑھ گئی یا لمحہ بہ لمحہ بریکنگ نیوز دینے والے چینلز کا کمال ہے کہ لوگ ہمہ وقت ہیجانی کیفیت کا شکار ہیں۔

قصور میں ہونے والے روح فرسا اور دل دوز سانحہ نے سب کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سوئے ہوئے ضمیروں کو جھنجوڑ دیا ہے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے جس کا تصور بھی کریں تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔

یہ کوئی ایک واقعہ نہیں ہے۔ ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ ایسا اب بھی ہو رہا ہے قصور کی زینب کے بعد مردان کی عاصمہ اور سندھ میں اسی قسم کے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ کتنی معصوم کلیاں اس بہیمانہ ظلم کا نشانہ بن چکی ہیں۔

کے پی کے کی شریفاں بی بی کے ساتھ ہونے والا انسانیت سوز سلوک پوری قوم کے لیے باعث شرم ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے ملزمان نامعلوم افراد نہیں ہیں۔ سیاسی پارٹی کے بااثر لوگ ہیں۔ اس واقعہ کے سینکڑوں گواہ ہیں۔ اس کے باوجود ملزمان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی ہے۔

اس ملک میں آج بھی کاروکاری کی قبیح رسم جاری ہے۔ یہاں آج بھی وڈیرے کا قانون چلتا ہے۔ یہاں آج بھی جرگہ بااثر لوگوں کے اشاروں پہ انسانوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے۔

زینب اور عاصمہ جیسے واقعات پر ہم سب کو بھرپور احتجاج کرنا چاہیے تھا۔ کوئی لائحہ عمل تلاش کرنا چاہیے تھا تاکہ اس قسم کے واقعات کی روک تھام کی جا سکے لیکن اس کے برعکس ہوا کیا۔ ہم نے اس اہم ترین مسئلے کو بھی سیاست کی نذر کر دیا۔ سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے حکومت کی کارکردگی کو نشانہ بنایا۔ جلاؤ، گھیراؤ، توڑ پھوڑ۔ اسلحے کا بے دریغ استعمال۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مزید دو گھروں کے چراغ بجھ گئے۔

اس میں شک نہیں کہ مجرم پکڑنا حکومت وقت کی ذمہ داری ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں پولیس سے تعاون نہیں کیا جاتا۔ برادری کے ڈر اور رشتہ داری کی وجہ سے بہت سے حقائق چھپا لیے جاتے ہیں۔

اس واقعہ پر سیاست چمکانے یا سستی جذباتیت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ پولیس ہر وقت ہر بچے کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں پر نظر رکھیں۔ ان کو اتنا اعتماد دیں کہ وہ ہر بات آپ سے کہہ سکیں۔ اپنے بچوں کے سلسلے میں کسی پر اعتماد نہ کریں، خواہ وہ آپ کا کتنا ہی قریبی دوست یا رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ شرم، حیا، عزت، گناہ ثواب کی تعلیم صرف لڑکیوں کے لیے نہیں، لڑکوں کو بھی یہ سبق دینا چاہیے۔

مائیں جتنی پابندیاں بیٹیوں پر عائد کرتی ہیں، جتنی توجہ بیٹیوں کی اخلاقی تربیت پر دیتی ہیں، اگر اس سے آدھی توجہ بھی لڑکوں پر دیں تو معاشرے میں بہت بڑی تبدیلی آ سکتی ہے۔

بچپن کا سبق اور تربیت ہماری شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔

اس شمارے میں،

- فرزانہ کھرل کا مکمل ناول۔ محبت جنوری جیسی، ، سلویٰ علی بٹ کا مکمل ناول۔ سنہری دھوپ،
- سدرۃ المنتہیٰ کا مکمل ناول۔ محبت تمہارے نام، ، صائمہ اقبال کا مکمل ناول۔ حال دل کھل چکا۔
- فوزیہ فرخ اور بشریٰ احمد کے ناولٹ، ، قرۃ العین خرم ہاشمی، نور الصباح، عظمیٰ انتظار اور سنیعہ عمیر کے افسانے،
- شگفتہ یاسمین کا بند مٹھی، ، معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ قارئین کا سلسلہ،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نعت رسول مقبولﷺ

شبِ غم کا اثر دل سے مٹاتی ہے تری خوشبو
فسانے صبحِ تازہ کے سُناتی ہے تری خوشبو

گھٹاؤں کی زبانی تیرے پیغامات ملتے ہیں
نسیمِ صبح گاہی لے کے آتی ہے تری خوشبو

گلابِ بے خزاں! تُو گرچہ نظروں سے ہے پوشیدہ
مگر ہر دم تری صورت دکھاتی ہے تری خوشبو

بھٹک جائے مسافر جب کوئی تو، خضرِ راہ بن کر
قریبِ منزلِ مقصود لاتی ہے تری خوشبو

زہے قسمت کہ نزدیکِ رگِ جاں ہے تری ہستی
مرے ہر سانس کے ہمراہ آتی ہے تری خوشبو

جلالِ زار کا جب حبسِ غم سے سانس رُکتا ہے
اچانک صحنِ دل میں مسکراتی ہے تری خوشبو

ڈاکٹر سید قاسم جلال

کوثر کی حلاوت ہے مری تِشنہ لبی میں
مصروف ہوں میں مدحِ رسولِ عربیؐ میں

تنہائی میں دم ساز ہے اس مہ کا تصوّر
کیوں موجِ ضیا ہو نہ مری تیرہ شبی میں

ہے حُسن بھی، اخلاق بھی، رحمت بھی، کرم بھی
مکّی، مدنی، ہاشمی و مطلبی میں

ہر ذرّہ نظر آتا ہے خورشید بداماں
جلوے ہیں عجب سے مرے آقا کی گلی میں

ہر حُسن کا محور ہے وہ اک ذاتِ مقدّس
ہر علم کا جوہر ہے اک اُمّی عربی میں

کس آنکھ نے دیکھا ہے کوئی آپ کا ہمسر
کس کو ہے کلام آپ کی عالی نسبی میں

محمد اعظم چشتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

وتر

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نماز وتر فرض نماز کی طرح لازمی نہیں ہے۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مقرر فرمایا ہے (یہ سنّت ہے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے۔لہٰذا اے اہلِ قرآن! تم وتر پڑھا کرو۔" (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔)

فوائد ومسائل :

1- وتر، طاق عدد کو کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ طاق ہے،کا مطلب ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یکتا ہے،اس کا کوئی ثانی نہیں۔ صلاۃ الوتر کو بھی اسی لیے وتر کہا جاتا ہے کہ وہ ایک، تین، پانچ یا سات وغیرہ طاق عدد میں ادا کی جاتی ہے۔اسے دو، چار، چھ، آٹھ وغیرہ جفت اعداد میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔

2-اس سے معلوم ہوا کہ وتر فرض وواجب نہیں ہے سنّت موکدہ ہے، تاہم اس میں تساہل وتغافل صحیح نہیں کیونکہ سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیے۔

3- صحابہ کو اہل قرآن فرمایا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث کو نہ مانتے تھے بلکہ اہل قرآن کا مطلب شریعت اسلامیہ کے پیروکار ہیں اور شریعت قرآن وحدیث دونوں کے مجموعے کا نام ہے نہ کہ حدیث کے بغیر صرف قرآن کا' جیسا کہ آج کل قرآن کے ماننے کا دعوے دار ایک گروہ کہتا ہے۔ یہ گروہ حدیث کا منکر ہے، اس لیے حقیقت میں وہ قرآن کا بھی منکر ہے، کیونکہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھا جاسکتا ہی ہے نہ اس پر عمل ہی کیا جاسکتا ہے۔

وتر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں نماز وتر پڑھی ہے: رات کی ابتدا میں، اس کے درمیان میں اور اس کے آخر میں۔اور (آخر کو) آپ کی نماز وتر سحر (صبح) تک پہنچ گئی۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ :اس میں نماز وتر کے وقت کا بیان ہے کہ اس کا اول وقت عشا کی نماز کے فوراً بعد اور آخری وقت صبح صادق ہے۔گویا عشا سے لے کر طلوع فجر تک وتر پڑھے جاسکتے ہیں۔

رات کی آخری نماز

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔"
(بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل :

اس حدیث سے بعض علماء نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر ادا کرنے کے بعد نفل نماز پڑھنی جائز نہیں کیونکہ آپ نے وتر کو سب سے آخری نماز بنانے کا حکم دیا ہے۔لیکن امام نووی اور دیگر بعض علماء نے اس حکم کو وجوب کے بجائے استحباب پر محمول کیا ہے کیونکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنے کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود ہے۔اس لیے اس حدیث کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے لیکن اگر کوئی وتر کے بعد دو نفل پڑھنا چاہے تو جائز ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شیخ البانی رحمتہ اللہ نے ابن خزیمہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص وتر کے بعد دو رکعت پڑھ لے تو یہ قیام اللیل کی طرح ہو جاتا ہے۔
اس کے بعد لکھا ہے کہ میں وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کے بارے میں مدت تک توقف کا شکار رہا۔ لیکن اس روایت سے مطلع ہونے کے بعد میں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وتر رات کے آخری حصے میں پڑھنے بہتر ہیں۔ لیکن یہ بھی اس شخص کے لیے ہے جو قیام اللیل (نماز تہجد) کا عادی ہو، ورنہ عام لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے ساتھ ہی آخر میں ادا کریں۔

صبح ہونے سے پہلے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''صبح کرنے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔'' (مسلم)

فائدہ : اس میں بھی صبح صادق سے پہلے پہلے وتر ادا کر لینے کا حکم ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رات کی نماز (تہجد) پڑھتے تھے جب کہ وہ (حضرت عائشہ) آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھیں۔ جب آپ کے وتر باقی رہ جاتے تو آپ انہیں بھی جگا دیتے اور وہ وتر پڑھ لیتیں۔ (مسلم)
اور مسلم کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے:
جب آپ کے وتر باقی رہ جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔
''عائشہ! اٹھو اور وتر پڑھ لو۔''
فوائد و مسائل :
اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے قبلہ رخ کوئی سویا ہوا ہو تو نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح گھر والوں کو رات کی نفلی نماز وغیرہ کے لیے اٹھانا مستحب ہے۔ نیز رات کو آخری حصے میں اٹھ کر صرف وتر بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔

افضل وقت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری پہر کو نہیں اٹھ سکے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ رات کے اول حصے میں وتر پڑھے۔ اور جس کو رات کے آخر میں اٹھنے کی امید ہو تو وہ رات کے آخر میں وتر پڑھے۔ اس لیے کہ رات کے آخری پہر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور یہ افضل بات ہے۔'' (مسلم)
فائدہ : جس کو امید ہو، کے معنی ہیں کہ اپنی عادت یا کسی جگانے والے شخص یا آلے (الارم وغیرہ) کی وجہ سے قوی امید، یعنی یقین ہو کہ وہ رات کے آخری پہر میں اٹھ جائے گا، اس کے لیے وتر رات کے آخر میں ادا کرنے بہتر ہیں، بصورت دیگر اول وقت میں۔

نماز چاشت کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ۔
''مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے، چاشت کی دو رکعتیں اور سونے سے پہلے وتر ادا کرنے کی وصیت فرمائی۔ (بخاری و مسلم)
فوائد و مسائل:
1- سونے سے پہلے وتر کی ادائیگی صرف اس شخص کے لیے مستحب ہے جو رات کے آخری حصے میں اٹھنے کے بارے میں اپنے آپ پر اعتماد نہیں کرتا۔ اگر اسے اعتماد ہو تو پھر رات کا آخری حصہ افضل ہے۔
2- وصیت سے مراد تلقین و تاکید ہے کیونکہ فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام عنداللہ قرب خصوصی کا باعث ہے۔ تین دن سے مراد کوئی سے بھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تین دن ہو سکتے ہیں لیکن ایام بیض (یعنی قمری مہینے کی 13، 14 اور 15 تاریخ) مراد لی جائے تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ان ایام میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزے رکھتے تھے۔

3-اس سے چاشت کی نماز اور وتر کی اہمیت، نیز نیکی کے کاموں کی تلقین وترغیب کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

صدقہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے ہر آدمی اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے ذمے اس کے ہر جوڑ پر صدقہ ہوتا ہے۔ پس ہر ایک بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر بار الحمد اللہ کہنا صدقہ ہے۔ ہر مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر مرتبہ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ان کے مقابلے میں چاشت کی وہ دو رکعتیں بھی کفایت کر جاتی ہیں جنہیں کوئی آدمی ادا کرتا ہے۔'' (مسلم)

فوائد ومسائل:

1-ہر جوڑ پر صدقہ ہے، کا مطلب ہے انسان جب صبح اٹھتا ہے تو ہر جوڑ کی سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ اللہ کی تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل کا اہتمام کرے، کیونکہ مذکورہ کلمات تسبیح وتحمید کی ایک ایک مرتبہ ادائیگی ایک ایک صدقہ ہے۔

2-ہر انسان کے جسم میں 360 جوڑ ہوتے ہیں، اتنی تعداد میں ہر انسان کو ضرور تسبیح وتحمید کا اہتمام کرنا چاہیے، علاوہ ازیں کسی کو نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے اور انسان اگر چاشت کی دو رکعتیں ادا کرلے تو تمام جوڑوں کی طرف سے صدقہ ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی چاشت کی نماز کی اہمیت وفضیلت واضح ہے۔

3-نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ صرف مال خرچ کرنے ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ صدقے کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے اور وہ نیکی کی مذکورہ تمام صورتوں پر مشتمل ہے۔

چاشت کی رکعات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور جو اللہ چاہتا، زیادہ بھی ادا کر لیتے تھے۔ (مسلم)

فائدہ: آپ کا زیادہ معمول چار رکعات کا تھا لیکن کبھی زیادہ بھی پڑھ لیا کرتے تھے، چنانچہ دوسری روایات میں یہ تعداد 8 رکعات تک بیان ہوئی ہے۔ یعنی دو، چار اور آٹھ رکعتیں حسب توفیق وگنجائش پڑھی جاسکتی ہیں۔

حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔

''میں فتح مکہ والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئی تو میں نے آپ کو غسل فرماتے ہوئے پایا۔ جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔ اور یہ چاشت کا وقت تھا۔ (بخاری ومسلم)

اور یہ الفاظ مسلم کی روایات میں سے ایک روایت کا اختصار ہیں۔

فوائد ومسائل:

اس میں آٹھ رکعات کی تعداد کا ذکر ہے اور دوسری روایات میں صراحت ہے کہ یہ آپ نے 2، 2 رکعت کر کے ادا فرمائیں۔ چاشت کا وقت کون سا ہے؟ اور چاشت اور اشراق کی نماز ایک ہی ہے یا یہ الگ الگ ہیں؟ ان دونوں باتوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک چاشت (ضحیٰ) اور اشراق ایک ہی نماز کا نام ہے جو سورج نکلنے کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں: صلاۃ الضحیٰ کا اول وقت، طلوع شمس کے فوراً بعد ہے اور اس کا آخری وقت زوال سے کچھ پہلے تک ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اول وقت پڑھی گئی نماز کو اشراق اور آخری وقت میں پڑھی گئی کو چاشت کی نماز کہا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ایک نیزے کے برابر سورج بلند ہونے پر دو رکعت نماز، اشراق کی نماز ہے اور جب سورج پھیل جائے اور آسمان کے چوتھائی حصے تک ہو جائے تو اس وقت چار رکعت چاشت کی نماز ہے۔

تحیۃ المسجد

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔'' (بخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دو رکعتیں پڑھو۔'' (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل:

1- دونوں حدیثوں میں دو رکعت پڑھنے کی تاکید ہے (یہ کم از کم تعداد ہے ورنہ دو دو کر کے جتنے نوافل انسان پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے۔) علاوہ ازیں امام نووی رحمتہ اللہ کی تبویب کی رو سے آنے والا اگر (فوت شدہ) فرض نماز یا سنت راتبہ پڑھے گا، تب بھی وہ کراہت کے حکم سے بچ جائے گا۔

2- بعض علماء کے نزدیک مذکورہ احادیث میں امر وجوب کے لیے ہے، اس لیے ان کے نزدیک تحیۃ المسجد واجب ہے، جب کہ دوسرے علماء نے اس امر کو استحباب کے لیے قرار دیا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک یہ مستحب ہے۔

3- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہتمام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ترک نہیں کرنا چاہیے لیکن افسوس کہ آج ان دو رکعتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی جو سراسر غفلت اور سنت نبوی کو درخور اعتنا نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔

وضو کے بعد دو رکعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے بلال! مجھے تم اپنا وہ عمل بتلاؤ جو تم نے اسلام میں سب سے زیادہ امید والا کیا ہے۔ اس لیے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے۔''

انہوں نے جواب دیا: ''میں نے کوئی عمل اپنے نزدیک اس سے زیادہ امید والا نہیں کیا کہ میں نے رات یا دن کی جس گھڑی میں بھی وضو (یا غسل) کیا تو اس کے ساتھ، جتنی نماز میرے مقدر میں تھی، میں نے ضرور پڑھی۔'' (بخاری ومسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

فوائد ومسائل:

1- طہور کا لفظ وضو، غسل اور تیمم تینوں کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ تینوں طریقوں سے شرعی طہارت حاصل ہو جاتی ہے جس کے بعد نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ دن رات کی جس گھڑی میں بھی حضرت بلال وضو، یا غسل کرتے تو کچھ نفل نماز ضرور پڑھتے۔ اور بعض دوسری روایات میں صراحت ہے کہ دو رکعت پڑھتے اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل بہت پسند آیا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی جس کا مشاہدہ خود نبی صلہ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

2- جنت کا یہ مشاہدہ آپ کو معراج کے موقع پر حاصل ہوا، یا خواب میں کشف کے طور پر آپ کو کرایا گیا، بہرحال اس سے تحیۃ الوضو کی فضیلت واضح ہے۔

3- بعض علماء کے نزدیک اوقات مکروہہ میں بھی تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کے نفل پڑھنے جائز ہیں، کیونکہ آپ کا حکم عام ہے، جب کہ دوسرے علماء اس عموم میں ان احادیث سے تخصیص کے قائل ہیں جن میں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نفلی نماز پڑھنے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص مکروہ اوقات میں مسجد میں آ کر تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھتا ہے تو دوسرے فریق کو اس میں تشدد نہیں کرنا چاہیے۔

جمعہ کے دن کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''پھر جب (جمعے کی) نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (الجمعہ۔10)

فائدہ آیت: آیت میں نماز جمعہ سے فراغت کے بعد اپنی حاجات کے لیے اور تجارت و کاروبار کے ذریعے سے اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین میں پھیل جانے کا حکم دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں یہ حکم نہیں ہے کہ جمعے کے دن تم اپنا کاروبار یکسر بند رکھو بلکہ نماز جمعہ سے قبل اور اس کے بعد دنیوی معاملات اور کاروبار میں حصہ لینے کی اجازت و صراحت فرما کر واضح کر دیا کہ صرف نماز اور خطبے کے وقت کاروبار بند رکھو، سارا دن چھٹی کرنا ضروری نہیں ہے۔

سب سے بہتر دن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، جمعے کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم کو پیدا کیا گیا، اسی میں وہ جنت میں داخل کیے گئے اور اسی میں ان کو اس (جنت) سے نکالا گیا۔'' (مسلم)

فائدہ: اس میں جمعے کے دن کی فضیلت کا بیان ہے، علاوہ ازیں اس میں بڑے بڑے امور سر انجام پائے، اس سے بھی اس کی فضیلت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

گناہوں کی معافی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے وضو کیا اور اچھے طریقے سے وضو کیا، پھر جمعہ پڑھنے کے لیے آیا اور کان لگا کر (خطبہ) سنا اور خاموش رہا، تو اس کے اس جمعے سے دوسرے جمعے تک کی درمیانی مدت اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اور جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کام کیا۔'' (مسلم)

فوائد و مسائل:

1- اچھے طریقے سے وضو کرنے کا مطلب، سنت کے مطابق وضو کرنا ہے، یعنی اس میں اسراف اور حد سے تجاوز نہ ہو۔ ہر عضو کو زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھوئے، پانی ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے اور کوئی جگہ خشک نہ رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر سے وضو کر کے مسجد میں آنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

2- دس دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے۔ گناہ سے صغیرہ گناہ مراد ہیں، ورنہ کبیرہ گناہ خالص توبہ کے بغیر اور حقوق العباد سے متعلق گناہ ان کی تلافی اور ازالے کے بغیر معاف نہیں ہوں گے۔

3- خطبے کو خاموشی اور توجہ سے سننا چاہیے۔ تنکوں اور کنکریوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف نہ ہوا جائے، یہ ایک لغو اور بے فائدہ کام ہے بلکہ آداب خطبہ کے منافی ہونے کا باعث سراسر گناہ ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

آسیہ ملازم حسین

''سب سے پہلے لاکھوں، کروڑوں بار اس بابرکت ذات کا شکر واجب الادا ہے، جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا ہے۔ اسے شعور و آگاہی دی، اچھے، برے کی تمیز میں فرق کرنا سکھایا ہے۔ جس نے ہمیں قرآن پاک جیسا عظیم نسخہ ہائے زندگی عطا کیا ہے۔'' اب آتے ہیں سوالات کی جانب، تو جناب پہلا سوال۔

س:۔ ''شادی کب ہوئی؟''

ج:۔ ''ہماری شادی 20 نومبر 2011ء کو بخیر و خوشی انجام پائی۔ موسم بہت اچھا تھا اور اتوار کا دن تھا، بلکہ ہم تین کزنز کی شادی اکٹھے ایک دن ہوئی اور ماشاء اللہ سے سارا خاندان موجود تھا۔ اس لیے بہت مزا آیا اور سب نے خوب انجوائے کیا۔

س:۔ ''شادی سے پہلے مشاغل و دلچسپیاں؟''

ج:۔ ''شادی سے پہلے تو بہت سی دلچسپیاں اور مشاغل تھے۔ جیسے کہ پابندی سے صوم و صلوٰۃ اپنی درسی کتابیں، چونکہ میں بی۔ ایڈ ریگولر کر رہی تھی، میرے پریکٹیکل جب ہوئے ان دنوں میں میرے دن رکھے گئے تھے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم تھا بھی اور ہے بھی، تو سب کے ساتھ گپ شپ، کسی پہ تنقید، تو کسی کی تعریف، کچن، صفائی ستھرائی، اس طرح کے مشاغل، سب سے اہم کام ڈائری لکھنا اور پھر اپنی شاعری لکھنا، بلکہ سب سے زیادہ وقت اپنی خود ساختہ کہانیاں لکھنا اور انہیں پڑھ کر پھر جلا دینا کہ کہیں ابو کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ کیوں کہ میں بلوچ فیملی سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ اپنے اصول و ضوابط میں بہت سخت ہوتی ہے، لیکن اب کچھ لچک آ گئی ہے، اس لیے تو مابدولت کھلم کھلا لکھ رہی ہیں۔ زندگی پہلے بھی بہت پیاری اور حسین تھی اور اب بھی ویسی ہے۔ (الحمدللہ)

س:۔ ''رشتے میں مرضی شامل تھی یا بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟''

ج:۔ ''کیا پوچھا آپ نے کہ اپنی مرضی، نا بابا نا! ابھی ہم اول کلاس کا قاعدہ دکان سے نیا لے کر آئے اور میرے کزن (جو کہ میرے منگیتر کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے۔) نے کہا۔ ''دکھانا'' تو قریب کھڑی میری کزن نے کہا کہ ''آپ لوگ آپس میں بات نہ کریں، اب آپ دونوں کی منگنی ہو چکی ہے۔'' (ہے نا انٹرسٹنگ بات) بس جی...... اللہ نے دل بہت اچھا اور بڑا دیا ہے کہ ہر فیصلے پر سر خم تسلیم کیا ہے، اس لیے الحمدللہ کامیاب زندگی کے لطف لے رہے ہیں۔ ہم بلوچ ہیں تو ہماری روایات میں یہ بات شامل ہے کہ بچوں کو بچپن میں ہی منسوب کر دیتے ہیں، تاکہ شرعی پردہ حائل رہے، (ماشاءاللہ) ابھی اسلامی روایات ہمارے خاندان کا حصہ ہیں۔ اور اللہ کرے ہمیشہ رہیں۔ ہماری شادی بھی بہت سادہ اور پروقار انداز میں ہوئی۔ ہم لوگ دکھاوا، نمود و نمائش کو اہمیت نہیں دیتے، بلکہ ہمارے خاندان کا خاصہ تعلیم اور سادگی ہے اور جسے ہم ہر قدم پر مقدم رکھتے ہیں۔

س:۔ ''ذہن میں جیون ساتھی کا تصور تھا کیا؟''

ج:۔ (آپ کس جیون ساتھی کی بات کر رہی ہیں۔) ''ہم بچپن میں ایک ساتھ کھیلے ہیں، بلکہ آپس میں لڑتے ہوئے سارا بچپن گزارا ہے، بلا جواز لڑائیاں جہاں ہوں، وہاں کوئی خاص جذبات نظر نہیں آتے۔ اس لیے ایک دوسرے کے بارے میں جاننے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا، مجھے نہیں تھا، اور ان کا پتا نہیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کچھ شروع دن سے پڑھائی میں مگن ہوئے، تو رخصتی سے کچھ دن پہلے، کیا بلکہ مینڈھی میں بیٹھی ہوئی تھی، اپنا ایم اردو کا ایڈمیشن لیا۔ (عام لوگ مایوں یا تیل کہتے ہیں اور ہم مینڈھی کہتے ہیں۔) اس لیے کتابیں پڑھنا، لکھنا اپنا اوڑھنا بچھونا تھا تو ایک دوسرے کے بارے میں سوچنا ذرا دور نظر آتا ہے۔ شادی کے بعد نظریات بالکل تبدیل ہوگئے اور محبت بھرے حالات ہوگئے، ایسے جیسے تیز آندھی وطوفان کے بعد، دلوں کو پرسکون کر دینے والی ہوا چلتی ہے۔ تو

میرے شوہر نامدار بھی بہت محبت کرنے والے، بچوں کا خیال رکھنے والے ثابت ہوئے ہیں۔ وہ مجھ سے ایک سال چھوٹے ہیں لیکن میں ان کی فہم وفراست کی بنا پہ انہیں کہتی ہوں کہ ''آپ ایک نہیں، بلکہ مجھ سے دس سال بڑے ہیں۔'' اللہ ہم دونوں کو مزید خوشیاں، محبتیں اور اپنی نعمتیں عطا فرمائے۔ (آمین ثمہ آمین)

س:۔ ''منگنی کتنا عرصہ رہی؟ شادی سے پہلے ملاقات وغیرہ؟''

ج:۔ ''اول کلاس سے لے کر بی۔ایڈ تک منگنی رہی اور پھر ہماری شادی ہوگئی۔ ملاقات وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ ہم شرعی پردہ سختی سے کرتے ہیں۔ ویسے ہم کلاس فیلو رہ چکے ہیں اور کتابیں وغیرہ دوسرے کزنز کے ذریعے ایک دوسرے سے منگواتے اور تبدیل کرتے رہتے تھے۔ بلکہ وہ تو اپنی امی یا بہنوں سے لڑ پڑتے تھے کہ میری کتاب اس (چڑیل) کو کیوں دی ہے۔ بے شک پڑھنا نہ ہوتا تھا اور میں بھی تو پکی تھی، جلدی سے نوٹ بک پہ اتار لیتی تھی، وہ جن صاحب اب نہیں تو تب جھنگھاڑنے والے تھے۔

اور بھی بچپن کے دکھی واقعات ہیں، جن کو سناؤں تو آپ شاید میرے دکھ میں شامل ہونے کے بجائے (کھی، کھی، کھی) کرنے لگیں۔ جیسے کہ ہم سارے کزنز اکٹھے کھیلتے تھے تو کرکٹ میچ بھی ہم اکٹھے ہی کھیلتے تھے۔ جب کیا بلکہ اکثر ہم دونوں آمنے سامنے آجاتے تھے تو جلدی سے نظریں خود بخود نیچی ہوجاتی تھیں اور گیند بھی اندھوں کی طرح پھینکتی، یہ نہیں دیکھنا کہ منہ پہ لگی، سر پہ لگی یا ناک پہ لگی ہے۔ بس جوش اور جنون میں کھیلنا اور گیندیں لگوا لگوا کر اپنا نقصان کرنا، پھر کئی دن تک نظر نہ آنا۔ یہ تھیں ہماری ملاقاتیں، نہیں بلکہ ازلی دشمنی (جو کہ اب دائمی محبت کے مرض میں تبدیل ہوگئی ہے۔)

سوال:۔ ''شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں خیال؟''

ج:۔ ''دراصل ایک ہی گھر میں پلے بڑھے ہیں، تو ایک دوسرے کی عادات و اطوار سے خوب واقفیت کی بنا پر اچھی گزر رہی ہے۔ ایک والدین پیچھے چھوڑ کے آئے ہیں تو دوسرے والدین کی چھاؤں اللہ نے نصیب میں کی ہے۔ الحمدللہ...... گلے شکوے کرنے نہیں آتے اور نہ ہی کبھی کیے ہیں۔ جب دوسری بہنوں کے بارے میں اس طرح کا پڑھتی ہوں تو بہت افسوس ہوتا ہے۔ کیا ہمارے والدین نے ہماری تربیت اس انداز سے نہیں کی کہ ہم چھوٹے بڑے، اچھے، برے کی تمیز کرسکیں۔ میری استدعا ہے کہ بہوئیں بیٹیاں، سسرال کو بھی اپنا گھر سمجھیں، خوش ہو، ہوکر کام کریں، بزرگوں کی خدمت کرکے دعائیں لیں، فارغ اوقات میں قرآن پاک ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پڑھا کریں۔ ان شاءاللہ آپ کے دکھ، سکھ میں بدل جائیں گے۔ اس لیے شوہر کی اطاعت شعار اور وفا شعار بنیں۔ جھوٹ کے گلے شکوے تو پھر اپنے ہی گھر ڈاکا ڈالنے والی بات ہوئی نا! ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو چیز آپ کے نصیب میں رب تعالیٰ نے لکھی ہے، وہ آپ کو ہر حال میں مل کے رہے گی، بے شک۔

س:۔ ''شادی کے لیے تعلیم کی قربانی دینی پڑی؟''

ج:۔ ''نہیں ایسی بات نہیں ہے، شادی کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بعد جب تک فارغ رہی ہوں تو تعلیمی سلسلہ جاری رکھا، اب اپنے جگر گوشوں کی خاطر کچھ دنوں کے لیے تعلیم سے چھٹی لے لی ہے۔ لیکن ترجمہ و تفسیر سے نہیں لی۔ ماشاء اللہ میرے دو بیٹے ہیں۔ محمد عثمان غنی اور محمد سلمان فارسی۔ ابھی چھوٹے ہیں، وہ کچھ سمجھ دار ہو جائیں تو ان شاء اللہ باقاعدہ پھر سے میدان علم میں کیل کانٹوں سے لیس ہو کر کود پڑیں گے، ان شاء اللہ ایم۔ فل اور پی ایچ ڈی میرا مقصد ہے اور میں انہیں ہر حال و صورت میں حاصل کر کے رہوں گی۔ (آمین ثم آمین)

س:۔ ''شادی بخیر و خوبی ہوئی، یا کوئی بدمزگی ہوئی؟''

ج:۔ ''شادی کا مطلب ''خوشی'' ہے تو ظاہری بات ہے کہ ہماری شادی بھی بخوشی ہوئی۔

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہیز وغیرہ جیسی بری لعنتوں سے بچایا ہوا ہے۔ ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ہر خوشی دے سکے، میرے خیال میں سب سے بڑی خوشی والدین کی دعائیں اور رضا ہے۔ ہمارے خاندان میں، لین دین نہیں ہوتا، والدین اور سسرال اپنی خوشی سے بساط بھر لے آتے ہیں۔ میں کیوں کہوں کہ میری بری میں فلاں چیز تھی اور فلاں نہیں تھی یا جہیز میں کمی تھی۔ بس جو اور جیسا میرے نصیب میں تھا وہ مجھے مل گیا۔

س:۔ ''شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟''

ج:۔ ''میری آنکھیں خرید و گے۔'' مجھے کہا تھا شاید یا خود ہی پڑھ رہے تھے۔ (بھئی ہم تو اس خوش

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ہم سے ہی مخاطب تھے۔) انہیں پتا تھا کہ میں چھپکلی سے ڈرتی ہوں، وہ ایک عدد نقلی چھپکلی ساتھ لیے پھرے اور مجھے ڈرانے کی کوشش کی، تو میں نے جلدی سے اوپر شیلفوں میں پھینک دی۔ آخر شادی کے بعد بندے میں کچھ تبدیلی آ تو جاتی ہے نا، جیسے کہ میں بہادر خان بن گئی اور اپنی طرف دشمن کا اٹھنے والا کاری وار اکیلی ناتواں بلکہ نئی نئی دلہن نے زور سے دور پھینکا۔ (بلے بھئی بلے)

س:۔ ''کچھ تبدیلیاں؟''

ج:۔ ''جی بالکل، جب انسان کا نام بدل جائے، کام، گھر، رہن سہن تو پھر تبدیلیاں تو لازمی جز ہیں نا۔ فرشتہ تھوڑی ہوں، ہر غلط کام سے ٹھیک کام نکالا ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ وقت سب سے بڑا استاد ہے۔ میں پہلے اتنی سوشل نہیں تھی، اب ہوتی جا رہی ہوں، اب زندگی میں غصہ کی آمیزش بھی ہوتی ہے، محبتوں کے پھول ہر لمحہ تھوڑی کھلتے ہیں۔ آخر موسم بدلتا رہتا ہے۔ حالات و واقعات انسانی زندگی پر بڑا اثر رکھتے ہیں۔''

س:۔ ''شادی کے کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟''

ج:۔ ''لو جی، پھر الٹا سوال، تو جناب جی ہم ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں تشریف لے گئے، یعنی ہمارا ایک ہی بڑا گھر ہے، جس میں سب امن و سکون سے رہتے ہیں اور میری شادی بھی میرے تایا زاد سے ہوئی ہے۔ اس لیے یہ تکلفات و آداب ملحوظ خاطر رکھے گئے، یعنی شادی کے تین دن بعد تمام رسوم سے فارغ ہو کر ہم نے کام سنبھالنا شروع کر دیا، تو ان کاموں میں سارے کام بمعہ چارہ لانا تک شامل ہیں۔ الحمدللہ میں خود پڑھی لکھی اور باشعور تھی، کام کرنے سے انسان صحت مند اور چاق و چوبند رہتا ہے۔ ویسے بھی مجھے اچھا نہیں لگتا کہ انسان اندر سے کچھ ہو اور باہر سے کچھ ہو، اس لیے پوری ایمان داری سے اپنی بساط کے مطابق گھر کا کام بھی کرتی ہوں اور باہر کا بھی۔ باقی اللہ تعالیٰ ہمت اور صحت عطا کرے۔ (آمین)

س:۔ ''کیا میکے اور سسرال کے کھانے پکانے میں انداز اور ذائقے مختلف محسوس ہوئے؟''

ج:۔ ''جی بالکل، فرق تو پھر ہوتا ہی ہے نا، امی کے گھر جو مرضی بناؤ، بلا جھجک ہر کام ہوتا تھا، لیکن اپنے گھر پھر سب کی مرضی کو شامل کرنا پڑتا ہے۔ میرے والدین اور ہم سب بہن، بھائی خاصے خوش خوراک واقع ہوئے ہیں اور ویسے بھی مجھے نئی نئی ڈشز ٹرائی کرنے کا شوق ہوتا تھا تو سب کچھ اپنی مرضی سے چلتا تھا۔ یہاں بھی سب ٹھیک ہے۔ کبھی مرچ کم اور نمک تیز تو ہو ہی جاتا ہے۔''

س:۔ ''سسرال والوں نے آپ کو وہ مقام دیا جو آپ کا حق تھا؟''

ج:۔ ''بالکل گھریلو امور میں ہر لحاظ سے حصہ ڈالنا پڑتا ہے، بلکہ رائے ضرور لی جاتی ہے۔ خاندانی معاملات تو پھر گھر کے سربراہ مرد حضرات ہی سنبھالتے ہیں۔ مرد اور عورت میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو وزیر بنایا ہے تو عورت کو اس کا مشیر مقرر کیا ہے۔''

''س:۔ ''سسرالیوں سے وابستہ توقعات؟''

ج:۔ ''اب ہر وقت والدین تھوڑی ساتھ ہوتے ہیں، جب لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے تو یوں سمجھیں وہ پورے وثوق سے دوسروں کی ہو جاتی ہے۔ ایسے میں ہر اچھا، برا فعل بھی سسرالیوں کے سر آتا ہے۔ میری بھی توقعات تھیں جو کہ کچھ پوری ہوئیں اور کچھ ابھی باقی ہیں، وقت کا پہیہ کبھی رکتا نہیں، اسی طرح انسانی ضروریات بھی بدلتی رہتی ہیں اور یہ سب ضرورتیں تو پھر اپنے گھر والے ہی پوری کرتے ہیں۔ کبھی کسی سے اتنی وابستگی نہیں رکھی کہ اس کے سہارے پہ جینے کا بھی سوچ لیں۔ جیسے ''جتنا گڑ، اتنا میٹھا۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سوال :۔ ''بچوں کی پیدائش؟''

ج :۔ ''واہ سبحان اللہ! تخلیق کی صفت اللہ کی ذات کی ہے، لیکن اس نے عورت کو بھی اس صنعت میں شامل کرکے اس کے پیروں کے نیچے جنت رکھ دی۔ (ماشاء اللہ، سبحان اللہ) ماں بننا آسان کام نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس عہدے پر فائز کردیا ہے تو ہمت وجرات بھی وہی ذات عطا کرنے والی ہے۔ اسی طرح ہر ماں کی طرح میری حالت بھی بہت غیر رہتی تھی۔ شکر ہے کہ میرے شوہر نے میرا خیال رکھا، دوائی، چیک اپ، خوراک وغیرہ ہر طرح سے میری ساس، نندیں بھی میرا خیال رکھتی تھیں، ادھر امی کے گھر تو پھر موجیں ہی موجیں ہوتی ہیں۔ میری ڈلیوری بہت مشکل اور پیچیدہ ہوئی ہے، شکر ہے کہ میرے سسرال والے اور میرے شوہر بڑے نجی ہسپتال لے گئے اور نشے کی حالت میں نارمل ڈلیوری کروائی، جو کہ بہت مہنگی ہوتی ہے۔ (ماشاء اللہ) اللہ نے مجھے بیٹا عطا کیا، میرے سسرال والے، میکے، سب بہت خوش تھے اور ابھی تک ہیں۔ اب ماشاء اللہ میرے دو بیٹے ہوگئے ہیں۔ اللہ انہیں تندرستی، صحت اور کامیابی عطا کرے اور انہیں ہمارا فرماں بردار بنائے۔ میں تو

ہر نماز میں صرف ایک ہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ سائیں، ہم میاں، بیوی کو اپنی اولاد کی قرآن وسنت کے مطابق تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

س :۔ ''جوائنٹ فیملی سسٹم یا علیحدہ رہنا؟''

ج :۔ ''ہم نے آنکھ ہی جوائنٹ فیملی میں کھولی ہے، تو اب عادت ہوگئی ہے سب کے ساتھ اکٹھے رہنے کی۔ جوائنٹ سسٹم کی بہت سی خوبیاں ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی ہیں۔ جیسے عزت نفس اور تخلیقی احساس آہستہ آہستہ دوسروں یعنی بڑوں کی اجارہ داری سے مرجاتے ہیں اور نئی نئی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ وقت اور حالات کے ساتھ سب تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اب ہم اکٹھے ہیں، تو آگے پتا نہیں کیا حالات ہوتے ہیں۔ اس لیے ''تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔''

س :۔ ''سسرال کے ماحول کو تبدیل کرنے کی کوششیں؟''

ج :۔ ''چونکہ ہم رشتے باہر نہیں کرتے، بلکہ اپنوں کو ہی اولین ترجیح دیتے ہیں تو اس لیے ہمارے خاندان کی عورتیں آپس میں کزنز ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی، بہت کچھ سیکھتی ہیں اور اوپر سے ماشاء اللہ سب کے بچے بہت اعلا عہدوں پر فائز ہیں، تو پڑھی لکھی اولاد کی ان پڑھ مائیں بہت باشعور، انگلش کے حروف اور اب تو اردو بھی روانی سے بول لیتی ہیں۔ اسی طرح میں بھی اسی خاندان کا فرد ادنیٰ ہوں تو جب میری شادی ہوئی تو ہمارے گھر میری دو چھوٹی نندیں اور چھوٹے دیور تھے، لیکن میں تو ان کے درمیان دوستوں کی طرح رہی۔ ہر اچھی، بری بات ان سے شیئر کی اور انہوں نے بھی بڑی بہنوں اور دوستوں والا حساب رکھا۔ میری نندیں ابھی چھوٹی تھیں، تو انہیں ہر اچھے، برے کام کی نوعیت سمجھائی، تو وہ سمجھتی چلی گئیں۔ بہت اچھی ہیں وہ اب تو بڑی ہوگئی ہیں اور میرے دیور ماشاء اللہ سے یونی ورسٹیوں میں ہوتے ہیں۔ بہت قدر دان ہیں وہ سب۔ میرے چھوٹے دیور کی شادی کی، ان کی وائف بھی بہت کوآپریٹو اور اچھی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اسی طرح ہمارے گھر شادو آباد رکھے۔ (آمین)

آخر میں ان لڑکیوں سے استدعا ہے زندگی اسی کا نام ہے۔ اگر فرش زیادہ چکنا اور چمکیلا ہوگا تو پھسلن ضرور ہوگی، سو تھوڑا سا کھردرا پن ضرور ہونا چاہیے، تا کہ بہ آسانی گزرا جاسکے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بندھن

شگفتہ یاسمین ہمراہ ڈاکٹر شاہد

شاہین رشید

خوب صورت آواز' خوب صورت لب ولہجہ اور خوب صورت خدوخال' یہ ذکر ہے شگفتہ یاسمین کا جو ایف ایم 101 کی آر جے ہیں اور اس بار ہمارے "بندھن" کی مہمان ہیں۔

"کیا حال ہے آپ کا؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"کتنے سال ہوگئے شادی کو اور ماشاء اللہ سے کتنے بچے ہیں۔ میاں صاحب کیا کرتے ہیں؟"

"میری شادی 5 اکتوبر 2012 کو ہوئی' فی الحال بچے نہیں ہیں اور میاں صاحب ڈاکٹر ہیں اور ان کا نام "شاہد" ہے۔ اور جناب ہماری لو میرج تھی۔"

"میاں صاحب سے شادی سے پہلے کیا ریلیشن تھا۔ کزن تھے یا رشتے دار تھے۔"

"کوئی رشتے داری نہیں تھی۔ ہمارے ایک مشترکہ دوست تھے' ان کے ذریعے سے ملاقات ہوئی۔ "شاہد' فٹنیس ٹرینر" ہیں تو اس سلسلے میں ان سے ملاقات ہوئی۔ پھر میں ان کی اسٹوڈنٹ بنی' ہم دونوں کام کررہے تھے اور کام کے دوران ہی انڈر اسٹینڈنگ ہوئی اور پھر بات شادی پہ آکے رکی۔"

"منگنی کتنا عرصہ رہی؟ اور منگنی کے بعد ملاقات میں کوئی پابندی لگی؟"

"منگنی ایک ماہ رہی اور 29 جولائی 2011 کو اور منگنی کے بعد میل ملاپ پہ کوئی پابندی تو نہیں تھی' مگر پھر بھی میرے والد صاحب نے کہا کہ منگنی تو ہوہی گئی ہے اور آپ دونوں ایک دوسرے سے مل

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بھی رہے ہیں' ایک ساتھ آ جا بھی رہے ہیں تو بہتر ہے کہ اس رشتے کو مضبوط کرلیں اور نکاح کرلیں تا کہ میں ٹینشن فری ہو جاؤں۔ آبا کی بات سب کو پسند آئی اور ایک ماہ کے اندر اندر ہمارا نکاح ہو گیا یعنی 9 ستمبر 2011 کو عید کے فوراً بعد۔"

"شادی کر کے شہر بدر ہوئیں؟ شادی دھوم دھام سے ہوئی؟"

"نہیں۔ شہر بدر نہیں ہوئی۔ میرے میاں صاحب کراچی میں ہی رہتے ہیں تو کہیں جانا نہیں پڑا۔ اور شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ مطلب ہم نے اپنے طور پر بہت ہلا گلا کیا۔ میرے کزنز بہت خوش تھے، اور ان کی فیملی بھی بہت خوش تھی، تو "مایوں" کی رسم بھی ہوئی۔ مہندی نہیں کی...... مایوں میں "رت جگا" تھا۔ دوسرے دن نکاح ہوا' رات کو استقبالیہ تھا۔ نکاح کے ایک سال کے بعد رخصتی ہوئی اور رخصتی سے قبل ایک میوزیکل نائٹ تھی اور دوسرے دن رخصتی ہوگئی۔"

"جوائنٹ فیملی سسٹم میں آئیں......؟ سسرال کا ماحول کیسا تھا؟"

"جوائنٹ فیملی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا' کیونکہ میاں صاحب نے شادی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ علیحدہ رہیں گے۔ میری ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔ ماحول مجھے بہت اچھا ملا۔ خاص طور پر ساس کے حوالے سے بات ضرور کہوں گی کہ میں انہیں "ماں" ہی کہتی ہوں' کیونکہ بہت پیار کرتی ہیں اور مجھ پر بہت بھروسا کرتی ہیں۔

میرے جیٹھ اور میری نندیں بھی بہت اچھی ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا آج تک کسی بات پر جھگڑا نہیں ہوا۔ ہم سب ایک دوسرے سے بہت پیار محبت کے ساتھ ملتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے روایتی قسم کا سسرالی ماحول نہیں ملا۔ اور ویسے بھی سسرالی زیادہ تر باہر ہی رہتے ہیں۔ جیسے میری ساس امریکا میں رہتی ہیں۔ دو جیٹھ ملک سے باہر ہیں۔ میری ایک نند بھی امریکا میں رہتی ہیں۔ یہاں پاکستان میں ہم ہیں اور میری ایک

نند اور ایک جیٹھ ہیں۔ شادی کے بعد سب کے ساتھ میں نے تھوڑا وقت گزارا اور بہت اچھا وقت گزارا۔"

"شادی کے بعد ریڈیو' ٹی وی جوائن کیا یا پہلے ہی کام کرتی تھیں؟"

"جب میری شادی ہوئی' اس وقت میں ٹین وی پہ کام کرتی تھی اور سب کو پتا تھا کہ میں ہوسٹنگ بھی کرتی ہوں اور ڈراموں میں بھی کام کرتی ہوں اور ریڈیو میں نے شادی کے ایک مہینے کے بعد جوائن کیا۔ کیونکہ میرے میاں کی سپورٹ میرے ساتھ تھی اور میرے سسرال والے بھی بہت خوش ہوتے ہیں۔ مجھے ریڈیو' ٹی وی پہ کام کرتے ہوئے دیکھ کر اور' مجھے یاد ہے کہ جب میں ریڈیو پہ انٹرویو دینے گئی تھی تو اپنے میاں صاحب کے ساتھ ہی گئی تھی۔

ہم باہمی رضامندی سے کام کرتے ہیں۔ اور کوئی زور زبردستی والی بات نہیں ہوتی اور چونکہ میں شروع سے یعنی شادی سے پہلے ہی کام کر رہی تھی تو کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

”شادی کے موقع پر کوئی خوش گوار یا ناخوش گوار واقعہ پیش آیا؟“

”شادی تو ہمارے لیے تھا ہی خوش گوار واقعہ اور مہمان بہت زیادہ نہیں بلائے تھے بلکہ مخصوص لوگوں کو ہی بلایا تھا۔ ہاں میری شادی کی اہم بات یہ ہے کہ میری شادی بہت ایمرجنسی میں ہوئی۔ اور ایک ہفتے کے نوٹس پہ رخصتی ہوئی تھی۔ اور اس کی وجہ سسرال نہیں تھا بلکہ میرے فادر کو حج پہ جانا تھا۔ اور جانے سے پہلے اچانک انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ نکاح تو ہم کر چکے ہیں اب اپنی بیٹی کو رخصت کر کے ہی حج پہ جاؤں گا۔ تو بس پھر بھاگم بھاگ شادی کی تیاری ہوئی اور ایک لحاظ سے یہ ایک ایڈونچر ٹائپ کی شادی ہوگئی ہمارے لیے۔“

”شادی کے بعد کبھی سال گرہیں منائیں۔ جیسے یوم پیدائش، شادی کی سالگرہ اور دیگر رسم و رواج؟“

”رسم و رواج تو ساتھ ہی نبھائے اور آج تک نبھا رہے ہیں۔“ کبھی برتھ ڈے پہ گفٹ آجاتا ہے تو کبھی شادی کی سالگرہ پہ۔ ملک سے باہر رہنے والے جیٹھ، کچھ نہ کچھ بھجواتے رہتے ہیں اور ہر چھوٹی چھوٹی خوشی کو ہم انجوائے کر رہے ہوتے ہیں اور خوشی کے لیے کسی بڑے ایونٹ کا انتظار کرنے کے بجائے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو ہی انجوائے کرنا چاہیے۔“

”میاں صاحب کی ذرا خوبیاں اور خامیاں تو بتائیں۔“

”شاہد کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ بہت ہنس مکھ ہیں۔ ہر وقت ان کے چہرے پہ ایک مخصوص سی مسکراہٹ رہتی ہے، غصہ نہیں آتا۔ ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں، اپنی فیملی کے ساتھ اور اپنے دوستوں کے ساتھ۔ شاہد کی کمپنی کو سب لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ اور میری بھی یہی نیچر ہے۔ شاہد کھانے پینے کے بہت شوقین ہیں اور میں تو کھانا پکاتی بھی بہت اچھا ہوں۔ انہیں اچھا کھانا بہت پسند ہے۔“

”شاہد صاحب آپ کو سجا بنا دیکھنا پسند کرتے ہیں یا سادگی میں پسند کرتے ہیں۔“

”نہیں ایسا وہ نہیں کہتے کہ میں ہر وقت بنی ٹھنی بیٹھی رہوں، لیکن مجھے خود سے اپ ڈیٹ رہنا پسند ہے۔ کپڑے تو ہوتے ہی ہیں اچھے، بس ہلکے میک اپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہد کو میرے ہاتھوں میں چوڑیاں پسند ہیں تو میں چوڑیاں ضرور پہن لیتی ہوں ان کی خاطر اور جب ان کے آنے کا وقت ہوتا ہے تو میں چائے کا پانی چولہے پہ چڑھا دیتی ہوں کیونکہ انہیں چائے بہت پسند ہے۔ چائے ہم ساتھ پیتے ہیں۔ کھانا لیٹ کھاتے ہیں کیونکہ شاہد کو ورک آؤٹ کے لیے جانا ہوتا ہے۔ اسٹوڈنٹ کے پاس اور شاہد کو کبھی کسی کام کے لیے بولنا نہیں پڑتا، مجھے معلوم ہوتا ہے ان کی ضروریات کا۔“

”نکاح کے وقت کیا کیفیت تھی؟ رونا آیا تھا۔“

”نکاح کے وقت رونا آیا تھا، لیکن رخصتی کے وقت زیادہ رونا آیا تھا۔ کیونکہ میری امی جن کا سال پہلے انتقال ہوا تھا ان کو میں بہت مس کر رہی تھی۔ ان کی جدائی کو بہت محسوس کر رہی تھی کہ کاش وہ ہمارے درمیان ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ شادی سے پہلے بھی میں ”شگفتہ یاسمین“ تھی اور شادی کے بعد بھی شگفتہ یاسمین ہی رہی۔ البتہ این آئی سی میں، میں نے شگفتہ یاسمین شاہد کر دیا۔ ویسے مجھے ہر جگہ شگفتہ یاسمین ہی کہتے ہیں۔“

”ہنی مون کے لیے گئیں۔ اور کیا یہ ضروری ہے؟“

”ہم نے ایسا کچھ نہیں سوچا ہوا تھا کہ ہنی مون کے لیے جانا ضروری ہے۔ ہم دونوں تقریباً ڈیڑھ دو سال کے بعد گھومنے پھرنے گئے تھے۔ اور اتنا گیپ اس لیے ہوا کہ کچھ ضروری کام تھے جو ہمیں نبٹانے تھے۔ میری ساس کو بھی امریکا جانا تھا۔ تو بس فوری طور پر جانا نہیں ہوا۔ اور جب گئے تو مری وغیرہ گھوم

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کے آ گئے۔

ویسے ہنی مون پہ جانا کوئی ضروری نہیں ہوتا۔ یہ خواہ مخواہ کا کریز ہے۔ یا ریت روایت ہے لوگ اس لیے جاتے ہیں کہ میاں بیوی علیحدہ سے وقت گزاریں اور ایک دوسرے کو سمجھیں۔ اریخ میرج میں لڑکی کی خواہش ذرا زیادہ ہوتی ہے' کیونکہ شوہر سے اتنی زیادہ انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہوتی۔ جبکہ ہم نے تو ہر دن ہی انجوائے کیا ہوا تھا۔ اس لیے ہمیں یہ خواہش نہیں تھی کہ ہمیں گھر والوں سے دور علیحدہ رہنے کے لیے ٹائم مل جائے اور ایک دوسرے کو سمجھیں اور ایک کونے میں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

"لڑائی جھگڑے ہوئے آپ دونوں کے درمیان؟ اور روٹھ کے میکے گئیں۔"

"میاں بیوی میں چھوٹی موٹی لڑائیاں تو ہوتی رہتی ہیں۔ اگر میں کہوں کہ بالکل بھی نہیں ہوتیں تو ایسا ممکن نہیں ہے۔ الحمدللہ کبھی کسی بڑی بات پہ لڑائی نہیں ہوئی۔ ہماری لمبی سے لمبی لڑائی دو گھنٹے کی ہوتی ہے اور چھوٹی لڑائی تین سے پانچ منٹ کی اور پھر دوستی ہو جاتی ہے۔ اور کیوں روٹھ کر میکے جاؤں۔ اپنے گھر میں رہ کر کیوں نہ پرابلم سولو کروں۔"

"گھر کو بگاڑنے سنوارنے میں کس کا ہاتھ زیادہ ہے' بیوی کا' میاں کا یا تیسری قوت کا؟"

"گھر کو بگاڑنے اور سنوارنے میں دونوں کا ہاتھ ہوتا ہے' مرد کا بھی اور عورت کا بھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت اپنے طور پر گھر سنوارنے جا رہی ہے اور مرد گھر کے سکون کو خراب کر رہا تو پھر گھر کس طرح سے چلے گا۔ اسی طرح مرد طریقے سے بات کر رہا ہے اور بیوی تمیز سے بات نہیں کر رہی اور ہر وقت جھگڑا کرے گی تو گھر کیسے چلے گا۔ میاں بیوی کا نارمل طریقے سے رہنا ضروری ہے یہ ریلیشن کی بنیاد کچھ دو کچھ لو پر ہوتی ہے۔ مگر ہمیشہ قصور وار عورت ہی ہے کہلاتی ہے مگر میری نظر میں قصور وار دونوں ہی ہوتے ہیں۔"

ماہنامہ کرن

فروری 2018 کا شمارہ شائع ہو گیا

"کرن کا دسترخوان"

اب ہر ماہ کرن کے ساتھ مفت حاصل کریں

- فنکارہ "سعدیہ خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- آواز کی دنیا سے "شاکر حسین شاکر" اس ماہ مہمان ہیں،
- اداکار "فیروز خان" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "فضہ نور" کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول کی آخری قسط
- "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ کا سلسلہ وار ناول،
- "مجبور نشین" مصباح علی سید کا مکمل ناول اپنے اختتام کی طرف،
- "دل کو ہم نے سمجھایا بہت" سدرہ حیات کا مکمل ناول،
- "مہربان ہوا" عنبرین ولی کا ناولٹ کا دوسرا اور آخری حصہ،
- "کسی اجنبی سے دیار میں" شائلہ دلعباد کا ناولٹ،
- "تیری چاہ میں" عائشہ تنویر کا ناولٹ،
- منشا محسن علی، منعم ملک، غزالہ عبدالکلیم اور قرۃ العین سکندر کے افسانے اور مستقل سلسلے،

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔ اگر......؟''

''اول تو ایسی نوبت آئے گی نہیں اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو پھر تب کی تب سوچیں گے۔ ابھی سے کیوں برا سوچیں۔''

''شگفتہ! آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں تو آپ خود اچھے اچھے کھانے پکا کر کھلاتی ہیں یا وہ فرمائش کرتے ہیں۔''

''اتوار کے دن میں گھر میں ہوتی ہوں۔ تو اتوار کے دن میں اچھا سا کھانا پکاتی ہوں اور پھر ہم دونوں مل کر کھاتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں کوئی چیز پسند ہوتی ہے تو یہ نہیں کہتے کہ بنا کے دو۔ بلکہ کہتے ہیں کہ کب بناؤ گی۔ تو پھر میں بنا دیتی ہوں جو ڈش ان کو پسند ہوتی ہے۔''

''گزرے زمانے میں گھونگھٹ کا رواج تھا۔ تو سوال تو پرسنل ہے کہ میاں صاحب نے کمرے میں آ کر پہلا جملہ کیا بولا تھا۔''

''پہلے وقتوں میں فوٹو شوٹ بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ تب یہ تھا کہ جب میاں صاحب کمرے میں آئیں گے تب ہی دلہن کو دیکھیں گے اور کچھ نہ کچھ کہیں گے۔ اور اب......اب اسٹیج پہ بھی بعد میں آتے ہیں پہلے ہی کمرے میں دونوں کا فوٹو شوٹ ہو چکا ہوتا ہے۔ تو فوٹو شوٹ کے وقت میاں صاحب نے جو کہنا ہوتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ اور میرے شوہر کو ایک گانا بہت پسند ہے ''چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو'' تو وہ انہوں نے گنگنایا بھی تھا اور اکثر و بیشتر۔ وہ یہ گانا لگا بھی دیتے ہیں۔ تو میں ان کو کہتی ہوں کہ تھینک یو سو مچ بہت شکریہ آپ کا۔''

''جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہوئی ان کے لیے کچھ کہنا چاہیں گی؟''

''جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہوئی ان کے لیے تو میں یہ کہنا چاہوں گی کہ شادی ایک کمٹمنٹ ہے۔ اور آپ کو کمٹمنٹ کرنا ہوتا ہے اور صرف اوپر اوپر سے نہیں بلکہ دل سے کرنا ہوتا ہے اور پھر اسے نبھانا بھی ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ سامنے والا تو آپ پر ظلم و ستم کیے جا رہا ہے اور آپ کہیں کہ میں تو نبھا ہے جا رہی ہوں، دیکھیں جب شادی ہوتی ہے تو ایک نیا گھر ہوتا ہے، نیا ماحول ہوتا ہے اور اس گھر میں رہنے والوں کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے، تو اس وقت لڑکی کو تھوڑا ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے' لوگوں کے ساتھ اور نئے ماحول کے ساتھ کیونکہ نیا ماحول لڑکی کو ملتا ہے لڑکے کو نہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ آپ اپنی شخصیت کو مار دیں، بلکہ اپنی شخصیت کو رکھتے ہوئے اس نئے ماحول میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کریں۔ شروع کے دو تین مہینے سب کے لیے مشکل ہوتے ہیں' کیونکہ وہ پریڈ انڈر اسٹینڈ کرنے اور دوسروں کو سمجھنے کا ہوتا ہے۔ اس لیے جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کریں' جلدی میں کوئی رائے' قائم نہ کریں اور تھوڑا سا وقت دیں' گھر والوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی تا کہ آپ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ بس شروع کے چند ماہ مشکل ہوتی ہے۔ پھر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

''شادی دو خاندانوں اور لڑکی لڑکے کی باہمی رضا مندی سے ہوتی ہے۔ پھر طلاق کا اوسط بڑھتا کیوں جا رہا ہے؟''

''طلاق کا ایشو اس لیے بڑھتا جا رہا ہے کہ اب نہ لڑکی میں برداشت رہی ہے اور نہ ہی لڑکے میں، ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے لڑکی اپنے میکے فون کر دیتی ہے اور اپنے امی ابو کو ساری بات بتا دیتی ہے۔ ماں باپ کو وہ چھوٹی سی بات بھی بہت بڑی لگتی ہے، اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ''اچھا یہ کر دیا' ایسا کہا انہوں نے'' تو وہاں سے پھر معاملہ گڑبڑ ہو جاتا ہے۔

ہر کسی کو فوری طور پر رزلٹ چاہیے' لڑکا اپنی بات پہ ضد رہتا ہے اور لڑکی اپنی بات پہ......اگر دونوں ہی ضد پہ آ جائیں گے تو فیصلہ کیسے ہوگا؟

لڑکا بھی ذرا سی بات پر میکے جانے کا کہہ دیتا ہے یا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کسی بات پہ طعنہ دینا شروع کر دیتا ہے۔ اس سے دل ٹوٹتے ہیں اور دل میں میل آتا ہے اور دوریاں بڑھنے لگتی ہیں۔ اگر چھوٹی چھوٹی بات پہ بیگ تیار کر کے لڑکیاں میکے چلی جائیں تو اسے دوریاں بڑھتی ہیں۔ آج کل کی لڑکیاں انڈیپینڈنٹ ہوگئیں اور انڈیپینڈنٹ کا غلط مطلب لیا جاتا ہے کہ جی ہم کماتی ہیں اس لیے ہم خود سمجھ دار ہیں...... اصل تربیت گھر کی ہوتی ہے جس کو لے کر لڑکی سسرال جاتی ہے۔ہاں اگر کوئی پیچیدہ مسئلہ ہے تو اسے ضرور بتائیں تاکہ اس کا بھی کوئی مثبت حل نکلے۔ اگر سسرال میں خاص طور پر ساس کے جملوں کو نیگیٹو لیں گی تو پھر مسائل تو جنم لیں گے۔"

"اور آخر میں شاہد صاحب کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی۔ یا شادی کے حوالے سے کچھ کہنا چاہیں گی؟"

"شادی کے حوالے سے میں یہ کہوں گی کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں بہت لکی رہی' کیونکہ میاں صاحب خوش مزاج بھی ہیں اور خوش اخلاق بھی ہیں۔ گھومنے پھرنے کے بھی شوقین ہیں' کھانے پینے کے بھی شوقین ہیں وہ ایک ایسے انسان ہیں کہ جن کے ساتھ آپ زندگی کو انجوائے کر سکتے ہیں۔ اور میں تو زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور لمحات کو بھی انجوائے کرتی ہوں۔ میرا مزاج بھی کچھ ایسا ہے کہ مجھے گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے البتہ کھانے پینے کا زیادہ شوق نہیں ہے وہاں پکانے کا بہت شوق ہے۔

خوشی کے لیے کسی بڑے ایونٹ کا انتظار نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کو فون دے کر ہی خوش ہو جاتے ہیں۔ کبھی ان کے لیے باڈی اسپرے' اور پرفیوم لے آتی ہوں اور یہ میرے لیے کبھی جیولری لے آتے ہیں کبھی کچھ۔ مجھے کبھی بھی مہنگی چیزوں کی خواہش نہیں رہی' ہم ایک دوسرے کی خوشیوں کا خیال رکھتے ہیں اور ہماری سوچ بھی ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس معاملے میں میں بہت لکی ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے شگفتہ یاسمین سے اجازت چاہی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دستک دستک دستک

شاہین رشید

نیلم منیر

"کیا حال ہے؟"

"جی۔اللہ کا شکر ہے۔"

"جیسا نام خوب صورت ہے۔ویسی ہی ماشاءاللہ تم بھی خوب صورت ہو۔کبھی فائدہ اٹھایا اپنی خوب صورتی کا۔"

"بہت شکریہ تعریف کا ۔اور کس قسم کا فائدہ۔ اور سچ میں' میں تو اپنے آپ کو بہت خوب صورت نہیں سمجھتی...... ہاں جہاں تک فائدے کی بات ہے تو ٹی وی پہ آپ کو نظر آتی ہوں۔مگر اپنی خوب صورتی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے ٹیلنٹ کی وجہ سے۔"

"انسان اپنی ذاتی زندگی میں جو کچھ کرے ہمیں اس کو تنقید کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔سوشل میڈیا میں جو ویڈیو آپ کی وائرل ہوئی' اس کا کیا پس منظر ہے۔"

"آپ تو میرے مزاج سے واقف ہیں۔سب کے ساتھ بہت بے تکلف ہوں۔ مطلب ان لوگوں کے ساتھ جو میرے بہت قریب اور میرے ساتھ بہت مخلص ہیں۔تو اپنی بہت ہی قریبی دوست کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اٹکھیلیاں کرتے ہوئے ایک ویڈیو بنائی۔اور اس ویڈیو کو بنانے کا کوئی اور مقصد ہی نہیں تھا۔اب معلوم نہیں کہ وہ ویڈیو سوشل میڈیا پہ کیسے آ گئی۔اور یوں خواہ مخواہ کا ایک ایشو بن گیا۔"

"کچھ نے کہا کہ شہرت کے لیے ایسا کیا؟"

ہنستے ہوئے"شہرت کے لیے...... جب اپنا نام بنانے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی تب تو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا......اب جبکہ میں لوگوں میں ایک اچھی شہرت رکھتی ہوں۔میرا ایک نام ہے تو بھلا میں اب کون سی شہرت کے لیے ایسا کام کروں گی۔"

"گھر والے ناراض ہوئے؟"

"گھر والوں سے زیادہ مجھے کوئی نہیں جانتا۔ میرے والد حیات نہیں ہیں۔میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ہم صرف تین بہنیں ہیں۔تو میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتی جو میری بہنوں کو اور میری ماں کو پریشان کرے۔ جب ویڈیو وائرل ہوئی تو یقین جانیے کہ میری امی اور بہن نے میرے بولنے سے پہلے ہی کہہ دیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔وہ سب غلط ہے مجھے تم پر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اعتماد ہے۔ تو بس بات وہیں ختم ہو جاتی ہے اور دلچسپ بات تو یہ کہ میری دوستوں نے اور میرے کولیگز جو مجھے جانتے ہیں' انہوں نے بھی کچھ نہیں کہا اور نہ ہی کسی قسم کی حیرانی کا اظہار کیا تو اللہ کا شکر ہے کہ سارا معاملہ جتنی تیزی سے اٹھا تھا اتنی ہی جلدی ختم بھی ہو گیا۔"

"کچھ عرصہ قبل تمہارا ڈرامہ سیریل "تیرے بنا" بہت پسند کیا گیا۔ اب مزید کیا آنے والا ہے؟"

"ابھی تو ڈس کلوز نہیں کروں گی۔ جو جب تیار ہو جائے گا وہ آن ایر ہو جائے گا۔ اور ہاں مجھے بہت اچھا فیڈ بیک ملا اس سیریل کا۔ اور ان شاء اللہ میرے آنے والے سیریلز بھی پسند کیے جائیں گے۔"

"تمہارے ساتھ کی کئی لڑکیاں بلکہ بعد میں آنے والی لڑکیاں' انڈین اور پاکستانی فلموں میں اپنے قدم جما چکی ہیں۔ مگر تم......؟"

"میری فلم "چھپن چھپائی" ریلیز ہونے کو تیار ہے۔ یہ میری پہلی فلم ہو گی اور یقیناً لوگوں کو پسند بھی آئے گی۔ جہاں تک آپ کی یہ بات کہ میرے بعد میں آنے والی لڑکیاں قدم جما چکی ہیں تو سچ تو یہ ہے کہ مجھے انڈین فلموں میں کام کرنے کا کوئی شوق نہیں' اور آپ سوچ سکتی ہیں کہ مجھے انڈین فلموں سے آفرز نہیں آئی ہوں گی؟ میں آپ کے علم میں یہ بات لانا چاہتی ہوں کہ مجھے بالی ووڈ کی کم و بیش دس سے پندرہ فلموں کی آفرز آ چکی ہیں اور بہت اچھے پروڈیوسرز کی جانب سے آئی ہیں۔ لیکن جب میں نے کام کرنا ہی نہیں ہے تو میں بلاوجہ میں یہ کیوں کہتی پھروں کہ مجھے آفرز آئی ہیں مگر میں نے انکار کر دیا۔"

"اپنی فلموں کے بارے میں کیا کہیں گی؟"

"ہماری انڈسٹری اب کافی ترقی کر رہی ہے اور اب لوگ اپنی فلموں کو دیکھنے کے لیے سینما ہاؤسز کا رخ کر رہے ہیں۔ اور یہ بہت خوش آئند بات ہے۔ اور اچھی فلمیں بن رہی ہیں تو میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی کام کروں۔"

"اپنی فلم چھپن چھپائی کے بارے میں کچھ بتاؤ؟"

"اس میں میرا کردار ایک شوخ و چنچل لڑکی کا ہے اور میری زندگی کا یہ بالکل مختلف رول ہے۔ میرے ناظرین مجھے بالکل نئے روپ میں دیکھیں گے۔ اور فلم کی ہر چیز میں لوگ نیا رنگ دیکھیں گے۔ تفصیل نہیں بتاؤں گی۔ میرے ساتھ "احسن خان" ہیں اور سینئرز میں طلعت حسین صاحب اور سکینہ سموں ہیں۔"

"اس کا رزلٹ دیکھنے کے بعد مزید آفرز قبول کریں گی؟"

"ایک اور کے لیے بات چیت چل رہی ہے مگر ذاتی طور پر خواہش ہے کہ اس کا رزلٹ دیکھ لوں۔ مگر جس کے لیے بات چیت چل رہی ہے' وہ بھی امیزنگ ہو گا۔ اور ہاں آپ کو بتاؤں کہ میری خواہش ہے کہ میں کسی پنجابی فلم میں بھی کام کروں۔ کیونکہ مجھے پنجابی بہت اچھی آتی ہے۔"

"ویسے ہر طرح کے رول کر چکی ہو۔ مزید کوئی خواہش؟"

"جی بالکل ...... اب دل چاہتا ہے کہ رونے دھونے والے کردار نہ کروں۔ بلکہ تھرل اور ایڈونچر سے بھرپور کردار کروں تاکہ لوگوں کو ایک چینج ملے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"آپ کو سب پتا ہے۔ چلیں پھر بھی ......"

"دبئی میں میری پیدائش ہوئی۔ آٹھ نو سال کی تھی تو پاکستان آ گئی۔ ہم تین بہنیں ہیں۔ بھائی نہیں ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو بھائی کی کمی اتنی زیادہ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب بہت ہوتی ہے۔ شاید زمانہ خراب ہو گیا ہے۔ والدہ حیات ہیں۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور بنیادی طور پر میرا تعلق خیبر پختون خواہ سے ہے۔"

بقیہ صفحہ نمبر 281

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

صائمہ اکرم چوہدری

شہزاد

شہزاد غیر معمولی حسن کی مالک نہیں تھی لیکن حالات کی تلخیوں نے اس کی شخصیت کو مضبوط بنا دیا تھا۔ اس کے اعتماد نے اس کی شخصیت کو دل کشی عطا کی تھی۔

ٹرین میں ایک عورت اور مرد سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ عورت اور مرد کو احساس تھا کہ موت ان کے تعاقب میں ہے ان کے تمام گھر والوں کو مار دیا گیا تھا۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو ماں نے فیصلہ کیا کہ بچے کو کسی جگہ چھوڑ دے، تاکہ اس کی جان بچ سکے۔ اس نے بچے کو ایک بینچ کے نیچے رکھ دیا اور خود ٹرین کی پٹڑی پار کرتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو گئی۔

میر ہاؤس میں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد ہے۔

محتشم علی خان ایم این اے ہیں، ان کے تین بیٹے وہاج، برہان اور شاہ میر ہیں۔ بیٹی ایک ہی ہے جس کا نام در شہوار ہے۔

خاقان علی نے دو شادیاں کی ہیں، پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ ہیں۔ بیٹے کے لیے انہوں نے ندرت بیگم سے دوسری شادی کی، لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہو سکی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خاقان علی کی بہن فوزیہ اور ان کے شوہر ایک فضائی حادثے میں چل بسے تو' تو ان کے دونوں بچے نمیرہ اور ارسل کی پرورش ندرت بیگم نے کی ہے۔ نمیرہ کو لگائی بجھائی کی عادت ہے۔
ان کے گھر کے سامنے جنگل ہے جہاں طوبیٰ اور در شہوار امتحان میں کامیابی کے لیے برگد کے درخت پر دھاگا باندھنے رات کو جاتی ہیں اور شاہ میر انہیں پکڑ لیتا ہے۔ شاہ میر گھر والوں کے سامنے ان کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ جس کی بنا پر ان کو گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔
انابیہ کا نکاح برہان سے ہو چکا ہے' لیکن برہان کا سرد رویہ اسے افسردہ کرتا ہے۔
ٹینا بیگم فیشن انڈسٹری کی ایک معروف شخصیت تھیں۔ دو شادیاں ناکام ہو چکی تھیں۔ آج کل وہ تیسرے شوہر سے جان چھڑانے کے چکر میں تھیں۔ معروف بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کے ساتھ ان کا نام لیا جا رہا تھا۔
پہلے شوہر سے ان کی دو بیٹیاں تھیں' بڑی شہرزاد جسے اعلا تعلیم کے لیے انہوں نے باہر بھجوا دیا تھا۔ رومیصہ چھوٹی تھی اور اس کی اپنی ماں سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ ان کے آئے دن کے اسکینڈل اس کے لیے مسئلہ بنتے تھے۔
اس نے خودکشی کی دھمکی دے کر شہرزاد کو پاکستان آنے پر مجبور کر دیا۔ شہرزاد کی آمد ٹینا بیگم کو شدید ناگوار گزری۔ شہرزاد پاکستان آئی تو ایک پرانی فون کال نے اسے ڈسٹرب کر دیا۔ طوبیٰ اور در شہوار غلطی سے برابر والے گھر میں داخل ہوئیں تو پتا چلا کہ جو گھر پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا۔ وہاں محمد ہادی آ چکا ہے۔ محمد ہادی فاریسٹ آفیسر ہے۔ تعلق ایک امیر اور اعلا تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ وہ اپنے دوست سعد کو بھی اپنے بنگلے میں لے آیا ہے۔
محتشم علی کا بیٹا وہاج شادی شدہ ہے' لیکن گھر کی ملازمہ صندل پر بری نظر رکھتا ہے۔ رومیصہ نے گھر میں شدید توڑ پھوڑ کی اور ٹینا بیگم سے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ شہرزاد اسے ماہر نفسیات کو دکھانے کا مشورہ دیتی ہے۔
در شہوار اور طوبیٰ محمد ہادی کے بنگلے میں جاتی ہیں اور درخت پر چڑھ کر خوبانیاں توڑتی ہیں۔ محمد ہادی سختی سے پیش آتا ہے تو در شہوار اسے دھمکی دیتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔
یہ جان کر کہ مناہل' ہادی کی بہن ہے۔ در شہوار کا رویہ اس سے بدل جاتا ہے۔ مناہل اور برہان کی بے تکلفی سے اسے

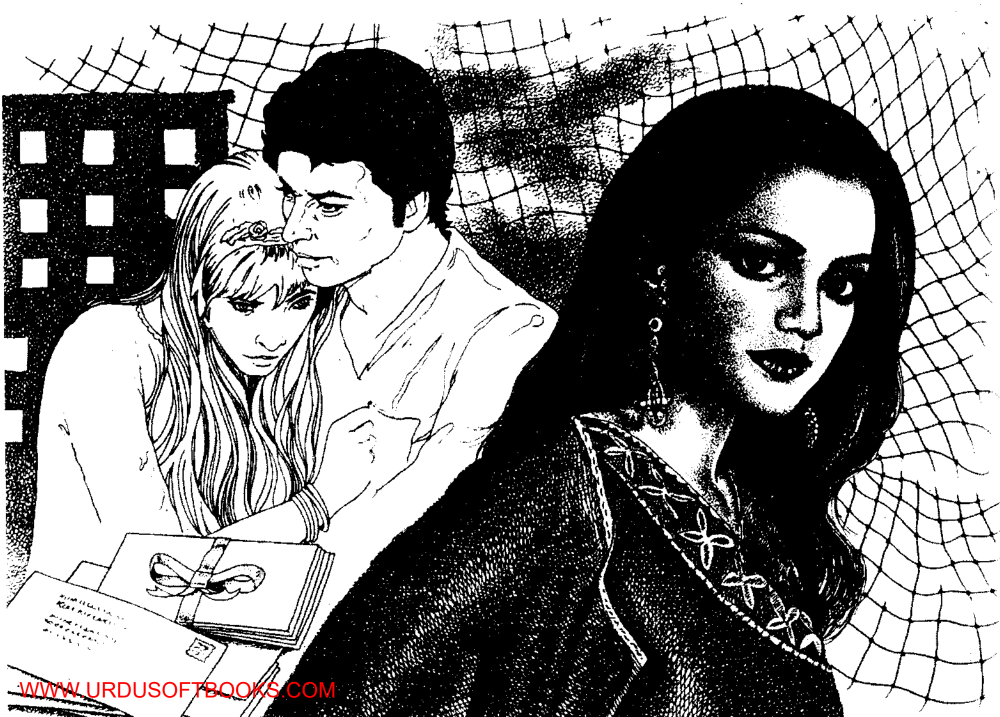

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انابیہ کے مستقبل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وقار درانی، شہزاد کے پاس سمجھوتے کے لیے آتے ہیں۔ ہارون رضا، سیفی کے فون سے مشتعل ہو کر ٹینا بیگم کو طلاق دے دیتے ہیں۔ شجاع غنی کیس واپس لے لیتا ہے۔ اس بات پر ہادی اور شہزاد بہت چراغ پا ہوتے ہیں مگر کچھ کر نہیں پاتے۔ رومیصہ اور وہ ایک گھر میں جا کر چھپتے ہیں جہاں رومیصہ اسے اپنے حالات وواقعات سے آگاہ کرتی ہے۔ دونوں کو نیا رشتہ قریب لے آتا ہے۔ یہ جان کر کہ شاہ میر طوبیٰ کو پسند کرتا ہے تاجدار بیگم کا غصہ گھر میں سب پر اترتا ہے۔ صندل کی بہن سندس کو طوبیٰ کی پرانی کتابوں سے اپنی بہن کا آخری خط ملتا ہے اور وہ حقیقت جان لیتی ہے۔

مونیکا، ذوالکفل کو مائیکل کی آمد سے آگاہ کرتی ہے۔ وہ اسے لاہور آنے کا مشورہ دیتا ہے۔

صندل کے گھر والے اس کی موت کی وجہ جان کر راتوں رات حویلی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ رومیصہ کو ارسل بحفاظت اس کے گھر پہنچا دیتا ہے۔ شجاع غنی میر حاکم کی دھمکیوں کی وجہ سے کیس واپس لے لیتا ہے۔ شہزاد کو یہ جان کر صدمہ ہوتا ہے۔ ہادی کو بھی غصہ آتا ہے اور اسی وجہ سے اسے در شہوار مزید بری لگتی ہے۔

انابیہ، در شہوار اور مناہل کی بے تکلف گفتگو سن کر صدمے کا شکار ہو جاتی ہے اور در شہوار اور برہان کے ساتھ بے رخی سے پیش آتی ہے جسے وہ دونوں بہت محسوس کرتے ہیں۔

مسجد کے برابر میں گھر لینے پر مونیکا شدید غصے کا اظہار کرتی ہے۔ ہم زاد کو شہزاد اور ارتضیٰ کا ساتھ بہت برا لگتا ہے۔

صندل کے گھر والے، شہزاد کے چوکیدار کے رشتے دار ہیں اور اسی حوالے سے وہ شہزاد کے گھر ملازمت کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

بارہویں قسط

ٹینا بیگم کے کمرے کی کھڑکی توڑ کر انہیں باہر نکالنے اور شفاء انٹرنیشنل ہاسپٹل کی ایمرجنسی میں لانے میں انہیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگا، اور اس عرصے میں اپنی ماں کے چہرے پر پھیلی زردی، دونوں بہنوں کو خاصی تشویش میں مبتلا کر چکی تھی۔

ٹینا بیگم نے پھل کاٹنے والی تیز دھار چھری سے اپنے ہاتھ کی کلائی کو کاٹنے کی کوشش کی تھی اور اس کے نتیجے میں ان کا کافی خون بہہ گیا اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ ہاسپٹل پہنچیں تو نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھیں۔۔

شہزاد نے ایمرجنسی میں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے کانٹیکٹ استعمال کر کے ٹینا بیگم کو ضروری کارروائی کے بعد آپریشن تھیٹر میں پہنچا دیا تھا، جہاں ان کی کٹی ہوئی رگ کو ڈاکٹرز نے چند گھنٹوں میں ہی جوڑ دیا تھا اور اب وہ خطرے سے باہر تھیں۔

اس تمام عرصے میں شہزاد کا اپنے حواس پر پورا کنٹرول تھا اور وہ ہر جگہ بڑے پُراعتماد انداز میں ساری چیزوں کو ہینڈل کر رہی تھی، جبکہ اس کے برعکس رومیصہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور وہ خوف زدہ انداز سے ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"شیری! مام ٹھیک ہو جائیں گی ناں۔۔؟" وہ جیسے ہی اس کے پاس پہنچی، رومیصہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"ڈونٹ وری، میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے، وہ اب اسٹریس میں ہیں، اس لیے انہیں نیند کا انجکشن دے دیا گیا ہے۔۔" شہزاد اپنی بہن کا بازو پکڑ کر اسے ویٹنگ ایریا کی طرف لے آئی۔

"آپریشن تو ٹھیک طریقے سے ہو گیا ناں۔۔؟" رومیصہ کی تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔

"ہاں ہاں، معمولی سا آپریشن تھا، وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ان دونوں کو ویٹنگ ایریا میں بیٹھے ہوئے بمشکل آدھا گھنٹہ ہوا تھا جب ارتضیٰ حیدر کو عالیہ قریشی کے ذریعے اس واقعے کا علم ہوا اور وہ فوراً ہی وہاں پہنچا تھا، اسے دیکھ کر شہزاد جلدی سے کھڑی ہوئی۔۔

''کیسی طبیعت اب آنٹی کی۔۔۔؟'' ارتضیٰ نے فکرمند انداز میں اس سے پوچھا۔۔

''شی از فائن ناؤ۔۔۔''

''دیٹس گڈ، لیکن یہ سب کیوں کیا انہوں نے۔۔۔؟'' اس نے محتاط انداز میں وجہ پوچھنے کی کوشش کی۔

''آئی ڈونٹ نو، یہ تو مام ہی بتا سکتی ہیں۔۔۔'' شہزاد نے سراسر اسے ٹالا۔

''کوئی اسٹریس چل رہا تھا ان دنوں۔؟ یا کوئی جھگڑا ہوا تھا ان کا کسی سے۔۔؟'' ارتضیٰ حیدر کی تشویش فطری تھی، جو شاید اس کے پروفیشن کا بھی تقاضا تھی

اور اس لیے وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو سوال کرنے سے روک نہیں پا رہا تھا۔

''آئی ڈونٹ تھنک سو، مام بہت مضبوط اعصاب کی حامل خاتون ہیں، اور مجھے واقعی علم نہیں، انہوں نے ایسا کیوں کیا۔۔؟''

''آپ کو علم ہے کہ ٹی وی پر بھی یہ ٹکر چل رہا ہے کہ مشہور و معروف ڈریس ڈیزائنر ٹینا سہگل نے خودکشی کی کوشش کی ہے۔۔'' ارتضیٰ کی بات پر شہزاد کا دماغ بھک کر کے اڑا اور رومیصہ نے بھی سر اٹھا کر ان کی طرف پریشانی سے دیکھا۔

''واٹ۔۔۔؟ کس نے یہ خبر آؤٹ کی۔۔۔؟'' وہ بوکھلا گئی۔

''میرا خیال ہے' گھر کے کسی ملازم کا کارنامہ ہے یہ۔۔۔'' ارتضیٰ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اوہ مائی گاڈ! اب ایک نیا گوسپ کا طوفان آجائے گا سوشل میڈیا پر۔۔۔'' رومیصہ دل ہی دل میں بدمزا ہوئی۔

''اس خبر کی کمی تھی جو وہ بھی پوری ہو گئی۔۔۔'' شہزاد اچھی خاصی کوفت کا شکار ہوئی۔

''ڈونٹ وری۔ میں کسی سے بات کر کے یہ نیوز رکوانے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔'' ارتضیٰ نے اپنا سیل فون نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنا شروع کیا۔

''رہنے دیں، جتنا ہم لوگ اس نیوز کو سریس لیں گے، اتنا ہی میڈیا زیادہ ایکٹو ہو جائے گا۔۔۔'' شہزاد خود کو سنبھال چکی تھی۔

''ویسے میرے لیے بہت حیران کن ہے یہ۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوا تو شہزاد نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کا مطلب میں سمجھی نہیں۔۔۔''

''میں حیران ہوں کہ مسز سہگل ایسا بھی کر سکتی ہیں۔۔۔'' اس نے اس بار قدرے کھل کر اظہار کیا۔

''جو چیز انسان کی گمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہ ہو، وہی انسان کو سب سے زیادہ حیران کرتی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''یہ بتائیں، ہاسپٹل والوں نے تنگ تو نہیں کیا، آئی مین پولیس میں رپورٹ وغیرہ درج کرنے کے لیے۔۔؟''

''ناٹ ایٹ آل، میرے ایک کلائنٹ کے فادر ہیں یہاں ایڈمنسٹریشن میں، اس لیے معاملہ فی الحال تو ہینڈل ہو گیا ہے۔۔''

''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بتایئے گا۔۔۔'' شہزاد کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بے تکلفی سے کہا۔۔

''فی الحال تو رومی کو گھر ڈراپ کر دیں، میں اسے اکیلے بھجوانا نہیں چاہتی ہوں۔۔'' شہزاد، اپنی بہن کے معاملے میں خاصی محتاط تھی۔

''ڈونٹ وری، میرا ڈرائیور چھوڑ آئے گا انہیں۔۔۔''

''بہتر ہوگا کہ ارتضی! آپ خود چھوڑ آئیں، آئی ایم سوری، آپ کو بار بار تنگ کر رہی ہوں۔۔۔''

''پلیز شہزاد! آپ ایسی فارمل گفتگو مت کیا کریں میرے ساتھ۔۔۔''

''ایکچوئلی، رومی کے معاملے میں، میں آپ کے علاوہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتی۔۔۔'' شہزاد کی بات پر ارتضی کے دل کی کلی کھل اٹھی۔

''اور میرے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز کی کوئی بات ہو نہیں سکتی۔۔'' ارتضی نے گہری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا، جو اس کے دل میں مضبوطی سے اپنے قدم جما چکی تھی۔۔

''رومی! تم گھر جاؤ، میں مام کے پاس رہوں گی۔۔۔''

''لیکن مجھے بھی ان کے پاس رہنا ہے۔۔۔'' رومیصہ نے ضدی انداز میں کہا۔۔

''تمہارا اس طرح پبلک پلیس پر رہنا بہتر نہیں ہے رومی! بات کو سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔۔'' شہزاد نے اسے ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''کچھ نہیں ہوتا، وہ معاملہ ٹھنڈا ہو چکا ہے اب۔۔۔'' رومیصہ سمجھ چکی تھی کہ وہ اسے جسٹس محمود کے بیٹے کے مرڈر کیس کے حوالے سے کہہ رہی ہے جو ابھی تک کورٹ میں چل رہا تھا۔۔

''ابھی کچھ بھی ٹھنڈا نہیں ہوا، تم یہ غلط فہمی اپنے دل سے نکال دو، کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔'' اس کے لہجے میں ہزاروں اندیشے پنہاں تھے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟'' رومی نے بیزاری سے پوچھا۔

''دشمن کی خاموشی عموماً کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور میں تمہیں انجانے میں اب کسی طوفان کی زد میں آنے نہیں دوں گی۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔۔؟'' شہزاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے تھام کر اسے سمجھانے کی کوشش کی اور رومیصہ نے افسردگی سے سر جھکا لیا۔

''شہزاد ٹھیک کہہ رہی ہیں اور نیکسٹ ویک اس کیس کی پیشی بھی ہے کورٹ میں۔۔۔'' ارتضی نے بھی اس گفتگو کے درمیان میں لقمہ دیا۔

''جب تک اس کیس کا کوئی فائنل فیصلہ سامنے نہیں آجاتا، بہتر ہوگا کہ تم اپنی نقل و حرکت گھر تک محدود رکھو۔۔''

شہزاد کی اس بات نے رومی کو پریشان کیا کیونکہ وہ ارسل کے ساتھ کل یونیورسٹی میں ملنے کا وعدہ کر چکی تھی۔

''چلو شاباش، ابھی جاؤ گھر، مام جیسے ہی ریلیکس ہوں گی، میں تمہاری ان سے بات کروا دوں گی۔'' شہزاد ان دونوں کے ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ میں آگئی تھی، اس نے خود ارتضیٰ کی جیپ کا دروازہ کھول کر اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔

''میں رومیصہ کو ڈراپ کر کے واپس آتا ہوں۔۔۔'' ارتضیٰ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا تو وہ زبردستی مسکرا دی۔

ارتضیٰ حیدر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا ایکسپریس وے پر لے آیا تھا، رومیصہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی ہی سوچوں میں گم تھی، ٹینا سہگل کی اس حرکت نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حد تک جا سکتی ہیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ان کی گاڑی ٹریفک سگنل پر جس گاڑی کے عین برابر میں رکی، اس میں اس وقت ارسل موجود تھا، وہ اس وقت مری سے نور محل جا رہا تھا۔ ارسل کو رومیصہ کے ساتھ کسی اور مرد کو دیکھ کر شاک پہنچا۔

اسی وقت رومیصہ کو اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تو اس نے لاشعوری طور پر دائیں بائیں مڑ کر دیکھا۔ اپنی بائیں سائیڈ پر موجود گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر ارسل کو دیکھ کر وہ مضطرب ہوئی۔

ارسل کے چہرے پر ناگواری کا تاثر نمایاں تھا، جسے رومیصہ اس سے کچھ فٹ کے فاصلے پر ہونے کے باوجود بھی محسوس کر سکتی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اپنے ساتھ پولیس یونیفارم میں موجود ارتضیٰ حیدر کی موجودگی اسے کچھ پسند نہیں آئی، کیونکہ کچھ بھی تھا، وہ اب اس کی منکوحہ تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔۔؟'' ارتضیٰ اس کی بے چینی بھانپ کر بولا۔

''جی۔۔۔'' رومیصہ نے بڑی سرعت سے خود کو سنبھالا، اتنا تو وہ بھی جان چکی تھی کہ اس کے ساتھ موجود شخص کوئی عام انسان نہیں تھا، اس کی آنکھوں میں اچھی خاصی تیز ایکسرے مشین فٹ تھی اور وہ اسے کم از کم ارسل کی طرف سے مشکوک کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اسی وقت ٹریفک سگنل کھل گیا اور ارسل کی گاڑی کسی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح تیزی سے نکلی اور رومیصہ کا دل بے شمار اندیشوں کی آماجگاہ بن گیا۔

☆☆☆

مسز ٹینا سہگل اعصاب کو سکون بخشنے والی ادویات کے زیر اثر گہری نیند میں تھیں۔

''مام کی اس حرکت نے سخت خوف زدہ کر دیا ہے مجھے۔۔۔'' شہزاد ان کے روم میں رکھے صوفے پر اکیلی بیٹھی ہوئی بہت آہستگی کے ساتھ فون پر بات کر رہی تھی اور دوسری طرف ہم زاد تھا جو ٹی وی کے ذریعے اس بات سے باخبر ہو چکا تھا۔

''اگر مسز سہگل جیسی خاتون ایسی حرکت کر سکتی ہیں تو تم خود سوچو وہ کون سی ایسی بات ہو سکتی ہے جس نے انہیں اس حد تک مایوس کر دیا کہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا۔۔۔'' ہم زاد کی بات میں دم تھا تبھی تو وہ کچھ لمحے بول نہیں پائی۔

''ہاں، بات تو واقعی چھوٹی نہیں ہو سکتی وہ۔۔۔'' اس نے فوراً تائید کی لیکن ہم زاد کے اگلے جملے نے اس کا دماغ بھک کر کے اڑا دیا۔

''کہیں سیف الرحمٰن کے فلمسٹار میگھا کے ساتھ اسکینڈل نے تو انہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔۔۔؟''

وہ ہلکا سا جھجک کر بولا تو شہزاد خفت زدہ انداز سے کچھ لمحے بول ہی نہیں پائی۔

ٹینا بیگم کی ذاتی زندگی اتنی زیادہ اوپن ہے، اسے اس بات کا اندازہ تو تھا لیکن ہم زاد واحد شخص تھا جس کے سامنے وہ ان چیزوں کو ڈسکس کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن تقدیر بار بار اسے اسی پوائنٹ پر لا کر کھڑا کر رہی تھی۔

''میرا نہیں خیال کہ مام اس بات پر اتنا جارحانہ ردعمل دیں گی۔۔۔'' شہزاد نے بادل نخواستہ انداز میں اس بات پر تبصرہ کیا۔

''وہ جس پوزیشن پر اسٹینڈ کرتی ہیں، انہیں کرنا بھی نہیں چاہیے۔۔۔'' ہم زاد نے بھی بے تکلفی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ شہزاد اس بات پر کوئی اور تبصرہ کرتی، کمرے کے دروازہ پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی، شہزاد نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور اپنے سامنے سیف الرحمٰن کو دیکھ کر اس کے اعصاب تناؤ کا شکار ہوئے۔

لائٹ گرے ٹو پیس سوٹ میں ان کی پرسنالٹی خاصی پُروقار لگ رہی تھی۔ وہ بھی شہزاد کو سامنے دیکھ کر ہلکے سے شش و پنج کا شکار ہوئے۔۔۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''السلام علیکم۔۔۔!!'' انہوں نے ٹشو پیپر سے اپنے ماتھے پر آیا نادیدہ پسینہ صاف کیا۔
''وعلیکم السلام۔۔۔!!'' شہرزاد لاشعوری انداز سے کھڑی ہوئی، ان کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔
''ٹینا، سو رہی ہیں شاید۔۔۔''
''جی۔۔۔!!!'' شہرزاد کو اچانک یاد آیا کہ فون کال پر دوسری طرف ہم زاد ہے، جس کی کمرے میں آنے والی مردانہ آواز پر ساری سماعتیں ایک دم ہی بیدار ہو گئی تھیں۔
''شہرزاد کون آیا ہے روم میں۔۔۔؟'' اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔
''بعد میں بتاتی ہوں آپ کو، ابھی فون بند کر رہی ہوں۔۔۔ اس نے دوسری طرف ہم زاد کی بات سنے بغیر فون کال منقطع کر دی، جبکہ سیف الرحمٰن آہستگی سے چلتے ہوئے ٹینا بیگم کے بیڈ کے پاس جا کھڑے ہوئے۔
''کیسی طبیعت ہے اب ٹینا کی۔۔۔؟'' انہوں نے فکرمند انداز سے سائیڈ میز پر رکھی ان کی فائل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔
''بہتر ہیں۔۔۔'' شہرزاد نے خود کو سنبھال لیا۔
وہ ان کی طرف دیکھ کر ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اسے کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے۔ جبکہ سیف الرحمٰن اب خود کو سنبھال چکے تھے۔
''کچھ اندازہ ہے کہ ٹینا نے ایسا کیوں کیا۔۔۔؟'' انہوں نے پریشانی سے شہرزاد کی طرف دیکھا۔
''یہ بات آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔۔۔؟'' شہرزاد نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں لاجواب کیا۔
''ایکچوئلی مجھے پوچھنا تو نہیں چاہیے لیکن وہ کل سے کافی ڈسٹرب تھی رومیصہ کی وجہ سے۔۔۔'' انہوں نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔
''رومیصہ کی وجہ سے۔۔۔؟ اس نے بے یقین نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور مزید گویا ہوئی۔
''آپ سے کیا ایسی کوئی بات ہوئی تھی ان کی۔۔۔؟'' شہرزاد کو ان کی بات نے حیران کیا۔
''یس آف کورس، ورنہ اتنی بڑی بات میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔۔۔''
''کیا کہا تھا انہوں نے۔۔۔؟'' شہرزاد کے لہجے سے بے تابی چھلکی۔
''میرا خیال ہے ان کا رومیصہ کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا تھا اور اس وجہ سے وہ کافی ٹینس تھیں۔۔۔''
''لیکن وہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔۔۔'' شہرزاد نے دانستہ لاپرواہ انداز اپنایا۔
''میں اتنا جانتا ہوں کہ کوئی چھوٹی موٹی بات ٹینا کو اتنا ٹینس نہیں کر سکتی۔ اس کے اعصاب خاصے مضبوط ہیں۔۔۔'' وہ اپنے موقف پر جمے ہوئے تھے۔
''آپ سے ریلیٹڈ بھی تو کوئی معاملہ ہو سکتا ہے۔۔۔'' اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں طنز کیا۔
''وہ سب میڈیا کا منفی پروپیگنڈا ہے اور کچھ نہیں۔۔۔'' انہوں نے پُراعتماد لہجے میں اس الزام کو رد کیا۔
''لیٹس سی، اس کا فیصلہ تو اب بعد میں ہی ہوگا۔۔۔'' شہرزاد نے اپنی طرف سے بات ختم کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو کرنا نہیں چاہ رہی، اس لیے دانستہ خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

رومیصہ نے ہاسپٹل سے ''ٹینا ہاؤس'' تک کا سارا راستہ خاصی ٹینشن میں گزارا۔
وہ بار بار اپنا سیل فون نکال کر دیکھ رہی تھی، اسے یقین تھا کہ ارسل کی کال اسے ضرور آئے گی اور وہ دل ہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دل میں دعا گو تھی کہ ارتضیٰ حیدر کی موجودگی میں ایسا نہ ہو اور اللہ نے اس کی سن لی تھی۔
رومیصہ جیسے ہی گھر پہنچی، سیل فون کی گھنٹی بجی اور اسکرین پر ارسل کا نمبر دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچی اور عجلت بھرے انداز میں دروازہ لاک کر کے کال اٹینڈ کی۔
"کس کے ساتھ گھوم رہی تھیں تم۔۔۔؟" ارسل کی خفگی سے بھرپور آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
"اے ایس پی ارتضیٰ حیدر تھے۔۔۔" نہ چاہتے ہوئے بھی رومیصہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔
"کیوں ان کی ذمے داری کب سے بن گئی ہو تم یا بیچ میں کوئی اور مسئلہ ہے۔۔" ارسل ہلکا سا جھنجلا کر گویا ہوا۔
"کیوں، کیا ہوا۔۔۔؟" رومیصہ کو اپنے لیے اس کی یہ شدت پسندی اچھی لگی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اگلا جملہ اس کی ساری خوشی ملیامیٹ کر دے گا۔
"دیکھو رومی! مجھ پر یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم ٹینا سہگل کی بیٹی ہو۔۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا، اس کے زہر آلود لہجے پر وہ ایک لمحے کو سُن ہوئی۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔؟" رومیصہ بمشکل بولی۔۔

"میرا جو مطلب ہے، تم اچھی طرح سے جانتی ہو، اور میں تمہیں وہ سب کچھ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا جو ٹینا سہگل آج تک کرتی آئی ہیں، بیوی ہو تم میری، اس بات کو اپنے ذہن میں رکھا کرو۔۔۔"
ارسل کے اس جملے سے اس کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا، آنسوؤں کا ایک گولا اس کے حلق میں اٹک گیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ارسل اسے اس کی ماں کے حوالے سے بھی کوئی طعنہ دے سکتا ہے۔
"مجھے یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ میں ٹینا سہگل کی ہی بیٹی ہوں، اور نکاح نامے پر سائن کرنے سے پہلے تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے۔۔۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔۔۔؟" دوسری طرف وہ بھی طیش میں آیا۔
"ایسا کیا کر دیا ہے میں نے۔۔؟ ذرا کھل کر بتائیں ناں۔۔۔" وہ بھی دوبدو میدان میں اتر آئی۔
"ضرورت کیا ہے تمہیں ان کے ساتھ گھومنے کی۔۔۔؟" وہ جھنجلا گیا۔
"اگر اصل بات کا علم نہیں ہے آپ کو تو بہتر ہوگا کہ خاموش رہیں۔۔۔" رومیصہ غصے سے فون بند کر چکی تھی۔ اس کا دماغ اس وقت کھول رہا تھا۔ ارسل کے ان جملوں نے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔

☆☆☆

ارسل کو نور محل آئے ہوئے کچھ گھنٹے ہی ہوئے تھے۔۔۔
بے چینی، پریشانی اور غصے کی ملی جلی کیفیت اس کے چہرے کے ایک ایک نقش سے عیاں تھی۔
اسلام آباد آنے والے میر ہاؤس کے مکینوں کا مسکن ہمیشہ نور محل ہی ہوتا تھا اور ارسل کے تو ویسے ہی کل سے ایگزام اسٹارٹ تھے اس لیے فارحہ بھابھی نے اس کا کمرہ سیٹ کروا دیا تھا۔ اور اب اسے آنے والے کئی دنوں تک یہیں رہنا تھا۔۔
رومیصہ کے جملوں کی وجہ سے اس کا دل و دماغ کھول رہا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ٹینا ہاؤس میں پہنچ کر وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے کبھی صوفے پر بیٹھ جاتا اور کبھی ایک ہاتھ کا مکہ فضاؤں میں لہرا کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"سمجھتی کیا ہے وہ خود کو، ایک بار میری کال تو اٹینڈ کرے۔" اس نے بے زاری سے اس کا نمبر کوئی بیسویں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بار ملایا لیکن ہر دفعہ فون آف کی ٹیپ اس کے اشتعال میں اضافہ کرنے کا موجب بنتی۔
فارحہ بھابھی ایک چھوٹی ٹرے میں بلیک کافی کے دو کپ رکھے اندر داخل ہوئیں اور جانچتی ہوئی نگاہوں سے ارسل کا بیزار چہرہ دیکھا۔ وہ اب صوفے پر بیٹھ چکا تھا لیکن اس کا ماتھا شکنوں سے پُر تھا۔
"ارسل! کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔۔۔؟" فارحہ بھابھی نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اچانک پوچھا تو وہ گڑبڑا سا گیا۔
"نن......نہیں تو، آپ سے کس نے کہا۔۔۔؟" اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔
"جب سے تم یہاں آئے، ہو خاصے ٹینس دکھائی دے رہے ہو، میر ہاؤس میں تو سب ٹھیک ہے ناں۔؟" فارحہ نے ہلکا سا جھجک کر اس سے پوچھا۔ وہ عموماً دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی ذرا کم ہی کرتی تھیں۔
"ارے نہیں بھابھی! ایسا کچھ نہیں ہے، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔" وہ زبردستی مسکرایا۔
"تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں، ورنہ میری چھٹی حس تو کوئی اور ہی اشارہ دے رہی ہے۔۔" فارحہ بھابھی کی اس بات پر اس نے گھبرا کر بات بنائی۔

"آپ کی چھٹی حس غلط کہہ رہی ہے، ایکچوئلی میں اپنے فائنل وائیوا کی وجہ سے تھوڑا اپ سیٹ ہوں، تیاری نہیں ہے اور ایک فرینڈ نے اسائنمنٹس بھی گم کر دی ہیں میری۔۔۔" اس نے فارحہ بھابھی کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔
"تھینکس گاڈ! میں تو ڈر ہی گئی تھی۔۔۔" وہ مسکرائیں اور ارسل نے بڑی ذہانت کے ساتھ موضوع گفتگو تبدیل کیا۔۔
"آپ یہ بتائیں......وہاج بھائی کدھر ہیں، نظر نہیں آ رہے یہاں۔"
"نظر بھی کیسے آئیں گے، وہ ملتان گئے ہوئے ہیں پچھلے اتوار سے۔"
"خیریت۔۔۔؟" وہ ہلکا سا چونکا۔۔
"پتا تو ہے، الیکشن قریب ہوں تو ان کا زیادہ وقت وہیں گزرتا ہے۔" انہوں نے پھیکے سے انداز میں مسکرا کر جواب دیا، ویسے بھی وہاج کے یہاں نہ ہونے سے وہ زیادہ پرسکون رہتی تھیں کیونکہ صبح و شام کوئی ذہنی اذیت دینے والا نہیں ہوتا تھا۔
"تو آپ میر ہاؤس میں آ جاتیں، یہاں اکیلے کیسے رہ رہی ہیں۔۔" ارسل کا سارا دھیان رومیصہ کی طرف تھا اور وہ دانستہ خود کو دوسری طرف لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں اسے مسلسل ناکامی کا سامنا ہو رہا تھا۔
"اکیلی کہاں ہوں، دا جی اور بابا بھی تو صبح و شام یہیں ہوتے ہیں۔۔۔"
انہوں نے سائیڈ میز پر رکھا ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔
وہ جو کافی کا مگ پکڑے مسلسل بے چینی کی کیفیت کے ساتھ وہاں براجمان تھا، اس نے یونہی سامنے دیکھا کسی نیوز چینل پر چلنے والی پٹی پر اسے ہلکا سا جھٹکا لگا۔ سامنے ٹی وی پر ٹکر چل رہا تھا، مشہور و معروف فیشن ڈیزائنر، اور بیوٹیشن ٹینا سہگل کی خودکشی کے معاملے پر خاندانی ذرائع نے تصدیق کرنے سے معذرت کر لی اور ان کی بیٹیاں اس مسئلہ پر کوئی بھی بیان دینے پر راضی نہیں۔۔ ارسل نے ہاتھ میں پکڑا کافی کا مگ پریشانی سے سائیڈ میز پر رکھ دیا۔
"ٹینا سہگل کی خودکشی کا کیا قصہ ہے بھابھی۔۔۔؟" اس نے دانستہ لاپروائی سے پوچھا کیونکہ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ فارحہ بھابھی کا زیادہ ٹائم ٹی وی اسکرین کے سامنے ہی گزرتا تھا اور ارسل کو اس خبر نے ٹھیک ٹھاک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پریشان کیا تھا۔

''زیادہ ڈیٹیل تو نہیں پتا چل سکی، لیکن میڈیا کے لوگوں کا کہنا ہے کہ بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کی بے وفائی کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے، لیکن تم کیسے جانتے ہوا نہیں۔۔۔؟'' فارحہ بھابھی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ وہی ہیں ناں جو ٹیناز کے نام سے بیوٹی سیلون کی ایک چین چلا رہی ہیں، ان کو کون نہیں جانتا۔۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ اس نے اپنے چہرے کے تاثرات کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

''ہاں۔ میڈیا میں خاصی ان رہتی ہیں، پچھلے دنوں ان کی بیٹی کے اغوا کا بھی خاصا ایشو رہا ہے۔۔'' فارحہ بھابھی کی بات پر ارسل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''کیا کہتے ہیں لوگ۔۔۔؟ کس نے کڈنیپ کیا ہوگا اسے۔۔؟''

''جسٹس محمود کی فیملی کا ہاتھ ہی بتا رہے ہیں، باقی اللہ جانتا ہے۔۔'' فارحہ بھابھی نے اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ ان کے سیل فون پر کوئی کال آنے لگی اور وہ فون اٹھا کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئیں۔

ارسل نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز بند کی، ٹینا سہگل کی خودکشی کی خبر نے اس کا سارا سکون غارت کر دیا تھا اور اسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وہ رومیصہ کے ساتھ غصے میں کچھ غلط کر چکا ہے۔

☆☆☆

محمد ہادی، آج کافی دنوں بعد قریشی ولا میں داخل ہوا تو شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔۔۔

اس کی گاڑی سرمئی تارکول کی بنی ہوئی سڑک پر بڑے ہموار انداز سے چلتی ہوئی پورچ میں آن کر کھڑی ہوگئی، وہ جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلا، اس نے مناہل کو لان میں اکیلے بیٹھا دیکھا تو وہیں چلا آیا، وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

''کیا ہوا منو، شکل پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں۔۔۔؟'' اس نے سامنے آکر اپنا ہاتھ لہرایا تو وہ گویا کسی گہری نیند سے ہڑبڑا کر جاگی۔

''ارے! تم کب آئے۔؟ پتا ہی نہیں چلا۔۔۔''

''خیر ہے ناں منو! ایسی کون سی گہری سوچ میں گم تھیں جو میری گاڑی کے ہارن کی آواز بھی سنائی نہیں دی۔'' وہ پریشان ہوا۔

''بس تھیسس جمع کروانے کی آخری تاریخ آرہی ہے اور کام کافی پڑا ہوا ہے۔۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی، حقیقتاً وہ برہان کی وجہ سے خاصی ٹینشن میں تھی جو پچھلے تین دن سے نہ تو یونیورسٹی آرہے تھے اور نہ ہی اس کی کوئی کال اٹینڈ کر رہے تھے۔

''کوئی محبت وحبت کا روگ تو نہیں پال لیا تم نے۔۔۔'' ہادی نے اسے چھیڑا۔

''تمہیں پتا ہے یہ میرے بس کا روگ نہیں۔ تم سناؤ تمہارا عشق کہاں تک پہنچا۔۔۔؟''

''وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا، اب اس کا حال سنائیں کیا۔۔۔''

وہ شرارت سے گنگنانے لگا، مناہل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ محض اسے ٹرخانے کے لیے ایسا کر رہا ہے اس لیے اس نے بھی فوراً ٹاپک تبدیل کیا۔

''کتنے دن کے لیے آئے ہو گھر۔۔۔؟''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''کل شام کو چلا جاؤں گا، یہ بتاؤ رومیو جولیٹ کہاں ہیں، نظر نہیں آرہے۔۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنے والدین کے بارے میں پوچھا۔

''ماموں کا آج کوئی آفیشل ڈنر تھا اور عالیہ ممانی ہاسپٹل گئی ہیں شہزاد کی ممی کی عیادت کرنے۔۔'' مناہل کی بات پر وہ چونکا۔

''کیا ہوا انہیں۔۔۔؟ سب خیریت تو ہے ناں۔۔۔؟''

''لگتا ہے تم نے آج صبح کی نیوز نہیں سنیں، ورنہ آج کا تو ہاٹ ایشو بنا ہوا ہے یہ ٹاپک۔۔''

''اچھا چلو پھر اندر جا کر دیکھتے ہیں اور تمہارے ہاتھ کے نگٹس کے ساتھ چائے پیتے ہیں۔۔'' ہادی نے بے تکلفی سے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا، وہ جو ست انداز میں بیٹھی ہوئی تھی بادل نخواستہ اٹھی، اور اسی وقت اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی اور برہان کا نام دیکھ کر اس کا دل بے اختیار دھڑکا۔

''کہاں ہیں آپ۔۔۔؟ صبح سے کئی کالز کر چکی ہوں میں، کم از کم بندہ کسی ٹیکسٹ کا جواب ہی دے دیتا ہے۔'' مناہل کچھ لمحوں کے لیے تو ہادی کی موجودگی کو بھی فراموش کر بیٹھی۔

''آئی ایم سوری مناہل! گھر میں تھوڑا سیریس ایشو چل رہا تھا، اس لیے فون اٹینڈ نہیں کر پایا۔۔'' دوسری طرف سے برہان کی تھکی تھکی آواز مناہل کی سماعتوں سے ٹکرائی اور وہ چلتے چلتے رک گئی۔

ہادی نے بلا ارادہ اس کا چہرہ بہت غور سے دیکھا اس کی بے چینی اور بے قراری بہت سی ان کہی داستانیں سنا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ کی انگلی سے ہادی کو اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود لان میں ہی کھڑی ہوگئی۔

''کون سا سیریس ایشو، سب ٹھیک تو ہے ناں۔۔؟'' مناہل کا دل عجیب سی لے میں دھڑکا۔

''تمہارے مطلب کی بات نہیں ہے وہ، ایچوئلی علاقے کی سیاست کا معاملہ ہے، الیکشن قریب ہے ناں اس لیے سب کی دوڑیں لگی ہوئی ہیں۔'' برہان نے اسے ٹالا، ویسے بھی اپنی شادی کی بات وہ اسے فون پر کیسے بتا سکتے تھے۔

''آپ کا سیاست سے کیا لینا دینا، بس چھوڑیں ان سارے معاملات کو اور کل یونیورسٹی آئیں۔ مجھے ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔۔'' مناہل نے دھونس جمانے والے انداز میں حکم صادر کیا تو وہ ایک لمبی سی سرد آہ بھر کر رہ گئے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے ایک لفظ نہیں کہہ پائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مناہل قریشی اتنی بڑی بات آسانی سے سہہ نہیں پائے گی اور انہیں اب یہ سوچنا تھا کہ وہ اس سارے معاملے سے کس طرح نبٹیں۔ جو ان کے اور مناہل کے بیچ دیوار چین کی مانند حائل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

میر ہاؤس میں انابیہ اور برہان کی رخصتی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

شارقہ بیگم صبح سے اسٹور میں رکھے بڑے بڑے لوہے کے باکس سے سامان باہر نکلوا کر انہیں دھوپ لگوا رہی تھیں، ویلوٹ کے لحاف، گرم بستر، چادریں اور پشاور سے منگوائے گئے دوپٹوں کے تھان اور اللہ جانے کیا کچھ پیٹیوں سے نکل رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ ممانی، یہ کتنی خوبصورت انڈین ساڑھی ہے۔۔۔۔'' نمیرہ نے ایک شاپر سے بنارسی ساڑھی نکالی۔

''تمہارے خاقان ماموں انڈیا سے لائے تھے میرے لیے، لیکن میں نے انابیہ کے لیے رکھ دی۔۔'' آج تو شارقہ بیگم کا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''بڑی امی بری کی شاپنگ کے لیے کراچی جائیں گی، آپ بھی پلیز پروگرام بنالیں ناں۔۔'' کرسی پر بیٹھی طوبیٰ نے بھی ماں سے فرمائش کی۔

''پہلے زخمی پیر تو ٹھیک کرلو اپنا پھر کراچی بھی چلی جانا۔۔۔'' شارقہ بیگم نے اپنی بیٹی کو جھاڑا تو اس کا منہ بن گیا۔

''نمیرہ! جا کر انابیہ کو بلا کر لاؤ، اللہ جانے اس لڑکی کی نیند کیوں پوری نہیں ہوتی۔۔'' شارقہ بیگم نے نمیرہ کو اس کے کمرے کی طرف بڑھایا۔

''ہاں آج کل ساس بہو میں نیند۔ پوری کرنے کا مقابلہ چل رہا ہے۔۔'' ندرت امی نے تاجدار بیگم پر کھلم کھلا طنز کیا، وہ پچھلے کچھ دنوں سے اپنے کمرے تک ہی محدود تھیں، اور سب جانتے تھے کہ انہوں نے شاہ میر والی بات کو دل سے لگالیا ہے۔

''اور یہ درشہوار بھی لگتا ہے اپنے کمرے میں بیٹھ کر کوئی چلہ کاٹ رہی ہے، ذرا جو احساس ہو اس لڑکی کو کہ بھائی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے، ویسے تو تیسرے محلے میں بھی پہنچ جاتی ہے ڈھولک بجانے، بندہ کوئی تو ہلّہ گلہ کرتا ہے، لیکن یہاں تو کسی کو ہماری خوشی کا احساس ہی نہیں۔۔۔'' ندرت امی کو بھی آج ضرورت سے زیادہ ہی انابیہ پر لاڈ آرہا تھا۔

''ارے چھوڑو ندرت! ابھی بہت دن پڑے ہیں اس ہلّے گلّے کے لیے۔''

شارقہ بیگم نے اپنی سوتن کو تسلی دی تو طوبیٰ نے انتہائی حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا جو آج بہت عرصے کے بعد ایک ہی رنگ میں رنگی نظر آرہی تھیں۔ ورنہ دونوں سوکنوں میں اینٹ کتے کا بیر تھا اور یہ بات پورا خاندان جانتا تھا۔

اسی وقت نمیرہ کے ساتھ انابیہ جمائیاں لیتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلی اور جیسے ہی سیڑھیاں اتر کر ہال کمرے میں پہنچی تو شارقہ بیگم کے ساتھ بڑے خوشگوار موڈ میں بیٹھی ہوئی ندرت امی کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا۔ اس نے ایک دفعہ زور سے آنکھوں کو مل کر دیکھا۔

''یہ نظر کا دھوکا نہیں، حقیقت ہے پیاری بہن، اور مجھے لگتا ہے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی بھی۔۔'' طوبیٰ نے شرارتی لہجے میں اپنی بہن کو تسلی دینے کے انداز میں کہا، وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے بھی شارقہ بیگم اور ندرت امی کا ایک ساتھ بیٹھنا ہضم نہیں ہو رہا۔

''ارے بیا، بہت اچھے موقعے پر آئی ہو تم، یہ دیکھو اپنی شادی کا انویٹیشن کارڈ۔۔'' نمیرہ جو ندرت امی کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی تھی، ایک دم بولی۔

''شادی کارڈ۔۔۔!!!'' بیا کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا۔

''اباجی نے تو ایسے راتوں رات کارڈ پبلش کروا لیے ہیں جیسے گھر میں ہی چھاپہ خانہ کھول رکھا ہو۔۔'' ندرت امی قہقہہ لگا کر ہنسیں۔

''تمہارا اور ہانی بھیا کا نام دیکھو کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔۔'' نمیرہ نے سلور گرے کلر کا ایک نفیس سا کارڈ انابیہ کی طرف بڑھایا۔

ندرت امی اور شارقہ بیگم کی موجودگی میں اس نے ہلکا سا جھجک کر کارڈ پکڑا اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر در آئی، اس نے بے یقینی سے اپنا اور برہان کا نام ایک ساتھ دیکھا، دل میں بہت عرصے بعد ایک سچی خوشی کا احساس بیدار ہوا لیکن اس کی عمر خاصی مختصر تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

برہان عجلت بھرے انداز میں اپنا لیپ ٹاپ والا بیگ اٹھائے اپنے کمرے سے نکلے اور اپنی دونوں چاچیوں کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ ہلکا سا چونکے اور پھر سر جھٹک کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

''ہانی بھیا یہ دیکھیں ذرا۔۔۔!!!'' نمیرہ لپک کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور شرارت سے کارڈ ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''کیا ہے یہ۔۔۔؟'' ان کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری در آئی۔۔

''ندرت امی! دولہے میاں پوچھ رہے ہیں، کس کی شادی کا کارڈ ہے یہ، کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں انہیں۔۔۔؟'' نمیرہ کی شوخی برہان کو زہر لگی لیکن وہ ندرت امی کے سامنے اسے ڈانٹنے کا رسک نہیں لے سکتے تھے کیونکہ وہ نمیرہ کے معاملے میں خاصی جذباتی ہو جاتی تھیں۔

''نمیرہ پیچھے ہٹو، مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے۔۔۔'' ناگواری ان کے لہجے سے چھلکی۔

''ارے بیٹا، اپنی شادی کا کارڈ تو دیکھ لو، اتنی محبت سے بہن تمہیں دکھا رہی ہے۔۔'' ندرت امی کی بات پر انہیں پانچ سو واٹ کا جھٹکا۔

''کس کی شادی کا کارڈ ہے یہ۔۔۔؟''

انہوں نے بوکھلا کر نمیرہ کے ہاتھ سے انوی ٹیشن کارڈ پکڑا اور خوفزدہ نظروں سے سامنے لکھی تحریر کو پڑھا اور ان کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا۔

میر حاکم علی ان کے سارے پر کاٹ چکے تھے اور انہیں اب ساری زندگی ان کے عطا کردہ پنجرے میں سر مارتے ہوئے گزارنی تھی کیونکہ اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔

☆☆☆

''مجھے یہ گھر خریدنا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔''

جارج نے اپنی بیوی مارتھا کے سامنے یہ جملہ کوئی تیسری دفعہ دہرایا تو وہ ہلکا سا چڑ گئیں۔۔''ایک ہی بات بار بار کیوں کر رہے ہیں آپ۔۔؟''

''تم نہیں جانتی ہو اس گھر کی وجہ سے اس علاقے کے کریپٹ کونسلر نے کتنا زچ کر رکھا ہے مجھے۔۔''

''کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ ہمارا۔۔۔'' مارتھا نے اپنے شوہر کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

''خام خیالی ہے یہ تمہاری، اس شخص کی شہرت بہت زیادہ خراب ہے اور لینڈ مافیا اور اعلیٰ حکام کے ساتھ تعلقات ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ اسی کی وجہ سے پرانا مالک مکان اپنی جان چھڑا کر گیا ہے یہاں سے۔۔'' جارج نے اپنی بیوی کو ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''اور جاتے جاتے ہمیں پھنسا گیا۔ اسے اصل بات بتانی چاہیے تھی۔۔۔؟'' مارتھا کو بھی ایک دم غصہ آ گیا۔

''اس بیچارے کو تو ہم نے پھر بھی اس کمرشل جگہ کی اچھی خاصی قیمت ادا کر دی ہے، یہ کارنر کے پلاٹ پر بنا ہوا گھر ہے اور وہ کونسلر تو کوڑیوں کے بھاؤ اس سے خریدنا چاہتا تھا۔'' جارج نے انہیں کھل کر اصل معاملہ بتایا۔

''تو وہ اب ہم سے کیا چاہتا ہے۔۔۔؟''

''یہی کہ ہم بھی اونے پونے داموں اسے بیچ کر یہ گھر خالی کر دیں۔۔۔''

''جب ہم اسے سیل کرنا ہی نہیں چاہتے تو کیا وہ زبردستی ہم سے خریدے گا۔۔'' مارتھا نے بیزاری سے کہا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''ہاں اس کے ارادے تو مجھے کچھ ایسے ہی لگ رہے ہیں، تبھی اس کے بندے ہر جگہ دھمکانے کے لیے آجاتے ہیں مجھے۔۔۔''

''آپ پولیس اسٹیشن جا کر ان کے خلاف رپورٹ درج کروا دیں۔۔۔'' مارتھا کے مشورے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ جارج کے چہرے پر آ گئی۔

''تھانے بھی گیا تھا میں اور جا کر پتا چلا کہ وہ اس شہر کے ایم این اے کا خاص بندہ ہے۔۔۔''

''تو ہم کیا کریں پھر۔۔۔؟'' مونیکا نے بُرا سا منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

''ایس ایچ او صاحب نے کہا کہ سکون سے جا کر اپنے گھر بیٹھ جائیں اور کونسلر صاحب کی بات مان لیں کیونکہ اس تھانے میں میر صاحب کے کسی بندے کے خلاف کوئی رپورٹ نہیں کاٹی جا سکتی۔۔۔'' جارج کی بات پر مارتھا کے چہرے پر پہلی دفعہ تشویش کے سائے نمودار ہوئے۔۔

''چھوڑو تم اس بات کو، مونیکا کہاں ہے، اس کا لاہور کا ٹکٹ لے آیا ہوں میں۔۔''

''مائیکل کب آ رہا ہے پاکستان۔۔۔؟''

''اگلے اتوار کو۔۔۔'' جارج کی بات سن کر مونیکا کا اپنے بیگ کی زپ بند کرتا ہوا ہاتھ رکا۔ وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہوئی۔

''بس اس کے آتے ہی ہم مونیکا کا فرض ادا کر دیتے ہیں، کچھ تو ہمارا بوجھ ہلکا ہو۔۔۔''

''ہاں اس کے باپ سے بات ہو چکی ہے میری۔۔۔ وہ راضی ہے۔۔۔''

''خداوند، خیر خیریت سے یہ خوشی کا موقع لائے۔ ورنہ دل تو بہت زیادہ ڈرا ہوا ہے۔۔'' مارتھا کی آواز میں ڈھیروں وہم پوشیدہ تھے۔

''کچھ نہیں ہوتا، تم تسلی رکھو، خدوند ہمارے ساتھ کبھی بُرا نہیں کرے گا۔۔'' جارج نے اپنی بیوی کو تسلی دینے کی کوشش کی، لیکن کمرے میں موجود مونیکا کا سارا سکون اور اطمینان برباد ہو گیا۔

اسی وقت پڑوس میں واقع مسجد سے عصر کی اذان کی آواز گونجنے لگی، جسے سنتے ہی مونیکا کے چہرے کے تاثرات میں ایک تغیر رونما ہوا۔

اس کے دل سے سکون اور سرشاری کی ——— لہریں نکلیں اور پورے وجود پہ چھا گئیں اسے یقین ہو گیا کہ رب کائنات اس کے ساتھ کچھ بُرا نہیں کرے گا۔

کئی گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ ملتان سے لاہور پہنچی تو ذوالکفل اسے لینے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر مونیکا کی ساری تھکن چند سیکنڈوں میں دُور ہو گئی۔۔۔

''تم اپنے فیصلے پر ابھی بھی قائم ہو ناں۔۔۔'' اس کی گاڑی میں بیٹھتے ہی مونیکا نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''تم یہ بات کیوں پوچھ رہی ہو۔۔۔'' وہ زیر لب مسکرایا۔

''پتا نہیں کیوں، مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے خدانخواستہ کچھ غلط نہ ہو جائے۔۔۔''

''اللہ کہتا ہے کہ جیسا گمان رکھو گے، ویسا ہی دوں گا۔۔۔'' ذوالکفل نے محبت بھرے انداز سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ اس کا سینہ ایمان کی روشنی سے بھرا ہوا تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا رب اسے اکیلا چھوڑ دیتا۔

اگلی شام کو بادشاہی مسجد میں ان دونوں کا نکاح چند دوستوں کی موجودگی میں بہت خاموشی سے پڑھا دیا گیا اور ذوالکفل مونیکا کا ہوسٹل سے سامان اٹھا کر اپنے فلیٹ میں لے آیا، جہاں دونوں اپنے اپنے خاندانوں کو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بتائے بغیر اپنی نئی زندگی کی شروعات کر چکے تھے۔۔

☆☆☆

''مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے برہان بھائی اس رخصتی سے خوش نہیں ہیں۔۔''
اپنی واڈروب سیٹ کرتی ہوئی انابیہ کے ہاتھ اس جملے پر رکے اور اس نے مڑ کر استہزائیہ نظروں سے سامنے بیٹھی ہوئی اپنی ماں جائی کی طرف دیکھا۔وہ پیر پر بینڈیج کیے اپنے بیڈ سے ٹیک لگائے بڑے افسردہ انداز سے نیم دراز تھی۔
''تمہیں اب محسوس ہوا ہے اور میں کئی سالوں سے جانتی ہوں۔۔۔''اس کے ایک ایک لفظ میں چھپا کرب طوبیٰ کے دل کو تڑپا گیا۔اس نے بہت غور سے اپنی بہن کا بجھا ہوا چہرہ دیکھا،جس کے حصّے میں قسمت نے ساری ادھوری خوشیاں لکھ دی تھیں۔
''اگر اس فیصلے میں ان کی خوشی شامل نہیں تھی تو انہیں نکاح کے وقت ہی ہامی نہیں بھرنی چاہیے تھی۔۔۔''طوبیٰ ناراضی سے گویا ہوئی۔
''اس وقت ان کے لیے مجھ سے زیادہ اہم ان کی پی ایچ ڈی تھی۔۔''انابیہ نے واڈروب کا پٹ بند کر کے طنزیہ لہجے میں کہا۔
''لیکن یہاں تو لگتا ہے پورا خاندان ہی اس فیصلے پر خوش نہیں،جس کو دیکھو اس کے چہرے پر بارہ بجے ہوئے ہیں جیسے خدانخواستہ سب کو باجماعت سولی پر لٹکایا جا رہا ہو۔۔''طوبیٰ نے اس بار ذرا کھل کر تبصرہ کیا۔
''کیوں،کیا ہوا۔۔۔؟''انابیہ کا دل بُری طرح سے دھڑکا۔''کیا تائی امی نے کچھ کہا ہے۔۔۔''
''وہ تو تب کہیں گی،جب اپنے حجرے سے باہر قدم رنجہ فرمائیں گی۔۔''طوبیٰ نے بیزاری سے سر جھٹکا۔
''شاہ میر والی بات پر ان کی ناراضی چل رہی ہے داجی اور تایا ابا سے۔۔۔''انابیہ نے غیر دانستہ طور پر ان کی طرف داری کی۔
''چھوڑو بیا،مجھے تو لگتا ہے کہ وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ کی جانے والی زبردستی پر خوش نہیں ہیں،اسی لیے تو خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا ہے،ورنہ اتنی بھی بڑی بات نہیں،جتنی وہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔''
''تمہیں درشہوار نے کچھ کہا ہے کیا۔۔۔؟''انابیہ نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔
''ان محترمہ کو بھی لگتا ہے کہ اس اعلان کے بعد سانپ سونگھ گیا ہے،مجال ہے کہ ایک لفظ بھی مبارکباد کا اس کے منہ سے نکلا ہو،ورنہ تم تو جانتی ہو،وہ تو سات گھر چھوڑ کر بھی کسی کی شادی ہو تو وہاں جانے کو مچلنے لگتی ہے۔''
طوبیٰ کے لہجے کی بے زاری اور تلخی گواہ تھی کہ اس نے ان سب کے رویّوں کا بہت باریک بینی کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے اور اس وجہ سے وہ خاصی دکھی تھی۔
''میں کیا کہہ سکتی ہوں،جب میری قسمت میں ہی ایسا لکھا ہے۔۔''انابیہ سارے کام چھوڑ کر اس کے پاس آن بیٹھی۔
''تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتی ہو ہانی بھیا سے۔۔۔''
''یہ رخصتی اسی کا خمیازہ ہی تو ہے۔۔۔''
''مطلب۔۔۔؟؟؟؟''طوبیٰ نے الجھ کر بیا کا افسردہ چہرہ دیکھا۔
''داجی نے ہم دونوں کی باتیں سن لی تھیں،انہیں بھی پتا چل گیا کہ برہان کا انٹرسٹ کسی اور میں ہے۔''
انابیہ نے ہلکا سا جھجک کر بتایا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''اور اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ تمہیں زبردستی برہان نامی کھونٹے سے باندھ دیا جائے، ہے ناں۔۔'' طوبیٰ جی بھر کر بدمزا ہوئی۔

''وہ ہر چیز کا حل زور زبردستی میں ہی ڈھونڈتے ہیں، یہ مزاج ہے ان کا۔۔'' ایک تلخ مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔

''اب کیا زبردستی کسی کے دل میں بھی گھسائیں گے وہ۔۔۔'' طوبیٰ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''دل میں تو بس مناہل قریشی کا ڈیرا ہے اور اس کی موجودگی میں وہاں کون داخل ہو سکتا ہے۔۔۔'' انابیہ نے اپنی انگلیوں کو چٹخانا شروع کر دیا۔ جو اس کے اندرونی اضطراب کی عکاسی کر رہا تھا۔

''کیا بہت خوبصورت ہے مناہل قریشی۔؟''

''محبت کسی عام سے چہرے کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اس میں۔۔'' انابیہ زبرتی مسکرائی۔

''تمہارے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہوتی ہے ناں وہ۔۔۔'' طوبیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا تو انابیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو۔۔۔؟'' انابیہ نے الجھ کر طوبیٰ کا چہرہ دیکھا، جس پر کسی فیصلہ کن سوچ کا عکس تھا، اور لبوں پر ایک پُراسراری مسکراہٹ نے ڈیرا جما لیا تھا، انابیہ کو اس زہر آلود تبسم سے ہلکا سا خوف محسوس ہوا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

☆☆☆

''مام چکن کارن سوپ بنواؤں آپ کے لیے۔۔۔۔؟''

شہزاد نے ٹینا بیگم کی تازہ ترین رپورٹس پڑھتے ہوئے فکر مند لہجے میں پوچھا اور دوسری طرف حسب توقع جواب نفی میں ہی آیا۔

ٹینا بیگم کو ہاسپٹل سے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا لیکن ان کے ہونٹوں پر خاموشی کی جو مہر ثبت ہو چکی تھی وہ گھر آنے کے بعد بھی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی اوپر سے وہ مسلسل ٹرینکولائزر کا استعمال کر رہی تھیں اور چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے غنودگی میں گزار دیتیں۔ یہ بات شہزاد اور رومیصہ دونوں کو فکر مند کرنے کے لیے کافی تھی۔

''ڈاکٹرز اتنی زیادہ میڈیسن کیوں دے رہے ہیں انہیں۔۔؟'' رومیصہ نے پریشانی سے سائیڈ میز کی طرف دیکھا، جو اس وقت رنگ برنگی ادویات سے بھرا ہوا تھا۔

''مام کے اعصاب کو پُرسکون رکھنے کے لیے۔۔۔'' شہزاد نے ہاتھ میں پکڑی فائل احتیاط سے ایک طرف رکھی۔

''تین دن سے یہ مسلسل سو رہی ہیں اور یہ مسئلے کا حل تو نہیں۔۔۔'' رومیصہ بےزاری سے گویا ہوئی۔

''ڈاکٹرز بہتر طریقے سے جانتے ہیں کہ ان کا ٹریٹمنٹ کیسے کرنا ہے۔۔'' شہزاد نے متحمل انداز سے جواب دیا۔

''تم نے شکل دیکھی ہے ان کی، ایسا لگتا ہے جیسے برسوں کی بیمار ہوں۔۔'' وہ فکر مند لہجے میں بولی۔

''فارگاڈ سیک رومی! یہ بات تم مام کے سامنے مت کہہ دینا، وہ ایک نئے ڈپریشن میں چلی جائیں گی۔'' شہزاد نے ہلکا سا جھنجلا کر کہا کیونکہ۔ وہ جانتی تھی کہ ٹینا بیگم اپنے معاملے میں کس حد تک حساس ہیں۔

''میں تو چاہتی ہوں کہ وہ ان فضول قسم کے ڈپریشن سے نکل کر اپنے اوپر دھیان دیں۔۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رومیصہ کے افسردہ انداز پر شہزاد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی اسکرین کو غور سے دیکھ رہی تھی، سیل فون کی آواز بند تھی، اس لیے اسکرین پر ایک نمبر بلنک کر رہا تھا جو صرف رومیصہ جانتی تھی کہ ارسل کا ہے جس سے وہ سخت خفا تھی۔

''کال اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی ہو تم۔۔۔؟'' شہزاد نے اپنے لہجے کو سرسری بنا کر کہا۔

''میرا موڈ نہیں ہے۔۔۔''

''کون ہے۔۔۔؟''

''ایک فرینڈ ہے یونیورسٹی کی۔۔۔'' رومیصہ نے جھوٹ بولتے ہوئے کال ایک دفعہ پھر کاٹ دی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ارسل کو اس کی ماں کی بیماری کا علم ہو چکا ہے اور وہ اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اسی وقت ٹینا بیگم نے آنکھیں کھولیں، دونوں بہنیں بے اختیار ان کی طرف متوجہ ہوئیں، ان کی آنکھوں کے پپوٹے مسلسل سونے کی وجہ سے سوج چکے تھے اور چہرے کی جلد سے بھی ساری تر و تازگی ختم ہو چکی تھی۔ ان کے سارے وجود پر محسوس کی جانے والی تھکن کا بسیرا تھا۔

''مام! کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟'' شہزاد لپک کر ان کے پاس پہنچی، اور انہوں نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلا کر ٹھیک ہونے کا اشارہ کیا، اسی وقت ملازمہ دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹا کے اندر داخل ہوئی۔

''کیا بات ہے رشیدہ۔۔۔؟'' رومیصہ نے سر اٹھا کر ملازمہ کی طرف دیکھا۔

''بی بی جی، کوئی سیف الرحمٰن صاحب آئے ہیں بیگم صاحبہ سے ملنے کے لیے۔۔۔'' ملازمہ کی بات پر ناگواری کی ایک لہر رومیصہ کے چہرے پر دوڑی اور شہزاد نے پریشانی سے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا جو بالکل سپاٹ تھا۔

''مجھے کسی سے نہیں ملنا۔۔۔'' ٹینا بیگم کے منہ سے نکلنے والے اس بے ساختہ جملے پر دونوں نے تعجب بھرے انداز سے ان کی طرف دیکھا، چار دن کے بعد انہوں نے یہ مکمل پانچ لفظی جملہ بولا تھا۔

''مام، آپ کو مل لینا چاہیے ان سے، وہ آپ کے لیے بہت زیادہ اپ سیٹ ہیں۔۔۔'' شہزاد نے دبے دبے انداز میں کہا تو رومیصہ نے ــــ ناراضی سے بھرپور ایک نظر شہزاد پر ڈالی، جیسے اس کی بے وقوفی پر یقین آ گیا ہو۔

''جب وہ ملنا نہیں چاہتیں، تو تم کیوں زبردستی کر رہی ہو۔۔۔'' رومیصہ ہلکا سا چڑ کر گویا ہوئی۔

''میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ مام نارمل لائف کی طرف واپس آ جائیں، اس طرح کتنے دن لوگوں سے کٹ کر رہا جا سکتا ہے۔'' شہزاد نے اپنی بہن کو سمجھانے کی کوشش کی جو بے سود رہی۔

''نارمل لائف گزارنے کے لیے سیف الرحمٰن سے ملنا کوئی ضروری نہیں۔۔'' رومیصہ کے لہجے میں کوفت کا بھرپور عنصر شامل تھا۔

''بی بی جی، کیا کہوں ان سے۔۔۔؟'' ملازمہ ان دونوں کی بحث سے پریشان ہو چکی تھی۔

''ان سے کہہ دو کہ بیگم صاحبہ سو رہی ہیں اور انہوں نے جگانے سے منع کیا ہے۔۔۔'' شہزاد نے رشیدہ کی مشکل آسان کی۔ وہ جلدی سے واپس مڑ گئی اور اس نے اپنی ماں کا چہرہ غور سے دیکھا، ان کی پلکوں پر اٹکا ہوا ایک آنسو شہزاد کا سکون برباد کر چکا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مام نے محض رومیصہ کی وجہ سے ان سے ملنے سے انکار کیا ہے۔

☆☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ارسل لائبریری سے باہر نکلا تو دو پہر کے دو بج رہے تھے،اس نے کوئی دو گھنٹے وہاں بیٹھ کر رومیصہ کا انتظار کیا تھا۔

لیکن اس نے بھی شاید نہ آنے کی قسم کھا رکھی تھی۔۔

ارسل نے رات چار پانچ میسجز سوری کے کر کے اسے یونیورسٹی آنے کو کہا تھا،لیکن رومیصہ نے ایک بھی ٹیکسٹ میسج کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا،جو اس بات کی عکاسی کر رہا تھا کہ وہ اس سے اب بھی خفا ہے اور اس کی خفگی ارسل کو بے چین کر رہی تھی۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس دن وہ ارتضیٰ حیدر کے ساتھ ہاسپٹل سے ہی آ رہی ہوگی اور وہ اب اپنی جذباتیت پر خاصا شرمندہ تھا اور اس سے مل کر اپنے روّیے کی معذرت کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کی کال اٹینڈ کرنا تو دُور کی بات اس کے کسی میسج کا جواب دینا بھی پسند نہیں کر رہی تھی۔

ارسل بوجھل قدموں کے ساتھ پارکنگ کی طرف چلا آیا،جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی کچھ سوچ کر آخری بار رومیصہ کا نمبر ڈائل کیا اور اس بار خلاف توقع کال اٹینڈ کر لی گئی ۔ارسل کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔

''تھینکس گاڈ میری جان،تم نے کال تو اٹینڈ کی۔۔۔''ارسل کے ہلکے پھلکے انداز پر دوسری طرف رومیصہ سمجھ چکی تھی کہ اس کا سارا غصہ ختم ہو چکا ہے لیکن رومیصہ اسے اتنی آسانی کے ساتھ بخشنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''کیوں کال کی ہے مجھے۔۔۔؟''وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

''سوری کرنے کے لیے۔۔۔''وہ اس کے ناراض لہجے پر ہلکا سا مسکرایا۔

''ہاں،پتا چل گیا ہوگا کہ ۔اس دن میں ارتضیٰ حیدر کے ساتھ ہنی مون منا کر نہیں اپنی بیمار ماں کی عیادت کر کے آ رہی تھی۔''

''دیکھو رومیصہ غلط بات مت کرو۔۔۔''وہ اس کے لفظ ہنی مون پر بُرا مان کر بولا۔

''میں خود بھی سراپا غلط ہوں اور میری باتیں بھی غلط ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ اپنے لیے کوئی درست انتخاب کر لیں۔۔''اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش شامل تھی اور ارسل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ دوسری طرف حالات خاصے خراب ہیں۔۔

''لیکن میرا دل تو ایک غلط لڑکی پر ہی اٹک گیا ہے۔کیا کروں۔۔؟''اس نے شرارتی انداز سے کہا۔

''غلطیوں کی تصیح کر لینی چاہیے اس سے پہلے کہ وقت ہاتھوں سے نکل جائے۔۔۔''رومیصہ نے کھلے دل سے اسے مشورہ دیا جو اسے بالکل پسند نہیں آیا۔

''تم اگر ایسے ہی جلے کٹے انداز میں گفتگو کرو گی تو میں تمہارے گھر آ کر اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں۔۔''ارسل نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

''اتنی ہمت ہے تو آ جاؤ۔۔۔''وہ استہزائیہ انداز سے گویا ہوئی۔۔

ریسیور کے دوسری طرف ارسل کی جانب بالکل خاموشی چھا گئی اور چار پانچ سیکنڈ کے وقفے کے بعد کال کٹ گئی۔رومیصہ نے بھی بے زاری سے سر جھٹک کر اپنا سیل فون بیڈ پر پھینک دیا،پتا نہیں کیوں،ارسل کے ان زہر آلود جملوں کا اثر زائل ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔وہ بالوں میں برش کر کے سٹنگ روم کے کاؤچ پہ آ کر لیٹ گئی۔

رومیصہ کو اپنے بیڈ روم سے نکل کر سٹنگ روم میں آئے بمشکل بیس منٹ ہی ہوئے تھے جب انٹر کام سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چوکیدار نے رومیصہ کو اطلاع دی کہ کوئی ارسل صاحب اس سے ملنے آئے ہیں۔
رومیصہ کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا اور کچھ لمحوں کے لیے تو اسے لگا جیسے ٹیٹانک ہاؤس کی چھت اس کے سر پر آن گری ہو، وہ انٹر کام کا ریسیور ہاتھ میں پکڑے بالکل سُن انداز میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

''پتا ہے کسی لڑکی کے لیے سب سے بڑی انسلٹ کی بات کیا ہوتی ہے۔؟؟؟''
مناہل قریشی نے یونیورسٹی کیفے ٹیریا میں اپنے سامنے بیٹھے برہان کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا تو انہوں نے جھٹ سے نفی میں سر ہلا دیا۔
''جب سامنے بیٹھے مرد کی نظریں اس لڑکی پر اور دل و دماغ کہیں اور الجھا ہوا ہو۔''
مناہل کے گلہ آمیز انداز پر وہ ہلکی سی خفت کا شکار ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آج مناہل کا شکوہ بالکل جائز ہے۔ وہ دونوں پورے چار دن کے بعد ملے تھے اور برہان کا دماغ واقعی کہیں اور الجھا ہوا تھا۔
وہ مسلسل اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ کس طرح اسے اپنے نکاح اور اب رخصتی کے بارے میں بتائیں۔ وہ مرحلہ جس سے وہ اتنے سالوں سے ڈرتے رہے تھے آج نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سامنے آ چکا تھا۔
''آخر ہوا کیا ہے برہان، آپ کھل کر کیوں نہیں بتا رہے۔۔؟'' مناہل کو اپنی پسندیدہ بلیک کافی کا ذائقہ آج سے پہلے اتنا تلخ کبھی محسوس نہیں ہوا۔
''ارے بابا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔'' انہوں نے مسکرا کر سامنے بیٹھی لڑکی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔
''تو پھر آپ اتنے الجھے الجھے کیوں ہیں۔۔۔؟'' وہ ان کے مزاج کے سب موسموں کی ساتھی تھی۔
''بس دو چار دن سے عجیب سی کیفیت ہے، شاید موسم تبدیل ہو رہا ہے۔۔'' افسردگی ان کے ایک ایک لفظ سے عیاں تھی۔
''آپ کے دل کا موسم اچھا ہونا چاہیے، باہر کے موسموں کی خیر ہے۔۔'' مناہل نے سینڈوچ کا ایک نوالہ لے کر باقی ان کی طرف بڑھایا جو انہوں نے مسکراتے ہوئے لے لیا۔ ''تم سناؤ، کیا چل رہا ہے تمہاری طرف؟''
''کچھ خاص نہیں، کل ماموں اور ممانی کی تیسویں ویڈنگ اینورسری ہے میریٹ میں اور آپ در شہوار کے ساتھ انوائیٹڈ ہیں۔۔'' مناہل نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک نفیس سا انوٹیشن کارڈ نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔
''مناہل میں وہاں آ کر کیا کروں گا۔۔۔؟''
''دھمال ڈالیں گے، کتنی عجیب بات کر رہے ہیں آپ۔ ان فنکشنز میں کوئی آ کر بھلا کیا کرتا ہے۔۔؟'' وہ ہلکا سا چڑ گئی۔
''میرا یہ مطلب تھا کہ میں تو ان سب کو نہیں جانتا۔۔۔'' انہوں نے بوکھلا کر وضاحت دی۔
''کسی سے ملیں گے تو جان پہچان کے مرحلے طے ہوں گے ناں، ویسے بھی مجھے ہادی سے ملوانا ہے آپ کو۔'' وہ لاڈ بھرے انداز سے گویا ہوئی۔
''کون ہادی۔۔۔؟؟؟'' برہان نے بے دھیانی میں پوچھا۔
''اوہ مائی گاڈ، اب آپ پوچھیں گے کہ کون ہادی۔؟ وہ جھنجھلا کر مزید گویا ہوئی۔۔'' میرا کزن، ماموں کا بیٹا، میرا دودھ شریک بھائی، ہزار دفعہ بتا چکی ہوں میں آپ کو اس کے بارے میں۔۔۔'' وہ ٹھیک ٹھاک بُرا مان گئی۔
''کیا ہوا مناہل۔۔۔؟'' وہ پریشان ہوئے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''بس بہت ہوگئی، آپ اٹھیں اور گھر جا کر آرام کریں، کل میریٹ میں ملاقات ہوگی۔اب میں آپ ک مزید بہکی بہکی باتیں نہیں برداشت کر سکتی۔۔''مناہل نے زبردستی برہان کا ہاتھ پکڑا اور کیفے ٹیریا سے باہر لے آئی

☆☆☆

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ارسل۔۔۔؟'' رومیصہ اڑتی ہوئی ڈرائینگ روم میں پہنچی۔

اس نے گھبرائے ہوئے انداز سے گلاس وال کے آگے بلائنڈز کیے تاکہ باہر گھومتے ہوئے ملازموں کو اندر کا منظر دکھائی نہ دے، جبکہ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا وہ تو شکر تھا کہ ٹینا بیگم سو رہی تھیں اور شہزادا اپنے آفس گئی ہوئی تھی ورنہ اس ۔صورت حال کو سنبھالنا خاصا مشکل ہو جاتا اس کے لیے......

''کیا مرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔۔۔؟'' رومیصہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''اپنی بے رخی سے ماردو یا اپنے گارڈز کے ہاتھوں، بات تو ایک ہی ہے ناں۔۔'' وہ بڑے اطمینان سے ایسے بیٹھا تھا جیسے سسرال والوں نے خصوصی دعوت نامہ دے کر بلوایا ہو۔

''ارسل ٹرائے ٹو انڈراسٹینڈ، شیری گھر آگئی تو اسے کیا جواب دوں گی میں۔۔'' وہ سخت پریشان تھی۔

''بتا دینا بہنوئی ہے تمہارا۔'' اس نے سائیڈ میز پر پہلے سے رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور سکون سے پینے لگا۔

''تمہیں پتا ہے کہ گیٹ پر سی ٹی وی کیمرہ لگا ہوا ہے۔ریکارڈنگ ہوتی ہے ساری۔۔۔۔''

''ہاں تو میں بھی تو اچھا خاصا شیو کر کے اچھی طرح تیار ہو کر آیا ہوں۔۔۔'' وہ رومیصہ کی کسی بھی بات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہا تھا۔

''اٹھو اور نکلو یہاں سے۔۔۔'' رومیصہ نے اس کا بازو پکڑ کر زبردستی اٹھایا اور اس نے کھڑے ہوتے ہی شرارت سے اسکے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں سے ہلکا سا چھوا تو وہ ایک دم گڑبڑا کر پیچھے ہٹی، اس کی بوکھلاہٹ سے ارسل خاصا محظوظ ہوا۔

''اب بھی خفا ہو مجھ سے۔۔؟''

وہ اپنی گہری نظروں کی تپش سے اسے اچھا خاصا پزل کر چکا تھا، تبھی تو وہ اس سے نظریں چرائے، سرخ چہرے کے ساتھ مسلسل نفی میں سر ہلا کر اسے ناراض نہ ہونے کا یقین دلا رہی تھی۔اس کی بہادری اور بے خوفی نے رومیصہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے، وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس قدر دھڑلے سے اسے منانے کے لیے اس کے گھر آ سکتا ہے۔۔

''نن نہیں ارسل، تم پلیز جاؤ، ہم فون پر بات کر لیں گے۔۔۔'' رومیصہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے کوئی منتر پڑھ کر غائب کر دے۔

''پہلے وعدہ کرو، کل یونیورسٹی آؤ گی مجھ سے ملنے۔۔۔'' ارسل کا لہجہ محبت کی شیرینی سے لبریز تھا۔

''آئی پرامس۔۔۔'' اس وقت تو وہ جان بھی مانگ لیتا تو رومیصہ انکار نہ کرتی۔

''او کے خیال رکھنا اپنا۔۔۔'' اس نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے دائیں گال کو ہلکا سا چھوا اور وہ بدک کر کچھ قدم پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

ارسل اس کی گھبراہٹ پر ہنسا اور میز پر رکھی اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈرائینگ روم سے نکل گیا۔رومیصہ نے جان بچ جانے پر سکون کا سانس لیا اور صوفے پر گرنے کے انداز میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بیٹھ گئی۔

☆☆☆

میر ہاؤس پر عجیب سی نحوست کا سایہ چھایا ہوا تھا۔
برہان اس دن گھر لوٹے تو ذہنی اور جسمانی طور پر سخت تھکے ہوئے تھے۔انہوں نے درشہوار کو بلوا کر انوی ٹیشن کارڈ اس کے سامنے رکھا تو درشہوار کے چہرے پر پھیلنے والی فطری خوشی کا عکس اتنا نمایاں تھا کہ وہ بھی چونک گئے۔
''تم اتنا خوش کیوں ہو رہی ہو۔؟ میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔۔'' برہان کی بات پر درشہوار کا دل ڈھل کر رہ گیا۔
''بھائی اٹس ناٹ فیئر۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا کر مزید گویا ہوئی۔''منائل بہت زیادہ ہرٹ ہوگی۔۔۔''
''اچھا ہے اسے ابھی سے اس چیز کی عادت ڈال لینی چاہیے۔۔'' انہوں نے بے زاری سے اپنے موزے اتار کر پاؤں بیڈ پر رکھے۔
''آپ نے اپنی شادی کا بتایا انہیں۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔
''نہیں۔۔۔'' انہوں نے بے اختیار نظریں چرا کر کہا۔
''ابھی بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔۔۔'' درشہوار کی بات پر وہ چونکے اور تعجب انگیز انداز سے اس کی طرف دیکھا۔
''میرا یہ مطلب تھا کہ اتنے دن پہلے بتا کر انہیں ٹینس کرنے کا کیا فائدہ اور کیا پتا، اللہ کوئی بہتر راستہ نکال دے۔'' درشہوار نے بھائی کی دل جوئی کے لیے یونہی کہا ورنہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ میر ہاؤس میں کیے جانے والے فیصلے کبھی تبدیل نہیں کیے جاتے۔
''کیا راستہ نکلے گا بیچ کا۔۔۔؟'' ایک زہر آلود تبسم نے ان کے لبوں پر انگڑائی لی۔
''جب خاقان چچا دو دو بیویاں رکھ سکتے ہیں تو آپ کیوں نہیں۔۔۔'' درشہوار نے اپنے بھائی کو نیا سبق پڑھایا، کچھ لمحوں کے لیے تو برہان بھی بول نہیں پائے لیکن درشہوار کی بات میں کچھ نہ کچھ تو دم تھا، ان کے تنے ہوئے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے۔
''بس فیصلہ ہو گیا، ہم لوگ کل ضرور جائیں گے اس فنکشن میں۔۔'' درشہوار نے لاڈ بھرے انداز سے برہان کے گلے میں بازو ڈالے، یہ اس کا اپنے بھائیوں سے بات منوانے کا ایک خاص انداز تھا، جس کے آگے سبھی بے بس ہو جاتے۔
برہان نے بھی زبردستی مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ درشہوار کے دل کی کلی کھل اٹھی، وہ ابھی سے سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ یادی اسے اچانک سامنے دیکھ کر کیسا ری ایکٹ کرے گا اور وہ اس فنکشن میں بہت دل سے تیار ہو کر جانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

پہاڑوں پر اترتی شام میں آج اداسی کا رنگ نمایاں تھا۔۔
بہت دنوں بعد طوبیٰ، اور نمیرہ دونوں آج سامنے والے لان میں ڈیرا ڈال کر بیٹھی ہوئی تھیں، طوبیٰ کا پاؤں ابھی بھی ٹھیک نہیں ہوا تھا اس لیے اسے چلنے پھرنے میں کافی دشواری کا سامنا تھا، اس لیے وہ جس جگہ بیٹھ جاتی تو گھنٹوں بیٹھی ہی رہتی۔۔۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسی وقت انابیہ ان دونوں کی چائے کی ٹرے لیے باہر نکلی تو نمیرہ کو ایک دم یاد آیا۔ ''آپ نہیں جائیں گی آج فنکشن میں۔۔۔؟''

''کون سا فنکشن۔۔۔؟'' انابیہ حیران ہوئی۔

''لو جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے۔۔۔'' نمیرہ نے اپنی پلیٹ میں ایک ساتھ تین کباب ڈالتے ہوئے طنز کیا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟''

''ذرا درشہوار صاحبہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھیں، رات سے فیشل، کلینزنگ، مینی کیور، پیڈی کیور اور اب سولہ سنگھار کر کے محترمہ برہان بھائی کے ساتھ ڈپارٹمنٹ کے کسی فنکشن میں جا رہی ہیں، ہمیں تو یہی بتایا گیا ہے۔۔۔''

''ڈپارٹمنٹ کا فنکشن۔؟ لیکن آج کل تو سب اسٹوڈنٹس کو فری کر دیا گیا ہے اور ایسا کوئی فنکشن ہوتا تو مجھے ضرور علم ہوتا۔۔۔'' انابیہ حیران ہوئی۔

''تو پھر کہاں جا رہے ہیں دونوں بہن بھائی اتنا سج دھج کر، درشہوار سے تو اپنی خوشی سنبھالی ہی نہیں جا رہی۔۔۔'' نمیرہ کے کان کھڑے ہوئے۔

''ہو سکتا ہے فیکلٹی کا کوئی فنکشن ہو، جس میں اسٹوڈنٹس انوائیٹڈ نہ ہوں۔۔'' انابیہ کے انداز میں سادگی تھی۔

''تو پھر درشہوار کے جانے کی کیا تک بنتی ہے بھلا۔؟ اور بے مروتی کی انتہاء دیکھو، اس خود غرض لڑکی نے ایک دفعہ بھی ہم میں سے کسی کو جھوٹے منہ بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔۔۔'' نمیرہ کے اپنے ہی خود ساختہ دکھ تھے۔

''خود غرض لوگ بس اپنی ذات کے خیمے میں ہی رہتے ہیں، دوسروں کے اوپر کیا گزرتی ہے، ان کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔'' طوبیٰ نے بلند آواز میں تبصرہ کیا، وہ بھی آج کل درشہوار پر تپی ہوئی تھی۔۔

اسی وقت گھر کا اندرونی دروازہ کھلا اور تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

درشہوار ٹی پنک کلر کی اسٹائلش سی میکسی میں اپنے سارے ہتھیاروں سے لیس نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی، اس کے ساتھ براؤن کلر کے ٹو پیس سوٹ میں برہان کی تیاری بھی کسی سے کم نہیں تھی۔

انابیہ نے نظر اٹھا کر ان دونوں بہن بھائیوں کی خصوصی تیاری کی طرف دیکھا اور اپنی چائے میں چینی ملانا بھول گئی۔

''ہائے۔۔۔'' پینسل ہیل کے ساتھ بڑی نزاکت کے ساتھ چلتی ہوئی درشہوار نے ان تینوں کو دیکھ کر زبردستی ہاتھ ہلایا پورچ میں کھڑی برہان کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔۔۔

''یہ تو ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی فیشن شو میں حصہ لینے جا رہی ہو۔۔'' طوبیٰ نے بیزاری سے جواب دیا۔

''اور مجھے تو لگ رہا ہے جیسے دونوں بہن بھائی کسی خاص جگہ پر انوائیٹڈ ہوں، ورنہ درشہوار کہاں ڈھنگ سے ہاتھ منہ دھوتی ہے لیکن رات تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی بیوٹی سیلون میں بکنگ کروا لے اپنی۔۔'' نمیرہ کی بات پر انابیہ کے دماغ میں خطرے کا الارم بجا۔

''بیا پتا تو کرواؤ، آخر فیکلٹی میں ایسا کون سا فنکشن ہے۔۔۔؟'' طوبیٰ کا بھی ماتھا ٹھنکا۔

''کرن سے کہتی ہوں، اس کی ایک کزن ہمارے ہی ڈیپارٹمنٹ میں وزیٹنگ پروفیسر ہے۔۔'' انابیہ نے اپنا سیل فون اٹھایا۔ اسی وقت میر ہاؤس کا دروازہ کھلا اور شاہ میر کی خاکی جیپ اندر داخل ہوئی، ان تینوں کو ایک دم دھچکا سا لگا۔ طوبیٰ نے گھبرا کر پورچ کی طرف دیکھا، داجی، تایا ابا اور بابا کی گاڑیاں غائب تھیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی اپنی پوری تسلی کر کے ہی آیا تھا۔

''ہائے لیڈیز، کیا آج سے پہلے اتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ بندہ نہیں دیکھا۔؟''اس کی شوخی عروج پر تھی۔

''ہم نے تو بہت دیکھے ہیں، بس دعا کرو کہ داجی اور تایا ابا نہ دیکھیں۔۔۔''جواب حسب توقع طوبیٰ کی طرف سے ہی آیا۔

''بندے کی شکل اگر پیاری ہو تو اسے بات بھی پیاری ہی کرنی چاہیے، کیوں بھاوج۔۔؟''اس نے انابیہ کو بھاوج کہہ کر چھیڑا تو وہ ایک دم سرخ ہوگئی۔

''اُف یہ لالیاں برہان بھائی دیکھ لیں تو قسم سے پاگل ہو جائیں۔۔۔''اس نے مزید مسکہ لگایا۔

''داجی کو پتا ہے کہ تم اس وقت میر ہاؤس میں موجود ہو۔۔''نمیرہ نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

''نہیں۔تم فون کر کے بتا دو۔اس کے بعد امی کی پشاوری چپل سے بچنے کے لیے نور محل چلی جانا۔۔''

''تائی امی نے بلوایا ہے تمہیں۔۔؟''

''ظاہر ہے اس گھر میں دو ہی لوگوں کے کہنے پر میں اڑتا ہوا آ سکتا ہوں، ایک تو میری پیاری ماں ہے اور باقی دوسرے کو جاننے کے لیے تم تینوں پرچیاں ڈال لو۔جس کا نام نکلے گا وہی ہوگی۔۔''اس نے طوبیٰ کی پلیٹ سے دو نگٹس ایک ساتھ اٹھا کر شرارت سے منہ میں ڈالے۔

''باتیں کروا لو اس سے جتنی مرضی۔۔۔''نمیرہ نے اس کی بات کو چٹکیوں میں اُڑایا۔

''چائے بناؤں تمہارے لیے۔۔؟''انابیہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں، چائے تو میں اماں کی گود میں سر رکھ کر پیوں گا، ویسے ہیں کہاں وہ اس وقت۔۔؟''شاہ میر کا موڈ خاصا خوش گوار تھا۔

''وہ تو جس دن سے تم گئے ہو اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلیں۔۔''نمیرہ کی اطلاع پر وہ غیر سنجیدگی سے طوبیٰ کی طرف دیکھ کر شرارت سے بولا۔

''کچھ لوگ میری محبت میں کمرے سے ہی نہیں نکلے اور کچھ نے تو پیر ہی زمین پر رکھنے سے انکار کر دیا، یا اللہ اتنی محبتیں پا کر کہیں میں مر ہی نہ جاؤں۔''

''اللہ نہ کرے۔''طوبیٰ کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور شاہ میر اس کی بے ساختگی پر قہقہہ لگا کر ہنسا تو وہ نمیرہ اور انابیہ کی موجودگی میں ایک دم خفت کا شکار ہوئی جبکہ نمیرہ حیرانی سے ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی کیونکہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے۔

☆☆☆

میریٹ کے اس ہال میں رنگ و بو اور روشنیوں کا ایک سیلاب سا آیا ہوا تھا۔

مسز عالیہ قریشی اور عبداللہ صاحب ریسپشن پر کھڑے مسکراتے ہوئے اپنے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔محمد ہادی بلیک ڈنر سوٹ میں مناہل کے ساتھ وہیں موجود تھا، آج تو مناہل کی بھی تیاری دیدنی تھی۔سیاہ رنگ کے سوٹ میں سلیقے کے ساتھ میک اپ کیے وہ خاصی کیوٹ لگ رہی تھی۔۔

''تمہارے اسپیشل گیسٹ نہیں پہنچے ابھی تک۔۔۔''ہادی نے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''بات ہوگئی ہے میری، ابھی دس منٹ میں پہنچنے والے ہیں۔۔''مناہل نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ آج برہان کا اپنی فیملی کے ساتھ خصوصی تعارف کروانا چاہتی تھی اور ہادی کو کچھ کچھ اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ خاص مہمان، مناہل کے لیے واقعی خاص تھے کیونکہ وہ بار بار بے چینی سے ریسپشن کی طرف دیکھ رہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھی۔۔

"ارے شہزاد، تم۔۔۔؟؟؟" مسز عالیہ قریشی کے لیے شہزاد کی آمد بالکل غیر متوقع تھی کیونکہ انہیں امید نہیں تھی کہ ٹینا بیگم کی خراب طبیعت کی وجہ سے شہزاد اس فنکشن کو اٹینڈ کر پائے گی۔

"بہت بہت مبارک ہو مسز قریشی۔۔۔" شہزاد نے بکے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے خلوص دل سے کہا۔

"تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے مجھے۔۔۔" انہوں نے والہانہ انداز سے شہزاد کو اپنے گلے لگایا، یہ لڑکی انہیں پہلے دن سے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوتی تھی۔ اس نے بڑی جلدی محنت سے ان کے چیمبر میں اپنا ایک خاص مقام بنا لیا تھا۔۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو تم۔۔۔" مسز قریشی نے پیار بھری نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی۔۔

آف وائٹ نیٹ کے سوٹ کے ساتھ اس کے گھنے بال ایک فرنچ ٹیل کی صورت میں بندھے ہوئے تھے۔ ہلکے سے میک اپ اور نفیس ڈائمنڈ جیولری میں وہ عام دنوں سے ہٹ کر بہت منفرد لگ رہی تھی، اس کی شخصیت میں ایک محسوس کیے جانے والا وقار تھا۔۔

اس فنکشن میں شہر کی پوری کریم جمع تھی۔ قریشی صاحب اور ان کی مسز کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ اس کا اندازہ شہزاد کو ہال میں پہنچتے ہی ہو گیا تھا۔ وہ ایک سائیڈ پر سب مہمانوں سے الگ تھلگ رکھے صوفے پر بیٹھی تھی جب اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی۔ ہم زاد کا نام دیکھ کر اس کے لبوں پر بے ساختہ سی مسکراہٹ دوڑی۔

"فار گاڈ سیک! اب یہ مت کہنا کہ تم بھی اس گیدرنگ میں موجود ہو۔" شہزاد کی بات پر وہ ہلکا سا ہنسا۔ اس کے سیل فون کے بیک گراؤنڈ میں چلتا ہوا دھیما دھیما سا میوزک اسے اس بات کا یقین دلا گیا تھا کہ وہ بھی کہیں آس پاس موجود ہے۔

"میرا فیورٹ کلر جہاں پہنو گی، وہاں آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔۔۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور شہزاد بلا ارادہ اٹھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگی، ہال کافی بڑا تھا اور اس وقت سب ہی مہمان سوفٹ ڈرنکس وغیرہ پینے میں مشغول تھے۔

"کہاں ہو تم۔۔۔؟" شہزاد کو اتنے سارے لوگوں کے ہجوم میں اسے تلاش کرنے میں دقت ہوئی۔

"تمہارے دل میں۔۔۔" وہ شرارت سے ایک بار پھر ہنسا۔۔

"اٹس ناٹ فیئر۔۔۔!!!" وہ ہلکا سا جھنجھلائی۔۔

"اس فنکشن میں جو سب سے ہینڈسم مرد ہو گا، سمجھ لینا 'وہ میں ہوں۔۔۔'" اس نے ایک بار پھر شوخی سے کہا۔

"تو پھر مجھے اس ہینڈسم مرد کی تلاش آج کر ہی لینی چاہیے۔۔۔" شہزاد فیصلہ کن انداز میں اٹھی، اس کی متلاشی نگاہیں پورے ہال میں دوڑنے لگیں۔

"صوفے پر رکھا اپنا کلچ بھی اٹھا لو، کیوں میری خاطر اپنا نقصان کرواؤ گی۔۔۔"

وہ ہنس کر فون بند کر چکا تھا۔ شہزاد کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں، وہ جان چکی تھی کہ وہ اس کے بالکل آس پاس ہے ورنہ صوفے پر رکھا اس کا چھوٹا سا کلچ اسے کیسے نظر آتا۔ اس نے کھوجتی نگاہوں سے اپنے اردگرد کھڑے گروپس کی شکل میں موجود لوگوں کو غور سے دیکھنا شروع کیا سب ہی انجان چہرے تھے۔ وہ ہلکی سی مایوسی کا شکار ہوئی۔۔۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دوسری طرف مناہل سیل فون کان سے لگائے ہادی کا ہاتھ پکڑے اسے ریسپشن کی طرف لے جا رہی تھی، اس کے چہرے پر موجود بے تابی نے آج ہادی کے سامنے سے بہت سے پردے ہٹا دیے تھے۔۔

''اب ایسے کون سے نواب صاحب ہیں، جن کو ریسیو کرنے کے لیے پارکنگ میں جانا ضروری ہے۔''

ہادی کو مناہل کی بے چینی اب بیزاری میں مبتلا کر رہی تھی، وہ بادل نخواستہ انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

''بکومت اور اپنے چہرے کے زاویے درست کرو، سمجھے۔۔۔'' مناہل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے بُری طرح سے ڈانٹا۔

''منو، ہم ریسپشن پر بھی تو ان کو ویلکم کہہ سکتے تھے۔۔۔'' اس نے بُری سی شکل بنائی۔۔

''دو چار قدم چل لو گے تو کیا ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی تمہاری، میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے۔۔۔'' وہ چلتے چلتے ناراضی سے رکی۔

''اچھا بابا! چلو، اگر تم کہتی ہو تو ان کے استقبال کے لیے سائیڈ سے کوئی گملا بھی اٹھا لیتا ہوں۔۔'' ہادی نے اس کی خاطر اپنا موڈ سیٹ کیا۔

''تم اپنے 'پھول' گملے اپنے سسرال والوں کے لیے سنبھال کر رکھو، بس ان کو پورے فنکشن میں اسپیشل پروٹوکول دینا ہے۔ میرے بار بار اصرار کرنے پر آنے کے لیے راضی ہوئے ہیں وہ۔۔۔'' مناہل پارکنگ کی طرف بڑھتے ہوئے اسے ساتھ ساتھ ہدایات دے رہی تھی۔

''ایسے بھی کون سے نواب آف کالا باغ ہیں وہ۔۔۔'' ہادی نے شرارتی نظروں سے مناہل کا سرخ چہرہ دیکھا۔

''بس تم نواب ہی سمجھ لو انہیں۔۔۔''

''تمہارے دل کی سرزمین کے۔۔۔؟'' ہادی نے شوخ لہجے میں لقمہ دیا۔

''ہاں۔۔۔'' مناہل کے جواب نے اسے ہکا بکا کر دیا۔

''اب چلو، یہ ایکٹنگ بعد میں کر لینا 'ڈرامے باز۔۔۔'' مناہل نے اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔ وہ دونوں جیسے ہی ہوٹل کی مین ریسپشن پر پہنچے 'گلاس ڈور کھلا اور برہان کے ساتھ درشہوار نے بڑے پراعتماد انداز سے اندر قدم رکھا۔

''لو آ گئے برہان۔۔۔۔!!!'' مناہل کے والہانہ پُرجوش انداز پر ہادی نے سر اٹھا کر تجسس بھرے انداز سے سامنے دیکھا۔

اپنے سامنے میر برہان اور درشہوار کو دیکھ کر اسے ایک دم شاک لگا اور اس کے قدم سست پڑ گئے۔ وہ صدمے بھرے انداز میں درشہوار کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھوں میں محبت اور چاہت کا ایک جہان آباد تھا۔

ہادی سو بار مر کر بھی دوبارہ زندہ ہوتا تو تب بھی اس بات پر یقین نہ کرتا کہ مناہل جس شخص کی اتنی بے چینی اور بے تابی سے منتظر تھی وہ میر ہاؤس کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن تلخ حقیقت اس کے سامنے کھڑی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''دیکھ پگلی! تیرے ابا کو راجہ سے بہت پیار میں تیز تیز ڈوئی چلاتی گل سے کہا۔
ہے۔وہ تیری پھپھو کو کبھی منع نہیں کریں گے۔'' ''اونہہ! غریبوں کا راجہ! اگر ابا کو اپنے غریب
اماں نے آٹا گوندھتے ہوئے، پاس ہی بیٹھی، ہانڈی بھانجے سے پیار ہے تو کرتے رہیں مگر دوسروں کی

قرۃ العین خرم

گُل خوش

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

زندگی کیوں خراب کرنا چاہتے ہیں!"
گل نے ہاتھ روک کر کہا۔

اماں نے ایک نظر ہانڈی میں لگتے مسالے پر ڈالی اور پاس پڑے پانی کے برتن میں سے چند چھینٹے مسالے میں ڈالے تو شوں کی آواز کے ساتھ تھوڑا دھواں بھی اٹھا۔ گل منہ پر ہاتھ رکھ کر کھانسنے لگی۔

"کیا ہے اماں! جب سب کچھ خود کرنا ہوتا ہے تو مجھے کیوں آواز دیتی ہیں نا۔"

گل کو بہانہ چاہیے تھا، اس لیے فوراً وہاں سے اٹھ کر باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔

"سن لے گل! تیرا ابا آج کل میں تیری پھپھو سے رشتے کی بات کرنے والا ہے اور تو ہے کہ۔۔! پگلی ماں، باپ کے گھر کے لاڈ یہاں تک ہی رہ جاتے ہیں۔ مانا کہ تیری پھپھو بہت اچھے مزاج کی عورت ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ اپنی اولاد بھی نکمی ہو تو زیادہ دیر تک ان کے لاڈ نخرے بھی نہیں اٹھائے جاتے — اور تو تو بہو بن کے جائے گی، اس لیے کام سیکھ لے اب، نہیں تو سب کہیں گے کہ اکلوتی بیٹی کو کچھ سکھا کر نہیں بھیجا ہے۔"

"کبھی پھپھو کہیں گی، کبھی لوگ کہیں گے! اماں میری زندگی کیا ان باتوں کے گرد ہی گھومتی رہے گی؟ مجھے نہیں کرنی شادی وادی! نہ کسی راجہ سے اور نہ کسی شہزادے سے! مجھے بس پڑھنا ہے۔ ڈھیر سارا۔۔! وہ جیسے ٹی۔ وی میں لڑکیاں آتی ہیں نا! کتابیں ہاتھ میں پکڑے، تیزی سے کالج کی سیڑھیاں چڑھتی اور اترتی ہوئی، نئے اور اچھے کپڑے پہنے ہوئے، خوبصورت بال ہوا میں لہراتے ہوئے، ہنستی، کھلکھلاتی ہوئی، ہر فکر سے آزاد۔۔! اماں مجھے بھی ایسی زندگی جینی ہے۔ اماں! کیا ایسی زندگی ملنا بہت مشکل ہے؟"

ہانڈی میں کٹی سبزی ڈالتے ہوئے اماں نے گردن موڑ کر صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھی گل کو دیکھا تھا۔ دونوں ٹانگوں کو جھلاتے، اور چہرہ دونوں ہتھیلیوں میں سجائے، اپنے تصور میں کھوئی، وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔ اس لمحے اماں کا دل چاہا کہ ان کے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہوتی تو وہ اس کی ہر خواہش پلک جھپکتے ہی پوری کر دیتیں مگر وہ سر جھٹک کر ادھورے رہ جانے والے کاموں کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"تجھے میں اسی لیے پگلی کہتی ہوں۔ کتنی بار منع کیا ہے کہ زرینہ کے گھر ڈرامے دیکھنے مت جایا کر! نت نئی چیزیں دیکھ دیکھ کر تیرا دماغ خراب ہوتا ہے۔ زندگی آسان تو کسی کی بھی نہیں ہوتی۔"

اماں نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھایا تو وہ سیدھی ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر بولی۔

"مگر اماں ہماری زندگی تو کچھ زیادہ ہی مشکل ہے نا! اتنی مشکل کہ میرے چھوٹے چھوٹے خواب، اس چھوٹے اور کچے صحن کی مٹی میں کہیں گر کر گم ہو گئے ہیں۔ کتنا شوق تھا مجھے پڑھنے کا مگر آٹھویں سے آگے پڑھ ہی نہیں سکی۔"

گل کے چہرے پر گہری اداسی رقم تھی۔ اماں کے دل کو کچھ ہوا۔ اس سے پہلے کہ اماں کچھ کہتیں، لکڑی کا دروازہ، زوردار آواز کے ساتھ کھلا۔ اماں اور گل نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ابا تھکے ہوئے قدموں سے سائیکل اندر کر رہا تھا۔ ابا نے سائیکل دیوار کے ساتھ کھڑی کی اور صحن میں بیٹھی گل کو دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیا۔

"میرے پھولوں میں سے سب سے پیارا اور خوبصورت پھول ہے میری بیٹی!"

ابا نے پاس آ کر اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

"کیا لائے ہیں ابا؟" گل ساری اداسی بھول کر تجسس سے لفافے کے اندر جھانکنے لگی۔

"برفی!" سفید برفی کے کچھ ٹکڑے دیکھ کر گل کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"میری بیٹی کو بہت پسند ہے نا! چل آرام سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بیٹھ کر کھا اور سن!'' ابا نے پاس آتی اماں کی طرف دیکھا۔

''اپنی اماں کو بالکل مت دینا، اس کے لیے زیادہ میٹھا اچھا نہیں ہے۔''

ابا نے شرارت سے کہا تو گل کھلکھلا کر ہنس پڑی جبکہ اماں حیرت سے دونوں باپ بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

''لو بھلا میں نے کب فرمائش کی ہے کسی چیز کی۔''

اماں نے منہ بنا کر کہا اور بڑبڑاتے ہوئے روٹی بنانے چلی گئیں۔ گل پٹر پٹر بولتی، ابا کے پاس بیٹھی سارے دن کی روداد سنا رہی تھی۔ تھکا ہارا ابا مسکراتی نظروں سے اپنی بلبل کو چہکتے ہوئے دیکھنے لگا۔

''اچھا اب بس کر! اپنے ابا کو سکون سے روٹی تو کھانے دے!'' اماں نے روٹی کی چنگیر لکڑی کی میز پر رکھی اور سالن لینے چلی گئیں۔

گل جلدی سے اٹھ کر پانی کا جگ اور گلاس لے آئی۔ تینوں نے سکون سے کھانا کھایا اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے دسترخوان سے اٹھ گئے۔

''گل! چائے کا پانی چڑھا دے!'' اماں نے باورچی خانے کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔ ابا کھانے کے بعد چائے ضرور پیتے تھے۔ جو زیادہ تر گل ہی بنا کر پیش کرتی تھی۔ جب تک گل چائے بنا کر لائی، ابا اور اماں کسی بحث میں مصروف ہو چکے تھے۔ گل کو دیکھ کر دونوں چپ ہو گئے۔ گل، ابا کے سامنے چائے کا کپ رکھ کر، برفی کا شاپر ہاتھ میں پکڑے واحد کمرے کی طرف چل پڑی۔ جب تک اماں اور ابا نے سارے دن کی باتیں کر کے کمرے میں آنا تھا، گل نے پرانے رسالے میں سے ایک کہانی بہت آرام سے پڑھ لینی تھی۔ یہ رسالے بھی اسے زرینہ نے دیے تھے۔ گل نے رضائی کھولی اور اس میں گھس کر نیم دراز ہو کر مزے سے برفی کھاتے رسالہ کھول لیا۔ کہانی بہت طویل تھی یا اس کی نیند بہت کچی۔۔!

جب اماں سونے کے لیے کمرے میں آئیں تو گل سو چکی تھی اور پاس ہی رسالہ اوندھا پڑا ہوا تھا۔

''سچ میں پگلی ہے یہ!''

اماں نے مسکراتے ہوئے بوسیدہ رسالہ اٹھا کر بہت احتیاط سے طاق پر رکھا تھا۔ وہ ان پڑھ عورت یہ نہیں جانتی تھی کہ اس پرانے، بوسیدہ رسالے میں کیا ہے؟ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ ان بوسیدہ اوراق کو ہاتھ میں لیتے ہی، ان کی گل کے چہرے پر خوشی کے ان گنت رنگ پھیل جاتے تھے۔

☆☆☆

''میں گیارہ بجے تک راجہ کو بھیجوں گا! تب تک یہ گجرے بنا دینا۔ آج مجھے جلدی جانا ہے۔ صبح ہی صبح گاہک آنا شروع ہو جاتے ہیں۔'' قریبی مارکیٹ میں، دہی بھلوں کی مشہور دکان کے سامنے، ابا پھولوں کا ٹھیا لگاتا تھا۔ روز کے اتنے پھول بک جاتے تھے کہ ان کی دال روٹی عزت کے ساتھ چل رہی تھی۔ ابا اور اماں نے ساری زندگی خواہشوں کے بجائے، ضرورتوں کو پورا کرنے میں گزاری تھی۔ یہ سبق ہی وہ گل کو بھی پڑھانے کی کوشش کرتے تھے مگر انسان پڑھ تو کسی سے بھی لیتا ہے مگر سبق سب سے نہیں سیکھتا ہے۔ ایسا ہی گل کے ساتھ تھا۔ وہ ضدی یا ہٹ دھرم تو نہیں مگر جیتی جاگتی، سانس لیتی لڑکی ضرور تھی۔ جو اپنی آنکھوں میں نوعمری کے سب خواب سجانے کا پورا حق رکھتی تھی۔

''گل! دیکھ کر بنا کیا کر رہی ہے؟ گلاب، کے پھولوں کے الگ سے بنیں گے اور موتیے کے پھولوں کے الگ سے! ان کو ملا کیوں رہی ہے؟ ایک تو پہلے ہی اتنے کام کرنے والے پڑے ہوئے ہیں۔ اوپر سے اس لڑکی کی حرکتیں! چھوڑ دے میں خود کر لوں گی۔''

اماں نے جھنجلا کر اس کے سامنے سے دونوں ٹوکریاں اٹھائی تھیں۔

''کیا ہے اماں! ہر بات پر پابندی کیوں لگاتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہیں! بس میرا دل کرتا ہے کہ دونوں پھولوں کو ملا کر گجرے بناؤں! بلکہ ڈھیر سارے پھولوں کو ملا دوں۔ ایک دوسرے میں اس طرح ملاؤں کہ سب مل کر ایک نیا پھول بن جائیں! ڈھیر سارے رنگوں کا مختلف خوشبوؤں میں بسا ایک پھول اماں آپ کو پتا ہے کہ دنیا میں اتنے ڈھیر سارے مختلف رنگوں کے پھول ہیں اور۔۔۔!!"

گل نے اپنے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"تجھے کیسے پتا! ہاں ضرور اس زرینہ کے گھر چھوٹے سے ڈبے میں دیکھا ہوگا! تیرا وہاں جانا بند کرنا ہی پڑے گا!"

اس سے پہلے کہ گل کوئی جواب دیتی، ہلکی آواز میں سلام کرتا کوئی آگے بڑھا۔ اس چھوٹے سے محلے میں صبح کے وقت، دروازے بند کرنے کا رواج بہت کم تھا۔ جنید عرف راجہ کو دیکھ کر گل کے منہ کے زاویے بہت تیزی سے بگڑے تھے۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ ان کی باتیں سن چکا ہے۔

"آؤ بیٹا! ابھی گجرے تیار ہو جاتے ہیں! گل چائے کا پانی رکھو!"

اماں کو متوقع داماد کا سوچ کر آؤ بھگت کی پڑ گئی تھی۔ گل پاؤں پٹختی کونے میں بنے چھوٹے سے باورچی خانے میں چلی گئی۔ راجہ اماں کی باتوں کے جواب دیتا ہوا گجرے بنانے لگ گیا۔

"اماں! چائے ابھی بنا دی تو ابا کی چائے کے لیے پتی نہیں بچے گی۔"

گل نے باورچی خانے سے جھانک کر کہا۔

اماں کا دل کیا پاس پڑی جوتی اٹھا کر اسے مار دیں مگر اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے آرام سے بولیں۔

"پتی کا لفافہ ٹین کے کنستر میں بھی رکھا ہوا ہے۔ تو فکر مت کر۔ جلدی سے چائے بنا کے لے آ۔"

اماں نے باورچی خانے کی طرف منہ کر کے کہا۔ ان کی کوشش تھی کہ آنکھوں سے جھلکتی ڈانٹ گل تک بہ آسانی پہنچ جائے! مگر گل اندر سے ہی شور مچائے جا رہی تھی۔

"جان کے مذاق کر رہی ہے! عادت ہے اس کی۔" ساتھ ہی اماں نے راجہ کو تسلی دی۔ جو سر جھکائے کام میں مشغول تھا۔

"اماں! چینی بھی تھوڑی ہے!"

"کوئی بات نہیں، راجہ کم چینی ہی پیتا ہے۔ تو بس بنا لا چائے۔"

"اماں دودھ پتی بنانی ہے یا کڑک چائے؟"

ایک اور سوال حاضر تھا۔

"دودھ پتی بنا لے!" اماں نے ہائی ہوتے بلڈ پریشر کے ساتھ، لہجہ نرم ہی رکھا تھا۔

"اچھا! پھر تو نہیں بننے کی! دودھ بھی تھوڑا ہے گل نے اطمینان سے کہا۔

"اگر میں اٹھ کر آ گئی تو سب بن جائے گا! مجھے مجبور مت کر گل!"

اماں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس لیے غصے سے بولیں۔ راجہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"کوئی بات نہیں مامی جان! اس کی عادت ہے مذاق کرنے کی ہے نا۔"

راجہ کے کہنے پر اماں سر جھٹک کر بڑبڑانے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد گل چائے کا کپ تھامے حاضر ہوئی۔

"یہ لیں!" گل نے چائے کا کپ اتنے زور سے میز پر رکھا کہ چائے چھلک گئی۔

"بدسلیقہ لڑکی!" اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گل کی دھلائی کر دیں۔

"رکو بیٹا! میں ابھی آئی۔"

اماں کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھیں اور گل کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے غصے سے گھورا۔ گل کھسیا کر پیچھے ہٹی۔

کچھ دیر کے بعد وہ پلیٹ میں بسکٹ رکھ کر لے آئیں۔

"ارے مامی جان! اس تکلف کی کیا ضرورت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھی۔ میں نے کچھ دیر پہلے ہی تو ناشتہ کیا ہے۔" راجہ نے نرمی سے منع کیا۔

"نہیں بیٹا! اس میں تکلف والی کیا بات ہے! میں نے سوچا اس لڑکی کو کہا تو اس کے سوال پورے ہونے تک تمہاری چائے ہی ختم ہو جاتی! اس لیے خود ہی زحمت کر لی!"

اماں نے جلے بھنے انداز میں کہا تو راجہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ گل چڑ کر بولی۔

"اماں میں زرینہ کے گھر جا رہی ہوں۔" گل کہتے ہوئے اندر کمرے کی طرف چادر لینے چلی گئی۔

"ایک تو اس کی یہ سہیلی زرینہ! کسی دن اسے بھی سیدھا کرنا پڑے گا۔ سب پٹیاں وہ ہی پڑھاتی ہے اسے۔"

اماں کا مزاج آج گرم تھا۔ راجہ نے چائے ختم کی۔ تب تک گجرے بھی بن گئے تھے۔ راجہ نے اجازت لی۔

"راجہ بیٹا! گل کو بھی زرینہ کے گھر چھوڑ دینا۔ اس وقت گلی میں آوارہ لڑکوں کا رش بڑھ جاتا ہے۔ اکیلی لڑکی کا جانا اچھا نہیں لگتا۔"

اماں نے کہا تو گل تپ کر بولی۔

"میں خود چلی جاؤں گی! ایک گلی چھوڑ کر تو زرینہ کا گھر ہے۔"

"اگر راجہ کے ساتھ نہیں جانا تو اندر جا کر بیٹھ جا۔ آج تیرا اباپ آتا ہے تو بات کرتی ہوں۔ بہت سر چڑھ گئی ہے تو...!"

اماں نے پاس پڑی جوتی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جسے دیکھ کر گل فوراً کھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ اب راجہ کے سامنے اماں کی ہوائی چپل کھاتی، کیا اچھی لگتی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چل رہی تھی، جب پاس آ کر راجہ نے سائیکل کی گھنٹی بجائی۔ گل نے رکے بغیر، سر اٹھا کر تیکھی نظروں سے گھورا۔

"مامی جان کو کیوں تنگ کرتی ہو؟" راجہ نے پوچھا۔

"میری مرضی! میری اماں ہیں۔ میں جو چاہے کروں!"

اس نے تنک کر جواب دیا۔ راجہ زیر لب مسکرایا۔

"تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگتا کیا؟" راجہ نے ہلکی آواز میں پوچھا۔

"نہیں لگتا۔ پھر؟" گل کا انداز روکھا تھا۔ وہ زرینہ کے گھر پہنچ چکے تھے۔

"مگر مجھے تو اچھا لگتا ہے!" راجہ کی مسکراہٹ پر گل تپ گئی۔ وہ رک گئی اور کمر پر ایک ہاتھ رکھا اور بولی۔

"تمہیں کیوں اچھا لگتا ہے؟" وہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ اسے گھورنے لگی۔

"میری مرضی!" راجہ نے شرارت سے کہا اور گھنٹی بجاتا ہوا، تیزی سے آگے نکل گیا۔

"آج تو بچ گئے راجہ صاحب! کسی دن عاشقی جھاڑ کر دیکھیں! پھر بتاؤں گی!" گل پیچ و تاب کھاتی کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

☆☆☆

"آپ ہنس رہے ہیں؟" اماں نے حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھ کر ابا کو دیکھا۔ جن کی آنکھیں مسلسل ہنسنے سے بھیگ گئی تھیں۔

"گل کے ابا! ہر بات ہنسی مذاق میں مت اڑا دیا کریں! اپنی لاڈلی کو بلا کر اچھی طرح ڈانٹیں اور اس کی عقل ٹھکانے لائیں۔ کل کو اگلے گھر جا کر کیا کرے گی؟"

اماں تپ کر بولیں تو ابا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا اور گل کو آواز دی۔ ڈھائی مرلے کے چھوٹے سے گھر میں ان کی آواز گونجی تو گل چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکلی۔

آج اماں نے اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لی تھی۔ اس لیے اس کا منہ سوجا ہوا اور آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"ارے میری گل کو کیا ہوا؟ کیا تم رو رہی تھیں؟" ابا سب بھول بھال کر اس کی آنکھوں کی نمی پر تڑپ اٹھا۔ اماں نے سر پر ہاتھ مارا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"سمجھا لیا آپ نے اور سمجھ گئی آپ کی لاڈلی!"

اماں بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں۔ گل باپ کے بازو سے لگ کر بیٹھ گئی اور ان کے کان میں کھسر پھسر کرنے لگی۔

"ابھی پوچھتا ہوں تمہاری اماں سے۔۔!" ابا نے کہا تو گل نے فوراً سر ہلا کر منع کیا۔

"کیا پوچھنا ہے، پوچھ لیں! باپ بیٹی کو کوئی حسرت نہ رہے!" اماں نے بھاپ اڑاتی چائے کا کپ ابا کو پکڑایا تو وہ گڑبڑا کر رہ گئے۔

"وہ میں کہہ رہا تھا کہ چائے اتنی دیر سے کیوں لائی ہو؟ کوئی کام تو ڈھنگ سے کرلیا کرو۔ بس ہر وقت میری بیٹی کے پیچھے پڑی رہتی ہو!"

ابا نے بلاوجہ کا رعب جمایا تو اماں کے ساتھ ساتھ گل بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔ ان دونوں کو ہنستا دیکھ کر ابا کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بس اتنی سی بات تھی! بلاوجہ ہی ڈانٹ کر میری بیٹی کا دن خراب کیا۔"

ابا نے پیار بھری نظروں سے گل کے مسکراتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

"گل کے ابا! مجھے کب اسے کچھ کہنا اچھا لگتا ہے مگر۔۔"

اماں بات ادھوری چھوڑ کر وضو کرنے چلی گئیں۔ گل ابا کو زرینہ کے گھر میں دیکھے نئے ڈرامے کی تفصیل سنانے لگی۔

"میں اپنی بیٹی کے لیے ٹی۔وی ضرور خریدوں گا۔"

اس کی اشتیاق بھری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ابا نے ہر بار کی طرح خود سے عہد کیا تھا۔

مگر غربت کی چھت تلے، خواہشیں نہیں، صرف ضرورتیں پروان چڑھتی ہیں۔

☆☆☆

"دیکھ ساجد! کسی بات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے! گل کو میں بہو نہیں بیٹی بنا کر لے کر جاؤں گی۔ مانا کہ ہمارے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہے مگر تجھے خلوص اور محبت میں کبھی کمی نہیں ملے گی! بس تو جلدی سے ہاں کردے!"

کلثوم پھپھو صبح ہی مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ پہنچ گئی تھیں۔ راجہ اور شمسہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ شمسہ تو گل کے پاس کمرے میں چلی گئی تھی۔ ان دونوں کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس لیے دوستی بھی بہت تھی۔ گل جو اماں کے آگے پٹر پٹر اس رشتے کے خلاف بولتی تھی، اب شمسہ کی ذومعنی باتیں سن کر گھبرا رہی تھی۔ چھٹی کا دن تھا مگر ابا کے لیے نہیں۔ وہ چھٹی کے دن بھی پھول فروخت کرتے تھے۔ وہ کام پر جانے لگے تو راجہ بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ ان کے جانے کے بعد، گل اور شمسہ بھی باہر صحن میں آگئیں۔ کلثوم پھپھو نے سارا دن وہیں گزارا۔ ان کا رویہ معمول کے مطابق تھا۔ گل کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ابا نے کیا جواب دیا ہے۔ ابا نے دوپہر کے کھانے کی خاص ہدایت کی تھی اور جاتے ہوئے اماں کو سامان خرید کر دے گئے۔ کلثوم پھپھو نے بہت منع کیا کہ وہ کھانے تک نہیں رکیں گی مگر ابا بضد رہے کہ کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دیں گے۔ دوپہر کے کھانے پر اماں نے کلثوم پھپھو کے اعزاز میں مرغی کا سالن پکایا اور ساتھ ہی سوجی کا حلوہ۔ دوپہر کے کھانے پر ابا اور راجہ بھی آگئے۔ چھوٹے سے صحن میں بچھے دسترخوان پر، محبت اور خلوص کی فضا میں کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے کچھ دیر کے بعد چائے کا دور چلا اور کلثوم پھپھو پھر آنے کے وعدے پر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد، ابا نے گل کو پاس بلایا۔ گل جھجکتے ہوئے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"گل بیٹی! تم جانتی ہو کہ تمہاری پھپھو کس مقصد سے آج آئی تھیں۔ میں چاہتا تو اپنی بہن کے مان اور بھروسے پر تمہاری قسمت کا فیصلہ سنا دیتا مگر گل تم مجھے بہت عزیز ہو' تمہاری اماں اور میں دل و جان سے اس رشتے کے لیے راضی ہیں کیونکہ ہم غریبوں کے گھر اس سے بہتر کوئی اور رشتہ نہیں آئے گا مگر تمہاری مرضی جانے بغیر میں ہاں نہیں کر سکتا تم کیا کہتی ہو بیٹی!"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ابا نے امید بھرے لہجے میں پوچھا تھا جبکہ اماں پریشان نظروں سے اس کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ باپ کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اماں کے سامنے وہ ہر بار اس رشتے سے منع کر چکی تھی۔ اس لیے وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگیں کہ گل کوئی بے وقوفی نہ کرے۔

''ابا!'' کچھ دیر کے بعد گل نے سر اٹھا کر باپ کے چہرے کی طرف دیکھا۔

جن کی آنکھوں میں امید مگر چہرے پر ناامیدی کے سائے لہرا رہے تھے۔

''مجھے آپ لوگوں کی محبت پر کبھی کوئی شک نہیں رہا ہے۔ آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر!''

گل نے سعادت مندی سے کہا تو ابا نے اس کی روشن پیشانی پر بوسہ دیا۔ اماں بھی دوپٹے کے پلو سے بھیگی آنکھیں صاف کرتی ہوئی آگے بڑھیں اور گل کو خود سے لگا لیا۔

''میں اپنی بیٹی کو نادان سمجھتی رہی مگر میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔''

اماں کے کہنے پر گل مسکرا دی۔ اماں اور ابا کو باتوں میں مگن دیکھ کر وہاں سے اٹھ گئی۔

آج ابا کے دیئے اعتماد اور یقین نے اس سے وہ فیصلہ کروایا تھا جو عام حالات میں، وہ شاید کبھی نہ کرسکتی۔

آج اسے اس بات کا اندازہ بخوبی ہوا تھا کہ زندگی بڑی بڑی باتوں یا گھروں میں نہیں بستی۔ بلکہ زندگی بہت چھوٹی چھوٹی باتوں میں سانس لیتی ہے! اس نے اپنے چھوٹے سے، غربت کے در و دیوار سے سجے گھر میں خود کو پورے قد سے دیکھا اور محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

کلثوم پھپھو کے گھر کے حالات کچھ بہتر ضرور تھے مگر وہاں بھی خواہشوں سے زیادہ ضرورتوں کو پہلے پورا کیا جاتا تھا۔ سادگی سے بیاہ کر گل اس آنگن میں خوشبو بن کر مہکی تھی۔ اس کی آمد نے سارے گھر میں روشنی پھیلا دی تھی۔ وہ کلثوم پھپھو کی لاڈلی تو تھی ہی، راجہ کی بھی من بھائی اور شمسہ سے بھی اس کی خوب بنتی تھی۔

شادی کو تین مہینے گزر گئے۔ گل گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگی۔ وہ تینوں مل جل کر کام کر لیتی تھیں اس لیے کسی ایک پر بوجھ نہیں پڑتا تھا۔ راجہ اس کی بہت سے خواہشات سے واقف تھا۔ اس لیے انھیں پوری کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا۔ اس نے شادی سے پہلے ایک پرانا سا ٹی وی بھی گل کے لیے خریدا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گل کو ڈرامے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اب گل اور شمسہ فراغت پاتے ہی ٹی وی کے آگے بیٹھ جاتیں۔ اکثر کلثوم پھپھو بھی ان کا ساتھ دیتیں مگر جلد ہی اکتا کر محلے کے دورے پر نکل جاتیں کہ جو مزہ گھر گھر گھومنے اور باتیں کرنے میں تھا، وہ ایک جگہ بیٹھ کر چھوٹے سے ڈبے کو دیکھنے میں نہیں تھا۔

سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ دھند میں ڈوبی راتیں اور صبحیں سردیوں کا حسن تھیں۔ ان دنوں راجہ بہت دیر سے گھر آنے لگا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ شادیوں کا سیزن ہے۔ اس لیے پھولوں کی فروخت بہت بڑھ گئی تھی۔ راجہ کی خواہش تھی کہ وہ تھوڑے پیسے جوڑ کر مین مارکیٹ میں چھوٹی سی ایک دکان کرائے پر لے لے۔ تاکہ وہ اپنے کام کو مزید ترقی دے سکے۔

''امی میری جیکٹ ٹھیک کر دی تھی؟'' صبح ناشتے کے بعد راجہ نے ہاتھ دھو کر تولیے سے پونچھتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! مگر اتنے سال پرانی جیکٹ ہے۔ کب تک ساتھ دے گی؟ جگہ جگہ تو ٹانکے لگا دیئے ہیں۔ ایسا کر لنڈے سے نئی جیکٹ خرید لے!''

کلثوم نے بیٹے سے کہا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''امی! باجی رانو سے پوچھنا کہ نیا مال آیا ہے؟ دکان پر لے جانے سے پہلے دکھا دیں۔ میں کچھ پیسے بچا کر نئی جیکٹ لے لوں گا!''

''ہاں ٹھیک ہے۔ آج جاتی ہوں رانو کی طرف

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

! اس کے پاس ہوئی تو کبھی منع نہیں کرے گی! چھوٹا بھائی کہتی ہے تجھے!''

کلثوم کے کہنے پر راجہ سر ہلاتے ہوئے، جیکٹ پہننے لگا اور پھر کام پر چلا گیا۔

سب کاموں سے فارغ ہو کر کلثوم پھپھو، گل اور شمسہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ رانو کا شوہر لنڈے سے مال لا کر فروخت کرتا تھا۔ بہت مناسب داموں میں چیزیں مل جاتی تھیں۔ رانو انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

''اچھا کیا خالہ آپ آ گئیں! ابھی مال دکان پر نہیں گیا ہے۔ آپ دیکھ لیں۔ اس بار کچھ بہت خاص چیزیں بھی آئی ہوئی ہیں۔''

رانو نے خوش دلی سے کہا اور انھیں کونے میں بنے چھوٹے سے کمرے میں لے گئی۔

''شام کو راجہ آئے گا تو اپنی پسند کے مطابق دیکھ لے گا۔ مجھے تو سب بہت اچھی لگ رہی ہیں!''

کلثوم پھپھو نے معصومیت سے کہا تو رانو ہنس پڑی۔ شمسہ نے اپنے لیے ایک سوئٹر پسند کر لیا۔ کلثوم پھپھو نے گل سے بھی کہا کہ وہ اپنے لیے سوئٹر پسند کر لے۔ گل کی نظر جس چیز پر اٹکی ہوئی تھی' وہ لینا کلثوم پھپھو کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ارے بچی! دیکھ تو سہی! کتنے پیارے رنگ کے سوئٹر ہیں!'' کلثوم پھپھو نے اصرار کیا مگر گل دھیرے سے مسکرا دی۔

''اگلی بار دیکھ لوں گی پھپھو!''

''اچھا! جیسے تیری مرضی!'' کلثوم پھپھو رانو سے باتیں کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''یہ کوٹ کیسا ہے گل؟'' اچانک شمسہ نے لال رنگ کا بہت خوبصورت سا لیڈیز کوٹ اٹھا کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو گل چونک گئی۔

'' اچھا ہے۔ کیوں؟'' گل نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ کوٹ بالکل ویسا ہی ہے نا جیسا اس دن ڈرامے میں لڑکی نے پہنا ہوا تھا!'' شمسہ نے کوٹ خود سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہو گا! مجھے نہیں یاد!'' گل لاپروائی سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ رات کو راجہ گھر آیا تو کلثوم نے اسے ساری بات تفصیل سے بتاتے ہوئے کل رانو کے گھر چکر لگانے کا کہا۔

''اچھا امی! صبح چلا جاؤں گا۔ گل نے کیوں سوئٹر پسند نہیں کیا؟ اس کے پاس تو کوئی اچھا سوئٹر ہے بھی نہیں!''

راجہ نے فکرمندی سے کہا تو کلثوم سر ہلا کر رہ گئی۔

''بہت کہا تھا مگر اسے کچھ پسند ہی نہیں آیا۔ کہہ رہی تھی کہ اگلی بار دیکھ لے گی! جب مال آئے گا۔''

''مگر امی سردی بہت بڑھ گئی ہے۔ اچھا میں خود ہی لے آؤں گا اس کے لیے!'' راجہ نے مسئلے کا حل نکالا تھا۔

''جن کے پاس پیسہ ہوتا ہے، وہ زندگی میں خوش رہنے کے کتنے طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں! اب دیکھو! میں نے آنکھ کھلتے ہی اپنے باپ کو پھول فروخت کرتے دیکھا۔ مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہ پھول صرف پیسے والوں کے لیے ہی تھے۔ ان پھولوں کی خوشبو، پر صرف ان کا حق تھا جو اسے خرید سکتے تھے۔ ہم نے کبھی کسی خوشی یا غم میں بھی ان پھولوں کو استعمال نہیں کیا۔ ہاں میری شادی پر پھولوں کا زیور ضرور میرا مقدر بنا اور دنیا میں دیکھو!''

گل نے ٹی۔ وی کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اسکرین پر لڑکا نئے سال کے آغاز پر لڑکی کو سرخ گلاب پیش کر رہا تھا۔ راجہ نے باہر سے گزرتے ہوئے ایک لمحے کو رک کر اسکرین کی طرف دیکھا اور پھر گل کے چہرے کی طرف، جہاں خواہشوں کے کتنے ہی چراغ، حسرت کا دھواں چھوڑ رہے تھے۔

اس کے دل میں ایک کانٹا چبھا تھا۔ اپنی تین مہینے کی شادی شدہ زندگی میں پہلی بار شدت سے یہ احساس ہوا تھا کہ گل خوش نہیں ہے!

''میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کہ اس کی خوشی کس میں ہے؟ یا شاید میری اتنی اوقات ہی نہیں کہ میں اس کی کوئی خواہش بھی پوری کرسکوں۔"

راجہ نے دل گرفتہ ہو کر سوچا۔اس کے دل پر چھایا مایوسی کا غبار، وجود پر خاموشی بن کر چھا گیا کہ اس کی محبت کی روشنی میں جگمگاتی گل، ایک دم پریشان ہو کر رہ گئی۔ راجہ۔۔۔ اس سے کوئی بات کر رہا تھا اور نہ اس سے نظر ملا رہا تھا۔گل کو ایسا لگا جیسے ساری کائنات میں سے آوازیں ختم ہو گئی ہوں۔ابھی تو اس کا من محبت کی چھاؤں میں کھلا تھا! ابھی تو اس نے محبت کا ذائقہ چکھا تھا اور اچانک ہی اس سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ وہ راجہ کی خاموش آنکھوں میں، بولتی محبت ڈھونڈتی، اس کے سلے ہوئے لبوں پر، محبت میں ڈوبی مسکراہٹ کی ننھی کرن تلاش کرتے ہوئے تھک کر رو پڑی۔

"کیا غربت کے سرد آنگن میں، محبت کی دھوپ بھی نہیں اترتی ہے؟!"

گل کے خاموش آنسو رخسار پر نہیں، دل پر گر رہے تھے۔

☆☆☆

"امی! خرچے کے علاوہ یہ پیسے بھی رکھ لیں!"

راجہ نے ماں سے کہا تو پیسے ہاتھ میں لے کر وہ گننے لگیں۔ پچھلے کئی دنوں سے جیکٹ خریدنے کے لیے وہ خرچے میں سے کچھ پیسے نکال کر ماں کے پاس جمع کروا رہا تھا۔

"آٹھ سو ہو گئے ہیں راجہ! بس سو روپیہ اور مل جائے تو میں تیرے لیے رانو کے پاس رکھوائی جیکٹ آج ہی لے آؤں گی۔"

کلثوم نے پرجوش لہجے میں کہا۔تو راجہ بے دلی سے سر ہلا کر رہ گیا۔حالانکہ اس نے اپنے لیے وہ جیکٹ خود پسند کی تھی۔کافی عرصے سے اسے ایسی ہی جیکٹ کی تلاش تھی۔اب اس کی پہنچ میں آنے والی تھی تو اسے کوئی خوشی نہیں ہو رہی تھی۔

"امی آج مجھے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔آج کمائی کا دن ہے! نیا سال شروع ہونے والا ہے نا! پھولوں کی مانگ بہت بڑھ جاتی ہے۔باقی پیسے میں آپ کو رات تک دے دوں گا۔"

راجہ نے کہا تو کلثوم کچھ سوچ کر بولیں۔

"شمسہ نے ابھی رانو کے گھر جانا ہے۔اس نے کام سے بلوایا ہے۔ایسا کر تو یہ پیسے اسے دے کر جیکٹ لے لینا۔سو روپیہ ہی رہ جائے گا۔وہ کل دے آؤں گی۔کم از کم تُو سردی سے تو بچے گا نا!"

امی کے کہنے پر راجہ پہلے تو نہیں مانا مگر پھر ان کے بے حد اصرار پر پیسے لے کر شمسہ کے ساتھ گھر سے نکل گیا۔

"پتا نہیں آج کل گل کو کیا ہو گیا ہے؟ نہ بات کرتی ہے، نہ ٹی وی دیکھتی ہے! بس خاموشی سے کسی سوچ میں گم رہتی ہے! کیا آپ سے لڑائی ہوئی ہے؟"

شمسہ نے سوال کیا تو راجہ چونک گیا۔

"نہیں میری لڑائی تو نہیں ہوئی! ویسے وہ خوش بھی کس بات پر ہو گی؟ ایسا کیا ہے ہمارے گھر میں؟"

راجہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں بھائی! ایسا نہیں ہے۔" اس سے پہلے کہ شمسہ کچھ کہتی رانو کا گھر آ گیا۔رانو ان دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور انہیں چھوٹے سے کمرے میں لے گئی۔

"بھائی راجہ! یہ پکڑو اپنی جیکٹ! پیسے جب بھی آئیں گے، تب دے دینا! وہ اماں پروین کا پوتا آیا تھا کل۔وہ تو اس جیکٹ کے پیچھے پڑ گیا۔بہت مشکل سے ٹالا ہے اسے۔"

اس سے پہلے کہ راجہ کچھ کہتا، رانو نے جیکٹ اسے پکڑا دی۔راجہ نے جیب سے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"رانو باجی! ایک سو روپیہ کم ہے۔وہ آج رات تک دے جاؤں گا۔ بہت شکریہ!" راجہ کے کہنے پر رانو نے مسکرا کر پیسے تھام لیے۔

"اچھا میں چلتا ہوں! شمسہ تم رات ہونے سے پہلے گھر واپس چلی جانا!"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

راجہ نے جاتے ہوئے ہدایت کی۔

"بے فکر رہو بھائی! منے کے ساتھ میں خود جاؤں گی اسے گھر چھوڑنے!" رانو نے کہا تو راجہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ کوٹ ابھی تک بکا نہیں رانو باجی!" شمسہ نے سرخ رنگ کا کوٹ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں بھئی! پہلے خالہ نسرین نے اپنی بیٹی کے جہیز کے لیے یہ کوٹ پسند کیا تھا۔ اتنے دن پڑا رہا اور اب کہتی ہیں کہ نہیں چاہیے! منے کے ابا کہہ رہے تھے کہ کل دکان پر لے جائیں گے! یہ تو ہاتھوں ہاتھ بک جائے گا۔ اتنا پیارا جو ہے!" رانو باجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پیارا ہے تب ہی تو ہماری گل کو بہت پسند آیا تھا۔ اس دن بار بار کوٹ کو دیکھ رہی تھی مگر امی کے سامنے چپ رہی۔"

شمسہ کے کہنے پر دروازے کے پاس پہنچے راجہ نے مڑ کر دیکھا۔ وہ کئی دنوں سے اسی سوچ میں گم تھا کہ گل کی خوشی کس میں ہے اور آج اسے وہ خوشی اس لال رنگ کے کوٹ میں چھپی ہوئی نظر آئی تھی! اس نے اپنی پھٹی پرانی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی جیب میں چند پیسے تھے مگر وہ چند پیسے گل کی خوشی خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

"کیا میں اس کی خوشی کے لیے اتنا بھی نہیں کرسکتا؟"

اس کا دل جانتا تھا کہ یہ "اتنا" کتنی بڑی قربانی مانگتا ہے۔ کچھ لمحے لگے — اسے اپنی ضرورت اور محبوب کی خوشی میں سے ایک چیز کو چننا تھا۔

اور اس نے محبوب کی خوشی کو چن لیا۔

☆☆☆

گل باہر سے آتے شور کو سن رہی تھی۔ کچھ من چلے نئے سال کا آغاز گانے بجانے اور آتش بازی سے کررہے تھے۔ شمسہ اور کلثوم پھپھو سونے کے لیے اپنے کمرے میں جاچکی تھیں۔ گل راجہ کے انتظار میں اندر باہر کے چکر لگا رہی تھی۔ شدید دھند اور ٹھنڈ میں اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو رہے تھے۔ رات کے تقریباً دو بجے دروازہ بجا۔ گل نے پہلی ہی دستک پر دروازہ کھول دیا۔ راجہ نے سردی سے ٹھٹھرتی گل کی طرف دیکھا تھا۔ جس نے پرانی شال اوڑھ رکھی تھی۔

"کھانا گرم کروں!" گل نے اس کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے سوال کیا۔ راجہ نے کمرے میں آکر ہاتھ میں پکڑا شاپر میز پر رکھا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"کیوں؟" گل نے پوچھا۔

"بھوک نہیں ہے!" راجہ نے منہ پھلا کر کہا۔

"بھوک کیوں نہیں ہے؟" گل بھی آج ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

"میں نے سوچا تھا کہ تم آؤ گے تو ساتھ کھانا کھائیں گے مگر!" گل منہ بسور کر رہ گئی۔ راجہ نے چونک کر دیکھا۔

"تم نے میری وجہ سے کھانا نہیں کھایا!"

اس کے لہجے میں واضح حیرت تھی۔

"نہیں بے وقوف! تمہارے لیے نہیں کھایا! مگر تمہیں تو کسی بات کی فکر ہی نہیں!"

گل نے چڑ کر کہا تو راجہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ آج کتنے دنوں کے بعد اسے لگا تھا کہ دل پر چھائے مایوسی کے بادل چھٹ رہے ہیں۔

"اچھا ادھر آؤ! دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں!" راجہ نے مسکراتے ہوئے میز سے شاپر اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ گل نے جلدی سے تھام لیا۔

"کیا لائے ہو!" گل نے شاپر کھولا اور اس میں سے لال رنگ کی چیز باہر نکال لی۔

"یہ!" گل حیرت سے اپنے ہاتھ میں لال رنگ کے کوٹ کو دیکھنے لگی۔ جو اسے پہلی نظر میں ہی بہت پسند آیا تھا۔

"یہ تو بہت مہنگا تھا راجہ! پورے نو سو روپے کا!"

گل نے کوٹ کی ملائم سطح پر ہاتھ پھیرا کر کہا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کتنی بار ہی خیالوں ہی خیالوں میں اس نے لال رنگ کے اس کوٹ کو چھو کر دیکھا تھا، پہن کر واک کی تھی۔

"اس کی قیمت تمہاری ایک مسکراہٹ ہے گل! میرے لیے یہ سودا زیادہ مہنگا نہیں تھا۔"

راجہ نے اطمینان سے کہا تو گل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی پھٹی پرانی جیکٹ کو!

"راجہ۔۔۔!" وہ سب سمجھ گئی۔ اس لیے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"ایک اور چیز بھی ہے میرے پاس!" راجہ نے کہا اور اپنے جیکٹ کی زپ کھول کر ہاتھ اندر ڈالا۔

"نیا سال مبارک ہو گل!" راجہ نے سرخ گلابوں کا چھوٹا سا گلدستہ اس کی طرف بڑھایا۔

گل حیرت سے دیکھتی ہی رہ گئی۔

"تمہیں بھی بہت شوق ہے نا! کہ جیسا ٹی۔ وی پر دکھاتے ہیں، تمہاری زندگی بھی ویسی ہی ہو! میں کچھ زیادہ تو نہیں کر سکتا مگر تمہاری خوشی کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا ہوں!"

راجہ نے سادگی سے کہا تو گل اس کے سانولے ہاتھوں میں پکڑے پھولوں کو دیکھتی رہ گئی۔ مٹی سے اٹے پرانے جوتوں پر سارے دن کی محنت مشقت کی گرد جمی ہوئی تھی۔ پھٹی پرانی جیکٹ پر جگہ جگہ لگی ہوئی سلائیاں، سرد ہوا کو روکنے میں ناکام رہتی تھیں مگر غربت اور یتیمی میں پلے بڑھے، راجہ کو آج بھی اپنی خوشی اور آرام سے زیادہ، گل کی فکر تھی۔

"کیا ایسی محبت، آنکھوں سے دیکھے گئے کسی بھی خواب میں بھی سوچی تھی؟"

گل کی زندگی میں یہ دوسرا لمحہ تھا۔

جب اس نے جانا تھا کہ خوشی اور محبت بڑی بڑی باتوں یا گھروں میں نہیں بستی ہیں بلکہ اکثر بہت چھوٹی چھوٹی باتوں اور گھروں میں سانس لیتی ہیں۔

اور وہ بھی اپنی نم ہوتی آنکھوں سے محبت کو سامنے مجسم کھڑا دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

"تُو نے اپنی جیکٹ کے بدلے، گل کے لیے کوٹ لے لیا! بیٹا کوٹ کے بغیر تو اس کا گزارہ ہو جاتا مگر تو کیا کرے گا؟ اتنی ٹھنڈ ہے اور!"

کلثوم نے باورچی خانے میں پیڑی پر بیٹھے گرم گرم پراٹھے سے انصاف کرتے راجہ سے ہلکی آواز میں کہا۔ دن کے دس بج چکے تھے۔ آج راجہ کو دیر سے جانا تھا۔ گل اور شمسہ کسی کام سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔

"امی! کچھ نہیں ہوتا! میں نے اسے آج تک دیا بھی کیا ہے؟ یہ معمولی سی خوشی بھی نہیں دے سکتا تھا کیا؟"

راجہ نے لاپروائی سے کہا اور ناشتہ ختم کر کے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کپڑے بدل کر وہ جیکٹ لینے کمرے میں آیا۔ اسی وقت گل گھر کے اندر داخل ہوئی اور سیدھا کمرے کی طرف بڑھی۔

"میری جیکٹ کہاں گئی؟" راجہ نے چھوٹے سے کمرے میں پھیلے سامان پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

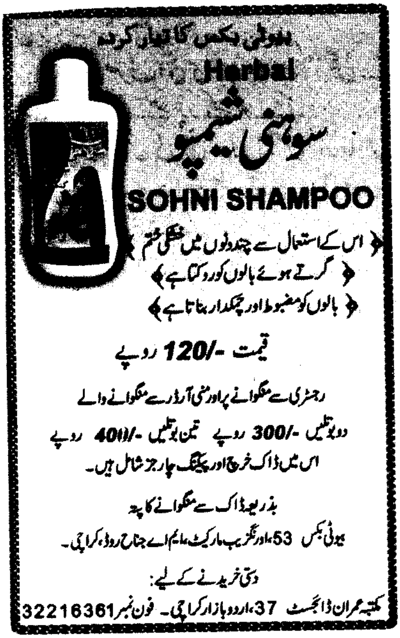

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"یہ لیں!" اسی وقت گل نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ راجہ اس کے ہاتھ میں پکڑی نئی جیکٹ دیکھ کر چونک گیا۔ اسے سب سمجھ میں آگیا۔ گل کوٹ واپس دے کر جیکٹ لے آئی تھی۔ اس کے دل کا تکلیف پہنچی!

"تم!" راجہ کو ایک دم ہی غصہ آگیا کہ گل نے اس کے تحفے کی قدر نہیں کی تھی۔ وہ اپنے غصے کو ضبط کرتا رخ پھیر گیا۔

"گل تم نے میری غربت کا مذاق اڑایا ہے!"

راجہ کا لہجہ اپنی بے بسی کے احساس سے پست تھا۔

"نہیں راجہ! تم مجھے سمجھ نہیں سکے! میری اولین خواہش اور چاہت صرف تمہارا ساتھ اور تمہاری محبت ہے!"

گل نے مدھم لہجے میں کہا تو اس کے منہ سے پہلی بار لفظ محبت سن کے راجہ خوشی سے اچھل ہی پڑا۔

"کیا سچ؟" وہ ایک دم ہی پلٹ کر بولا۔ گل نے حیرت سے دیکھا۔ راجہ کو اپنی بے ساختگی کا احساس ہوا تو خجل ہو کر سر کھجانے لگا۔ گل بے ساختہ ہنس پڑی۔

"بات صرف اتنی سی ہے جناب!" گل نے جیکٹ اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"گل فروش کی بیٹی ہوں! اصلی اور خالص پھولوں کی قیمت بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں اور میرا دل تسلیم کرتا ہے کہ..."

"کیا؟" راجہ نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری محبت کی خوشبو بھی بہت انمول اور خالص ہے، بالکل ان پھولوں کی طرح!"

گل نے آگے بڑھ پر میز پر رکھے سرخ پھولوں کو چھوا تھا۔

"کیا سچ میں گل! تم خوش ہو؟ پچھلے کئی دنوں سے میں اسی سوچ میں جلتا رہا کہ تم اس شادی سے خوش نہیں ہو۔ میں تمہاری کوئی خواہش پوری کرنے کے قابل نہیں۔" راجہ نے افسردگی سے کہا تو گل گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"اور میں پاگلوں کی طرح تمہاری خاموشی کی وجہ سوچتی رہی! خود سے الجھتی رہی! اور تب میں نے جانا کہ میرے لیے تمہاری محبت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے!"

گل کے اعتراف نے راجہ کو آسمان پر پہنچا دیا۔ اس نے خوشی سے جیکٹ پہنی! اس نے اپنی انا کو ایک طرف رکھ کر دیکھا تو اسے اس جیکٹ میں سے گل کے خلوص اور محبت کی مہک آرہی تھی۔ گل نے اس کی فکر اور محبت میں اپنی خوشی کو قربان کیا! راجہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ سچ مچ کا راجہ ہو۔ صرف ایک گل کی محبت اور ساتھ کی وجہ سے۔ آج اس کا دل محبت کی نعمت سے مالا مال تھا۔

"اچھا امی! میں جا رہا ہوں!"

راجہ نے ماں کے پاس آکر کہا تو کلثوم نے پہلے حیرت اور پھر مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

راجہ گنگناتا ہوا چلا گیا۔ کلثوم نے کمرے سے باہر نکلتی گل کو آواز دے کر بلایا اور اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر کر بولی۔

"میری گل کا دل بھی، اس کی طرح ہی اجلا ہے! اللہ تیرے دل کا آنگن آباد رکھے!"

"آمین" ۔ گل نے زیر لب کہا اور مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔

"محبت کو زمین کے فاصلوں یا فیصلوں سے مطلب نہیں ہوتا، اسے رہنے کے لیے چھوٹا سا پرخلوص دل مطلوب ہوتا ہے اور جہاں اسے اپنی مطلب کی چیز ملے، وہ فوراً بسیرا ڈال لیتی ہے!
ابن آدم کے سینے میں دھڑکتا سرخ دل گُل ہے اور محبت اس کائنات میں گل فروش۔۔۔"

اب چاہے وہ دل، تنگ گلی کے کونے میں بنے، چھوٹے سے گھر میں رہنے والے ایک عام سے گل فروش کا ہو یا کسی گل فروش کے آنگن میں کِھلتی، سانس لیتی گل کا۔۔۔!!

☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

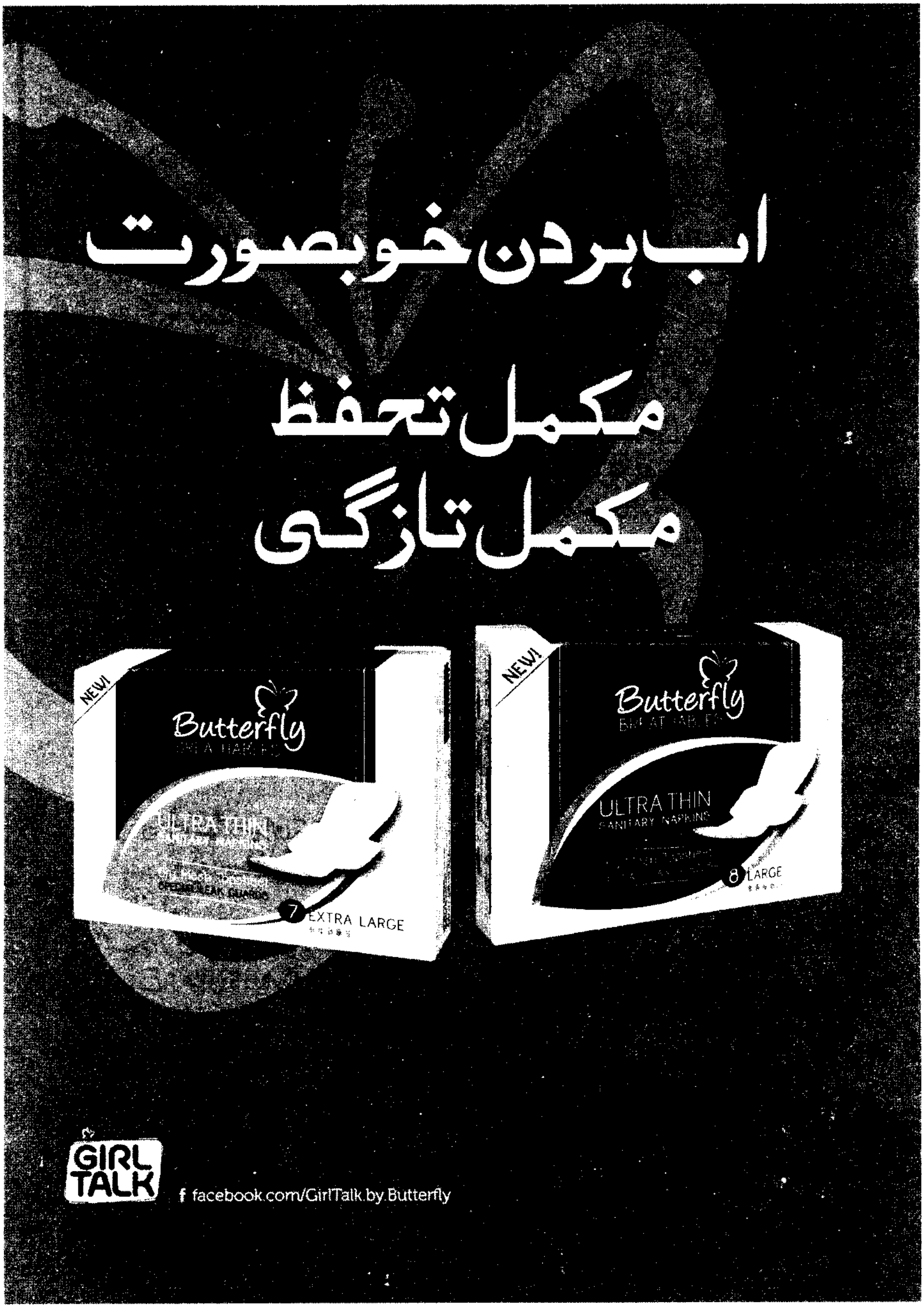

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ناولٹ

مما کا فون آیا تھا۔ کتنی دیر سے وہ بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کچھ بھیجنے کا ذکر کر رہی تھیں۔ لیکن مجال ہے، جو کچھ سمجھ میں آیا ہو۔ ایک تو یہ بچے اسکول سے آتے ہی لگتا گویا جیل سے چھوٹ کر آئے ہوں اور ان کے پیچھے ہلکان ہوتی ان کی دادی صاحبہ۔ لاکھ کہا تھا، رہنے دیں انہیں۔ دو چار چوٹیں کھائیں گے تو خود ہی عقل آ جائے گی۔ مگر دادی کی محبت......!

''عجیب نامعقول خاتون ہیں۔ اتنے سے بچے نہیں سنبھل رہے۔''

(ہائے...... پاپا بھی شروع۔)

''ارے اسکول سے آئے بھوکے پیاسے بچے، انہیں کھانے کے لیے نہ بلاؤں؟''

ضائع کر رہی تھیں اپنی۔''

امی کے تو سر سے لگی تلووں پہ بجھی۔

''واہ واہ...... کیا خوب نکتہ ڈھونڈا ہے آپ نے' شکر ہے آخری عمر میں بہو بیٹے کی محبت میں ہی سہی یہ شعور تو حاصل ہوا آپ کو۔ ورنہ جوانی گزر گئی ہماری تب تو آپ کو سمجھ نہ آئی۔ اب تک اپنے بچوں کی تربیت کا سارا کریڈٹ اپنی اماں کو دیتے ہیں۔''

''تو کیا غلط کرتا ہوں۔ میری اماں ہی لگی رہتی تھیں شارق اور عثمان کے ساتھ۔ آپ کو تو کبھی اپنے جھمیلوں سے ہی فرصت نہ ملی۔''

''ہاں میرے تو شہر میں ٹرک چل رہے تھے ناں جس کی آمد و رفت کی فکر میں الجھی رہتی تھی۔'' امی نے

فوزیہ فرخ

عمروں کے سلسلوں میں

امی بھی خم ٹھونک کر میدان میں آ گئیں۔

''بلانے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ سلیقہ تو تمہیں چھو کر نہیں گزرا۔''

اب روز کی عالمگیر لڑائی شروع ہوا ہی چاہتی تھی۔ اس نے ڈھٹائی کا ریکارڈ توڑنے کا ارادہ ترک کر کے مما کو خدا حافظ کہہ کر فون آف کر دیا۔ اور بچوں کو قابو میں کرنے کے جتن شروع کر دیے۔ جب پیار اور ڈانٹ سے کام نہ چلا تو لگائے دو تھپڑ۔ فوراً سیدھے ہو گئے۔ اور ڈائننگ ٹیبل پر چلے آئے۔

پاپا نے فاتحانہ نظروں سے امی کو دیکھا۔

''دیکھا تم نے۔ بات یہ ہے کہ مائیں ہی سدھار سکتی ہیں اپنے بچوں کو۔ تم خواہ مخواہ میں توانائی

جل کر جواب دیا تو ماریہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ امی اپنی دھن میں بولتی ہی رہیں۔

''ارے آپ کے گھر کو ہی سجانے، سنوارنے کی فکر میں رہتی تھی۔ وہ بھی جب چولہا چکی سے فرصت ملتی تب۔ ایسا ہی ناگوار گزرتا تھا تو رکھ دیتے کوئی خانساماں' میں اپنے بچوں کے ساتھ سارا وقت گزار لیتی۔ اپنے بچوں کو وقت دینا بھلا کسے برا لگتا ہے؟ اور تربیت اگر اسے ہی کہتے ہیں۔ جو شارق اور عثمان کی آپ کی اماں نے کی۔ تو میں بے تربیت ہی بھلی۔''

(یہاں پر آ کر تو وہ بھی ساس صاحبہ کی حامی تھی)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''کیوں؟ میرے بیٹوں کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں؟ تصویریں لگی ہیں تھانوں میں؟ کیا ہوا ہے ان کی تربیت کو؟'' پاپا خطرناک حد تک سنجیدہ ہو چلے تھے۔ امی ہول گئیں۔

''ہائے ہائے اللہ نہ کرے۔ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ نہ ان کے سونے کا وقت ہوتا ہے نہ جاگنے کا۔''

''وہ سب برائیاں بعد میں پیدا ہوئیں۔ جب وہ خودمختار ہو چلے تھے۔''

(اف اللہ، ان کی لڑائی کبھی ختم بھی ہوگی؟)

''امی! پاپا......!'' اس نے لہجے کو حتی الامکان حد تک میٹھا رکھتے ہوئے ان کی توجہ ٹیبل کی طرف دلائی۔

''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''ارے ہاں......'' پاپا چونک کر بولے۔ ''چلو بھئی بچو...... ہیں کہاں گئے؟''

بچے بھلا اتنی دیر رکنے والے تھے، وہ چھلانگیں مار کر پھر نہیں کے کہیں پہنچ گئے تھے۔ بڑی مشکل سے بہلا پھسلا کر واپس لائی۔ ان کی پسند کے نوڈلز موجود تھے۔ بس وہی کھا کے دوبارہ لان کی طرف بھاگ گئے۔

اب خود کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔ پیالے کا ڈھکن اٹھا کے دیکھا۔ بھنڈی گوشت...... شکل پہ بارہ بج گئے۔ یہ کب بنے...... کیوں بنے؟

پھر یاد آیا، رات کو خود ہی تو گوشت بھونا تھا۔ جو بچ گیا، اس میں امی نے صبح بھنڈی ڈال دی ہوگی۔ مگر بھنڈی......؟

ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کروں کہ امی کو یاد آیا۔

''ارے بیٹا! تمہاری مما نے بریانی بھجوائی تھی۔ وہ تو ادھر کچن میں ہی رہ گئی۔ جا کے لے آنا ذرا۔''

''اوہ! تو مما فون پر یہی بتا رہی تھیں۔''

''اف......!'' وہ گویا ہوا میں تیرتی ہوئی گئی اور بریانی کی ڈش لے آئی۔ مما کے ہاتھ کا کھانا کتنے دنوں بعد نصیب ہو رہا تھا۔

ابھی ڈش اپنی طرف سرکانے کا خیال ہی آیا تھا کہ پاپا چونک گئے۔

''بریانی؟ ذرا دیکھوں تو۔'' اور پھر چمچہ بھر کر پلیٹ میں ڈال لی۔ امی روکتی ہی رہ گئیں۔

''بھئی سمدھن نے بھیجی ہے کہ بیٹی تھک کر آئے گی تو کھائے گی۔ آپ خواہ مخواہ میں حصہ دار بن بیٹھے۔''

''کافی ہے بھئی، کوئی ختم تھوڑا ہی ہوگئی۔ میں نے تو صرف چکھنے کے لیے لی ہے۔'' پاپا بے نیازی سے بولے اور پھر پہلا لقمہ لیتے ہی تعریفوں کے پل باندھ دیے۔

''واہ واہ۔ کیا ذائقہ ہے سمدھن کے ہاتھ میں۔ ایک تم ہو، پھوہڑ خاتون۔''

اب ایسی بات پہ امی کا غصہ تو سوا نیزے پہ پہنچ جانا چاہیے تھا، لیکن اس کے برعکس ان کے چہرے پہ اشتیاق امنڈ آیا۔

''اچھا...... کیا بہت مزے کی ہے؟ ذرا میں بھی تو چکھوں۔''

وہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اور ساس صاحبہ نے بھی ہاتھ بڑھا کر اپنی پلیٹ میں بریانی منتقل کر لی۔

غصے کے مارے برا حال ہو گیا۔ لیکن زبان...... اف یہ زبان کہ مرچیں چباتی رہی لیکن کھل کے نہیں دی۔

جل بھن کے اس نے بچی کھچی بریانی کھانا شروع کر دی۔

☆☆☆

ملتے ہیں روگ کیا کیا، عمروں کے سلسلوں میں

ایسا نہیں تھا کہ اس کی سسرال کوئی ظالم ٹائپ کی روایتی سی سسرال تھی۔ یہ بھی نہیں کہ وہ ظالم بہو کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ مگر یہ ہے کہ مسائل پھر بھی تھے اور بہت تھے۔

سفیر بھائی کی مصروفیت، جیٹھ جیٹھانی کی لاتعلقی اور شوہر کی لاپروائیاں...... یہ تھے وہ عوامل، جنہوں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نے زندگی کو حد سے زیادہ تیز رفتار بنا ڈالا تھا۔

جب کام کا وقت ہوتا یوں لگتا تھا کہ وقت کو پہیے لگ گئے ہوں۔

کبھی سفیر بھائی اپنے کاموں کی لسٹ امریکہ سے روانہ کر دیتے، کبھی جیٹھ جیٹھانی کے ہدایت بھرے فون آ جاتے۔ ''امی کا خیال رکھنا، پاپا کا منتھلی چیک اپ کرواتے رہنا، دواؤں میں کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔'' یہ اور ایسی بہت سی فکر مندیوں کا اظہار شارق کے بھائی بھابھی کرتے ہی رہتے تھے۔ یہ الگ بات کہ ان کی لگاوٹ بھری باتوں سے متاثر ہو کر جو کبھی امی خود امریکہ چکر لگانے کا ارادہ باندھ لیتیں تو گویا ہاتھوں کے توتے ہی اڑ جاتے۔

''ارے امی آپ کہاں آئیں گی، اتنا لمبا سفر۔ راستے کے مسئلے مسائل۔ خدانخواستہ طبیعت نہ خراب ہو جائے۔''

کبھی امی خاموش ہو جاتیں۔ کبھی اصرار کرتیں تو فٹافٹ ٹکٹ کٹا کر خود ہی آن موجود ہوتے۔ خدا جانے ایسی کیا پرائیویسی تھی کہ جس میں کسی کی شراکت انہیں گوارا نہ تھی۔

آج کل بھی امی کے ایسے ہی فونز سے گھبرا کر عثمان بھائی اور بھابھی کراچی آئے ہوئے تھے۔ اور صورت حال یوں تھی کہ ماریہ کا ایک پاؤں گھر تو دوسرا اسکول میں تھا۔ شارق خود بھی بوکھلائے پھر رہے تھے۔ بھائی بھابھی آ تو جاتے تھے پر یہاں کی ناکافی سہولیات ان کا موڈ خراب کر دیتی تھیں۔ جیسے کہ آج کئی دنوں سے پانی کی کمی تھی۔ ہوتے ہوتے اب تو یہ حال ہوا تھا کہ اوپر کی ٹنکی بالکل خالی ہو چکی تھی اور اوپر سے مہمانوں کو ہر وقت پانی سے کام۔ شارق کو خاص طور پر ہدایات تھیں کہ واش روم کی بالٹیاں ہر وقت پانی سے لبریز نظر آئیں۔

سو شارق اس وقت ماشکی بنے ٹنکی سے ڈول نکال نکال، بالٹیاں بھرنے کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور ماریہ کو دیکھ دیکھ کر غصہ آئے جا رہا تھا۔

''اچھی چاکری سنبھالی ہے آپ نے۔ گھر ان کا بھی تو ہے۔ کچھ کام وہ خود کر لیں۔ ایسا کیا نوابی رنگ چڑھا آئے ہیں کہ خود کوئی کام کریں گے ہی نہیں۔ ہم نے تو سنا تھا امریکہ میں سب اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔'' وہ دبے دبے انداز میں طنز کر بیٹھی۔

شارق نے مشقت روک کر اسے بغور دیکھا، پھر اپنے کام میں مگن ہو گیا۔ ماریہ کو کھد بد لگ گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے تھے۔'' اس نے ٹوکا۔

''کچھ نہیں، سوچ رہا تھا کہ یہ تم کہہ رہی ہو، جس کے اپنے بھائی بھی بالکل میرے بھائی پہ ہی پڑے ہیں۔''

''جی نہیں۔'' وہ تڑپ ہی تو گئی۔

''میرے بھائی جب یہاں آتے ہیں تو کام خود ہی نمٹاتے ہیں آپ کے بھائی کی طرح نہیں......''

''اچھا......!''

''اور وہ جو سب سے ضروری کام ہے۔ اس کا کیا؟''

اور یہیں پہ آ کے ماریہ کی زبان بند ہو جاتی تھی۔ وہ جانتی تھی، اس کا اشارہ مما کی گرتی صحت کی طرف تھا۔ شارق کو سفیر بھائی سے شکوہ تھا کہ وہ مما کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ حال تو عثمان بھائی کا بھی یہی تھا۔ لیکن اول تو امی پاپا پھر بھی بہت ایکٹو تھے۔ دوسرے شارق تو یہیں موجود تھا، بھلے وجہ اس کی نالائقی ہی رہی ہو، لیکن پھر بھی ماں باپ کو آسرا تو تھا۔ جب کہ سفیر بھائی تو مما کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کے امریکہ سیٹل ہونے کی وجہ سے وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھیں۔ خود کو بہلانے کے لیے کوکنگ کے نت نئے تجربے کرتی رہتیں۔ لیکن سچ یہ تھا کہ ہمت اب ان میں بھی نہیں رہی تھی۔

ماریہ نے چاہا، دوبدو جواب دے۔ بھائی کی حمایت میں دلائل دے۔ کہے کہ سفیر بھائی مما کو بار بار ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، جب وہ تیار ہی نہیں ہوتیں تو وہ بھی کیا کریں۔

مگر وہ خاموش ہی رہی۔ جانتی تھی کہ کوئی بھی دلیل اتنی موثر نہیں جو شارق کو اس بات پر قائل کر سکے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کہ محض اسپیشلائزیشن کے لیے بیرون ملک جانے والے سفیر بھائی کا وہیں سیٹل ہو جانا ایک راست اقدام تھا۔ وہ بھی اس وقت جبکہ ان کے گھر میں یہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

''کرتے رہیں مشقت، میری بلا سے۔'' وہ بول کر اندر چلی آئی۔ شارق مگن رہا۔

☆☆☆

کچھ عجیب ہی شخصیت تھی شارق کی۔ نوکری کو وہ شان کے خلاف سمجھتا اور بزنس اس سے چلتا نہ تھا۔ ہر دوسرے مہینے پرجوش نظر آتا۔

''سنو! چھ لاکھ آنے والے ہیں، بس کچھ ہی دنوں میں۔''

وہ سب بھول بھال، دن گن گن کے گزارنے لگتی۔ اور روپے......! وہ بیچ میں ہی جانے کہاں گم ہو جاتے!

نہ جانے شارق کو کب یقین آنا تھا کہ کاروبار اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس میں تو صرف دو طرح کے لوگ ہی کامیاب ہوتے ہیں یا تو وہ، جو ان تھک محنت کرتے ہیں، نہ دن کو دن سمجھیں نہ رات کو رات۔ تو شارق تو ایسا نہیں تھا۔ وہ خیر سے ان میں سے تھا جو دن کو بھی رات سمجھ کر خوب سونے کا شوق پورا کرتے ہیں۔

دوسرے کامیاب کاروباری وہ ہیں جو در حقیقت کھلاڑی ہوں اور محبت اور جنگ کی طرح کاروبار میں بھی ہر طرح کی بے ایمانی کو جائز سمجھیں۔ تو شارق میں یہ صفت بھی نہیں تھی۔ لاپروائی اپنی جگہ، لیکن بے ایمانی اس کی سرشت میں کبھی شامل نہیں رہی تھی۔

سو کاروبار تو کسی کروٹ بیٹھتا نہ تھا ہاں چھوٹی موٹی نوکری بس اس حد تک کر لی تھی کہ اپنا خرچا پانی نکل جائے۔ باقی ماریہ کو خود ہی بھگتنا پڑتا تھا۔ چنانچہ مسلسل جاب کے باوجود اس کا پرس خالی ہی رہتا تھا، شارق کی جیب کی طرح......!

☆☆☆

مما کی طبعیت کچھ دنوں سے خراب چل رہی تھی۔ اس نے سوچا، اسکول سے ہاف لیو لے کر چلی جائے گی، پھر رات کو نکلنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

مگر لیو کے لیے صاف انکار ہو گیا۔ پرنسپل نے چھٹی کے بجائے آسان ساحل پیش کر دیا، اس کے سامنے۔

''آپ اپنے بھائی سے کہیں، کچھ دنوں کے لیے آ جائیں۔ آج کل سیشن کے انتہائی اہم دن گزر رہے ہیں۔ تب تک آپ کے بھائی مدر کا خیال رکھ لیں۔ پھر تو آپ فری ہو جائیں گی۔ جتنی چاہے، چھٹی لے لیجیے گا۔''

بات ان کی بھی غلط نہیں تھی۔ اولیول کے پیپرز سر پر تھے۔ سلیبس مکمل کروانا تھا۔ غیر تدریسی سرگرمیوں نے ویسے ہی بہت وقت ضائع کر دیا تھا۔ اب تو ٹیچرز پر دباؤ ہونا ہی تھا۔ مگر وہ کیا کرتی، بیماریاں وقت دیکھ کر نہیں آتیں، نہ ہی بھائی کی سواری اس کے کہنے پر آ جاتی۔

وہ چپ چاپ آ کر اسٹاف روم میں بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا ماریہ...... پریشان ہو۔'' سحر نے ہمدردی سے پوچھا۔

''ہوں......! نہیں پریشان تو نہیں۔''

بس وہی ریس اگینسٹ دی ٹائم جو پہلے تھی، سو اب بھی ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''تم نے بھی تو حد ہی کر دی ہے۔ سسرال میکے سب کی ذمہ داری سنبھالے بیٹھی ہو۔ کبھی یہاں کی فکر، کبھی وہاں کی۔ ارے بوڑھی ہو جاؤ گی، یوں ٹینشن لے لے کر۔''

''تو کیا کروں، کرنا تو پڑتا ہی ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''سب لوگ اپنی زندگی جیتے ہیں، تم بھی جیو۔ اپنے بچوں کو دیکھو اور بس۔ میاں صاحب سے صاف کہہ دو، خرچا خود اٹھائیں۔ تم نہیں کر سکتیں یہ ہر طرح کی مشقت اور بھائی کا نمبر تو ذرا مجھے دو۔ فون کر کے وہ کھری کھری سناؤں گی۔ بالکل سیدھے ہو جائیں گے۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''ارے نہیں یار......''

''نہیں نہیں کیا۔ خود غرض ہیں سب کے سب۔ ابھی تو آرام سے اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ اور جب جائیداد کی تقسیم......ارے ہاں چھوڑو اگر بھائی کو نہیں سنا سکتیں تو مت سناؤ، اپنی مما سے کہہ دو کہ گھر تمہارے نام کر دیں۔ سادہ سی بات ہے جب ذمہ داری تم نے ہی اٹھائی ہے تو جائیداد بھی تمہیں ہی ملنی چاہیے۔''

وہ بلا تکان بولتی جا رہی تھی اور وہ غائب دماغی سے صرف اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''اور جب گھر تمہارے نام ہو جائے تو تم کرنا یہ کہ بچوں سمیت مما کے پاس ہی شفٹ ہو جانا۔ شارق بھائی بے شک چکر لگاتے رہیں گے اپنی مما پاپا کے پاس۔ تمہارا ذہن تو ایک طرف ہو گا۔''

اس کی باتوں میں وزن تو تھا لیکن یہ سب قابل عمل ہرگز نہ تھا۔ نہ ماریہ میں اتنی ہمت تھی اور نہ ہی خود غرضی۔

''ماریہ!'' سحر جب دل بھر کے مفت مشورے دے کر چلی گئی تو مسز شیرازی جو ساری گفتگو میں خاموش سامع کا کردار ادا کرتی رہی تھیں، اس سے مخاطب ہوئیں۔

''مشکلات تو زندگی میں آتی ہی ہیں اور میں تمہاری فطرت جانتی ہوں، اس لیے معلوم ہے کہ تم سحر کے مشوروں پر عمل نہیں کر سکتیں پھر کیوں نہ یہ تصور کر لو کہ تم جو کچھ بھی کر رہی ہو، وہ نیکی ہے۔ اور نیکیوں کا اجر ضرور ملتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی۔ ایسا سوچ لیا جائے تو مشکلات تھوڑی کم محسوس ہوتی ہیں۔'' وہ اپنے تجربے کے بل پر بات کر رہی تھیں۔ کافی سینیئر تھیں اس سے۔

''اتنی زندگی گزار کے اور ہر ہر طرح کے منصوبے، طریقے اختیار کر کے جو حتمی نتیجہ مجھے نظر آیا ہے، وہ ہے کہ۔

Honesty is the best policy

(دیانت داری سب سے بہترین پالیسی ہے۔)

بس......یہی وہ حکمت عملی ہے۔ جو کامیابی ضرور دلاتی ہے۔ ورنہ راستے تو اور بھی ہیں۔ شارٹ کٹ بھی پری پلانڈ بھی۔ مگر ان میں رسک بھی ہے۔''

انہوں نے اس کے شانے کو تھپکا۔

''سمجھیں کچھ؟ اپنا کام ایمانداری سے کیے جاؤ۔ تمہارے کام۔ اللہ بنا دے گا۔''

وہ سمجھی تو نہیں......لیکن ان کی بات گرہ میں باندھ لی۔

☆☆☆

رات کو مما کی ملازمہ کا فون آ گیا۔

''بیگم صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ بڑا تیز بخار ہو رہا ہے جی۔''

وہ پریشان ہو گئی۔ ''اب کیا کروں؟''

لاؤنج میں آئی تو دیکھا، نیوز چینل پہ ٹاک شو لگا ہوا تھا، شارق اور پاپا کی گرما گرم بحث جاری تھی۔

بچوں کے کمرے میں جھانکا، عارض تو اسٹوری بک پڑھتے پڑھتے ہی سو گیا تھا۔ جبکہ زونا اپنا ہوم ورک مکمل کر کے سونے کی تیاری کر رہی تھی۔

اس نے عارض کی چادر درست کی، زونا کو برش کر کے سونے کی ہدایت کی اور پھر لاؤنج میں آ گئی۔

وہاں وہی بحث مزید جوش و خروش سے جاری تھی۔

اب کیا کروں؟ شارق کو اٹھنے کے لیے کہوں گی تو وہ چڑیں گے اور اس وقت مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا کسی سے لڑنا۔''

اس نے کچھ دیر سوچا، پھر ہمت کر کے گاڑی کی چابی اٹھائی اور گیراج میں آ گئی۔

کتنی ہی دفعہ گاڑی چلانے کی پریکٹس کر چکی تھی لیکن اعتماد سے چلانے کی کبھی نوبت نہ آ سکی تھی۔ ہمیشہ شارق کا ساتھ ہوتا اور پھر تبصرے۔

''دیکھو، کھڑی گاڑی کو ڈینٹ مت لگا دینا۔''

''ارے اسٹیئرنگ تو سنبھالو......گلشن کی جگہ ملیر پہنچ جائیں گے دونوں۔''

میاں کی ایسی باتوں سے گھبرا کر وہ مزید

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

غلطیاں کرتی اور مزید ڈانٹ کھاتی تھی۔
مگر آج صورت یہ تھی کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی تھی اور دل تھا کہ لرزے ہی چلا جاتا تھا!
مما کا گھر قریب ہی تھا۔ بیچ میں کوئی مین روڈ نہیں تھی۔ گلیاں بھی کشادہ تھیں۔ اکا دکا گاڑیوں کے علاوہ سڑک پہ ٹریفک بھی نہ تھا۔ مگر پھر بھی وہ لمحے، اف بہت مشکل تھے۔ مگر اس نے بھی ٹھان لی تھی۔ آج تو گاڑی چلا کے ہی رہنا ہے۔
پہلے ڈیش بورڈ میں رکھے اپنے لائسنس پہ نظر ڈالی پھر عقبی آئینے میں...... اس کے بعد چل پڑی۔
ہاتھ مضبوطی سے اسٹیرنگ پہ جمے تھے۔ رفتار بے حد آہستہ، گویا رینگ رہی ہو۔ مگر جسم کی کپکپاہٹ اس کے جذبے کے آگے زیر ہو چلی تھی۔ خود کو ہمت دلاتی وہ اپنا سفر طے کرتی رہی۔
''شاباش ڈرنا نہیں۔ رفتار کی پرواہ مت کرو، سمت سیدھی رہے۔ کسی کو ٹکر نہیں لگنی چاہیے۔ (ذی نفس تو خیر تھے ہی نہیں، مگر دیوار تو تھی!) سیدھا چلو، اعتماد سے چلو چلتی رہو۔ یہاں سے مڑ جاؤ...... ٹھیک اب پھر سیدھا بالکل ٹھیک۔ ارے...... !
یہ سامنے گھر کا دروازہ...... براؤن رنگ کا!
''تو میں پہنچ ہی گئی......!'' اتنی خوشی ہوئی کہ اصل پریشانی بھول ہی گئی۔ چھلانگ مار کر اتری دروازہ بند کر کے مما کو بتانے لپکی۔ پھر دھیان آیا، مما کی طبیعت کا۔ دوبارہ دل کی کیفیت تبدیل ہوئی تب ہی اس نے دیکھا، مما کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔
نقاہت زدہ چہرے کے ساتھ وہ بستر کی پشت سے ٹیک لگا کے بیٹھی تھیں۔ اور زرینہ، ان کی ملازمہ قریب ہی کرسی ڈالے بیٹھی تھی۔ ماریہ کو دیکھ کر جہاں ملازمہ کے دانت نکل آئے، وہیں مما متاسف سی نظر آنے لگیں۔
''تمہیں زرینہ نے فون کیا ہوگا ناں۔ اتنا منع کیا تھا، ذرا سا بخار تھا، اتر بھی گیا۔ شارق بے چارے کو خواہ مخواہ میں اس وقت زحمت اٹھانی پڑی۔''
وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ان کے پاس آ گئی۔

''مت فکر کریں، کسی کو زحمت نہیں دی۔ خود ہی آئی ہوں، اپنی ماں کے پاس۔''
مما نے چونک کر دیکھا، اسی وقت موبائل کی بپ بجی۔
شارق کا فون تھا۔
''کہاں ہو......؟ ذرا لاؤنج میں آؤ۔ دیکھو تمہارے پسندیدہ لیڈر کا انٹرویو آ رہا ہے۔''
''آپ دیکھ لیں۔''
''لو میں کیوں دیکھ لوں۔ مجھے تو زہر لگتے ہیں۔''
''چلیں پھر اپنے فیورٹ کو دیکھ لیں۔''
''ارے میں تو سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ تمہاری طرح جذباتی تھوڑا ہی ہوں کہ مری جا رہی تھیں جلسے میں جانے کے لیے، میں نے بھی دو چار چکر لگا کے ایسا گھمایا کہ تمہیں خبر ہی نہ ہوئی اور ہم واپس گھر پہنچ گئے۔'' وہ مزے سے بیان کرتا رہا اور ماریہ کو پھر بھولی داستان یاد آ کے غصے آنے لگا۔
''بےفکر رہیں۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔
''اب کے وہ کراچی آیا تو آپ مجھے گھما نہیں سکیں گے۔ میں خود ہی پہنچ جاؤں گی۔ کیونکہ...... میں نے ڈرائیونگ سیکھ لی ہے۔''
''کیا؟'' وہ چونکا ''تم ہو کہاں؟''
''مما کے گھر!'' وہ چہکی۔
''مروا دیا......!'' شارق کے غالباً چھکے چھوٹ چکے تھے۔
''میری گاڑی کا کیا حال ہے؟''
''اچھا جناب۔ گاڑی کی فکر ہے، میری نہیں۔ ٹھیک ہے گاڑی بھی......'' اس نے روٹھے روٹھے انداز میں کہا۔
''نہیں...... مجھے یقین نہیں آئے گا، جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔''
''تو آ جائیں......!''
اور تھوڑی دیر بعد شارق بھی وہیں موجود تھا۔ گاڑی کو اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھا۔ پھر ماریہ کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بھی بغور معائنہ کیا۔

"واقعی؟ گاڑی تم چلا کے لائی ہو؟"

"نہیں، اسے دھکا لگاتی ہوئی یہاں تک لائی ہوں۔" اس نے جل کر کہا۔

"اچھا......اب واپس کیسے جائے گی؟"

"جیسے آئی تھی......"

"ہیں......!" وہ بوکھلایا۔ مگر اب ماریہ کہاں رکنے والی تھی۔ سیدھی ڈرائیونگ سیٹ پہ جا بیٹھی۔

شارق دم سادھے ساتھ رہا۔ وہ پورے اعتماد سے ڈرائیونگ کر رہی تھی، کہیں ڈھونڈے سے بھی اعتراض کا موقع نہیں آنے دیا تو بالآخر قائل ہونا ہی پڑا۔ ویسے بھی ایک لحاظ سے تو اس کا ہی فائدہ ہو رہا تھا۔ کہ اب کم از کم سسرالی کاموں سے تو کافی حد تک نجات مل جاتی تھی۔

☆☆☆

پاپا کو پراویڈنٹ فنڈ کی مد میں رقم ملی تو گھر میں اک جوش کی سی کیفیت نظر آنے لگی۔ امی بڑی خوشی خوشی منصوبے بنا رہی تھیں۔

"بھئی سب سے پہلے تو گھر کی حالت بہتر بنالی جائے۔ دیکھیں ناں ذرا باغیچے کا حال۔ بالکل اجاڑ پڑا ہے، پرانے پودے اب ختم ہونے کو ہیں۔ نئے آ ہی نہیں رہے۔ مالی کو ماہانہ تنخواہ پر بلا کر پہلے تو اس کی شکل درست کی جائے اور ساتھ ہی پورے گھر کو پینٹ بھی کروالیں۔ لاؤنج کے ٹائلز جگہ جگہ سے اکھڑ رہے ہیں کچن کے کیبنٹس......"

پاپا چڑ گئے "بس شروع ہو گئیں اپنے سارے پلان لے کر۔ بھئی میرے پیسے ہیں، جو میرا دل چاہے گا، وہ کروں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے، آپ ہی بتا دیں، کیا ارادے ہیں آپ کے۔" امی آج مکمل مصالحت پر آمادہ تھیں۔

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں، یہ پیسے شارق کو دے دوں، اس کے کاروبار کو تھوڑی ڈھارس ملے گی تو ماریہ کو بھی سکون ہوگا۔ جب سے اس گھر میں آئی ہے۔ جتنی ہوئی ہے محنت میں۔"

ٹائم ٹیبل بناتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک دم رک گئے۔ اس نے مضطربانہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھا۔ جہاں امی قائل ہونے والے انداز میں سر ہلاتی نظر آرہی تھیں۔ مگر پاپا خود ہی کشمکش کا شکار تھے۔

"مگر مسئلہ یہ ہے کہ شارق کو کاروبار کا شوق تو بہت ہے، لیکن سوجھ بوجھ ذرا بھی نہیں ہے۔ کہیں ڈبو ہی نہ دے۔"

امی جوش میں آگئیں۔

"ارے کیا سمجھ رکھا ہے۔ میرے بیٹے کو۔ آخر پڑھا لکھا ہے، کوئی جاہل تو نہیں کہ سب ڈبو دے۔" وہ اٹھ کر تیزی سے ان کے کمرے میں آئی۔

"پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں امی! شارق کو رقم دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"لیکن بیٹا! جیسے اس کے حالات چل رہے ہیں اسے مدد کی ضرورت ہے۔ نوکری سے ملنے والے پیسے تو نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

"نہیں امی......! جتنا وہ تھک چکے ہیں اس میدان میں، انہیں سمجھ جانا چاہیے کہ یہ ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"آپ لوگ انہیں پیسے دیں گے تو وہ پھر سے ہمت جمع کر کے کاروبار کھڑا کرنے کی کوشش کریں گے۔ پھر کسی کی تیزی، کسی کی مکاری کے ہاتھوں شکست کھا کے سب کچھ ٹھکانے لگا دیں گے۔ میں یہ اذیت نہیں جھیل سکتی۔ یہ نوکری ہی صحیح ہے، کم سہی، مگر وقت پہ تنخواہ مل تو جاتی ہے۔ اس ٹینشن سے تو بہتر ہے جو کاروبار کے دوران ہم پر مسلط رہتی ہے۔"

"میں بھی وہی سوچ رہا تھا۔" پاپا دھیمے سے لہجے میں بولے۔ مگر امی بگڑ گئیں۔

"تو پھر پراویڈینٹ فنڈ لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہ گھر کی آرائش کریں گے، نہ بیٹے کو دیں گے، کریں گے کیا پھر؟"

"فنڈ سے اور بھی بہت سے کام ہو سکتے ہیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

میں سوچ رہا تھا آدھے عارض کے لیے رکھ دوں۔ آدھے زونا کے لیے۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں کریں۔ بچے ہماری ذمہ داری ہیں ہم خود ان کے لیے ہاتھ پاؤں ماریں گے۔ آپ لوگ تو بس......حج کی تیاری کریں۔" ماریہ نے سیدھا ساحل پیش کر دیا۔

"ہیں......!"

امی کے چہرے کے بدلتے زاویے ایک دم سے استعجابیہ حالت میں آ کر ٹھہر گئے۔ اور پاپا کے ہاتھوں سے چشمہ گر پڑا۔

☆☆☆

"تم ہوش میں تو ہو؟ اچھا بھلا موقع ہاتھ سے گنوا دیا۔ نہ تمہارا کیا بگڑ رہا تھا اگر میں تھوڑا اسیٹ ہو جاتا۔" شارق نے سنا تو سر پیٹ لیا۔

"اگر ہماری قسمت میں ہوگا، تو سیٹ ہو ہی جائیں گے۔" وہ بڑے ہی سکون سے تھی۔ شارق نے دانت پیسے۔

"قسمت بھی خود بنائی جاتی ہے۔ تم جیسے بے وقوف تو بس......" پھر اس کے چہرے پر تاسف اڈتے دیکھ کر بات سنبھالنے لگا۔

"ذرا کاروبار چل نکلتا تو امی پاپا کو حج تو میں خود ہی کروا لاتا۔ اب اکیلے بھلا وہ کیسے جائیں گے' خواہ مخواہ میں آزمائش میں ڈال رہی ہو، انہیں۔ چلو ابھی چل کر ان سے بات کر لیتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو عارض اور زونا کے لیے......"

"پلیز شارق۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"بہت وقت گزر گیا ہے، خواب دیکھ دیکھ کر۔ اب مجھے حقائق کا سامنا کرنے دیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ خود تو ان کے لیے کچھ کر نہیں پا رہے۔ تو پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کی جمع پونجی استعمال کر لیں۔"

"ارے واہ، کیوں نہیں کر رہے ہم۔" وہ بدکا۔

"گھر کا خرچ، بجلی کا بل ٹیلیفون کا بل، یہ اخراجات زیادہ تر ہم ہی تو پورا کرتے ہیں۔"

"صحیح۔ اور اس گھر میں جو ہم رہتے ہیں اس کا کرایہ، وہ لیتے ہیں ہم سے؟"

"تم بھی حد کرتی ہو۔ بھلا کوئی اپنے بچوں سے بھی کرایہ وصول کرتا ہے؟"

"تو کوئی اپنے ماں باپ کے اخراجات کا بھی حساب کتاب کرتا ہے؟"

اس نے کھری کھری سنا کے لاجواب کر دیا۔

☆☆☆

حج پہ جانے کی خواہش تو امی کے دل میں نہ جانے کب سے تھی۔ بظاہر تو وہ کچھ نہ کہتیں، لیکن ذی الحج کے مہینے کے شروع کے دس دن کس طرح گزرتے تھے، یہ ماریہ کو خوب اندازہ تھا۔

جو بھی حج پہ جا رہا ہو، اسے فون کر کے اپنے لیے دعائیں کروانا۔ صدقے بھجوانا۔ ٹی وی پر مکہ چینل لگا کر حج کی لحظہ بہ لحظہ روداد سننا اور دیکھنا۔ بار بار پلکوں کو خشک کرنا۔ کتنے ہی سالوں سے وہ امی کی یہی روٹین دیکھتی آ رہی تھی۔ سو پراویڈنٹ فنڈ کا نام سنتے ہی حج کا نام لے لیا اور یہ نام ایسا نام نہیں جسے کوئی رد کر سکے۔ یہ تو بلاوا ہوتا ہے۔ جواب ہے لبیک اور صرف لبیک......!

☆☆☆

امی پاپا تھوڑا گھبرائے ہوئے تھے۔ خاص طور پر امی۔

"ارے بیٹا! یہ کن کے ساتھ بھیج رہی ہو مجھے۔ یہ تو ڈانٹ ڈانٹ کر ہی میرا سر پلپلا کر دیں گے۔"

ادھر پاپا بھی کم فکرمند نہ تھے۔

"یہ جو تمہاری ساس ہیں ناں ماریہ، یہ بھلکڑ نمبر ایک ہیں۔ تم دیکھنا، میرا سارا وقت عبادت کے بجائے ان کی تلاش میں گزر جائے گا۔ ایسا کرتا ہوں، میں اکیلا چلا جاتا ہوں، انہیں شارق کے ساتھ بھجوا دوں گا۔"

شارق کھل اٹھا "ہاں پاپا یہ ٹھیک ہے۔ میں ابھی اپنے دوست کے ساتھ ایک نئے سیٹ اپ پہ غور کر رہا ہوں۔ پھر امی کو خود اپنے ساتھ......"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔'' ماریہ نے وہیں قطع کلامی کی۔ ''شارق بھی ضرور امی کو لے کر عمرہ یا حج پہ جائیں گے، جیسے ہی اللہ کو منظور ہوا۔ مگر فی الحال تو جو جا رہے ہیں انہیں جانے دیں۔ سارے انتظامات مکمل ہیں۔ بلاوا ہے تو ہر کام اتنے آرام سے ہو گیا ناں۔ ورنہ کوئی تو رکاوٹ آتی۔ اللہ کا شکر ہے، صحت کا بھی کوئی مسئلہ نہیں، نہ ان شاء اللہ ہو گا۔ باقی رہ گیا بھولنے کا معاملہ۔ تو یہ تو صراط مستقیم ہے۔ نہ کوئی موڑ نہ اونچ نیچ۔ سب کی منزل ایک ہی ہو گی تو سفر طے ہو ہی جائے گا۔ حوصلہ رکھیں۔''

☆☆☆

ڈھیروں تسلیاں، دلاسے دے کر امی پاپا کو جانے پر آمادہ کر تو لیا، اب خود سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ کوئی بھی تو اس مقام پر اس کے ساتھ نہیں تھا۔ عثمان بھائی نے تو باقاعدہ فون کر کے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

''امی! آپ لوگ اکیلے کیسے جائیں گے۔ شارق سے کہیں، آپ لوگوں کے ساتھ جائے۔'' اس سے پہلے کہ امی کوئی جواب دیتیں، پاپا نے جھپٹ کر فون لے لیا۔

''کیوں نہیں بیٹا، وہ تو تیار ہے۔ بس ذرا رقم کم پڑ رہی تھی، تم تو جانتے ہی ہو اس کے حالات...... تو ذرا ایک ٹکٹ کے پیسوں کا انتظام کر دو تاکہ شارق بھی۔''

''اچھا پاپا! میں کل فون کروں گا۔ ابھی آفس کے لیے نکل رہا ہوں۔'' اور فون بند۔

پاپا کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہونہہ......! خالی خولی ہمدردی۔ اگر اتنی ہی فکر تھی تو آ کے لے جاتا ناں خود۔ مگر نہیں۔ فون کرتے تو اتنی سستی ہوتی ہے۔ ہمارے فرائض ادا کروائیں گے صاحبزادے۔ مشورہ دیا جا رہا ہے شارق کو لے جانے کا اور یہاں بہو بچے اکیلے رہیں۔ واہ عثمان صاحب واہ......''

ڈھیروں دعائیں لیے امی پاپا کو ایئر پورٹ کے لیے روانہ کیا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا تو سوچا، فون کر کے کلیئرنس کا پوچھ لے۔

''ادھر نئی ہی صورت حال منتظر تھی۔

''ہائے بیٹا کلیئرنس کو چھوڑو، وہ تو ہو ہی گئی۔ مگر اس کے بعد سے جو تمہارے پاپا غائب ہوئے ہیں تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا۔ یہاں سب ہی احرام میں ایک جیسے نظر آ رہے ہیں، کہاں ڈھونڈوں؟ اتنے غیر لوگوں کے بیچ۔''

''اللہ امی، آپ فون کر کے پوچھ لیتیں، پریشان ہوتی رہیں۔''

''فون کروں گی تو ڈانٹنا شروع ہو جائیں گے، تم ذرا خود ہی فون کر لو۔''

''اچھا......!'' اس نے سراسیمہ ہو کے پاپا کو فون کیا جو پہلی ہی کال پہ ریسیو کر لیا گیا۔

''جی بیٹا۔ ساسو ماں کی خاطر کال کر رہی ہو ناں۔''

''ہیں......!'' ابھی وہ حیران ہی ہو رہی تھی کہ خود ہی وضاحت کی۔

''ارے سائیڈ میں کھڑا ہوں ان کے۔ احرام پہن کے آیا تو یہ عجیب بوکھلائی ہوئی شکل بنائے ہر طرف تکتی نظر آئیں۔ سامنے آیا تو گڑبڑا کر چہرہ ہی پھیر لیا۔ اب بھی میرے سامنے ہی تم سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔ اور اب مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہی ہیں۔ اور لو اب لڑنا شروع ہو گئی ہیں۔''

ماریہ کو ہنسی ضبط کرنا محال ہو گیا۔ شارق بھی ساتھ ہی کھڑا تھا، جھپٹ کے فون اچک لیا۔

''پاپا پلیز، وہاں میری بھولی بھالی امی کو مت تنگ کیجیے گا۔''

''اچھا میں تنگ کرتا ہوں؟''

''نہیں، میں تنگ کرتا ہوں۔ لیکن پلیز پلیز......'' شارق نے التجائیں شروع کر دیں۔

☆☆☆

دوسرے ہی دن ماریہ نے پیکنگ شروع کر دی۔ شارق بوکھلا اٹھا۔

''ہائیں اب تم کہاں چل دیں۔ مجھے چھوڑ کر؟''

''آپ کو چھوڑ کر کیوں آپ بھی ساتھ چل رہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہیں۔مما کے پاس۔"
"کوئی نہیں......میں تو نہیں جا رہا۔" وہ بدکا۔
"مجھے اپنے کمرے کے سوا کہیں نیند نہیں آتی۔"
"اچھا......تو پھر جو آپ بزنس کے چکر میں لاہور اور دبئی کے چکر لگاتے تھے۔تب کیسے نیند آتی تھی؟"
"وہ تو کام کی وجہ سے مجبوری تھی۔"
"اب بھی مجبوری ہی سمجھ لیں۔مما کی صحت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے اور وہ اکیلے رہتے ہوئے ایسا کریں گی نہیں۔لاکھ منع کرو۔وہ کسی نہ کسی کام میں لگ کر خود کو تھکا لیتی ہیں اور نہ کریں تو سوچیں انہیں بیمار کر دیتی ہیں۔اب اسکول میں بھی کچھ چھٹیاں ہیں کچھ میں نے لی ہیں۔تھوڑا وقت مما کے پاس گزاروں گی تو ان شاءاللہ ان کی طبیعت بھی بہتر ہو جائے گی۔"
"چھٹی لی ہے، تو ضروری ہے کہ ہم وہاں چل دیں؟ کیوں نہ آؤٹنگ پہ چلیں......مری ہی ہو آتے ہیں، کیوں بچوں۔"
شارق نے اپنے مصاحبوں سے رجوع کیا جو سیر سپاٹے کے معاملے میں پاپا سے بڑھ کر شوقین واقع ہوئے تھے۔اتنی بہترین آفر پر تو اچھلنے لگے۔دل تو ماریہ کا بھی مچلا ہنی مون کے علاوہ تو وہ شادی کے بعد کہیں گئی ہی نہ تھی۔مگر پھر بھی دل سمیت، جملہ حاضرین کی قرارداد کو ویٹو کرنا پڑا۔
"مری اگر پیدل جایا جا سکتا تو میں خوشی سے ساتھ دیتی اس پروگرام میں۔لیکن اتنے سے سفر کے لیے بھی ایک لاکھ کی ضرورت ہے۔جو نہ آپ کے پاس ہے، نہ میرے پاس۔ویسے بھی آپ کی جاب ابھی چھٹیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔"
"یار! اس جاب میں رکھا ہی کیا ہے۔نہ تنخواہ، نہ آرام۔" وہ پھر چڑنے لگا۔
"ساری نوکریاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ ترقی بھی ہو جائے گی۔پاپا نے کہا تو ہے، واپس آ کے آپ کے ایگزیکٹو ایم بی اے کی فیس بھی جمع کروا دیں گے۔ایک سال کے اندر مکمل ہو جائے گا تو تنخواہ میں بہت فرق پڑ جائے گا۔"
"ہاں پڑھو بھی اور کام بھی کرو۔گدھوں کی طرح جتے رہو۔دن رات۔"
"آپ کی مرضی......" اس نے فوراً ہتھیار ڈالے۔
"اس معاملے میں آپ پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔مگر فی الحال مجھے مما کے پاس جانے سے مت روکیں۔"
"ارے کیا سب ذمہ داریاں تمہاری ہیں۔"
ایک طرف امی پاپا کی ضرورت سے زیادہ فکریں پالتی ہو۔دوسری طرف اپنی مما کے لیے پریشان ہو۔بھائی کو بلاؤ......اور کہو کہ اپنا فرض ادا کریں۔"
اور یہاں پہ ماریہ نے ہمیشہ کی طرح چپ سادھ لی۔یہی تو نہیں ہوتا تھا اس سے۔دبی زبان میں تو کئی بار کہہ چکی تھی۔مگر صاف صاف، کہنا محض الفاظ کا بھرم کھونے کے مترادف تھا۔سچ تو یہ تھا کہ اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ان کے بیوی بچے باہر کے ماحول میں اس طرح سیٹ تھے کہ یہاں آنے کا سوال بھی محال تھا۔
ادھر مما اپنا گھر، اپنا ملک چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھیں۔پچھلے سال سفیر بھائی انہیں عمرے پر لے کر گئے تو امریکہ سے ہی مما کے ویزے کا کام پروسس میں ڈال کر آئے تھے۔لیکن مما کسی صورت راضی نہ ہوئیں۔
وہ شارق کو عثمان بھائی کی مثال بھی نہیں دے سکتی تھی کہ عثمان بھائی تو دھڑلے سے شارق کی لاپرواہیوں کو ہی تمام تر صورت حال کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک یہ شارق اور ماریہ کی عین خوش نصیبی تھی کہ رہنے کو پورا گھر ملا ہوا تھا۔ورنہ گھر اتنا بڑا ہرگز نہیں تھا کہ دونوں بھائیوں کی فیملیز کسی تنگی کے بغیر رہ سکتیں سو وہ الٹا احسان دھرتے تھے۔
اس نے کپڑے دوبارہ الماری میں ٹھونس دیے۔اب زیادہ آزمانا بھی ٹھیک نہیں۔شارق پہلے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہی تپے ہوئے ہیں کہ کاروبار کو رقم نہ ملی۔ پھر خود میکے چلی جاؤں...... یہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا۔

سر جھٹک کے کچن میں چلی آئی۔ عقب میں کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی۔ مگر اس نے دھیان نہیں دیا۔

"بھلا آٹھ دس دن رہ کر کون سا تیر مار لوں گی...... اس سے بہتر ہے، صبح سارے کام مکمل کر کے مما کے گھر چلی جاؤں اور شام کو واپس آ جاؤں...... یہی ٹھیک ہے۔" ان ہی سوچوں میں الجھتے سلجھتے اس نے لنچ تیار کیا۔ ڈائننگ ٹیبل سیٹ کر کے جب شارق اور بچوں کو بلانے بیڈ روم میں آئی تو وہاں تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔

دونوں بچے خوشی خوشی اپنا بیگ پیک کر رہے تھے اور شارق تیار ہو کر...... آئینے میں ہیئر اسٹائل کا جائزہ لینے میں مصروف۔

"کہاں کی تیاری ہے؟ کیا مری جا رہے ہیں۔" اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

"نہیں تو...... سسرال جا رہا ہوں۔ سوچا تھوڑا بن سنور لیا جائے۔" مسکراتا جواب ملا۔

اس نے شکر کی طویل سانس لی۔

☆☆☆

رات کا وقت تھا۔ پتا نہیں کیوں آنکھ کھل گئی۔ بے چینی سی ہو رہی تھی۔ اٹھ کر پانی بھی پیا۔ مگر طبیعت ہلکی نہ ہوئی۔ مما کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہی تھیں۔ پھر لیٹ گئی۔ مگر نیند تو جیسے اچاٹ ہو چکی تھی۔

یونہی خیال آیا، امی کو فون کروں۔ دیکھوں تو کیا کر رہی ہیں۔ حج کے دن قریب آ رہے تھے۔ وہ پرائیویٹ کمپنی کی طرف سے بیس دنوں کے لیے گئے تھے۔ خیال تو ہر طرح رکھا جا رہا تھا۔ مگر امی کی عادات......!

اس نے فون ملایا۔ تھوڑی دیر بیل جاتی رہی پھر ریسیو کر لیا گیا۔

"السلام!" کچھ بھرائی ہوئی سی آواز تھی۔

"وعلیکم السلام امی! کیا حال ہے، کہاں ہیں اس وقت حرم میں......؟"

"نہیں بیٹا...... بس کیا بتاؤں۔" ماریہ کی آواز سن کر تو وہ بالکل رونے ہی والی ہو گئیں۔

"اف......!" ماریہ نے سر تھام لیا۔ یہ تیسری دفعہ ہوتا اگر وہی ہوا تھا جو وہ سوچ رہی تھی۔

"ارے نہ جانے کہاں گم ہو جاتے ہیں بار بار۔ تمہارے پاپا کو تو بہانا چاہیے تھا مجھ سے جان چھڑانے کا۔ سوچا یوں نہیں تو یوں ہی سہی۔"

"ہائے......" وہ پچھتا رہی تھی اس سے تو اچھا تھا کہ گورنمنٹ کے تھرو ہی جاتے اور بچنے والی رقم سے شارق بھی ہو آتے۔ مگر یہاں وہ بالکل اکیلی ہو جاتی اس لیے پاپا نے یہ فیصلہ کیا تھا اور اب بھی وہ تو صبر و تحمل سے باقی کارواں کے ساتھ وقت کے وقت ہی جاتے تھے۔ لیکن امی بے قرار ہو کر بار بار حرم میں جانا چاہتیں اور رستہ بھول جاتیں۔

وہ تو شکر تھا کہ ہوٹل حرم سے بہت نزدیک تھا۔ ورنہ تو اور بہت پریشانی ہوتی۔ خیر...... پریشانی تو اب بھی کم نہیں تھی۔

"امی......! آپ گھبرائیں نہیں۔ اچھی طرح غور کر کے مجھے بتائیں کہ آپ کس جگہ کھڑی ہیں۔ آپ کے آس پاس کیا ہے۔ کوئی نشانی؟" وہ گھبراہٹ پہ قابو پا کے امی کو ہمت دلانے لگی۔

پھر امی کی بیان کردہ نشانیوں سے اسے یہی محسوس ہوا کہ وہ حرم کے اندر ہی تھیں۔ بس سمت الگ ہو گئی تھی۔ اب کرنا صرف یہ تھا کہ پاپا کا نمبر ملا کر کے ساری صورت حال سمجھائی جائے۔

پاپا تو بھرے بیٹھے تھے۔

"تمہاری ساس نرا درد سر ہیں۔ رہنے دو انہیں جہاں بھی ہیں۔ جب حج مکمل ہو جائے گا تو اکٹھا ایک بار ہی ڈھونڈ لوں گا۔"

"ارے نہیں پاپا! پلیز۔" وہ گڑگڑائی۔

"میری عزت کا سوال ہے۔" لوگ کیا کہیں گے، بوڑھے ساس سسر کو اکیلا بھیج دیا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ہائیں...... یہ بوڑھا کسے کہا ہے تم نے؟"

"آپ کو تھوڑا ہی ...... امی کو کہہ رہی تھی۔" اس نے فوراً مکھن لگایا، "آپ کو تو ہمیشہ ینگ اور اسمارٹ سمجھا ہے۔ تبھی تو ان کی طرف سے بھی بے فکر تھی۔"

تعریف سن کر پاپا کا موڈ بھی بحال ہو گیا۔ تو انہوں نے مکمل جائے وقوع معلوم کیا۔

اب اس نے پھر امی کو فون کیا۔ انہیں تسلی دی اور اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کی تلقین کی۔

دعائیں کرتے کرتے فون کے ذریعے رابطے میں رہتے رہتے، بالآخر حج مکمل ہو گیا اور امی پاپا شاداں وفرحاں لوٹ آئے۔

لوگ مبارک باد دینے آتے رہے خوش گپیوں کے دور چلتے رہے۔ ایسے ہی ایک دن شارق کی ایک کزن ثمرہ بھی ملنے چلی آئیں۔ چائے کے دوران یونہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ چونک کر پوچھ بیٹھیں۔

"ارے ماریہ! تم نے بچوں کو کس کے پاس چھوڑا تھا......؟"

"ہائیں......" وہ ہکا بکا رہ گئی۔ "بچوں کو کہاں چھوڑنا تھا۔ میرے پاس ہی تھے۔"

"تمہارے پاس مگر تم تو انکل آنٹی کے ساتھ تھیں ناں؟"

وہ ٹکر ٹکر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"لو یہ بھی کوئی چھپانے والی بات ہے؟ میری پڑوسن بھی گئی تھی حج پہ۔ وہی بتا رہی تھی کہ تم اسے کئی بار وہاں نظر آئیں۔ لیکن دور ہونے اور زیادہ جان پہچان نہ ہونے کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔"

سب لوگ ایک لمحے کو خاموش ہو گئے تھے۔ اب ثمرہ حیران سی ہو گئیں۔ "بھئی، یہ تو سعادت کی بات ہے، تم کیوں کنفیوز نظر آ رہی ہو، گئی تھیں ناں؟"

اس سے پہلے کہ ماریہ تردید کرتی، امی نے فوراً اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تمہاری بات درست ہے ثمرہ! میری ماریہ، ہر پل ہر قدم پر میرے ساتھ تھی۔ اور سچ کہا تم نے یہ تو ایسی سعادت ہے کہ پورے حق کے ساتھ قبول کرنی چاہیے۔ کیوں ماریہ؟"

وہ ابھی بھی ہونق بنی امی کو تک رہی تھی۔

☆☆☆

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی، یہ جملہ سنا تو بہت تھا، سمجھ میں اب آ رہا تھا۔

اب جب کہ عرصہ بیت گیا۔ وہ پلٹ کر پیچھے دیکھتی تھی تو سب کچھ ایک خواب سا محسوس ہوتا، لگتا، کل ہی کی تو بات تھی اور گننے بیٹھتی تو کتنے ہی برس ہاتھوں سے پھسلتے چلے جاتے۔

سفیر کا بھائی کا باہر جانا، اپنی شادی۔ شارق کے بار بار ابھرتے ڈوبتے کاروبار۔ پھر بالآخر ایک نوکری پہ ٹک جانا اور ...... اب تو امی پاپا کے حج کو بھی دس سال گزر گئے۔ پتا بھی نہیں چلا......!

پاپا تو اب بھی امی کے گم ہو جانے کی تعداد دو سے ضرب دے کر سناتے تھے۔

شارق اور بچوں کی پاکستان ٹور کی خواہش بھی پوری ہو ہی گئی تھی۔ گھر کی حالت بھی پہلے سے بہتر تھی۔ اس کی نوکری اپنی جگہ پہ تھی۔ ہاں بچے اولیول پاس کر کے آگے کا سفر اختیار کر چکے تھے۔ سب کچھ ویسے ہی تھا۔

صرف مما......!

☆☆☆

دو ماہ پہلے سفیر بھائی کا فون آیا۔ وہ پاکستان آ رہے تھے۔ مما کے ساتھ وقت گزارنے۔

اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔ بھائی یوں تو ہر سال ہی آتے تھے۔ پر اس دفعہ ذرا جلدی ہی پروگرام بنا لیا تھا۔ کہ مما کی صحت اب تو بالکل ہی جواب دے گئی تھی۔ پچھلی بار بھی جب جا رہے تھے تو کافی پریشان ومضطرب تھے اور چار ماہ بعد اب دوبارہ چلے آئے تھے۔ خاصی چھٹیوں کا اہتمام کر کے بھابھی، عمر اور زارا (ان کے بچے) بھی ساتھ آئے تھے لیکن پڑھائی اور دیگر مجبوریوں کی بناء پر ایک ہفتے کے اندر واپس چلے گئے۔

سفیر بھائی البتہ موجود رہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مما تو جیسے جی اٹھی تھیں۔ یہ بھی عجیب بات تھی کہ ماریہ لاکھ خیال رکھنے کے باوجود کبھی وہ مقام نہیں حاصل کر پائی تھی جو سفیر بھائی کا تھا۔ وہ ابو کی لاڈلی تھی۔ لیکن مما کے دلارے ہمیشہ سفیر بھائی ہی رہے۔ ابو جب حیات تھے اکثر سفیر بھائی کو مما کی جان کہہ کر ہی پکارا کرتے تھے۔

تو مما اپنی جان کی ہمراہی میں بہت خوش تھیں۔ ماریہ بھی مطمئن ہو کر اپنے کام بے فکری سے انجام دے رہی تھی۔ صرف شارق کو تاؤ چڑھتے رہتے تھے۔

''تمہاری مما بیٹے کو دیکھ کر ہمیں بالکل بھول جاتی ہیں۔''

''تو اچھا ہی ہے ناں...... ہماری اپنی مصروفیات بھی تو بڑھ گئی ہیں۔'' وہ دفاع کرتی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ مصروفیات تو سال بھر ہوتی ہیں۔ دس پندرہ دن کے لیے آنا اور پورے سال توجہ دینا، کیا اس میں کوئی فرق نہیں ہے؟''

''تو آپ کیا چاہتے ہیں، وہ اتنا بھی نہ آئیں؟''

اور شارق صاحب بظاہر تو خاموش ہو جاتے مگر اندر ہی اندر جس بات پر الجھتے، وہ اس بات کو بخوبی سمجھتی تھی۔

شارق کو خوف تھا، کہیں مما گھر سفیر بھائی کے نام ہی نہ کر دیں!

وہ شارق کے خوف کو محسوس تو کرتی تھی۔ دور کہیں اس کے دل میں بھی یہ بات تھی، لیکن وہ ایسا سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

''مما کی چیز ان کی مرضی جو کریں۔''

یہ جواب خود کو بار ہا دے کر اس نے اپنی ہر سوچ کو وہیں دفن کر دیا تھا۔ اس کے لیے مما ہی بہت تھیں۔ مگر شارق کی فکر بھی بلاوجہ نہیں تھی۔ فطری طور پر ایسے معاملات میں موازنہ اور مقابلہ ہوتا تھا۔ وہی شارق کے ذہن میں آتا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے یہ گھر اگر عثمان بھائی کے نام ہو جاتا تو ماریہ کو محسوس ہوتا۔

☆☆☆

سفیر بھائی کے آنے کے ایک ماہ بعد مما انہیں چھوڑ کر چلی گئیں......!

بیمار تو وہ بہت پہلے سے تھیں۔ مگر پھر بھی بات چیت کرتی تھیں۔ اپنے کام کر لیتی تھیں، پھر یکا یک ہی طبیعت بگڑنے لگی۔ پہلے تو موسم کا اثر محسوس ہوا، پھر پریشان ہو کر اسپتال میں داخل کروایا۔ مگر مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی......!

جتنا ان کی زندگی کے لیے کوششیں بڑھتی گئیں۔ اتنا ہی زندگی ان سے روٹھتی گئی۔

آخری چند دنوں میں انہوں نے ہسپتال کے چکر لگانے سے صاف منع کر دیا اور یہی خواہش ظاہر کی کہ دونوں بچے ان کی آنکھوں کے سامنے موجود رہیں۔

اور اب وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی سوچ رہی کہ کیا کرے کہ سب کچھ جیسے تھا، ویسے ہی ہو جائے۔ کچھ زیادہ تو تبدیلی نہیں آئی تھی۔ صرف مما...... صرف مما کو واپس لانا تھا...... لیکن! نہ جانے وہ کتنی دیر اسی طرح بیٹھی رہی کہ آہٹ سے چونک گئی۔ شارق چہرے پر سنجیدہ سے تاثرات لیے موجود تھا۔

''سفیر بھائی آئے ہوئے ہیں۔ تمہیں بلا رہے ہیں۔''

''اوہ!'' وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آنے لگی۔ شارق نے بے ساختہ پکارا۔

''ماریہ...... اگر وہ گھر کی بات کریں تو......''

''پلیز شارق...... میری ماں کو گزرے ابھی صرف ایک ماہ ہوا ہے۔''

''میں وہی کہہ رہا ہوں کہ ابھی یہ باتیں نہ شروع ہوں تو بہتر ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ وہ سر ہلاتی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ مگر سفیر بھائی یہی بات کرنے آئے تھے۔

''ماریہ بیٹا...... میں کچھ دنوں میں جا رہا ہوں۔ جانے سے پہلے مما کے گھر کے معاملات طے کر دینا چاہتا ہوں۔''

''اف بھائی......!'' اس نے دکھ سے آنکھیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

میج لیں۔ کیا ضروری تھا کہ وہ اتنی جلدی کرتے۔
"مما نے دو سال پہلے وکیل صاحب کو بلا کر وصیت لکھوائی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تم بھی دیکھ لو۔"
"دو سال پہلے......" وہ گنگ رہ گئی۔ "اور مجھے خبر بھی نہیں!"
وہ بے یقینی کے عالم میں وکیل صاحب کو دیکھ رہی تھی۔ جو مستعدی سے فائل کھول کر وصیت نامہ پڑھ رہے تھے۔
شارق بھی اس کے قریب آ کر غور سے وصیت کے الفاظ سن رہا تھا۔ تب ہی وہ چونکا۔
"آپ غلط کہہ گئے وکیل صاحب!"
"میں تو صرف جو لکھا ہے، پڑھ رہا ہوں۔"
"مگر ......مگر یہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔
سفیر نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"یہ......یہ جو وکیل صاحب نے کہا۔ دو حصے ماریہ کے اور ایک حصہ آپ کا۔"
اب ماریہ بھی ہوش میں آئی۔
وصیت تو اس نے سنی ہی نہیں تھی۔ اس کا دل تو یہ سوچ سوچ کر دکھتا تھا کہ اس کے میکے کا آنگن اب سچ مچ پرایا ہو جائے گا۔
"شرعی طور پر واقعی درست نہیں، لیکن ہبہ تو کیا جا سکتا ہے ناں۔" سفیر بھائی افسردہ سے انداز میں مسکرائے۔ "تو میں نے اپنا ایک حصہ ماریہ کو ہبہ کر دیا۔"
"سفیر بیٹا تو پورا گھر ماریہ کے نام لکھوانا چاہتے تھے، مگر یہاں پہ ایک ماں کی بیٹے سے فطری محبت آڑے آ گئی۔" وکیل صاحب نے مزید انکشاف کیا۔
"مگر میں اب بھی یہی......"
"نہیں بھائی!" وہ تڑپ اٹھی "ہرگز نہیں میں جانتی ہوں مما کی محبت کو۔ جو آپ نے کیا، وہی بہت زیادہ ہے۔ اس سے زیادہ بالکل بھی نہیں۔"
شارق جو حیرت سے منہ کھولے بیٹھا تھا۔ اس بات پر شرمندہ شرمندہ انداز میں ماریہ کی تائید کرنے لگا۔ وہ کیا سوچ رہا تھا اور کیا ہوا تھا۔

☆☆☆

سفیر بھائی واپس جاتے ہوئے گھر کے کاغذات اس کے نام کر گئے۔ لاکھ منع کرنے کے باوجود۔ جب اس نے بہت اصرار کیا۔ تو بولے۔
"تمہیں اسی کی فکر ہے ناں کہ مما کی خواہش کے مطابق ایک حصے کی رقم مجھے حاصل ہو جائے، تو ٹھیک ہے، جب بھی ممکن ہو، وہ رقم مجھے بھجوا دینا۔ مگر دیکھو خواہ مخواہ جلدی مچانے کی ضرورت نہیں۔ جب آسانی ہو تب۔"
مگر وہ اب یہی چاہتی تھی کہ جتنی جلد ہو سکے، ایسا کر لیا جائے۔
اور یہ تب ہی ممکن تھا کہ جب مما کا گھر فروخت ہو جاتا۔ اگرچہ بہت مشکل تھا یہ فیصلہ۔ لیکن کرنا تھا۔ اسے شارق کی طرف سے خطرہ جو تھا۔
یقیناً شارق کو اپنی غلط سوچوں پر شرمندگی تھی۔ سفیر بھائی پر شک کرنا اس کی کوتاہی تھی، یہ بارہا تسلیم کر چکا تھا۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں......زر، زمین اور زن فساد کی جڑ......تو یہی کہاوت ماریہ کو خوف زدہ کرتی تھی۔
اگر کل اس کی شرمندگی ختم ہو جاتی تو......؟ وہ زور دیتا سفیر بھائی کے حصے کو بھلا دیا جائے تو؟
اس کی بات تو الگ خود ماریہ اپنے بارے میں نہیں کہہ سکتی تھی کہ کل اس کی سوچ کیا ہو۔ اخراجات جتنی تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ وہ بھی بدل سکتی تھی۔
آخر تبدیلی تو آئی ہی تھی۔ ایک کھلنڈری بچی سے یونیورسٹی کی شرارتی لڑکی اور شادی کے بعد بالکل الگ سنجیدہ ذمہ دار خاتون، کتنے روپ بدل ڈالے تھے اس کی شخصیت نے۔ تو کیا پتا خود اس کی نیت ہی بدل جاتی۔ پھر سب سے بڑھ کر، آج کل یا کچھ سال بعد اس کی اور شارق کی تنخواہ پہلے سے بہتر تھی لیکن ان کے پاس اتنی رقم کہاں سے آتی کہ سفیر بھائی کا حصہ ادا کرتے؟ وہ مانگتے بھی نہیں اور یوں مما کی محبت کا قرض ادا ہونے سے رہ جاتا۔ سو مما کی وصیت پر عمل

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کرنے کے لیے میکے کا آنگن پرایا کرنا ضروری ہو گیا تھا......!

اس نے شارق سے کہہ دیا کہ جلد از جلد گھر فروخت کر کے سفیر بھائی کی رقم ان کے حوالے کر دیں اور باقی رقم سے کوئی فلیٹ خرید لیں۔

فیصلہ تکلیف دہ مگر ایمان داری پر مبنی تھا۔ اور اسے اپنے کام ایمان داری سے انجام دینے تھے۔ باقی اللہ پر چھوڑ دینا تھا۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا، مجھ پر حکم چلا رہے ہو۔" ارے میری چیز ہے، جو دل چاہے کروں۔ تم کون ہوتے ہو بولنے والے۔"

"ارے! اب یہ پاپا کو کیا ہو گیا۔ کس سے الجھ رہے ہیں؟ اس نے کھڑکی سے جھانکا۔ وہ فون پر بات کر رہے تھے۔ بات کیا کر رہے تھے۔ باقاعدہ لال پیلے ہو رہے تھے۔

اس نے کھڑکی بند کر دی۔ بہتر ہے مجھے آواز نہ ہی آئے۔ ابھی کسی ٹینشن کو جھیلنے کی ہمت نہیں تھی۔ دل ویسے ہی اداس ہو رہا تھا۔

اس نے توجہ اسکول کے کاموں پر مرکوز کر لی۔

سالانہ فنکشن کی تیاریاں جاری تھیں۔ یہ نظم اس کی کولیگ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے پس منظر میں لکھی تھی۔ جسے پروگرام کے دوران پڑھا جانا تھا۔ تمام تر تاثر کے ساتھ

یہ انؑ کے دور کا ہے ایک قصہ
سجا تھا ایک دن دربار ان کا
تو جنگل بھر کے جتنے جانور تھے
سب ہی بیٹھے حکم کے منتظر تھے
نبیؑ نے نام لے کر جب پکارا
تو ہدہد کو وہاں حاضر نہ پایا
نبی بولے کہ اے میرے غلاموں
ذرا ہدہد کی تو جا کے خبر لو
ابھی محفل میں تھا یہ ذکر جاری
کہ ہدہد کی بھی آ پہنچی سواری

کہا عظیم سے اس نے کہ آقا
پتا لایا ہوں میں قوم سبا کا
کہ ان کو دین کی سدھ بدھ نہیں ہے
"نہیں اسلام کی دعوت میں دوں گا۔"

"اسلام کی دعوت؟"

وہ رک سی گئی۔ ہاں ٹھیک تو ہے۔ سب نبی دین اسلام ہی لے کر آئے۔ پھر دنیا نے ان میں تبدیلی کر لی۔

باہر سے آواز اب اتنی تیز ہو گئی تھی کہ کھڑکی کے کمزور پٹ بھی ان کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو گئے تھے۔

"تمہیں کیا فرق پڑ رہا ہے۔ تم رہو مزے سے، پہلے تو کبھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ کا کیا حال ہے۔ آج بہت فکر ہو رہی ہے۔"

"آخر پاپا کس سے بات کر رہے ہیں۔"

"کیا عثمان بھائی سے......؟" وہ گھبرا گئی۔ ان سے لاکھ شکایتیں سہی، لیکن جھگڑا تو کبھی نہیں کیا تھا پہلوٹھی کی اولاد ہونے کی وجہ سے امی کی تو جان ہی عثمان بھائی میں تھی۔ پاپا سے تو خیر کسی کی نہ بنتی تھی۔ نہ عثمان بھائی کی، نہ ہی شارق کی!

"ہاں تو تم ہوٹل میں رہ لینا ناں، جب بھی آؤ۔"

"لو بھئی...... اتنی جذباتیت؟ اپنا گھر ہوتے ہوئے پاپا ہوٹل کی باتیں کرنے لگے۔" وہ مسکرا دی۔ "ہو سکتا ہے، شارق سے ہی بحث چل رہی ہو۔ اکثر ان کی لڑائیوں میں شارق کو گھر سے نکل جانے کا حکم مل جاتا تھا۔ وہ گھر سے تو خیر کیا نکلتے تھے۔ البتہ وقتی طور پر ماریہ لاؤنج سے ضرور نکال دیتی تھی، تاکہ بحث ختم ہو سکے۔

اس نے فی الحال شارق کو ہوٹل میں ہی رہنے دیا اور دوبارہ پڑھنے لگی۔

کہا تھا جو وہی کر کے دکھایا
سبا کے محل میں پیغام آیا
بہت حیران ہوئیں ملکہ سبا کی
کہ یہ نامہ ہے یا دعوت ہے حق کی؟

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

یہی بہتر ہے کہ نرمی دکھاؤں
تحائف لے کے ان کے پاس جاؤں
چلی ملکہ کی جب تک یہ سواری
یہاں بھی ہو چکی تھی سب تیاری
تو یوں اللہ نے ملکہ کو دکھایا
کہ ان سے پہلے ان کا تخت آیا!
کھلی ملکہ پہ جو نہی یہ حقیقت
تو ان پر ہوگئی اللہ کی رحمت
کہا ملکہ نے یہ سر کو جھکا کے
کہ میں ایمان لے آئی خدا پر

"ایمان......؟"

دعوت تو اسلام کی دی جا رہی تھی، ملکہ ایمان لے آئی!ہاں تو فرق ہوتا ہے ناں۔ اسلام لانے اور ایمان لانے میں واضح فرق ہے جو سورہ الحجرات میں کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ اسلام قبول کیا جاتا ہے۔ کلمہ پڑھ کر۔ اور ایمان۔

ایمان دلوں میں داخل ہوتا ہے

دل کے رستے تھوڑے پُر پیچ ہوتے ہیں۔

اسلام بہت لوگ قبول کرتے ہیں۔ سب مسلمان ہوتے ہیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ تھوڑے اختلاف کی بنیاد پر دوسروں پہ کفر کا فتویٰ لگا دیں۔

ہاں، مومن کم ہوتے ہیں۔

کم دل اتنے شفاف اور کشادہ ہیں کہ فوراً ایمان ان میں داخل ہو جائے۔ صحابہ کرام تھے ایسے یقیناً۔ لیکن ان کے علاوہ کم۔

اس میں وقت لگتا ہے، محنت درکار ہے۔ جو چاہتا ہے اور جس کی قسمت میں اللہ نے رکھا ہے، وہی مومن کے درجے پہ پہنچتا ہے اور یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

تو بہت خوش نصیب تھیں ملکہ سبا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں اپنا تخت اور دوسرے کمالات دیکھے تو جان گئیں کہ یہ انسانی ہاتھ کے کرشمے نہیں ہیں، مطیع تو وہ پہلے ہی ہو چکی تھیں یہ سب دیکھ کر ایمان بھی لے آئیں......!

کھڑکی کے پار پاپا نظر آ رہے تھے۔ فون کریڈل پر پھینک کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے۔

پھر شارق نمودار ہوئے۔ آج کل نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتے رہتے تھے۔ ابھی بھی باہر ہی سے کہیں سے آئے تھے۔ اب پاپا کو کچھ کا غذات دکھا رہے تھے۔

شارق سے تو معاملات ٹھیک ہی لگ رہے ہیں۔ تو پاپا کس کو ڈانٹ رہے تھے۔ یقیناً عثمان بھائی کو......اور مشورہ دے رہے تھے یہاں آ کر ہوٹل میں رہنے کا......!

اف...... اس نے سر پیٹ لیا۔ وہ تو جب بھی آتے تھے، پورے اہتمام سے مہمان داری کرواتے تھے۔ اب ایسی بات سن کر تو آنے کا نام ہی نہیں لیں گے۔

پھر امی کا کیا ہوگا۔ کبھی کبھی کے فون اور دو تین برسوں میں جو کچھ دنوں کے لیے بڑے بیٹے کی مشکل دیکھنے کو مل جاتی تھی اس سے بھی گئیں۔

اب لاؤنج میں امی بھی نظر آ رہی تھیں۔ ماریہ نے سب کام سمیٹا اور باہر لپکی۔ اب یہاں جنگ چھڑنا لازمی تھا۔ پاپا نے عثمان بھائی سے جو اتنی لڑائی کی تھی، امی کو غصہ تو آنا ہی تھا۔ شارق کو تو جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام ہی آتا تھا، سو اسے سیز فائر کرانے کے لیے میدان میں موجود رہنا چاہیے۔ مگر لاؤنج میں عجیب سی صورت حال تھی۔

سب بہت سکون سے گویا اس کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

"لو بیٹا...... یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔ مکان کی بڑی اچھی قیمت مل گئی۔"

"اوہ......تو مما کا گھر بک گیا۔"

اک ہُوک سی دل میں اٹھی۔ پھر اس نے خود کو سمجھایا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔

"اچھا......!"

"مبلغ ڈھائی کروڑ مل گئے ہیں۔ اس سے زیادہ تو مشکل ہی تھا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شارق سے تفصیل سن کر وہ چونک اٹھی۔
مما کا تین سو گز کا گھر صرف ڈھائی کروڑ میں بکا
یہ شارق کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا سفیر بھائی اور اس سے کچھ رقم چھپا رہے ہیں۔ نہیں وہ ایسا نہیں ہونے دے گی ایمان داری بہترین......

"شارق...... آپ نے کچھ زیادہ ہی جلدی نہیں کر دی' تین سو گز رقبہ رکھنے والے گھر کی آج کم از کم بھی تین ساڑھے تین کروڑ تو قیمت بنتی ہے۔"

"تین سو؟ نہیں بیٹا یہ گھر ایک سو اسّی گز کا ہے۔ اس کی اتنی ہی قیمت مل سکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ۔"

"یہ گھر......؟"

"کیا...... کہا؟" وہ ہکلا کے رہ گئی۔

"ہاں بیٹا...... میں نے سوچا۔ ایک سرپرائز سفیر اور آصفہ بہن نے دیا، ایک ہم دے دیں۔" پاپا پھیکے سے انداز میں مسکرا دیے۔

"اب بچے بڑے ہو رہے ہیں، یوں بھی گھر بدلنا تھا۔ تو میں نے سوچا، کیوں نہ اپنا فرض بھی پورا کر لوں۔ گھر بیچ کے تین حصوں میں رقم تقسیم کر دوں گا۔ ایک کروڑ اس نالائق عثمان کو بھیج دوں گا۔ کچھ ہم میاں بیوی اپنے لیے محفوظ رکھیں گے اور ایک کروڑ تم سفیر کو بھیج دو۔ تا کہ اس کے حصے کی رقم تو ادا ہو سکے۔"

"ہاں جی...... یہ بھی تو کہیں کہ ماریہ کے لیے تو گھر موجود ہے ہی۔ بچوں کو وہ کہاں چھوڑے گی۔ باقی رہ گیا شارق تو شارق تو ہے ہی فالتو۔" یہ روٹھا روٹھا سا۔ تبصرہ شارق کا تھا۔ اور وہ حق بجانب تھا۔ اور وہ...... وہ تو بس ساکت تھی۔

"لیکن...... ! خیر کوئی بات نہیں۔ مجھے بھی ماریہ کے گھر میں تو جگہ مل ہی جائے گی۔ آخر کو میاں جی کا کچھ تو احساس کرے گی ہی۔ لیکن پاپا آپ لوگوں کا کیا بنے گا؟ بھلا کوئی بہو پر بھی اتنا بھروسا کرتا ہے کہ اس کا گھر بچانے کے لیے اپنا گھر بیچ دے؟"

"ارے میاں صاحبزادے! یہ ایک دن کا بھروسا نہیں ہے۔ یہ بیس برسوں کی پرکھ ہے۔ اب بھی یقین نہیں آئے گا، مجھے اپنی بہو کے خلوص پر؟ یہ چڑ سکتی ہے، جھنجھلا سکتی ہے، لیکن ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ ہاں تمہاری امی کی جو حرکتیں ہیں، تو ان کو ہو سکتا ہے اولڈ ہوم......"

"کیوں کیوں......؟" ماریہ جیسے ہوش میں آئی اور سیدھی امی کے گلے لگ گئی۔ "کوئی میرا ویرا نہیں۔ وہ گھر تو میری ایک ماں کے نام سے دوسری ماں کے نام ہو گا۔ لکھوا لیں چاہیں مجھ سے۔"

امی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھے کسی تحریر کی ضرورت نہیں...... میری حج پر جانے کی خواہش تم نے پوری کروائی تو دل کے تمام اندیشے اسی وقت بھاپ بن کر اڑ گئے۔ اب پورا اعتبار ہے تم پر۔ جو تیسرا حصہ تمہارے پاپا نے رکھا ہے ناں وہ بھی انہیں مبارک۔ مجھے میرے بچے ہی کافی ہیں۔"

امی پاپا کو تو اعتبار تھا۔ لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا گزرتے وقت نے اسے اتنا معتبر کر ڈالا؟"

"جب ہی تو عثمان بھائی بحث کر رہے تھے اور صحیح تو تھی ان کی فکر...... ان کے والد اپنا گھر بیچ رہے تھے۔ وہ بھی بہو پہ اعتبار کر کے۔ بھلا کون کرتا ہے ایسا؟ اور وہ اس کے شک...... وہ اندیشے...... اف صرف امی پاپا ہی نہیں، شارق نے بھی تو اعلاظرفی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اب شرمندہ ہونے کی باری اس کی تھی۔

اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ کوئی ظلم نہیں سہا، کوئی ستی ساوتری نہیں بنی۔ صرف...... ایمان داری کو بہترین حکمت عملی کے طور پر اپنا لیا۔

پتا نہیں کامیاب رہی یا نہیں، لیکن کوشش ضرور کی۔ اور وہ کتنی خوش نصیب تھی کہ اللہ نے اس کی کوششوں کو قبول کر لیا۔ اس نے دنیا میں بھی اعمال کا صلہ دے دیا۔ دکھا دیا کہ اس پر بھروسا کرنے والے کبھی خالی ہاتھ نہیں رہتے۔ یہاں نہیں تو دوسری دنیا میں...... صلہ مل ہی جاتا ہے۔ شرط صرف ایمان رکھنے کی ہے۔

تو کیا اب بھی ایمان نہ لاتی؟ ☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نورالصباح فاطمہ

فیصلہ

"میں کتنے دن سے تم کو تلاش کر رہی ہوں تم ہو کہاں۔" اس کے لہجے میں غصے کے ساتھ ساتھ پریشانی اور محبت بھی تھی۔

"کہیں نہیں بس جاب اور گھر کی مصروفیات ہیں اور کہاں ہونا ہے مجھے۔"

"فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں۔" انداز میں پریشانی اب بھی نمایاں تھی۔

"اتفاق کی بات ہے۔ جب تمہارا فون آیا تو فون کہیں تھا اور میں کہیں۔ خیر تو ہے اتنی بے چینی سے مجھے کیوں یاد کیا جا رہا تھا۔" اس نے اپنے لہجے میں شوخی کو شامل کر لیا۔

"اچھا یہ بتاؤ فرائی ڈے کو کیا کر رہی ہو۔"

"وہی جو روز کرتی ہوں۔" انداز میں لاپروائی تھی۔

"چھٹی کر سکتی ہو؟"

"چھٹی ی ی......" اس نے سوچتے ہوئے "ی" لمبا کیا۔

"آج پیر ہے، جمعرات تک ہی بتا سکتی ہوں ویسے مسئلہ کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، بس آؤٹنگ کا موڈ ہو رہا ہے کچھ کھانے چلتے ہیں ...... دو دریا کا پلان ہے۔"

"دو دریا تو جاب سے واپسی میں بھی چل سکتے ہیں۔"

"نہیں یار! پھر دیر ہو جاتی ہے۔ بس پلان کر لینا۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔"

"او کے ڈن......" نمرہ سے بات کر کے وہ اپنی ساری پریشانیاں بھول جاتی تھی۔ نمرہ سے دوستی بہت پرانی نہیں تھی۔ لیکن گہری بہت تھی۔ اس میں زیادہ کردار نمرہ کا تھا اگر کہیں وہ نمرہ کی مدد کرتی تو نمرہ بھی اس کی ہر پریشانی میں اس کا ساتھ دیتی۔ نمرہ اپنے خاندان کی طرف سے آسودہ حال تھی اس کے والد ریٹائرڈ سرکاری ملازم تھے۔ یہ دو بہنیں ایک بھائی تھے۔ بھائی بیرون ملک بہت اچھی نوکری کر رہا تھا۔ اس کی بڑی بہن کی شادی ہو گئی تھی جو کہ قریب ہی رہتی تھی۔ نمرہ ایم بی اے کرنے کے بعد ملٹی نیشنل میں ملازمت کر رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں عیشہ متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ جہاں ہر خوشی کے ساتھ مسائل جڑے ہوتے ہیں۔ گھر میں شادی ہو تو اخراجات کا مسئلہ سب مل کر رہیں تو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مسئلہ۔

عیشہ تین بہنیں اور دو بھائی تھے۔ عیشہ اپنے والد کی دوسری بیوی سے تھی۔ پہلی بیوی سے بھی ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ والد کی پہلی بیوی کافی زور دار تھیں۔ اس لیے والد کی ساری توجہ اسی خاندان پر تھی۔ حقیقت میں عیشہ کی والدہ ہی نے ان بچوں کی پرورش کی تھی۔ بڑی دو بہنوں کی شادی ہو گئی تھی۔ ایک سعودیہ میں تھی اور دوسری اسی شہر میں۔ بھائی نے سول انجینئرنگ کی تھی مگر اب تک کوئی مناسب ملازمت نہیں مل سکی تھی جب کہ بڑا بھائی شادی کر کے کینیڈا میں ایسا بسا کہ پلٹ کے خبر نہ لی۔ اب عیشہ اپنی امی کا ہاتھ بٹانے کے لیے ماسٹرز کرنے کے بعد ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہی تھی۔ ماں ہمیشہ والد کی توجہ کی پیاسی رہیں، پھر سخت محنت والی ملازمتیں کی اور دنیا بھر کی باتیں بھی سنتی رہیں اس لیے ان کا مزاج ۔ انتہائی غیر متوازن ہو گیا تھا ایسے میں عیشہ کے لیے زندگی انتہائی بے رنگ اور بے لذت تھی۔ نمرہ سے اس کی آفس میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چلتے پھرتے ملاقات ہو جاتی تھی۔ اس دن نمرہ کمپیوٹر کے کسی مسئلے میں الجھی تھی جو کسی طور پر حل ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا کہ عیشہ کسی کام سے اس طرف آ نکلی۔

''آپ کو کوئی پریشانی ہے۔'' نمرہ کے چہرے سے الجھن اور کوفت نمایاں ہو رہی تھی۔ عیشہ نے انتہائی نرمی سے پوچھا۔

''ارے ہاں یار! یہ فائل محفوظ کرنا چاہ رہی ہوں۔ کہیں کوئی آپشن نہیں مل رہا۔ اس کے بعد رپورٹ اپ لوڈ بھی کرنی ہے۔''

''دکھایئے، شاید میں آپ کی کچھ مدد کر دوں۔''

''شیور!'' یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھ گئی۔

عیشہ نے تھوڑی دیر کمپیوٹر پر کچھ دیکھا اور پھر ہنس کے۔ اٹھتے ہوئے نمرہ کو بتایا کہ اس کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

''واہ یار.... تم نے تو میدان مار لیا۔ آج شام کی چائے میری طرف سے۔'' وہ دریا دل لڑکی تھی۔ جاب شوقیہ کر رہی تھی۔

''ارے نہیں، یہ معمولی سا کام تھا۔'' اس نے گریز سے کام لیا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا، ٹی بریک میں آ جانا۔ ساتھ چائے پئیں گے۔''

''او کے......'' یہ ان کی دوستی کا پہلا دن تھا۔

وقت کے ساتھ ان کی دوستی گہری ہوتی چلی گئی۔ عیشہ تو کئی دفعہ نمرہ کے گھر جا چکی تھی مگر اس نے نمرہ کو کبھی اپنے گھر نہیں بلایا۔ شاید اس کے پیچھے اس کا کوئی کمپلکس تھا یا کچھ اور ......

''تم مجھے اپنی امی سے ملواؤ۔'' نمرہ اس سے اکثر اصرار کرتی۔

''ہاں ضرور لے چلوں گی کسی دن۔''

لیکن وہ دن کبھی آ نہیں سکا۔ تاہم اس نے اپنے گھر کے تمام حالات نمرہ کو بتا دیے تھے جس کی وجہ سے وہ اس کا اور بھی خیال رکھنے لگی تھی۔

عملی طور پر عیشہ کے پیسوں سے گھر چل رہا تھا۔ بھائی کو نوکری اب تک نہیں مل سکی تھی۔ اسی لیے عیشہ کی امی اس کا کوئی رشتہ قبول کرنے میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہچکچاتی تھیں کہ ادھر ہاں کرو ادھر فوراً" ہی شادی کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے۔ بھائی کی نوکری لگ جاتی تو وہ عیشہ کے متعلق کچھ سوچ سکتی تھیں۔

☆☆☆

اس دن وہ دونوں ۔ کھانے کے لیے باہر آ گئی تھیں۔

''یار! تمہاری امی نے تین بچوں کے باپ سے شادی کیوں کی' کیا پسند وسند کا چکر تھا؟''

نمرہ کو اس کی امی کی شادی وہ بھی ایسے مرد سے جس سے کبھی ہم آہنگی نہیں ہو سکی۔ شادی کرنا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''اصل میں میری امی سازش کا شکار ہو گئیں۔ ہمارے ابو، امی کے پڑوسی تھے۔ امی کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ امی دو بہنیں تھیں۔ بڑی بہن کی شادی ہو گئی تھی۔ امی اور نانی اکیلی رہتی تھیں۔ تو ابو پڑوسی ہونے کے ناتے نانی اور امی کے کام کر دیا کرتے تھے۔ وہ عمر میں ان سے اتنی چھوٹی تھیں کہ ان کے ذہن میں کبھی نہیں آیا کہ کوئی ایسی ویسی بات ہو سکتی ہے۔

دوسری طرف امی کے ایک کزن ،امی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے خاندان میں کسی سے ذکر کر دیا۔ امی اور نانی کو تو اس کی بھی خبر نہیں تھی۔ وہ کزن بہت پڑھے لکھے، پیسے والے اور خوب صورت تھے۔ خاندان والے کیوں چاہتے کہ اتنے زبردست بندے سے امی جیسی بے سہارا اور غریب لڑکی کی شادی ہو۔ انہوں نے ابو کے حوالے سے خاندان میں عجیب وغریب باتیں کرنا شروع کر دیں۔ بس مختصر یہ کہ امی اور نانی کے علاوہ ابو بھی امی سے نکاح کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بڑی امی تو ظاہر ہے پہلی بیوی تھیں ،وہ کیوں قبول کرتیں۔ ابو نے امی کو ایک گھر لے کر دے دیا۔ مالی طور پر بھی کسی حد تک خیال رکھا مگر وہ دل سے امی کو قبول نہیں کر سکے۔ عمر کے فرق کی وجہ سے امی کی بھی ابو سے انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہو سکی۔ بس زندگی کی گاڑی گھسٹتی رہی۔

پھر ہم لوگوں کے تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے امی نے چھوٹی موٹی ملازمتیں کرنا شروع کر دیں۔ ابا کو وہ بھی پسند نہیں تھا سو فاصلے بڑھتے چلے گئے اور ہم باپ کے ہوتے ہوئے۔ یتیم بلے اور امی شوہر والی بیوہ۔

''واقعی ہماری سوسائٹی کتنی ظالم ہے۔ تمہاری امی بے قصور ہونے کے باوجود معاشرے کا ظلم سہ رہی ہیں۔'' نمرہ کو اس کی کہانی سن کر بہت دکھ ہوا۔

''امی تو امی ہم ان کی اولاد ہونے کی وجہ سے مجرم ہیں کہ ایک شادی شدہ بچے والے مرد سے دوسری شادی کرنے والی عورت کا کردار لوگوں کی نظر میں مشکوک ہو جاتا ہے۔ لوگ حقیقت جانے بغیر مجرم بنا دیتے ہیں۔''

''خیر، میں دوسری شادی کو جرم نہیں سمجھتی۔ ہماری فیملی میں بھی کئی لوگوں نے دوسری شادی کی ہے۔ میرے تایا کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں تھی تو انہوں نے دوسری شادی کی۔ ہماری فیملی میں دوسری شادی کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔'' نمرہ کا خیال اس سے مختلف تھا۔

''اگر مرد کو کوئی مجبوری ہو تو ہماری سوسائٹی دوسری شادی کو برا نہیں سمجھتی لیکن اگر عورت کی مجبوری ہو تو دوسری شادی گناہ بن جاتی ہے۔'' وہ ہمیشہ اس موضوع پر کافی تلخ ہو جاتی تھی مجبور تو کوئی بھی ہو سکتا ہے۔

''میری امی کے کیس میں مسئلہ یا مجبوری میری امی کی تھی اس لیے وہ اب تک سزا کاٹ رہی ہیں۔ اگر ابو کو کوئی مسئلہ ہوتا اور وہ مجبوری میں امی سے شادی کرتے تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔'' اس کے انداز میں دکھ تھا۔

''کہتی تو تم ٹھیک ہو، تم مت کرنا دوسری شادی والے سے ......'' نمرہ نے ماحول کو نارمل کرنے کے لیے ہلکے سے انداز میں بات کو ختم کیا۔

''تمہاری وین آنے والی ہو گی۔ اب چلتے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہیں۔"

"ہاں واقعی کافی دیر ہوگئی ہے۔"

☆☆☆

زندگی کی جدوجہد کرتے کرتے اور حالات سے لڑتے لڑتے عیشہ کی امی رابعہ بیگم کی صحت اب گرتی جارہی تھی۔ عیشہ کو ان کی صحت کی بھی بہت فکر رہنے لگی تھی۔ آفس سے اس کی کوشش ہوتی کہ جلد از جلد گھر پہنچ جائے۔ فہد جو اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس نے ایک جگہ جوائن تو کرلیا تھا مگر یہ نوکری قابل اطمینان نہیں تھی اور تمام تر اچھے تعلیمی ریکارڈ کے باوجود اچھی نوکری کا حصول مشکل ترین ہوتا جا رہا تھا۔ عیشہ نے نمرہ سے بھی بات کی مگر اس کی کوشش بھی بار آور نہیں ہوسکی۔

اس دن وہ دونوں حسب معمول لنچ بریک میں ساتھ بیٹھی تھیں۔

"ارے تمہیں نیوز ملی۔" نمرہ نے اچانک پوچھا۔

"کون سی نیوز۔" عیشہ شاید گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے اس قدر ڈسٹرب تھی کہ آفس میں اپنے کام کے علاوہ کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔

"انٹر ڈیپارٹمنٹل ٹرانسفرز ہورہے ہیں۔ سی ای او بدل گئے ہیں کمپنی کے۔"

"اچھا کب۔" اب کے وہ بھی چونک گئی۔

"عرفان صاحب کو فارغ کردیا گیا ہے۔ کوئی نئے سی ای او آگئے ہیں۔ سنا ہے کافی سخت ہیں۔"

"اللہ خیر کرے.... امی کی طبیعت بھی آج کل خراب رہتی ہے، مجھے نوکری کی اشد ضرورت ہے۔"

"ارے نہیں وہ نکال نہیں رہے ہیں، صرف ٹرانسفر کررہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لوگ گروپ بنالیتے ہیں اور کام نہیں کرتے۔ شاید تمہارے پاس بھی تبدیل ہوجائیں۔" اس نے کافی تفصیل سے بتایا۔

"اچھا، کنفرم ہے۔"

"تمہارے سیکشن کے لیے تو کوئی نام بھی آ گئے ہیں۔" اس نے مزید اطلاع فراہم کی۔

"بس پلیز مزید مت ڈراؤ۔ اتنا ہی سن کر میری جان نکل رہی ہے۔"

"اور... اور، اور۔" اس نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

"اور کیا۔"

"اور ارتضیٰ واپس آگیا ہے۔" اب کے اس کی آواز کافی بلند ہوگئی تھی۔

"واقعی۔ یہ تو خوشی کی خبر ہے۔"

ارتضیٰ، نمرہ کا منگیتر تھا اور کئی سالوں سے باہر تھا۔ اس کی شادی ارتضیٰ کی واپسی سے مشروط تھی۔ نمرہ کی شرط تھی کہ وہ ـــ پاکستان آئے گا جب ہی شادی کرے گی۔ وہ جرمنی سے ڈاکٹریٹ کررہا تھا۔ دونوں کی اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ ارتضیٰ کے واپس آنے کا مطلب نمرہ کی شادی تھی۔

"تو تم جاب چھوڑ دوگی۔" عیشہ اداس ہوگئی۔

"نہیں، ابھی تو ایسا کوئی پلان نہیں ہے۔ باقی اللہ کو خبر ہے۔ تم اداس نہ ہو، تم کو رخصت کرکے ہی جاؤں گی۔"

"چلو! یہاں تو دور دور تک ایسے کوئی آثار نہیں ہیں۔"

"چشمہ لگا کے دیکھو۔ کوئی آثار نظر آ ہی جائیں گے۔"

"چشمہ کیا عدسہ لگا کے بھی دیکھ لیا، نہیں نظر آئے۔" اس کا ذہن بھی کچھ ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔

"دوسری شادی والے کے لیے راضی ہوجاؤ تو۔"

"نمرہ کی بچی، میں تمہارا گلا دبا دوں۔" اس نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔ "دوسری بیوی بننے سے بہتر ہے انسان خودکشی کرلے۔"

اس کے انداز پر نمرہ اپنی ہنسی روک نہیں سکی۔

"بہت ہوگیا، اب مزدوری کا ٹائم ہے، اپنے اپنے حجرے کی طرف چل دیں۔" عیشہ نے اعلان کیا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی اگر اس کمپنی میں نمرہ سے دوستی نہ ہوتی تو وہ تو مر ہی جاتی۔

☆☆☆

"ارے مس عیشہ! آپ کہاں تھیں؟" ابھی وہ سیکشن میں داخل ہوئی تھی کہ قاصد شہروز سامنے آ گیا۔

"خیر تو ہے؟" وہ بھی گھبرا گئی۔

"نئے ایچ او ڈی آ گئے ہیں۔" شہروز نے دھماکا کیا۔

"یااللہ خیر، تم سے کس نے کہا۔" اس کی تو روح لرز گئی۔

"کسی نے کہا کیا، آرڈر تو صبح ہی آ گئے تھے کل سے وہ جوائن کریں گے۔" شہروز نے مزید معلومات فراہم کیں۔

"سارے کام چیک کر لیں۔ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ شروع میں اچھا تاثر دے دیں بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے مشورہ دینا اپنا فرض سمجھا۔ شاید پریشانی عیشہ کے چہرے سے عیاں تھی۔

"مسئلہ امی کا ہے۔" اس نے دل میں سوچا۔

☆☆☆

وقت کے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ نمرہ کی شادی ہو گئی۔ وہ جاب تو کر رہی تھی مگر اب اس کے پاس وقت کم ہوتا تھا۔ امی کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔

"فہد یہاں ملازمت کی تلاش سے تنگ آ کر باہر کے لیے کوشش کر رہا تھا' یہ سوچے بغیر کے اس کا اور امی کا کیا ہو گا۔ امی ایک طرف فہد کے لیے دوسری طرف اس کے لیے پریشان رہتی تھیں۔ اب رشتوں کے لیے جو بھی آتا۔ ان کو اس کی عمر زیادہ لگتی۔

اس دن وہ نمرہ کے ساتھ بیٹھی تھی

"یار! فہد کی باہر جانے کی ضد بڑھتی جا رہی ہے۔ میں اور امی تو بہت پریشان ہیں۔" ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ فون کی بیل بجی۔

"اللہ خیر' آپی کا فون ہے۔" آپی کبھی فون نہیں کرتی تھیں اس لیے اسے گھبراہٹ ہوئی۔

"عیشہ! فوراً گھر پہنچو، امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ کافی پریشان لگ رہی تھیں۔

"کیا ہوا امی کو' آپی کچھ بتائیں تو۔" وہ خود بھی پریشان ہو گئی۔

"نہیں' تم گھر پہنچو .... جلدی کرو' نہیں بلکہ اسپتال آ جاؤ۔ ہم امی کو اسپتال لے کر جا رہے ہیں۔"

اس کے لیے قیامت کا دن تھا۔ امی دو دن اسپتال میں رہ کر خالق حقیقی سے جا ملیں۔

اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے سر سے چھت ہٹ گئی ہے اور حقیقتاً" ایسا ہی ہوا تھا۔ فہد گھر بیچنا چاہتا تھا۔ اسے باہر جانے کے لیے پیسے چاہیے تھے۔

"میں کہاں جاؤں گی؟" اس کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔

"تم آپی کے پاس رہ لو۔ میں ہر مہینے پیسے بھیجتا رہوں گا۔"

وہ حیرت سے بھائی کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ اب اگر آپی نہ بھی چاہیں تو اسے ان کے گھر مستقل رہنا تھا۔ وہ گھر کا بیعانہ لے چکا تھا۔ تایا ابا نے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے ان سے بھی کافی بدتمیزی کی۔ وہ بھی پیچھے ہٹ گئے۔ وہ اپنے گھر نہیں لے جا سکتے تھے۔ کیونکہ وہ گھر اب ان کے بیٹوں اور بہوؤں کا تھا۔ ان کی اس گھر میں بالکل نہیں چلتی تھی۔

☆☆☆

آپی کے گھر میں منتقل ہونا آزمائشوں کا ایک نیا سلسلہ تھا۔ ظفر بھائی سے وہ پہلے بھی فاصلہ رکھتی تھی مگر اب ہر وقت ان کا سامنا۔

وہ کچن میں کام کرتی تو اچانک پیچھے آ کر کھڑے ہو جاتے' کبھی جان بوجھ کر ٹکراتے ہوئے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گزرتے۔ وہ آپی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ فہد نے آپی کے گھر میں کمرہ تو بنوا دیا تھا مگر چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے اسے نیچے ہی رہنا پڑتا اور وہ تمام وقت کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا۔

آفس کا وقت ختم ہونے کے بعد اب اس کا دل نہیں چاہتا تھا گھر جانے کا۔ اس دن وہ جان بوجھ کر دیر تک بیٹھی تھی۔ اسے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ پورا آفس خالی ہو چکا ہے۔ گھبراہٹ میں ساری چیزیں سمیٹ کر تیزی سے باہر کی طرف بھاگی کہ کوئی باہر سے بند ہی نہ کر دے۔ اس تیزی میں سامنے سے آتے شاہد صاحب نظر نہیں آئے اور ان سے بری طرح ٹکر ہو گئی۔ شرمندگی میں نظر جھکا کے دوسری طرف سے نکلنا چاہا تو شاید وہ بھی اسی طرف سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دفعہ پھر ٹکراؤ ہو گیا۔

"خیر تو ہے، مس عیشہ! کوئی پریشانی ہے۔" شاہد صاحب کافی ڈیسنٹ آدمی تھے۔ ان کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کسی پریشانی میں ہے۔

"نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس دیر ہو گئی ہے اس لیے پریشانی ہو رہی ہے۔ پتا نہیں اب کوئی سواری ملے گی بھی یا نہیں۔"

"آپ کا گھر کہاں ہے، میں چھوڑ دیتا ہوں۔" انہوں نے پروقار انداز میں اسے آفر کی۔

"میرا گھر۔" زبان پہ یہ الفاظ آنے تھے کہ دل بھر آیا اور کوشش کے باوجود آنسوؤں کو نہ روک سکی۔

"ریلیکس مس عیشہ! اندر آیے۔" انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سچویشن کو سنبھالنے کے لیے اسے آفس کے اندر آنے کے لیے کہا۔

"نہیں سر! مجھے دیر ہو رہی ہے۔" جلدی جلدی ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔

"چلیں، میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

اس وقت وہ انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ انہوں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور قریبی اسٹاپ پر ڈراپ کر دیا۔

اس کے بہنوئی کا رویہ دن بہ دن خراب ہوتا جا رہا تھا۔ آپی کو یا تو اندازہ نہیں تھا یا وہ نظر انداز کر رہی تھیں یا شاید مجبور تھیں۔ اب اسے شدید گھٹن ہونے لگی تھی۔

شاہد صاحب ایچ او ڈی تھے۔ عام حالات میں ان سے سامنا کم ہی ہوتا تھا مگر اب کیونکہ وہ آفس سے دیر سے نکلتی تھی۔ اس لیے اکثر ٹاکرا ہو جاتا۔ اس دن ایک دفعہ پھر وہ نکلنے لگی تو کافی دیر ہو گئی۔ ٹریفک بھی کم ہو گیا تھا کہ سامنے سے شاہد صاحب آتے نظر آئے۔

"آئیں مس عیشہ! میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ وہ چاہنے کے باوجود انکار نہیں کر سکی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"سر! کوئی دارالامان ہے آپ کی نالج میں۔" اس نے ہمت کر کے پوچھ لیا جس پر وہ چونک گئے۔

"کیوں۔ کس کے لیے؟"

"مجھے جانا ہے۔" بمشکل آنسو روکے۔

"کیوں خیریت ہے۔ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔"

اس کا خود بھی دل چاہ رہا تھا ان پر اعتماد کرنے کو اس نے ساری کہانی ان کے گوش گزار دی۔

"دیکھیں، دارالامان کا تو میں آپ کو مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ ایک پڑھی لکھی، ملازمت پیشہ خاتون ہیں۔ عزت کی زندگی گزارنا آپ کا حق ہے۔ اگر آپ کچھ دن بہن کے گھر گزار سکتی ہیں تو میں کوئی انتظام کرتا ہوں۔"

"سر! ویسے تو میرے لیے ایک ایک دن بھاری ہے لیکن اگر کوئی امید نظر آئے تو چند دن اور گزار لوں گی، ورنہ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

اب شاہد صاحب گاہے بہ گاہے اس کی خیریت معلوم کر لیتے۔ انہیں اس کے چہرے اور گرتی صحت سے اس کے حالات کا اندازہ ہو رہا تھا۔

اس دن ابھی چھٹی کا وقت نہیں ہوا تھا کہ شاہد

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

صاحب نے اسے اپنے آفس بلایا۔
"مس عیشہ! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں پھر میں آپ کو گھر ڈراپ کردوں گا۔"
"شیور سر! میں اپنا سامان لے کر آتی ہوں۔"
گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے اپنی بات شروع کی۔ "عیشہ! میں نے کافی کوشش کی ہے اور کافی سوچا ہے آپ کے مسئلے پر۔ میرے پاس ایک تجویز ہے آپ کے لیے۔"
"جی وہ کیا۔"
"میرے پاس ایک فلیٹ ہے اس میں کرائے دار ہیں۔ میں وہ خالی کروا دیتا ہوں، آپ اس میں شفٹ ہو جائیں۔"
"لیکن سر، میں اکیلی کیسے رہ سکتی ہوں فلیٹ میں۔"
"ہاں یہ تو مسئلہ ہے اس پر آپ غور کریں۔" ان کا انداز کچھ مختلف تھا۔
رات میں اس نے نمرہ کو فون کر کے ساری بات بتائی تو اس نے جو کہا، وہ اس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔
"میرا خیال ہے، وہ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں تمہارے لیے پسندیدگی دیکھی ہے۔ تم سے ذکر اس نے نہیں کیا کہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔"
"تم نے کب دیکھ لی ان کی دلچسپی۔" وہ چیخنے کے انداز میں بولی۔
"کہا تھا نا بی بی! ہم اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔"
"لیکن یہ ناممکن ہے۔ وہ شادی شدہ ہیں۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"
"خیر، ابھی انہوں نے ایسا کچھ کہا تو نہیں ہے نا۔ میرا خیال ہے لیکن ایک بات یاد رکھو، تمہیں اس وقت سہارے کی ضرورت ہے، جائز سہارے کی۔" یہ کہہ کر نمرہ نے فون بند کر دیا۔
نمرہ کی بات درست تھی۔ اگلے دن انہوں نے اس کو نکاح کی پیش کش کر دی۔
"مگر سر! آپ شادی شدہ بچوں والے ہیں۔"
"اس میں کوئی شک نہیں اور میں اپنی زندگی سے مطمئن بھی ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اس وقت سہارے کی ضرورت ہے اور میں آپ کو وہ سہارا فراہم کر سکتا ہوں۔"
"سر! میری ماں نے دوسری بیوی کی حیثیت سے زندگی گزاری ہے اور ہم جانتے ہیں کہ دوسری بیوی اور اس کے بچوں کی کیا حیثیت، کیا اوقات ہوتی ہے۔"
"ہر کوئی آپ کے والد جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ بہر حال آپ سوچ کر مجھے جواب دیں۔"
"تم ہاں کر دو۔" نمرہ کے اس مشورے پہ وہ کھول کر رہ گئی۔
"تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ تم مجھے یہ مشورہ دے رہی ہو۔ تم تو سب جانتی ہو۔"
"میں سب جانتی ہوں اس لیے یہ کہہ رہی ہوں۔" اس نے انتہائی اطمینان سے کہا۔
"دیکھو عیشہ! آنے والا وقت اس سے بھی زیادہ بھیانک ہو سکتا ہے۔"
"مگر آپی اور فہد نہیں مانیں گے۔"
"کون آپی جو تم کو اپنے شوہر سے تحفظ نہیں دے پا رہی ہیں اور وہ فہد جو اپنے کیریئر اور مستقبل کی خاطر تم کو بے سہارا چھوڑ کر چلا گیا۔"
"وہ بھی مجبور تھا۔" اس نے فہد کا کمزور سا دفاع کیا۔
"تم بھی مجبور ہو اور شاہد صاحب اچھے آدمی ہیں۔ تمہیں ان کے پروپوزل پر غور کرنا چاہیے۔"
آپی سے تو بات کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی اس کا خیال تھا کہ شاہد صاحب کا پروپوزل کسی طور پر قابل قبول نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جب وہ اپنی ماں کی بے بس زندگی دیکھ چکی ہے اور لوگوں کی جن جن نگاہوں اور جن باتوں کو اس خاندان نے برداشت کیا تھا، اس صورت میں تو اس کے لیے اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پروپوزل کو قبول کرنا ناممکن تھا۔

اس دن وہ حسب معمول دیر سے گھر پہنچی۔ آپی اور بچے کسی دعوت میں جانے کے لیے تیار تھے۔ بس ظفر بھائی کا انتظار تھا۔

"آپی! آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"میرے سسرال میں شادی ہے۔ تم گھبرانا نہیں، اندر سے دروازے اچھی طرح بند کر لینا۔" آپی نے اس کو دلاسا دیا۔

"امی! پاپا کب آئیں گے۔ اتنی دیر ہو رہی ہے۔" چھوٹی عریشہ بے چین ہو رہی تھی شادی میں جانے کے لیے۔

"ٹھہرو، تمہارے پاپا کو فون کرتی ہوں۔ کہاں رہ گئے ہیں۔"

"بھئی، کہاں ہیں آپ، ہم سب کب سے تیار ہیں۔" آپی نے ظفر بھائی کے فون اٹھاتے ہی گلہ کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" دوسری طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا کہ آپی نے اچھا کہہ کر فون بند کر دیا۔

"بھئی تمہارے پاپا کہہ رہے ہیں تم لوگ ٹیکسی کر کے پہنچ جاؤ، وہ واپسی میں پک کر لیں گے۔" بچوں کے بھی منہ اُتر گئے۔ تاہم وہ لوگ ٹیکسی سے ہی روانہ ہوئے۔ کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر ابھی وہ سونے کے لیے لیٹنے کی تیاری ہی کر رہی تھی کہ مین گیٹ کھلنے کی آواز سے چونک گئی۔

ظفر بھائی اندر داخل ہو رہے تھے اور ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا سانس رک گیا۔ ظفر بھائی کی آنکھوں میں شیطانیت بالکل عیاں تھی۔ اب کیا ہوگا۔ اب وہ تھی یا اس کا خدا۔

"عیشہ! عیشہ!" انہوں نے لاؤنج سے ہی اس کو آواز دی۔ یعنی انہیں پتا تھا وہ گھر میں اکیلی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے جانا پڑا۔

"جی ظفر بھائی!"

"ذرا پانی تو پلانا۔" انداز نارمل تھا۔

"جی اچھا!" وہ پانی لینے کچن میں گئی تو وہ پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے ان کی نظروں میں نہ جانے کیا تھا کہ اس نے گلاس پھینکا اور تیزی سے بھاگ کر کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

"دروازہ کھولو....." وہ زور زور سے دروازہ بجا رہے تھے۔

خوف سے اس کی جان نکلی جا رہی تھی کہ کیا کروں کس کو بلاؤں اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پتا نہیں اس کے دل میں کیا آیا کہ پرس اٹھایا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔ وہ کچھ دور تک اس کے پیچھے آئے اور پھر واپس چلے گئے۔ اب اس گھر میں واپس جانے کی ہمت نہیں تھی۔ ایسے میں صرف ایک نام ہی اس کے ذہن میں آیا۔

☆☆☆

"تمہارا کیا ارادہ ہے، جاب جاری رکھنی ہے یا چھوڑ دو گی۔"

شاہد صاحب سے نکاح کو ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ ان کی پہلی بیوی اور ان کے بچے بہت نفیس طبیعت کے تھے۔ پورے خاندان نے کھلے دل سے اس کو تسلیم کیا بلکہ تمام بچوں نے اپنی طرف سے تحائف بھی دیے۔

"جیسا آپ کہیں۔" اس نے کچھ شرم کے ساتھ کہا۔ نکاح کے بعد سے ان سے بات کرتے ہوئے اسے جھجک محسوس ہونے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ کچھ دن آپ ریسٹ کریں پھر دیکھیں گے۔"

اتنے نفیس شریک سفر کے ملنے پر وہ دل سے خدا کی شکر گزار تھی مگر ایک "مگر" اب اس کی زندگی کے ساتھ لگ گیا تھا جس کے ساتھ اس کو زندگی گزارنی تھی۔ اپنی ماں جیسی نہیں اس سے بہتر لیکن بہت سارے کمپرومائز کے ساتھ۔ مزید سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ شاہد صاحب باہر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے انہیں ایک فیملی ڈنر میں جانا تھا۔

☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ ایک پتھریلی روش پہ چلتی جارہی تھی جہاں سڑک کے بیچ اور کناروں پر بھی جا بجا پتھر اکھڑے ہوئے تھے۔ جب وہ اپنے مطلوبہ مقام سے بھی آگے نکل گئی تو ساتھ چلنے والا شخص ٹھٹھکا ضرور مگر خاموشی سے چلتا رہا۔ راہ میں آئے لاتعداد چھوٹے بڑے اکھڑے پتھروں میں سے وہ ایک پتھر اٹھانے کو جھکی، وہ انگوٹھی سائز کا پتھر شاید سبز تھا۔

"تم اپنی چیزوں سے کتنی آسانی سے دست بردار ہو جاتی ہو۔"

وہ جملہ سوال نما تھا جو کہ عام سے لہجے میں ادا کیا گیا تھا پھر بھی وہ اپنے پورے وجود سمیت تھم سی گئی جبکہ وہ چیزوں کی بات کررہا تھا۔

وہ پتھر جسے وہ اٹھانا چاہتی تھی سبز تھا، نیلا یا فیروزی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے رنگ گڈمڈ ہوئے۔ اگر وہ اس جملے کو اپنے احساسات کے معنی دیتی تو اب تک اس شخص کے ساتھ کب کھڑی ہوتی 'وہ اڑتی اڑتی پہلا آسمان چھو چکی ہوتی۔

وہ پتھر اٹھانا بھول گئی اور وہ سیدھی ہوئی...... پھر گردن کو خفیف سا موڑ کے اسے دیکھا وہ مغرور اور سنجیدہ آنکھیں آسمان کا وہ حصہ چھو رہی تھیں جہاں تک وہ اڑان بھرنا چاہتی تھی۔

کیا اسے پوچھنا چاہیے جیسے کہ...... کیا؟

"جیسا کہ آج۔" بالکل ناک کی سیدھ میں دیکھتا ہوا وہ ایک گہرے توقف کے بعد بولا۔

اس نے اپنے جواب سے دھواں ہوتی لڑکی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"تو وہ واقعی آج کی بات کررہا تھا۔" اس کے وجود کے ہر مسام میں خون برف ہوا۔ جیسے اس تین حرفی جواب نے ان کے درمیان وہ واسطہ ختم کردیا تھا۔

فرزانہ کھرل

محبت جنوری جیسی

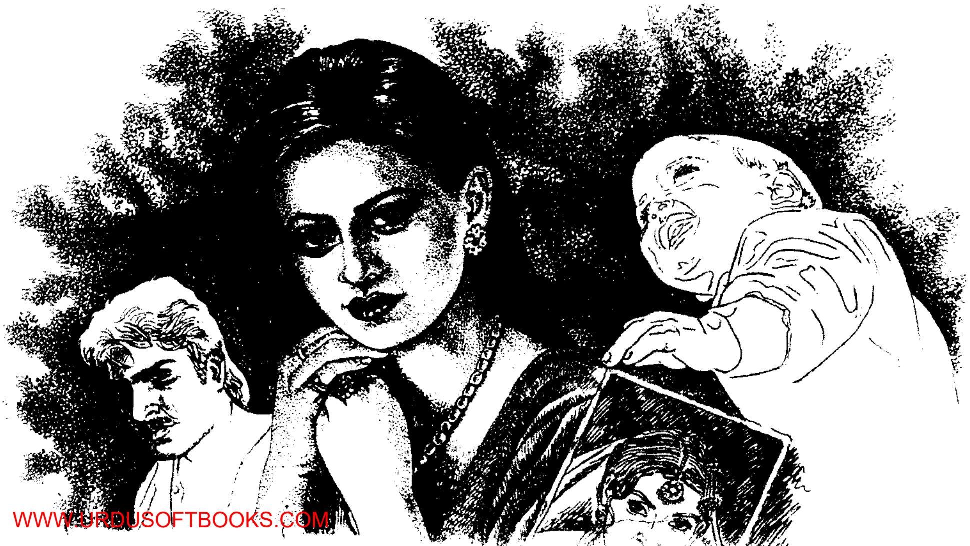

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اگلے ہی پل اس شخص نے جھک کر وہی پتھر اٹھا لیا پھر وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر اس کے مقابل آیا اور لڑکی کے بجھے بجھے سے چہرے پہ نگاہ جمائی۔ (ہمیشہ کی طرح ان آنکھوں کو جھیلنا آسان نہیں تھا)

''اور جیسا کہ......'' وہ لب کشا ہوا پھر بات ادھوری چھوڑ کے لڑکی کے ہاتھ پہ وہ پتھر رکھا اور لب بھینچ کے رہ گیا لڑکی نے دیکھا۔ اس کی پیشانی کے بیچ ابھرنے والی سلوٹ لاپرواہ اور بے نیاز تھی جیسے وہ اسے وہیں چھوڑ کے خود پلٹ کر جانے والا تھا اور وہ تو اپنا مطلوبہ مقام بھی پیچھے چھوڑ چکی تھی۔

☆☆☆

''رواں سال میں سردی بن بلائے مہمان کا سا ہی رول ادا کر رہی ہے۔'' اپنے نادر خیالات کا اظہار فرمانے کے بعد الوینہ اخبار پڑھتے مرسلین کے ساتھ ہی ٹک گئی۔

''اونہوں بُری بات' مہمانوں کے لیے ایسا سوچتے ہیں بھلا؟''

نگہت آپا کا فوری اعتراض بمعہ گھوری کے اس نے ریسو کیا۔ جو ثمامہ سے ہاتھوں کا مساج کروا رہی تھیں۔

''اب سردی کا احساس دلا ہی دیا ہے تو یہاں بیٹھنے کے بجائے کچن میں جاؤ۔ آج سنڈے ہے اور دس بجے سے پہلے تصور بی بی کو تصور میں ہی دیکھا جا سکتا ہے۔'' مرسلین نے بہن کو حکم دیتے ہوئے ثمامہ پہ ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔

''لو' کچن میں جانا کون سی بڑی بات ہے' میں یوں گئی اور یوں آئی۔'' الوینہ نے اٹھنے میں کچھ زیادہ ہی پھرتی دکھائی۔

''یوں ضرور جاؤ مگر آتے ہوئے تمہارے ہاتھ میں چائے کا کپ ہونا چاہیے۔''

اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بہن کو گھورا جو انتہا درجے کی کام چور تھی اور جسے سوچے سمجھے بنا بولنا اکثر مہنگا پڑ جاتا تھا' بہر حال وہ خود کو کوستی کچن میں جا رہی تھی۔

''او......ہاں......مہمان سے یاد آیا' رات کو بیبا پھوپھو کا فون آیا تھا۔ وہ اپنے آنے کا بتا رہی تھیں۔''

مرسلین نے آپا کو یہ خبر دیتے ہوئے دل ہی دل میں بہن کا شکریہ ادا کیا ورنہ یہ پیغام تو اسے بیبا پھوپھو کا سامنا کرنے پہ ہی یاد آنا تھا۔ پھر جو اس کا حال نگہت آپا نے کرنا تھا کہ الاماں۔

''ہش......شاوا شے' تم مجھے اب بتا رہے ہو۔'' ساتھ ہی آپا کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

''اللہ رے' آپا! رات اور اب صبح کے نو بجے درمیان میں کون سی صدیاں گزر چکی ہیں۔''

آپا کی دوسرے نمبر والی بھابی روحی' جمائیاں روکتی کمرے سے باہر آئیں۔ اب بیٹے کی حمایت میں بولنا تو لازمی تھا......

''ہاں' ہاں جانتی ہوں' درمیان سے بارہ گھنٹے ہی گزرے ہوں گے۔'' مگر بیبا کی کیا بات ہے' بس آنے کا پیغام دے دیتی ہے۔ نہ کوئی دن نہ تاریخ۔ ارے اس لڑکی کا کیا اعتبار' بھلے ایک گھنٹے بعد یہاں سامنے کھڑی ہو۔''

ایک تو نگہت آپا اس مہمان کی سال بھر منتظر رہتی تھیں۔ اس بار تو سونے پہ سہاگہ بیبا حج جیسا مقدس فریضہ ادا کرنے کے بعد کوئی دو ہفتے پہلے ہی اپنے گھر (دبئی میں) لوٹی ہوں گی۔

اور آپا کے لفظ ''لڑکی'' کہنے پہ پانی پیتی روحی بھابی کو اچھو لگا تھا۔ مرسلین کے ہونٹوں پہ بھی بے ساختہ مسکراہٹ آئی کہ بیبا کی عمر کوئی پچاس پچپن کے لگ بھگ تو ضرور ہی تھی۔ اسے مسکراتا دیکھ کے ثمامہ نے بھی طمانیت بھرا سانس لیا تھا ورنہ آج کل اسے مرسلین کے بگڑے تیوروں کی بدولت کسی پل چین و قرار نہیں تھا۔ اگرچہ اب بھی سامنے بیٹھ کر وہ اسے نظر انداز کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

''ارے مشعل......بچے! آج ناشتہ لینے کیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

منڈی بہاؤالدین چلی گئی ہو؟''
قصر انوار میں آپا کی شیریں اور گونج دار آواز نے سب کو سحر خیزی پہ مجبور کر رکھا تھا۔
''ایک تو اس گھر کی تینوں بہوؤں کو دوپہر میں خبر ہوتی ہے کہ صبح ہو چکی ہے۔'' جاثیہ یعنی شیری بھابی کی جھلک دیکھتے ہی آپا کی زبان پھسلی۔
''اللہ نہ کرے کہ بچیاں بیاہنے کے بعد اگر یہ تینوں اپنے جیسی دن چڑھے تک سونے والی بہوئیں بیاہ لائیں تو مجھ بڑھیا کا کیا بنے گا۔''
نگہت آپا نے بڑبڑاتے ہوئے مشعل کے ہاتھ سے ناشتے کی ٹرے پکڑی جبکہ جاثیہ اور روحی بیگم نے بلا ارادہ ہی ایک دوسرے سے نظر چرائی تھی۔
مرسلین فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا ورنہ درمیان میں وہ لقمہ دیتا کہ ایک نند اور تینوں بھاوجیں اب تک وہاں خوب ہی اتوار بازار لگا چکی ہوتیں۔
''مشعل! تمہاری خالہ پوچھ رہی تھیں، تمہارا فون کیوں بند جا رہا ہے۔'' آپا نے منہ میں پہلا نوالہ رکھتے ہی اس سے پوچھا۔
عنیزہ جو ابھی وہاں آئی تھی۔ اس کا نیلا جالی کا سوٹ دیکھنے کے لائق تھا۔ مشعل اس پر سے بمشکل نگاہیں ہٹاتی خالہ کے ذکر پہ فوری آپا کی طرف متوجہ ہوئی۔
''پتا نہیں آپا جی۔ خود ہی بند ہو گیا ہے۔'' اس نے حسب عادت گول مول سا جواب دیا۔
''لو خواہ مخواہ بھلا کیسے بند ہوا۔'' آپا فکرمند سی ہوئیں، مشعل کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی مگر گھر سے اس کا باہر جانے کا جو معمول تھا اس سے رابطے کی صورت تو فون ہی تھا۔
''پھر تو یقیناً ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے ہرکارے بھیج کر ہی مشعل صاحبہ کا فون خراب کروا دیا ہوگا۔ اس کی سرگرمیاں پھر سے مشکوک ہو چکی ہیں۔'' چائے کے کپ کے ساتھ حاضر ہوتی الوینہ نے حسب عادت دوسروں کے گریبان میں جھانکنا ضروری سمجھا۔ مرسلین نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے بہن کو گھورا۔
''تمہیں مشعل کے معاملات سے کیا لینا دینا عنیزہ کی طرح اپنے آپ پہ دھیان رکھا کرو۔''
مرسلین کی ہلکی سی سرگوشی پہ الوینہ نے منہ ٹیڑھا کر کے مشعل کو دیکھا جو درحقیقت قصر انوار کے باسیوں کے لیے سر درد کیا بلکہ درد ہی درد تھی جو الوینہ کی طرح دوسروں کی ٹوہ رکھتی تھی نہ عنیزہ کی طرح اپنا دھیان رکھتی تھی۔

☆☆☆

بیا بی کے پاکستان آنے کے بعد ان کے یہاں احمد اور فیروزہ کا آنا بھی یقینی تھا اور جٹھانی کے مقابلے میں ان تینوں دیورانیوں کو اپنا معیار بلند ہی رکھنا تھا۔ بھلے ان کے بجٹ کا کباڑا ہو جاتا (جو کہ ہوتا بھی تھا) حالانکہ وہ بس گھنٹوں کے حساب سے حویلیاں آتی تھیں۔
کراچی میں احمد کا اپنا بزنس خوب چل رہا تھا۔ دوسری طرف دبئی میں بیا کے شوہر بھی اچھی پوسٹ پر لاکھوں کما رہے تھے یہاں تو یہ عالم تھا کہ انوار کمشنری کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ مگر مجال ہے جو ایک پیسہ بھی حرام کا کمایا ہو۔ انوار کا بڑا بیٹا احمد پڑھنے لکھنے کے بعد کراچی میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر کاروبار کرنے لگا تھا۔ اس سے چھوٹے دونوں احد اور خاور ایف اے سے آگے نہ پڑھ سکے تو انوار نے سزا کے طور پر انہیں کھانے کمانے کویت بھیج دیا تھا۔ سب سے چھوٹا عبید آرمی میں جب کرنل کے عہدے پہ پہنچا تو شہید ہو گیا۔ عبید کی بیوی شائستہ (نام کی حد تک) اپنی بیٹی عنیزہ اور بیٹے مناف کے ساتھ حویلیاں شہر میں قصر انوار میں ہی رہائش پذیر تھی۔
احد اور خاور کا کویت میں لکڑی کا اپنا کاروبار تھا۔ دونوں بھائی اچھا کماتے تھے۔ مسز روحی احد اور مسز جاثیہ خاور کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

لیے رتبے اور عہدے رشتوں سے بڑھ کر تھے۔

شائستہ کو شوہر کی پینشن کے ساتھ ساتھ اپنے میکے سے کسی پلازہ میں ایک دو گروسری دکانیں پراپرٹی کی صورت ملی تھیں۔ سو ان کا گزارہ باقیوں کی نسبت کہیں زیادہ اچھا ہو رہا تھا۔ ماہانہ ایک مشترکہ رقم کی صورت کچن جوائنٹ ہی چل رہا تھا۔" اس وقت بھی وہ تینوں سر جوڑ کے بیٹھی تھیں جس کی بنا پہ اس اتوار کا دھیان خاصی تاخیر سے آنے والی ملازماؤں کی طرف بھی نہیں گیا۔ نگہت آپا ان کے معاملات میں ایک حد تک دلچسپی لیتی تھیں مگر اس وقت ان کے کان بھابیوں کی سرگوشیوں پہ لگے تھے پھر سمجھ میں نہ آنے پہ مایوس سی ہو کر انہوں نے سر تکیے پہ ٹکایا جو ہلکا سا میلا ہو رہا تھا۔

چاروں بھائیوں سے بڑی نگہت' انوار خان کی سب سے پہلی اولاد تھیں۔ ان کی پہلی منگنی اپنے باپ کے تعلق داروں میں ہوئی تھی۔ وہ شاید بھاول پور کے نواب تھے۔ کچھ ماہ بعد انوار نے منگنی اس جواز کے ساتھ ختم کر دی کہ ہمارا ان کا کوئی جوڑ نہیں۔ اگر پہلی اولاد نوابوں میں بیاہ دوں گا تو اس کا شاہانہ طرز زندگی باقی بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر سکتا ہے۔ وہ فطرتاً ضدی' اکھڑ اور اصول پرست شخص تھے۔ دوسری بار نگہت کی خاندان میں طے ہونے والی شادی بھی انوار کی کسی بے جا ضد کے نتیجے میں ہی ٹوٹ گئی تو اس کے بعد نگہت اپنے کنواری رہنے کے فیصلے پر جوانی ڈھلنے تک ڈٹی رہیں کہ وہ بھی آخر اسی ہٹیلے شخص کی بیٹی تھیں۔ بھائیوں، بھابیوں کے منہ سے آپا کا لفظ سنتے سنتے خاندان کے تمام بچے اب انہیں آپا ہی کہتے تھے۔

"لو یہ بھی ایک الگ کہانی ہوئی۔" روحی بھابی کی کسی بات میں لفظ کہانی آیا تھا' آپا چونکیں۔ ان کی بند آنکھوں میں پانی نے ہلچل مچائی تھی۔

رات کی تاریکی میں جب تمام گھر والے سو جاتے تھے تب وہ قصہ گو کا روپ دھار لیتی تھیں۔ نوعمر لڑکیاں بالیاں ان سے کہانیاں سننے آجاتی تھیں۔

"ایک تھا بادشاہ' اس کے چار بیٹے تھے۔ اس نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو شہر چھوڑنے کا حکم دیا۔ مگر اس حکم سے پہلے اس نے بیٹے کو یہ حکم بھی دیا کہ جانے سے پہلے تمہیں اپنی بیوی کو طلاق دینا ہو گی۔ جو کہ بادشاہ کی سگی بھتیجی بھی تھی۔

"اف! وہ بادشاہ اتنا ظالم تھا؟" نوعمر لڑکیوں کی آنکھوں میں خوف اترا۔

"ارے نہیں۔ بادشاہ کب ظالم تھا' ظالم تو اس کا بیٹا تھا جو بادشاہ کی لاڈلی بھتیجی پہ سوکن لے آیا تھا۔"

وہ افسوس کے ساتھ کہتیں۔

"پھر، پھر آگے کیا ہوا؟" کسی نے بے صبری سے پوچھا۔

"پھر آگے جو بھی ہوا وہ اس پر یقین کرنا ناممکن۔ محض اک جھوٹا قصہ محسوس ہوگا۔ چلو رہنے دو' میں نہیں سناتی۔"

اندھیرے کمرے میں مشعل موم بتی جلا کر لے آئی ہے۔ سامع لڑکیاں اسے حیرت سے دیکھتی ہیں۔ اس کے بھورے بال' آنکھیں سبز' عنابی ہونٹ وہ خوش قامت تھی۔ مرسلین اور الوینہ' روحی اور احد کے بچے تھے۔ ثمامہ، خاور اور جاثیہ کی بیٹی تھی مناف اور عنیزہ شائستہ اور عبید کی اولادیں۔

پھر یہ لڑکی مشعل کون ہے؟ یہ قصر انوار میں کیوں رہتی ہے؟ یہ حویلیاں شہر کی گلیاں کیوں ناپتی ہے؟

مشعل نسبت کے ساتھ گھر آئی تھی۔ اس کے والدین اسے نسبت کے پاس چھوڑ کر گئے تھے کہ ٹریفک حادثہ کا شکار ہو گئے۔ نسبت اپنا بیٹا' چھوٹی بہن کی جھولی میں ڈال چکی تھی۔ وہ بیوہ ہو کر لوٹی تو مشعل ہی اس کے جینے کا سہارا تھی۔ منیبہ، بیا، مشعل، احمد ہر فرد سے ایک قصہ جڑا ہے۔

"ارے آپا! کیا سو گئی ہیں۔ آپ سے ایک مشورہ لینا تھا۔" یہ آواز روحی کی تھی۔ وہ پھر سے سوتی بن گئیں۔ ساری کہانیوں کے تمام کردار گنجلک تھے۔ آپا کو ان تمام کرداروں سے ہزاروں شکوے تھے۔ وہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

فی الوقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ پھر وہ اپنی چھوٹی بہن عشقفہ کے بارے میں سوچتے ہوئے سچ مچ اونگھنے لگی تھیں۔

☆☆☆

''تم سے زیادہ عجیب وغریب عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی منیبہ زوار!'' اس کا شوہر ہر سال سنجیدہ شکل کے ساتھ یہ جملہ دہراتا تھا۔ ''جو شخص تمہاری بہن کو طلاق دے چکا ہے۔ تم جانے دبئی کے کتنے شاپنگ مالز کھنگال کر اس کی دوسری بیوی کے لیے ساڑھیاں خریدتی ہو۔ خود اذیتی کا یہ کیسا انوکھا انداز ہے۔''

وہ تنے ابروؤں کے ساتھ اسے گھورتا رہتا۔ وہ جیسے سنی ان سنی کرتی تمام افراد کے تحفے گنتی کر کر کے بیگ میں بھرتی جاتی۔

''اسے بھی یقیناً آپا نے تمہارے حویلیاں آنے کی خبر کر دی ہو گی اور وہ بھی آج رخت سفر باندھ رہا ہو گا۔ آخر کار تم اس کی مطلقہ اور مرحومہ بیوی کی واحد بہن ہو۔''

وہ تیر برساتا رہتا۔ وہ بہری ہو جاتی۔

''اور یہ جو الگ سے بیگ بھر کے لے جا رہی ہو؟''

''پاپا! یہ مشعل آپی کے لیے ہے۔''

اس کی بڑی بیٹی پوپو بیگ پیار سے چھوتی تو منیبہ شوہر کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتی۔

''دیکھا' محبتوں کا دیا کیسے دیا ملا کر جلایا جاتا ہے۔''

''او...... مائی گاڈ!'' وہ جیسے صوفے پہ گر جاتا۔

''تمہاری ماں سمیت تمہارے اس قصر انور میں سب پاگل رہتے ہیں پوپو! کوئی ایک بھی وہاں ذی ہوش نہیں۔''

بے بسی سے وہ مٹھیاں بھینچ لیتا۔ وہ اسے ترچھی نگاہ سے گھورتی۔

''عاشر اقبال! اچھا ہے نا' زیادہ ہوش مندی بھی تو محبت کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہے۔'' وہ خفگی بھری مسکراہٹ کے ساتھ بیگ کی زپ بند کرتی۔ جیسے وہاں آنے سے قبل ماضی کا دروازہ بند کر رہی ہو۔

''اگر احمد نے بے وفائی کی تھی تو اس کی بڑی بہن نسبت نے بھی تو بے وفائی کی ہر حد توڑ دی تھی۔ اپنی اولاد تک کو ٹھکرا دیا۔'' آنسو اس کے پاؤں پہ گرا تھا۔ وہ چونکی۔

کتنی ہی دیر سے کھڑکی کے پاس کھڑی وہ ساتھ والے گھر پہ نگاہ جمائے تھی جو سالوں پہلے اس کا تھا۔ نسبت کا تھا۔ سالوں پہلے اس گھر میں دونوں بہنوں کے مابین گفتگو میں صرف احمد انوار کا ذکر ہوتا تھا جوان کے تایا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ احمد یوں، احمد ایسا، نسبت کے لب جیسے اس کے نام کی مالا جپتے تھے۔ ان کے گھر اک دیوار کے فاصلے پر تھے پھر احمد

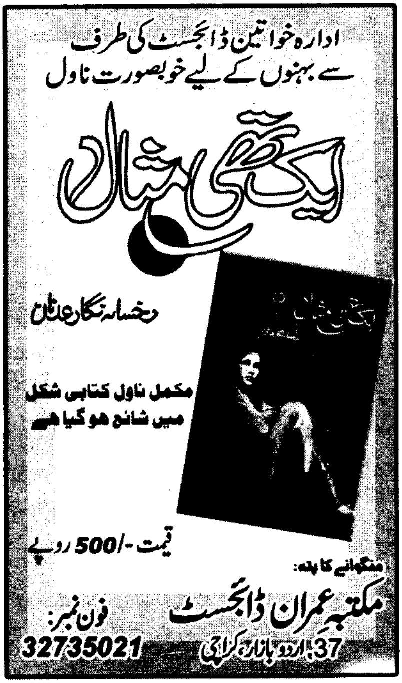

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہی کی خواہش پہ نسبت اس کی زندگی میں شامل ہوگئی تھی۔ سال بعد اشعب بھی ان کی گود میں آ گیا تو ان کی زندگی مکمل ہوگئی تھی۔ مکمل ہونے کے بعد ان کا گھر یوں بکھرا تھا جیسے چھوٹے بچے کئی بلاکس اوپر تلے جوڑتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا موڈ بدلنے سے ہاتھ کے ہلکے سے جھٹکے سے سب الٹ پلٹ ہوجاتا ہے۔"

اس نے محسوس کیا وہ رو رہی تھی۔ سارے قصے میں شاید احمد بھی قصوروار نہیں تھا۔ تقدیر کا موڈ بدلا تھا اور وہ رشتہ اک جھٹکے میں ختم ہوگیا۔ نسبت کے ہاتھوں پہ لگی مہندی کی خوشبو بری تقدیر نے سونگھ جو لی تھی پھر وہ اس کے پیچھے اس قصر میں کیسے نہ قدم رکھتی۔

اس کی رات سوتے جاگتے ہی گزری تھی پھر فجر کے وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ ننگے پاؤں ہی کھڑکی تک کھنچی چلی آئی تھی۔ ملگجے سے اندھیرے میں وہ گھر اسے خواب کی طرح محسوس ہوا۔ جیسے "ماضی اور نسبت" خواب ہو چکے تھے اس نے چند گہرے سانس لیے اور جوتے پہن کے نیچے چلی آئی۔ اس بار بھی لاؤنج کی سیٹنگ فرنیچر کے ہر نئے آئٹم کے ساتھ بدلی ہوئی تھی۔ وہ اس گھر کی آرائش و زیبائش کو دل ہی میں نہیں بلکہ زبانی بھی سراہتی تھی۔ نگہت آپا کا سنگل پلنگ جس کی جگہ کبھی شمالی تو کبھی جنوبی کونہ ہوتا۔ لاؤنج کا سب سے قدیم مال جس پہ بھابیوں کا بس نہیں چلتا تھا جس کی وجہ احمد تھا جو بھائیوں کی غیر موجودگی میں انہیں کافی حد تک سپورٹ کرتا تھا، ورنہ بیبا کا باپ اور تایا جدی پشتی رئیس کہاں تھے۔ اپنے شاندار تعلیمی ریکارڈ کی بنا پہ آج بھی اپنے دادا پردادا کی طرح مرسلین اور مناف پبلک سروس کے عہدوں پہ تھے۔ اشعب اب اس خاندان کا حصہ کہاں تھا۔

احمد سے نسبت کی طلاق ہونے کے بعد جب اس نے دوسری شادی بھی کر لی تو انوار خان نے اشعب کو اپنی چھوٹی بیٹی عشفہ کو سونپ دیا تھا۔ کیوں؟ اس کا جواب آج بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ بچہ تو نگہت بھی پال سکتی تھی۔ نظام جو انوار خاں کا بھانجا تھا۔ عشفہ کا بھتیجا' اس نے بخوشی کیونکر گود لے لیا۔ یہ ایک معمہ تھا۔ آپا نے بیبا کے چہرے پہ رت جگے کا رنگ بھانپ لیا تھا۔ رات کیسی گزری' اب یہ پوچھنا بے کار تھا۔ بیبا اتنی صبح مشعل کو چائے لاتا دیکھ کر حیران ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح تروتازہ اور پرسکون سی وہ لڑکی جسے دیکھ کر اس کا اپنا دکھ نکتے میں سمٹ جاتا تھا۔

نسبت کی وفات کے بعد اس نے دو انسانوں سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ مشعل جو نسبت کے رشتوں کو تنکا، تنکا جوڑتی اپنا آشیانہ سمجھ کے جی رہی تھی اور اس نے اپنے محبوب کے محبوب سے محبت کرنا احمد انوار سے سیکھا تھا جو مشعل کی اور خود منیبہ کی گفتگو میں نسبت کا ذکر ڈھونڈتا تھا۔ وہ اب صرف اپنے شوہر کے لیے منیبہ تھی۔ بچوں نے اس کا نام یوں بگاڑا تھا کہ اب اسے بڑے بھی زیادہ تر بیبا ہی کہتے تھے۔

☆☆☆

احمد انوار کے لیے مشعل کی بے قراری' آپا کے دل میں ٹھنڈی پھوار کی طرح برستی تھی۔ وہی بے قراری ان کی تمام بھابیوں کا دل سلگاتی تھی اور فیروزہ...... ان لمحوں میں وہ اپنے قیمتی پرس سے خوشبو آمیز ٹشو نکال کر اپنی خوب صورت پیشانی یوں پونچھتیں جیسے اپنے دل پہ گرتے آنسو پونچھ رہی ہوں وہ خود کو بے نیاز ظاہر کرنے کے لیے خواہ مخواہ قصر کی لڑکیوں سے مخاطب ہوتیں۔ "عنیزہ نے یقیناً نیا پارلر جوائن کیا ہوگا' کیسے چمک رہی ہے۔"

فیروزہ کے ہونٹوں پہ کھلنے والی مسکراہٹ اگرچہ پھیکی سی ہوتی مگر لڑکیوں کی آنکھیں اپنی تائی کے چہرے پہ چپک جاتیں۔

اگر ان کا تایا بیوی اور بیٹے کے ہوتے ہوئے بھی اس عورت پہ مرمٹا تھا تو کچھ انوکھا نہیں تھا۔ وہ تھی ہی ایسے ملکوتی حسن کی مالک کہ مقابل کی نگاہیں کہیں اور نہیں اٹھتی تھیں۔ وہ حسن مسحور کر دیتا تھا۔

"اور ذرا الوینہ کو تو دیکھو' سوکیوٹ یہ نیل کلر اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کے ہاتھوں پہ کتنا سوٹ کر رہا ہے۔" وہ اپنے گال کے ڈمپل پہ انگلی ٹکائے مسکرائے جاتیں تو الوینہ ہپناٹائز سی ہو کر اپنے ہاتھوں کو تکنا شروع کر دیتی۔

فیروزہ کے پاس وہ لڑکیاں اور ان کی مائیں کیسے شاہانہ اور تفاخرانہ انداز میں بیٹھتی تھیں۔

مشعل اس قدر سادہ اور خود سے لاپروا۔

احمد بار بار انداز نشست بدلتے۔ وہ ہر ماہ خاصی بھاری رقم آپا کے ہاتھ پہ رکھتے تھے۔" مشعل کی ڈریسنگ بھی تو باقی لڑکیوں جیسی ہونا چاہیے۔" وہ ہر بار انہیں جتاتے کہ وہ مشعل کو کھلا خرچا نہیں دیتی ہوں گی۔

"ایک تو اس کی تعلیم کا خرچا بھی بہت ہے احمد! اور پھر وہ ان کی طرح بن سنور کر رہے گی تو تمہاری بھاوجوں کو اپنے جوان بیٹوں کے لالے پڑ جائیں گے کہ لڑکی انہیں پٹانے کی کوششوں میں ہے۔"

احمد کا چہرہ تن جاتا۔ آپا کا سچ کڑوا تھا مگر سچ تھا۔ فیروزہ تو وہاں آ کر اپنے شوہر کی متلاشی نگاہوں سے دھیان ہٹانے کے لاکھ جتن کرتی تھیں جو ہمہ وقت مشعل کو تلاشتی تھیں وہ دل ہی دل میں اپنی سوکن کو کوستیں۔

"نسبت! یہ تم نے مجھ پہ کیسا ظلم ڈھایا کہ احمد کی زندگی سے نکل کر اس کے دل میں رہنا شروع کر دیا۔"

مگر نہیں، یہی تو فیروزہ کی بھول تھی۔ نسبت احمد کے دل سے کب اور کہاں نکلی تھی۔ احمد نے پوری زندگی اسی ایک عورت کو چاہا۔ فیروزہ تو محض احمد کی آنکھوں کی بددیانتی تھیں۔ تقدیر کا موڑ تھیں جس موڑ پہ اس نے نسبت کو کھونا تھا۔ اور فیروزہ دنیا کی وہ پہلی عورت تھیں جو اپنی سوتن کیے دوبارہ سے شوہر کی زندگی میں واپس آنے کی منت کرتی تھی اور یہ دعائیں انہوں نے نسبت کی زندگی تک مانگی تھیں

چلو وہ تو احمد کی محبت تھی اس کی زندگی میں آنے والی پہلی عورت ...... پہلی بے چینی، پہلا قرار مگر یہ مشعل یہ کہاں سے احمد کی محبتوں کی حق دار تھی۔ کاش وہ نسبت کے دوسرے شوہر سے ہی ہوتی، نسبت کے وجود کا حصہ تو اس لڑکی سے محبت کا کچھ تو جواز بنتا۔ وہ لڑکی رشتوں کے حساب کتاب میں تو ہوتی۔ اسے تو نسبت نے پالا تھا اور اس کی تربیت میں، مزاج میں اپنی اک اک ادا پرودی تھی دونوں میں مشابہت تک نہیں تھی پھر بھی احمد اسے تکتا رہتا اور فیروزہ سنتی رہتیں۔ سوچتیں تو اس سے حسد، جلن اور رقابت کا کوئی رشتہ بنتا ہی نہیں تھا جیسے قصر انوار کے مکینوں کا اس لڑکی سے محبت کا کوئی رشتہ نہیں بنتا تھا۔

وہ لڑکی جیسے اڑتی ہوئی ریت تھی جو فیروزہ ہی کی نہیں کئی لوگوں کی آنکھوں میں چبھتی تھی وہ لڑکی بارش بھی تھی اور آپابی، بیابی، احمد اور شاید کسی اور کے لیے بھی ٹھنڈک کا باعث تھی۔

اس قدر جلن کے باوجود بھی فیروزہ کو اس سے مسکرا کے ملنا پڑتا۔ اب بھی اسے آتا دیکھ کر ان کے شوہر کا رواں رواں مہکا تھا آج بھی وہ پیش قدمی کرتے ہوئے اس تک پہنچا۔

"کیسی ہو منیبہ؟" ایک ہاتھ اس کے سر پہ ٹکانے کے بعد اس نے مشعل کو ایک بازو کے حصار میں لیا۔

"اور میری بیٹی ٹھیک ہے؟" وہ کس قدر محبت سے پوچھ رہا تھا۔ وہ وہاں تفاخرانہ ماحول میں بیٹھی خواتین کا غرور جیسے چھناکے سے توڑ رہا تھا اور ماورائی تقدیر قصر کے لان میں تالیاں بجا رہی تھی۔

"کون ہے جو اللہ کی حکمت سمجھنا چاہے گا۔" اگر نسبت کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹتا تو یہ لڑکی آنکھ کھولتے ہی اس کی گود میں کیسے آتی۔ اگر نسبت کا سایہ اس پہ نہ پڑتا تو اس کا شمار قصر کے مکینوں میں کیسے ہوتا...... یہ احمد انوار کا دل کیونکر چھو پاتی۔ پھر جانے یہ کون سے رشتہ داروں کے برتن مانجھ کے گزارا کرتی۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اسے سب کچھ عطا کر دیتا ہے۔" (بے شک)۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

☆☆☆

"لڑکیاں خوب صورت بھی ہیں تعلیم یافتہ بھی' قد کاٹھ میں بھی ہزاروں کو پیچھے چھوڑتی ہیں پھر پہننے اوڑھنے کا انداز ایسا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" آپا کی مسکراتی آواز خاصی بلند تھی کہ اندر آتے مناف نے کانوں کو ہاتھ لگا کر قہقہہ لگایا۔

"یہ بھی تو بتانا تھا نا کہ میک اپ اس قدر نفاست سے کرتی ہیں کہ اندھے بھی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" اس نے سیڑھیاں اترتی الوینہ کو منہ چڑایا۔ جو اس کے ارشادات پہ اسے کچا چبانے کا ارادہ باندھ رہی تھی۔

"لو جی' گونگے سے پوچھو، کیا دیکھ رہے ہو۔ اندھا جواب دے گا۔ سب اچھا۔" بیبا نے نروٹھے پن سے آپابی کو دیکھا۔

"میں نے یہ پوچھا تھا کہ دونوں لڑکے اچھی پوسٹوں پہ ہیں پھر ان کی شادیوں میں تاخیر کس وجہ سے ہو رہی ہے اور اس بات کا جواب آپ نے لڑکیوں کی توصیف و تعریف کی صورت دیکھ کر مجھے حیران کر دیا ہے آپا؟" بیبا خفگی سے بولی۔ "پھر دانت نکالتے مناف کو ایک جھانپڑ رسید کیا۔

"سیدھی بات یہ ہے۔ گھر کے کماؤ لڑکوں کو گھر کی لڑکیوں میں ذرا دلچسپی نہیں۔ دونوں چپ کا روزہ رکھ کے اپنی کمائیاں ماؤں کو کھلا رہے ہیں۔" آپا نے بیبا کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

"خاک ماؤں کو کھلا رہے ہیں۔ ابھی مہینے کی پچیس ہی ہوتی ہے کہ جیب خالی ہونے کا رونا روتے ہیں۔" شائستہ نے آپا کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا پھر روحی بھلا اس کی تائید کیسے نہ کرتیں۔

"تو اور کیا۔" انہوں نے اچانک انٹری مار کے جیسے رنگ میں بھنگ ڈالا تھا۔ جاثیہ بیٹی کی ماں تھی سو خاموش رہی۔

"اور بیبا آپا! آپ ہم لڑکوں پہ الزام لگا رہی ہیں۔" مناف جو آپا کی بات پہ ابھی تک تڑپ رہا تھا۔ اصل موضوع پہ آیا۔

"سچ تو یہ ہے کہ جانے کب قصر انوار میں سوئمبر رچایا جائے گا اور یہاں کے ولی عہد اشعب ابن احمد کے انتخاب کے بعد بچی کھچی لڑکیاں میرے اور مرسلین کے حصے میں آئیں گی۔"

"لڑکے! تجھے خدا پوچھے۔" بیبا نے بھابیوں کے فق چہرے دیکھ کر اسے کھینچ کے کشن مارا۔

"میں صرف اس گھر کی نہیں' خاندان کی بات کر رہا ہوں۔"

"تم سے تو میں نپٹ لوں گی۔" ماں کے چہرے پہ رقم دھمکی پہ اس نے بوکھلا کے جھوٹ بولا۔

"ہر ماں کا دل چاہتا ہے کہ اس بیٹی کے پاس دنیا کی ہر نعمت ہو۔" جاثیہ نے نظر جھکا کے بات بدلی تھی کہ مناف نے بالکل سچ بولا تھا۔

"جس سے مراد ایک محل نما گھر' نصف درجن ملازم' اور پورچ میں دو تین گاڑیاں تو ضرور ہوں۔" آپابی کی آواز ہی نہیں انداز بھی سنجیدہ تھا۔

"آج کل کون یہ سب نہیں دیکھتا یا نہیں چاہتا۔" روحی بیگم نے بھی دل کی بات بلا تامل کی۔

"یعنی کہ لڑکیوں کی مائیں اشعب احمد کی امید پہ بیٹھی تھیں۔" بیبا نے صورت حال کو سمجھ لیا تھا' اس نے پر تفکر سی آہ بھری۔

"اگر انوار خان کی سوچ بھی اس دور کی سی ہوتی تو نگہت بھی اپنے محل جیسے گھر میں راج کر رہی ہوتیں مگر اس وقت سادہ طرز لوگ اپنے ہی جیسوں میں رشتے ناتے جوڑتے تھے کہ معاملہ گھر سے گھر تک جیسا رہے۔" انہوں نے آپا کا بجھا بجھا سا چہرہ افسردگی سے دیکھا۔

"اس لڑکی کو سبزیاں فرائی کرنے کو کہا تھا اور لگتا ہے یہ اچار ڈالنے بیٹھ گئی ہے۔" بیبا نے بہ آواز بلند کہتے ہوئے اس گفتگو پہ مٹی ڈالی تھی تب ہی مشعل پیالہ لیے لاؤنج میں آئی مناف نے میز پہ پڑی چٹنی کی بوتل اپنی طرف کھسکائی تو الوینہ نے بیبا کو خبردار ہونے کا اشارہ کیا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''خداوند کریم تمہیں بوند بوند میک اپ کو ترسائے اور ہم تمہارا اصلی چہرہ دیکھ سکیں۔'' اس کے اشارے سے باخبر مناف نے ہاتھ اٹھا کے یوں دعائیہ کلمات ادا کیے کہ بیچاری الوینہ نے ہڑبڑا کے اپنے دھلے دھلائے چہرے کو چھوا تو تھوڑے فاصلے پہ مارننگ شو دیکھتی ثمامہ اور عنیزہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ بیا نے بھی ہنستے ہوئے ان چہروں کی مسکراہٹ کو ہمیشگی کی دعا دی تھی کہ یہ نسل اٹھائیں سال پہلے گھر میں ٹوٹنے والی قیامت کی خبر ایک حد تک رکھتی تھی جس کی کرچیاں احمد کی آنکھوں میں آج بھی چبھتی تھیں جس کی اذیت خالہ کی گود میں پلنے والا اشعب احمد محسوس کر سکتا تھا۔

منیبہ زوار خود کرب کی انتہاؤں کو چھو کے پانچ سال پہلے احمد کو معاف کر چکی تھی جب احمد نے اپنے لیے مشعل سے محبت کی سزا تجویز کی تھی۔

''کل شام کو رملہ کے نئے بوتیک کی اوپننگ ہے پھر تقریب' دس بجے تک ایوارڈ شو کی تقریب بھی شروع ہو جائے گی تو میں سوچ رہی تھی کہ کل سہ پہر تک کی کسی فلائٹ کی بکنگ کروالیں۔''

فیروزہ کا تعلق شوبز سے نہیں تھا مگر ان کا پارلر اس قدر پرتعیش تھا اور پرسے پوش اور مہنگے ایریے میں، پھر بیرون ممالک سے تربیت یافتہ بیوٹیشنز کہ وہاں سیلیبریٹز کا آنا جانا بہت زیادہ تھا وہ نک سک سے تیار قیمتی ہینڈ لوشن سے ہاتھوں کا مساج کرتیں احمد کے مقابل آئیں جدید' قدیم' سادہ اور فیشن ایبل ان کا خوب صورت سراپا ہر قسم کے ملبوسات کی شان بڑھا دیتا تھا۔ جامہ زیبی جیسے اس عورت پہ ختم تھی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تیار کھڑے احمد نے خود پہ آخری نظر ڈالتے ہوئے انہیں ٹھٹک کے دیکھا۔

''تم شاید بھول چکی ہو کہ آج کے ڈنر پہ میں اپنی فیملی کو انوائیٹ کر چکا ہوں بمع اشعب کے۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں انہیں یاد دہانی کرواتے اپنا والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھا چکے تھے۔

''مگر میں تو کل کی بات کر رہی ہوں۔'' وہ بلاوجہ ان کے قریب آئیں اور ان کے کوٹ کا کالر درست کیا۔

''ہو سکتا ہے وہ لوگ رات یہیں ٹھہر جائیں 'موسم کا کیا اعتبار!'' انہوں نے آہستگی سے جواب دے کر اس کا ہاتھ کالر سے ہٹایا۔

''میں بھی اپنے کچھ عزیزوں کو انوائیٹ کرلوں گی۔'' وہ انہیں انفارم کر رہی تھیں یا اجازت لے رہی تھیں' وہ سمجھ نہیں پائے۔

''یہ ایک خالصتاً فیملی ڈنر ہے۔'' بات ابھی فیروزہ کے منہ میں تھی کہ وہ لفظ لفظ چبا کے بولتے انہیں تیز نظروں سے دیکھتے دروازے کی سمت بڑھے وہ لہجہ فیروزہ کو اپنی ہڈیوں میں رینگتا محسوس ہو رہا تھا اگر ان کا ہمسفر چاہتا تو وہ چارہ گر بھی ثابت ہو سکتی تھیں لیکن وہ اپنے زخموں کو بھرنا ہی نہیں چاہتا تھا وہ عشق کے عین تک ہی نہیں......شاید ''ش'' اور ''ق'' تک کی رسائی بھی چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ عجیب شخص تھا جس نے خود کو آباد رکھ کر بھی بے آباد رکھا ہوا تھا۔ مشعل اس گھر میں آ کر ہمیشہ حیران ہوتی۔ ''انہیں اسلام آباد احمد کے گھر آئے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا باقی سب لاؤنج میں جمع تھے اس نے مغرب کی نماز بھی پڑھ لی تھی۔ کمرے میں رکنے کا جواز بھی نہیں تھا۔

''اب کیا عشاء پڑھ کے باہر آؤ گی۔'' ثمامہ نے دوبارہ کمرے میں جھانکا تو بادل نخواستہ وہ اس کے ہمراہ ہولی۔ مما کی زندگی میں اس شخص کا سامنا کرنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا مگر وفات سے دو دن قبل ان دونوں کو پاس بٹھا کر نسبت نے جو گفتگو کی تھی۔ اس کے بعد مشعل خود میں اشعب سے نظر ملانے کی ہمت نہیں پاتی تھی کہ اشعب نے کیسے بے یقین سا ہو کے اپنے ماں کا چہرہ دیکھا تھا۔ اک شکست، اک رنج، حیرانی کیا کچھ اس کے چہرے پہ نہیں تھا مشعل کو لگا تھا کہ وہ ابھی چیخ پڑے گا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ماں! آج تو آپ مجھے میری ماں ہونے کا شرف بخش دیتیں۔ آج تو میرا سوچتیں۔" اس کے چہرے پہ اتری مایوسی نے مشعل کا دل دہلا دیا تھا کہ نسبت زوار نے آج بھی دیکھو، اشعب احمد کو ٹھکرا دیا ہے۔ کیا وہ کچھ بولنے کے قابل تھا" جس کی ماں کو زندگی کے آخری لمحوں میں بھی اپنی اولاد نہیں مشعل فرید کا دھیان تھا۔ اس دن کے بعد سے اشعب کا سامنا اس کے لیے مشکل ترین تھا۔

وہ سال میں پاکستان کے دو چار چکر تو ضرور لگا لیتا تھا اور وہ گھر کے کونوں کھدروں میں چھپتی پھرتی اور کبھی اپنے ماموں کے گھر چلی جاتی۔

"دیکھو ذرا اس لڑکی کی روٹین' کیا خاندانی لڑکیوں کے یہ رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔"

اشعب کے سامنے اس کا ذکر ان ہی الفاظ میں ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ جب بھی پاکستان آتا تو اس چھپن چھپائی کے باوجود اس کا احوال پوچھ لیتا تھا، باقیوں کے ساتھ وہ اس کے لیے بھی تحائف لانے لگا تھا۔ بڑھتی عمر کے ساتھ کچھ تبدیلیاں مشعل میں بھی آ چکی تھیں جیسے کہ وہ اب اسے نظر انداز کرنے لگی تھی۔ اسے اشعب کے ہونے یا نہ ہونے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

بیا نے اپنی متلاشی نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔

"یہ لڑکی بھی عجیب ہے۔" وہ ثمامہ کے ساتھ اندر آئی اور اس کے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئی۔

بیا نے اسے سلگ کے دیکھا...... کہ اسے اشعب سے ملنا تو چاہیے تھا۔ آج وہ پورے چھ ماہ کے بعد پاکستان آیا تھا۔ چھ ماہ پہلے نظام کی وفات ہو گئی تھی اور اس کے کاروباری معاملات نمٹانے کی وجہ سے اشعب کا سارا وقت بے حد مصروفیت میں گزرا۔

"مشعل بیٹا! کیا بیمار ہونے کا ارادہ ہے؟"

احمد نے اسے ہلکا سا دوپٹا اوڑھے دیکھا تو بے ساختہ ٹوکا۔ اخبار پڑھتے اشعب نے اسے ایک طرف سرکایا۔

"نہیں انکل' وہ بس ایسے ہی جلدی میں۔" وہ یوں گڑبڑائی کہ کچھ جواب ہی نہیں بن پڑا۔ اشعب نے دیکھا' باقی تینوں لڑکیوں کے شانوں پہ شال نما دوپٹے تھے۔ مشعل اندر آتے ہی عنیزہ کو اشعب کے قریبی صوفے پہ بیٹھا دیکھ چکی تھی۔

"جلدی میں کیوں تھیں بیٹا؟" احمد کے سوال میں اب اک نئی فکر تھی۔

"تو یہ ہے بھئی۔" اس کی بھاوجوں نے جل بھن کے پہلو بدلے۔

"بھائی صاحب! اس پہ کون سی گھریلو ذمہ داریاں ہیں۔" جاثیہ نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجا کر کہا۔

"شام کو آپا کے لیے جو شاندہ بنا رہی تھی۔" روحی نے بھی ٹکڑا لگایا۔

"بات جلدی یا پھر دیر سویر کی نہیں ہے احمد! مشعل گرمی سردی کی پرواہ ذرا کم ہی کرتی ہے۔" آپا نے اشعب کو بغور دیکھا جو ان ہی کی طرف متوجہ تھا "بیٹا مہینوں بعد گھر آیا ہے اور باپ کس کا راگ الاپ رہا ہے۔" آپا نے سرسری سا انداز اپنا کر یوں کہا تو مشعل پر سے ہٹ کر سب کی توجہ ادھر ادھر بکھر گئی...... حالانکہ ان کی بھابیوں کا بس چلتا تو پردیس میں بیٹھے شوہروں کی کمائیاں ملازماؤں پہ لٹانے کے بجائے وہ گھر کا تمام کام مشعل سے ہی کرواتیں۔ گو کہ نسبت کی وفات کے بعد انہوں نے یہ کوشش بھی کر دیکھی تھی پھر ایک دن آپا نے ان کی غیر موجودگی میں احمد سے بات کی۔

"ٹھیک ہے جہاں میں مناسب سمجھوں گی اسے گھر داری سکھاؤں گی مگر اس طرح تو بچی کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔"

"مشعل اس گھر میں نوکرانی کی حیثیت سے رہ رہی ہے۔ اس طرح کا کوئی بھی خیال آپ سب لوگ دل سے نکال دیں۔" احمد نے بات کا آغاز ہی سخت انداز میں شروع کیا۔ "جب مشعل کے تعلیمی اخراجات کے لیے آپا نے مجھ سے پوچھے بنا مسئلہ اٹھایا تھا تو آپ کے شوہروں نے کہا کہ ہم حرام نہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کمار ہے جو اِروں غیروں پہ لٹاتے پھریں۔ اس لڑکی پر ہم پائی تک خرچ نہیں کریں گے۔ جب لڑکی سے کوئی غرض ہی نہیں تو پھر اپنی ذمہ داریاں بھی خود اٹھائیں...... آپا اور مشعل کی وجہ سے ہی میں کچن کے بجٹ میں حصہ ڈالتا ہوں۔''

ان کا موڈ اتنا خراب تھا کہ کوئی ایک جواب بھی نہیں دے سکا...... پھر جیسے وہ مشعل کی ذات سے لاتعلق ہو گئے۔ چار دن اس سے کھنچی کھنچی رہنے کے بعد تمام خواتین کا رویہ پہلے جیسا ہو گیا تھا۔

پتا نہیں ثمامہ اس سے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ ہڑ بڑا کے ان سوچوں سے باہر آئی۔ ڈنر شروع ہو چکا تھا۔ وہ اس جگہ کھڑا تھا کہ سرونگ ایریا کی طرف جانے کا متبادل راستہ نہیں تھا۔ مشعل نے قریب سے گزرتے ہوئے اس پہ محتاط سی نظر ڈالی۔ مخاطب کر ہی لینا چاہیے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ لحہ بھر بعد وہ پورا گھوم کے اسی سمت ہوا یہ محض اتفاق تھا کہ وہ عین نگاہوں کے سامنے اور اتنا قریب کہ وہ پلکیں جھپک نہیں سکا۔ آج بھی ہمیشہ کی طرح پہل اشعب نے کی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اگلے پل وہ اپنے احساسات سمیت کے مسکرایا۔

مشعل کی پیشانی پہ پسینہ پھوٹ پڑا۔ کہ اس شخص کو حال بتانا یا اس کا حال دریافت کرنا ایک مشکل عمل تھا۔ اس نظر کی رسائی دل تک ہونے لگتی تھی۔

''جی بالکل ٹھیک۔'' وہ نظر جھکا کے دو قدم پیچھے ہوئی۔ ''آپ کیسے ہیں؟'' ہچکچاتے ہوئے آج اس نے کے ٹو سر کر ہی لیا۔

وہ جو نگاہ موڑ کے رخ بدلنے کو تھا اسے ایسے ہی دیکھا جیسے وہ لڑکی کے ٹو کی چوٹی پہ کھڑی ہو۔

''بہ امر مجبوری حال پوچھنے والوں کو حال بتانا اتنا ضروری نہیں ہوتا۔'' سنجیدگی سے کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا' وہ شرمندہ ہوئی' جھینپ کے اطراف میں دیکھا ان کی جانب کوئی بھی متوجہ نہیں تھا۔

خوشگوار ماحول میں ہی ڈنر اختتام پذیر ہوا۔ حسب عادت عنیزہ' اشعب کے اردگرد منڈلاتی رہی۔ ثمامہ کی توجہ کا مرکز مرسلین تھا جو احمد کے پڑوس میں مقیم کیوٹ سی لڑکی انبساط سے ہی ہمہ وقت باتیں بگھارتا رہا۔

''دیکھا' ہر بار اسلام آباد آنے پر اسی لڑکی پہ لائن مارتا ہے اور مجھ سے محبت کا دعوا بھی کرتا ہے۔'' وہ مشعل کے کان میں بھڑک کے بولی۔

پہلے تو مشعل نے اپنا کان سہلایا پھر جانے کیوں اشعب کو دیکھا جو عنیزہ کی کسی بات پہ مسکرا رہا تھا۔ وہ اس پر سے نگاہ ہٹانا بھول گئی۔ ہوا نے جیسے مقابل ہوا کو چھو لیا تھا۔ اس کا مسکرانا اور بات کرنا ایسا ہی ہوتا تھا کہ نرمی جیسے آئینہ دیکھتی تھی وہ ایک ٹھنڈی آہ تک نہیں بھر سکی کہ خودداری کو یہ بھی گوارا نہیں تھا۔

وہ ثمامہ سے کہہ نہیں سکی کہ یہی محبت ہے برف کے جیسے قطرہ قطرہ بے نام و نشاں ہو جانا۔

''دل کی اپنی ایک ویلیو ہوتی ہے ثمامہ! تمہیں تو ان دونوں پہ دوسری نظر بھی نہیں ڈالنی چاہیے۔''

وہ اسے کھینچ کے دوسری جانب لے آئی جہاں الوینہ اور مناف کی نوک جھونک عروج پہ تھی۔

وہ لوگ حویلیاں پہنچے تو گھڑی بارہ بجا رہی تھی۔ کمرے میں آنے کے تھوڑی دیر بعد اس کے دروازے پہ دستک ہوئی۔ یقیناً ثمامہ ہو گی کیونکہ بیا کو وہ ان کے کمرے میں گڈ نائٹ کہہ آئی تھی۔

''آ جاؤ بھئی...... اور دیکھو تمہارے من بھر کے ٹاپسوں نے میرے کانوں کا کیا حشر کر دیا ہے۔''

دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھلا تھا مگر وہ پلٹے بنا شروع ہو گئی تھی۔ ایک ٹاپس اتارنے کے بعد وہ دوسرا اتار رہی تھی کہ مانوس سی مہک محسوس کرتے ہی تیزی سے مڑی تو شاکڈ رہ گئی...... اگر کبھی وہ بیمار پڑ جاتی تھی تو وہ اس کے بیڈ روم میں کھڑے کھڑے ہی حال پوچھنے کی زحمت کر لیتا تھا۔ وہ چار قدم آگے بڑھا۔

''میں سمجھی ثمامہ ہو گی۔'' اس نے جھینپ کے دوپٹا درست کیا۔

''میں یہ سیل فون لایا تھا۔ کچھ دن پہلے مرسلین

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے بات ہو رہی تھی تو شاید آپ ہی آپا بی کو اپنے فون خراب ہونے کا بتا رہی تھیں۔'' خلاف عادت آج وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کر رہا تھا مگر لفظ شاید نے مشعل کے دل سے خوش فہمی کی تمام چڑیاں اڑا دیں۔ ''کس قدر احتیاط برتتا ہے یہ بندہ' میں کون سا خوشی سے بے ہوش ہو جاتی کہ فون پہ بات کسی سے ہو رہی تھی اور دھیان میری آواز پہ ہو نہ ہو۔

وہ فون بیڈ پہ اچھال کے اسے شکریے کا موقع دیے بنا جا چکا تھا...... دل کو یہ التفات برا نہیں لگتا تھا۔ (دل جو ناداں تھا) مگر حقیقت یہ تھی کہ اس کا لمحہ بھر کو بھی پاس ٹھہر جانا' منزل پہ پہنچ کر دم لینے جیسا تھا۔ جس سے وہ دانستہ نظر ملا کے بات نہیں کرتی تھی جس کے پہلو سے وہ اکثر کترا کے گزر جاتی تھی۔

☆☆☆

''ایک تھا بادشاہ' بہت مغرور' بس اپنی منوانے والا۔ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ وہ دونوں کھلے آنگن میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بادلوں پہ محل بنایا کرتی تھیں جس میں شہزادے رہتے تھے' جن کے گھوڑوں کا رنگ سفید تھا پھر ایک دن ان کا گھوڑا زمین پہ اتر آیا مگر اس کا سوار شہزادہ تو نہیں تھا۔ میں گھر کے کسی حصے میں چھپ گئی تھی مگر عشفہ' وہ کھڑی رہ گئی۔ اس کی سفید میکسی زمین کو چھو رہی تھی۔ گھوڑے پہ سوار شخص نے اسے دیکھا تو اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور میں ...... میں نے۔''

''نہیں' ہمیں تمہاری کہانی نہیں سننی' ہمیں عشفہ کی کہانی سناؤ۔'' لڑکیوں نے اسے نروٹھے پن سے دیکھا۔

''سنو لڑکیوں! عشفہ کی کہانی میں شہزادہ نہیں ہے۔ اس کے باپ نے اس کی شادی اپنے ادھیڑ عمر بھانجے سے کر دی تھی جو پیاری سی اٹھارہ سالہ عشفہ کو سمندروں کے' ساحلوں کے اور پھولوں کے قلعوں کے شہر ترکی لے کر چلا گیا تھا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں عشفہ مجھ سے بچھڑ گئی اور میں۔''

''تم اپنی بات مت کرو بڑھیا!'' لڑکیاں چلائیں۔

انہوں نے گہرا سانس لیا اور انہیں دیکھ کے سرگوشی کی۔

''عشفہ اسے سچ مچ کا بادشاہ سمجھنے لگی تھی۔ وہ اپنی لمبی گلابی میکسی چٹکیوں میں تھام کر اس آدمی کے ساتھ کانچ کی سی روشوں پہ چلتی ہوئی سورج چھونے لگتی تو خود کو سچ مچ کی ملکہ سمجھتی تھی۔ اس نے عشفہ کے لیے کئی کشتیاں خریدیں اور کتنے ساحل اس کے نام کیے پھر بھی وقت کے ساتھ وہ شہزادی گلاب کی طرح مرجھانے لگی۔ وہ کیا چاہتی تھی' وہ محل میں اکیلی تھی۔ اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ اس کی اجلی پھولی میکسی کو ننھا منا سا ہاتھ اپنی نرم مٹھیوں میں بھینچ کے اسے اپنی طرف دیکھنے کا کہے...... اس کے سفید لباس پہ چاکلیٹ اور ساحلی ریت کے نشان ہوں۔''

''آپ اچھی قصہ گو نہیں ہیں۔'' وہ کہانی ادھوری چھوڑ کے جانے لگیں۔

''محبت کی داستان سنو گی؟'' انہوں نے انہیں آواز دی۔

''اس میں شہزادہ بھی ہوگا؟'' وہ رک کے مڑ کے دیکھنے لگیں۔

''میرے پاس اور بھی قصے ہیں۔'' آپا بی کا ہاتھ اپنے گیلے تکیے پہ پڑا...... ہڑبڑا کے جاگیں۔ انہوں نے کسی بچھو کی طرح لحاف کو دور کیا۔ گھر میں معمول کی چہل پہل ابھی کہاں تھی۔ سب سوئے ہوئے تھے۔

''ارے مشعل! کیا ابھی کوئی گھوڑا بیچنا باقی ہے۔'' ان کی نرم آواز جھنجلاہٹ کا شکار تھی۔

''آپا! میں تو ٹائم پہ چائے بنا لائی تھی مگر آپ خلاف معمول جانے کیوں سو گئیں۔''

اردگرد سے بے نیاز وہ چائے لیے حاضر تھی۔ آج اس کی ٹرے میں چائے کے تین کپ تھے۔ اشعب نے اپنے سیل فون کی اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے مسکرا کے دیکھا جو بقول آپا کے گھوڑے بیچ کے آ چکی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''جانے کون دو تین فارغ سی لڑکیاں ہیں جو روز مجھ سے کہانیاں سننے آجاتی ہیں۔ مجھے کسی ڈاکٹر کو دکھا دینا اشعب!'' آپا واقعی پریشان تھیں بیا اور اشعب کا قہقہہ مشترکہ تھا۔

مشعل نے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹتے ہوئے ان کے سامنے آہستگی سے کپ رکھے۔

''تمہارے ہاتھ کی بنی چائے میں جو پتی کی تلخی سی ہوتی ہے نا مشعل! یہ مجھے پورا سال یاد رہتی ہے۔'' بیا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کے اپنے ساتھ بٹھایا۔

''اور تمہارے وجود میں سرسراتی ہوئی تلخی میرے احساس کو خوش گماں ہونے نہیں دیتی۔'' اس نے صوفے کی پشت پہ سر گرا کر بیا کی پشت کے عقب سے اسے دیکھا کہ جیسے مدتوں بعد دیکھا تھا 'اس کی گردن کے گرد بکھرے بال جن کے پیچ وخم اس لڑکی کی طرح ہی الجھے ہوئے تھے۔

''آج پوپو سے بات کر لینا۔ کل بھی مجھ سے جھگڑ رہی تھی کہ آپی سے بات ہی نہیں ہو رہی اور مجھے تم سے ایک بات بھی کرنی ہے۔'' بیا کا لہجہ یک لخت سنجیدہ ہوا۔ ''کیا تم اماں ذکیہ کے گھر جاتی ہو؟''

اشعب ایک دم سیدھا ہوا تھا کہ مشعل نے رخ بیا کی جانب موڑا تھا۔

''ہاں اکثر چلی بھی جاتی ہوں۔ آپ بتائیں، ناشتے میں کیا بناؤں؟'' مشعل کے یوں موضوع سے ہٹ جانے پہ آپا کے پیٹ میں گرہیں سی پڑی تھیں۔

'' مجال ہے جو کبھی یہ لڑکی سیدھا جواب دے۔'' انہوں نے جل کے سوچا کہ انہوں نے تو بیا سے اشعب کی موجودگی میں یہ موضوع چھیڑنے کو کہا تھا۔

''میں جانتی ہوں ہماری مشعل بہت پر اعتماد ہے۔ اپنی حفاظت کر سکتی ہے مگر تمہارے بارے میں اس گھر کے یا باہر کے لوگ خواہ مخواہ قصے گھڑیں۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا مشعل!''

وہ چونکی کہ خالہ نے اسے لفظ ''ہماری'' اور ''ہم'' کے حصار میں لیا تھا۔ اس نے فوری طور پہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتے اشعب کو دیکھا۔ خالہ نے اس کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ اپنی خالہ کے ہاتھ کو دیکھتا رہ گیا جو کیسے مالا مال سا تھا۔

''آپا سچ کہتی ہیں۔ ذرا جو تمہیں اپنا خیال ہو، کمزور بھی ہو چکی ہو۔''

وہ کنفیوز ہوئی کہ خالہ کے ہر نئے تبصرے پہ بھانجا مسکرا دیتا تھا۔

''مناف بتا رہا تھا کہ اماں ذکیہ نے گھر کا اوپری پورشن کرائے پہ چڑھا دیا ہے، جہاں پہ لڑکے موسیقی وغیرہ سیکھتے سکھاتے ہیں۔'' اشعب کے سامنے ان باتوں کا کوئی جواز تھا؟ اسے بیا پہ غصہ آیا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے کہا ہے نا کہ آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے تو پھر بات ختم ہوئی نا!'' اس کی پیشانی ہی نہیں لہجہ بھی شکن آلود تھا۔

''لو سنو یہ بھی اچھا ہے۔ کیا یہ کوہ قاف پہ رہ رہی ہے۔ جب دنیا میں رہنا ہے تو دنیاداروں کی پروا کرنا پڑتی ہے بی بی! تم ان موئے گوتوں کو سنتی بھی ہو اور سنا تو یہ بھی ہے کہ کبھی ماموں کے گھر سے تو کبھی ذکیہ کے کچن میں چائے بنا کر ان کی خدمت میں پیش بھی کرتی ہو۔ اب لوگ باتیں کریں تو برُے۔'' آپا کے لہجے کی تپش اور اندیشوں پہ اشعب کے انداز میں ایک واضح سنجیدگی در آئی تھی۔ اس نے مشعل کا سرخ چہرہ دیکھا۔

''نہ وہ سب غلط ہیں نہ میری نیت خراب ہے اور مناف سے کہہ دیجیے گا میری جاسوسی کرنے کے بجائے اپنا وقت کہیں اور ضائع کرے تو بہتر ہوگا۔'' وہ پھولی سانسوں کے ساتھ بولتی ان تینوں کو خاموش چھوڑ کے وہاں سے اٹھ گئی۔

''ابھی بچی ہے پھر تنہا بھی تو ہے۔ اسے بھی اپنی مرضی کی سانسیں چاہئیں۔ اسے بھی کھلا آسمان چاہیے کل تم نے مجھ سے یہی کہا تھا نا...... اب دیکھ لیا کہ بچی ہاتھ سے نکل چکی ہے۔'' کافی توقف کے بعد آپا نے دل کا غبار خوب نکالا۔ بیا نے نگاہ چرائی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جبکہ وہ ہنوز خاموش رہا۔

''یہ ذمہ داری میں اب مزید نہیں اٹھا سکتی۔ ایک دو رشتے میری نظر میں ہیں' تم دونوں بھی دیکھ بھال لو۔'' آپا نے یہ بات کس قدر آسانی سے کہہ دی تھی۔ وہ پہلو تک نہیں بدل سکا۔

''وہ کوئی بوجھ تو نہیں ہے نا کہ جسے بنا سوچے سمجھے اتار دیا جائے۔'' بیا ایک دم ہی مشعل کی ڈھال بن گئی تھیں۔'' یہ بھی تو سوچیں کہ احمد بے خبر ہے نہ جلد باز۔'' وہ تمسخرانہ سا ہنسی تھیں۔ ان کے مختصر جملے نے آپا کا رہا سہا سکون بھی درہم برہم کیا۔

وہ جو بظاہر ہر معاملے سے بے نیاز بیٹھا تھا اپنے دل میں اترتے سکون پہ ششدر سا رہ گیا۔

☆☆☆

مرسلین کی پوری بات سننے کے بعد بیا نے اسے فرصت سے دیکھا تھا۔ قد کاٹھ' شکل وصورت کے لحاظ سے وہ اشعب کے برابر تھا پھر بھی اس کے مقابلے میں ایک چیز اشعب کو برتر کر رہی تھی۔ اور وہ تھی دولت۔

مرسلین کا بھی اپنا گھر تھا۔ وہ اچھا کما رہا تھا۔ زیادہ نہیں تو اس کا باپ بھی مہینے میں ایک لاکھ تو کما ہی لیتا ہوگا اور زیادہ نہیں تو احمد کی بیوی اور بیٹی اپنی شاپنگ پہ ماہانہ پچاس ہزار خرچ کر لیتی ہوں گی۔'' اس زمانے میں بھی ایک غریب پچاس ہزار میں اپنی بیٹی بیاہ لیتا ہوگا۔'' انہیں آپا کی بات یاد آئی۔

''کسی روز اس برانڈ نما چیز سے مجھے ملواؤ۔ میں بھی تو پوچھوں کہ بی بی صاحب' یہ تم نے کیا لوٹ مچا رکھی ہے کہ لان کے سوٹ خریدنے پہ لڑکیاں عورتیں لاکھوں ضائع کر رہی ہیں جب پوچھو کہ اس قدر مہنگے تو ہنس کے کہتی ہیں۔ آپا یہ عام لان تھوڑی ہے۔ برانڈ کی ہے اور صرف ملبوسات ہی نہیں، جوتے، بیگ، سرخی پاؤڈر، جھمکے بالے۔ اس برانڈ نما بلا نے سب کچھ اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے۔ یقین کرو تم' یہ بھی دشمن کی کوئی سازش ہے۔'' آپا ان کی شاپنگ دیکھ کے زبان چلاتی اور ہاتھ ملتی رہ جاتیں۔

میرے بھائی پردیس میں بھلے اچار کے ساتھ روٹی کھائیں' کچھ فکر نہیں اور بیویاں یہاں برگر بھی برانڈ کے کھاتی ہیں۔'' آپا کا غصہ کسی طور کم نہیں ہوتا تھا۔

جب تک وہ ٹھیک طرح سے چل سکتی تھیں' آس پڑوس کی کسی عورت کے ساتھ قریبی مارکیٹ چلی جاتیں...... پھر شاپر کھلتے تو مشعل کا منہ کھلنا شروع ہو جاتا: چپلیں جوتے، گرگابیاں، تولیے، کنگھے' سرخی، غازہ اور جانے کیا کچھ' اب مشعل کا منہ لٹک جاتا۔

''بجائے خوش ہونے کے کہ آپا چار چھ ہزار میں مارکیٹ لوٹ کے لے آئی ہے تھوبڑا سجا کے بیٹھ جاتی ہو۔'' آپا مشعل کو دانت کچکچا کے دیکھتیں اور ایسے موقعے پہ اگر اشعب بھی کہیں اردگرد ہوتا تو وہ محظوظ سا ہو کے مسکرائے جاتا۔

''چار، چھ ہزار میں اتنا سب کچھ۔'' وہ ہکلا کے پوچھتی۔

''اللہ موئے ملک کے دشمنوں کو غارت کرے۔'' آپا کی آواز اونچی ہوتی۔'' رزق سے برکت اٹھ گئی۔ رشتوں سے محبت اور دلوں سے تشکر، اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے یہ سب برانڈ جیسی بلا کی وجہ سے ہے۔'' آپا منہ بناتیں پھر اگلے ہی پل مسکرا دیتیں۔

''یہ چپل میں تصور کو دوں گی' یہ پاؤچ اور یہ چادر بھی' یہ گرگابی اور سوئیٹر کشور کو دوں گی ———— ———— یہ نیکریں اور بنیانیں وہ گلی کی نکڑ پہ حاجرہ رہتی ہے' اس کے بچوں کو دے آنا۔ باقی سب میرا اور تمہارا ہے۔''

آپا کی تقسیم کے بعد وہ ابھی کڑھ رہی ہوتی تھی کہ رہی سہی کسر مناف کی آمد سے پوری ہو جاتی۔

''آہا آج شاپنگ ہوئی ہے۔'' وہ سیلوٹ مارتا ''پاک چین دوستی زندہ باد'' ساتھ ہی نعرہ لگاتا تو مشعل کا رنگ زرد پڑ جاتا جبکہ آپا کا چہرہ سنہرا ہو جاتا۔

''دوست تو وہی ہوا نا جو دوسرے دوست کو تنگی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے بچائے نا کہ اسے کنگال کر دے۔ اف یہ برانڈ!''
بیا بائی جیسے بیٹھے، بیٹھے سو ہی گئی تھیں پھر وہ جھرجھری سی لے کر دھیان سے باہر آئیں۔ بالکل خاموش بیٹھی روحی بھابی کو اک نظر دیکھا۔

''میری حیثیت اس گھر کے فرد کی سی نہیں ہے مگر پھر بھی آپ کا کہا سر آنکھوں پر۔ پرسوں میں واپس جا رہی ہوں۔ مگر جانے سے پہلے میں جاثیہ بھابی کے سامنے مرسلین کا پرپوزل ضرور لے جاؤں گی۔''

روحی کی اندرونی خوشی کا اندازہ ان کے چہرے سے ہو رہا تھا۔ آپا اور بیبا نے انہیں متاسف سا ہو کے دیکھا۔ ان کی تینوں بھابیوں میں بڑا پکا دوستانہ تھا، بات عشفہ کی، نسبت کی یا پھر مشعل کی ہوتی۔ تینوں کیسے یک زبان ہو جاتی تھیں اور جب اپنی اولاد کی بات آتی ہے تو صرف اپنا آپ یاد رہتا ہے۔
ان تینوں لڑکیوں میں عنیزہ' اشعب کی طرف مائل تھی۔ اپنے تیئں شائستہ اپنی پڑھی لکھی، خوب صورت ماڈا سکا ڈبیٹی کا رشتہ اشعب سے جوڑ کے بیٹھی تھیں۔

اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کی دونوں جٹھانیاں اپنی بیٹیاں، ساٹھ ستر ہزار کمانے والوں کے ساتھ رخصت کر دیتیں۔ ان کی بیٹیاں عنیزہ سے کیا کم تھیں اب انہیں بھی اشعب کی ٹکر کے داماد چاہیے تھے کیا ہوا جو ان دونوں کا حلقہ احباب وسیع نہیں تھا۔ آخر کو ان کی پیاری جٹھانی فیروزہ کس مرض کی دوا تھیں ان کے ایک لنچ یا ڈنر پہ وہ یوں ہی تو ہزاروں خرچ نہیں کرتی تھیں اور فیروزہ کے لگژری پارلر پہ تو کراچی شہر کی کریم آتی تھی۔

☆☆☆

''ذرا دیکھنا مشعل! میری ریڈ سوٹ کے ساتھ یہ بلیک جیولری ٹھیک ہے یا سلور ہی ٹھیک لگ رہی ہے۔''

اس کے کمرے کے باہر سے گزرتے ہوئے اس نے یونہی اندر جھانک لیا تھا۔ وہ عنیزہ کو دیکھتی رہ گئی۔ یوں تو ہمیشہ وہ تیار ہی رہتی تھی مگر بیبا کی دبئی روانگی سے ایک دو دن قبل اشعب' بیبا کے ساتھ ان چاروں لڑکیوں اور مناف' مرسلین کو بھی موسم کے حساب سے کسی بھی سپر لگژری ہوٹل میں ڈنر دیتا تھا۔ تو ان تینوں لڑکیوں کی تیاری قابل دید ہوتی تھی۔ اس کا دل بے طرح دھڑکا۔ اگر عنیزہ کو دیکھ کر اس کا یہ حال ہو رہا تھا تو پھر اشعب یا دوسرے کسی کا بھی کیا حال ہو سکتا تھا۔
''یہ سلور بہت سوٹ ایبل ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر سامنے بڑے سے آئینے میں خود کو دیکھا۔
''خیر اب اتنی بُری تو میں بھی نہیں لگ رہی۔''
وہ بھی فیروزی سوٹ میں خاصی دلکش لگ رہی تھی۔
''ارے لڑکیوں اب آ جاؤ اور کتنی تیاری کرو گی؟''
بیبا کی آواز پہ وہ اپنے، اپنے کمروں سے نکلیں۔ آپا بی نے آنکھیں گول کر کے سب کا جیسے ایکسرے کیا۔ باقی تینوں تو باہر چلی گئیں مگر آپا کی نظریں مشعل پہ ٹھہر چکی تھیں۔ یہ اس قدر مہنگا سوٹ یقیناً بیبا بی کا تحفہ تھا۔ اس کے کندھے سے لٹکا نازک سی چین کا مناسب سائز بیگ بھی خاصا قیمتی تھا کہ آپا کی نظر میں پاک چین دوستی سمجھو خطرے میں تھی مگر بیگ کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ساتھ میں کون سے چھوٹے بچے تھے۔
آج کل کی عورتوں اور بچوں بچیوں نے کیسے کیسے وبال جی کو لگا رکھے ہیں...... آپا بی جتنی مرتبہ بھی بیگ بازار لے کر گئی تھیں اتنی ہی بار وہیں بھول آئیں۔
''لو فیشن دفع دور۔ مجھے تو یہ بٹوہ ہی ٹھیک ہے۔'' اپنی مٹھی میں بھینچ کے وہ مطمئن ہوئی تھیں۔
''اتنا مہنگا پرس وہیں بھول کر آ جاؤ گی...... آپا نے حسب معمول روک ٹوک کی تو سیڑھیاں اترتا اشعب ان کی بات پہ مسکرا دیا۔
''میرے پرس میں ہوتا کیا ہے؟ ایک فون' دو چار ٹشوز' میں اس میں کون سے خزانے بھر کے لیے جا رہی ہوں وہ تلخ سی ہو کے بولی۔ وہ اس کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

موجودگی سے بے خبر تھی۔ وہ اس کی بات پہ اچانک رکا۔

''تو نہ لے جاؤ پھر۔'' آپا کا لہجہ روہانسا ہوا۔

''بیگ کے ساتھ لڑکیاں ذرا اسمارٹ سی لگتی ہیں۔'' اگلے ہی پل وہ خوش گواری سے گویا ہوئی۔

''یعنی کمزور سی'' آپا نے فوری ترجمہ کیا۔

''او...... ہو۔'' وہ جھنجلائی۔

وہ سر جھٹکتا، مسکراہٹ دباتا مرکزی دروازے کی طرف بڑھا کہ مشعل نے اس کی ذرا سی جھلک دیکھی۔

''میں گرم پانی کا فلاسک آپ کے کمرے میں رکھ آتی ہوں۔'' وہ دروازے سے نظر ہٹا کے کچن کی طرف بڑھی۔

جب اپنا کام نپٹا کے باہر آئی تو اشعب کی گاڑی نکل چکی تھی جبکہ مرسلین اپنی گاڑی میں اس کا منتظر تھا۔ فرنٹ سیٹ پہ ثمامہ تھی۔ مشعل کا دل کسی اتھاہ میں اترا کیا تھا ''اگر وہ میرا انتظار کر لیتا'' یوں ہی بلاوجہ ہی وہ پیچھے الوینہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''بے شہر لوگوں کے لیے کون بڑھ کے خیمے لگاتا ہے۔ انہیں اکثر کچی لکڑیوں کی پکھی لگا کے رہنا پڑتا ہے۔'' مشعل فرید! تم تو پھر مضبوط امان میں ہو۔ اتنے پہ ہی خوش رہو نہ کہ اس قصر کے ولی عہد کی مغرور آنکھوں میں تم کچی لکڑی کی پکھی لگانا چاہتی ہو۔ اس شخص کی باسی یادداشت میں سے تمہیں کون سا دن، دن کا کون سا حصہ اور کس کی آواز، کون سے الفاظ چاہئیں، دل نے نروٹھے پن سے پوچھا، وہ خاموش رہی۔

دسمبر کی دھند آنکھ کنارے سلگنے لگی تھی۔ اسے اماں ذکیہ کے گھر بجنے والی دھن یاد آئی۔ وہ گیت یاد آیا۔

''تمہاری کھڑکیوں کو کب
عنابی دھوپ چھوتی ہے
تمہاری اوڑھنی کو
کہاں روہی سناتی ہے (تھر کی داستاں)
تمہارے نرم کہروں میں کہیں اس کا گزر بھی ہے۔
کہ جس کی خوبرو آنکھوں میں ماہ جون بستا ہے۔
تمہاری مٹھی میں جو سمٹی ہوئی سرگوشیاں سی ہیں۔
تمہارے سرد جاڑوں کی وہ ساری رازداں سی ہیں۔
تمہاری آنکھ کے موسم میں نیلی تیرگی سی ہے۔
تمہاری روح سے لپٹی محبت 'جنوری سی ہے۔

وہ یوں خود میں گم ہوئی کہ سفر تمام ہونے پہ ہی چونکی تھی۔

☆☆☆

''پتا ہے آپا کیا کہتی ہیں؟'' مناف چمکتی دمکتی لڑکیوں کو دیکھ کے مسکرایا۔

''آپا ہمارے لیے اچھا کہہ ہی نہیں سکتیں۔'' الوینہ نے اپنی گول مول سی ناک سکیڑی۔

''اچھا بتا بھی دو۔'' ثمامہ کے دل میں کھد بد سی مچی۔

''جس طرح عقیدت مند اپنے پیرومرشد کے عرس کے لیے سال بھر تیاریاں کرتے ہیں تو لڑکیاں بھی اشعب احمد کے ڈنر کے لیے کچھ ایسا ہی......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کے قہقہہ لگایا۔ بیا بی کا قہقہہ فلک شگاف تھا مگر مشعل مسکرا بھی نہیں سکی۔ البتہ اشعب کے کھل کے مسکرانے پہ عنیزہ کا چہرہ جانے خفت سے یا شرمندگی سے سرخ ہوا تھا اس پل وہ مشعل کو بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' بیبا اسے گم صم سا دیکھ کے فکر مند ہوئیں۔ اشعب بھی اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''مجھے بھلا کیا ہونا ہے۔'' وہ کندھے اچکا کے یوں ٹھٹھرے ہوئے لہجے میں بولی کہ وہ دیکھتا رہ گیا۔

محبوب تیری پلکوں کے جنگل میں
یہ کیسا کانچ موسم ہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نگاہ تک ملانے پہ
تباہ حالی کا عالم ہے
تیری آنکھوں کے موسم
بس دلوں میں کسک بوتے ہیں

وہ بے قرار ہوا' وہ زمانوں بعد ان آنکھوں میں کیوں جھانکنے لگا تھا۔ ایسا ہونا ہی نہیں چاہیے تھا ان سبز آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی لکیر نے اک الاؤ سا جلا رکھا تھا کیسا ڈر کہاں کی گفتگو بس وہ تھی وہاں اور سب صفر تھا۔

☆☆☆

''میری بھی اک کہانی ہے تم لڑکیاں وہ کیوں نہیں سننا چاہتی ہو۔'' وہ التجائیہ سی ہوئی۔ ''اب میں بوڑھی ہو چکی ہوں مجھ پہ کوئی بھی رنگ نہیں جچتا...... مگر جب میرے تکیے کا غلاف سرخ ہوتا تھا تب میرے خوابوں میں بھی اک شہزادے کا گزر تھا۔'' وہ جیسے لجائیں۔

''تمہارا خواب کیوں سنیں؟'' لڑکیوں کا انداز اکتایا ہوا تھا۔

''نہیں نہیں۔ وہ خواب کہاں تھا حقیقت تھی۔ سنو! دو گھڑی رک جاؤ۔ یہ کہانی تب کی ہے جب میری کلائیاں چوڑیوں سے بھری ہوتی تھیں۔ جب میں ہر شام لباس پہ گلابی دوپٹا اوڑھتی تھی تو اس نے مجھے سرخ گلاب دیے تھے۔

''مگر تم تو نگہت ہو...... اک عام سی لڑکی۔''

لڑکیاں پلٹ آئی تھیں۔ ان کی آواز ترحم آمیز تھی۔

''ہمیں عشفہ کی کہانی سناؤ'' وہ کھسک کے نگہت کے قریب ہوئیں۔ ''عشفہ جس کے پاس محل تھا۔ جس کے پاس کشتیاں تھیں۔ ساحل تھے جس کی نازک کلائیوں میں آج بھی ہیرے جڑے کنگن ہوتے ہیں جس کی اودی میکسی کی گلابی ڈوریاں ساحلی ہوا آج بھی اڑاتی ہے۔''

لڑکیاں جادوئی قصوں کی متجسس تھیں۔'' ان کی آوازوں میں محلاتوں کے سے بھید کسمسا رہے تھے۔

وہ قصہ گو مایوس ہوئی۔

''یہاں کوئی بھی مجھ جیسے عام انسان کی بات نہیں سننا چاہتا...... سب انہیں کیوں سننا چاہتے ہیں جن کی کلائیوں میں ہیرے جڑے کنگن ہوتے ہیں۔''

اس کی خالی خالی آنکھیں اپنی سوکھی کلائیوں پہ جمیں۔

''مگر جب وہ میری زندگی میں آیا تھا تو میں عام سی لڑکی نہیں تھی۔ وہ بھی کوئی عام سا شخص نہیں تھا۔ اس کا اپنا گلابوں کا باغ تھا۔ وہ ایک ریاست کا مالک تھا تب ہی تو اس کی دستکوں پہ بادشاہ نے قلعے کا گیٹ کھلوا دیا تھا۔ اس شخص کے گھوڑے کی ٹاپیں پُرغرور تھیں اور بادشاہ کا محل بوسیدہ تھا۔ اس کا گھوڑا دلیر تھا اور گھڑ سوار شاہانہ کہ شہر کی عورتیں مجھے حسرت سے دیکھتیں۔ اور وہ میرا ہاتھ اپنی نوعمر لڑکیوں کی پیشانیوں پہ رکھتیں کہ میں سبز بخت جو ہو چکی تھی۔ جانے کیوں پھر سب ختم ہو گیا۔''

اس کی آواز بھرا گئی۔

''قلعے کے دروازے بھیڑ دیے گئے۔ وہ ٹاپیں معدوم ہوئیں تو میرے ہاتھوں کا لمس ان عورتوں نے لڑکیوں کی پیشانیوں سے دھو دیا تھا۔''

اس کی اداس آواز نے قصہ سنتی لڑکیوں کی سانسوں کو ساکن کیا۔ سارا فسوں ٹوٹ چکا تھا نہ کوئی بادشاہ نہ وہ شہزادی تھی۔ وہ نگہت تھی۔

''پھر میری دادی میرے لیے رنگ برنگے سوت کاتنے لگی۔ چرخے کی آواز اور سوت کی خوشبو میرا دل بند کرنے لگتی تھی۔ میں گھر کی دیواروں پہ شادی کے گیت گانے والے پرندوں کو اڑانے لگی تھی۔ ہش ہش ہا۔

''ارے آپا! یہ تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے اس حال کمرے میں کون سے پرندے اڑا رہی ہو؟''

شائستہ نے بے زاری سے سر دائیں بائیں جھٹکا۔

آپا کی پلکیں دھیرے سے وا ہوئیں۔ وہ کہنی کے بل پہ ذرا سیدھی ہوئیں۔ ملازمائیں متحرک تھیں کچن سے اٹھتی خوشبوئیں بھی اہتمام آمیز تھیں انہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

یاد آیا' آج احمد کو آنا تھا۔'' انہوں نے چہار اطراف نظر دوڑائی، آج ان کی تینوں بھاوجیں جانے کیوں سر جوڑ کے نہیں بیٹھی تھیں۔ انہیں افسوس ہوا' آج روز قیامت نہیں تھا پھر بھی ان خواتین کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔

آج احمد کے ساتھ فیروزہ نہیں آئی تھیں سو کھانا کھانے سے لے کر چائے کافی تک ماحول میں بے تکلفی چھائی ہوئی تھی۔ آج تمام بچے تایا کے ساتھ خاصے بے تکلفی کی ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔ منیبہ بھی دبئی کے لیے اگلے دن کی فلائیٹ بک کروا چکی تھی۔ انہیں مرسلین سے کیا وعدہ بھی نبھانا تھا جو بے چینی سے انداز نشست بدل کر انہیں دیکھ لیتا تھا۔

دوپہر ڈھلی تو سردی کچھ اور بڑھ گئی۔ مشعل نے یقیناً احمد کی روک ٹوک کی وجہ سے پنک شال اوڑھ لی تھی۔ اس کی آنکھیں نمایاں ہو رہی تھیں۔ آج وہ مناف کے چٹکلوں پہ خوب مسکرا رہی تھی۔ چھوٹے بڑے ڈرائی فروٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر اشعب آج معمول سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ آج احمد بے وجہ نہیں آئے تھے جس کا اندازہ اس گھر کی بہوؤں کو تھا۔ منیبہ نے ان تینوں پہ بغور نگاہ ڈالی۔ جن کے انداز میں ان کے لیے اک واضح کھنچاؤ تھا کہ گزشتہ روز اس کی ان کے ساتھ گفتگو دوستانہ ہرگز نہیں تھی۔

''تایا نے کچھ فیصلے انتہائی غلط کیے تھے۔ انہیں، احد بھائی اور خاور کو کمائی کے لیے پردیس نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔'' بیا کی اس بات پہ ہی دونوں بھابیوں نے چیں بہ جبیں ہو کر پہلو بدلے تھے۔

''چھ ماہ قبل ایک شادی میں شرکت کے لیے مجھے کویت جانا پڑا تو میں احد اور خاور سے بھی ملی تھی دونوں مجھے تھکے ہوئے اور کمزور محسوس ہوئے...... تیس سال بہت ہوتے ہیں۔ اب انہیں توجہ کی آرام کی ضرورت ہے۔'' انہوں نے بات ختم کر کے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

''اب تو ماشاءاللہ مرسلین بھی کماتا ہے اور ثمامہ کے جہیز کے لیے بھی رقم جمع ہو چکی ہو گی۔'' انہوں نے یہ بات کرتے ہوئے خاصا سنبھل کے جاثیہ کو دیکھا تھا۔

اگر پردیس میں اتنے ہی دکھ ہیں بیا! تو تم لوگ دبئی میں کیوں رہ رہے ہو؟'' جاثیہ کا لہجہ ذرا سا بھی لحاظ آمیز نہیں تھا۔ مگر وہ ان کے مسکرائی جیسے نظر انداز کیا ہو۔

''ہم تو وہاں پورے خاندان سمیت رہتے ہیں میرے شوہر کو بیوی بچوں کا سکھ میسر ہے۔ جب میں محسوس کروں گی کہ ہم تھکنے لگے ہیں تو واپس لوٹ آئیں گے۔ مگر بھابیوں' پردیس میں بڑھاپا بہت مشکل سے کٹتا ہے (کچھ تو شوہروں پہ ترس کھاؤ)'' انداز ایسا ہی تھا۔

''اس قدر مہنگائی ہے' یہاں بھی تو مہینہ مشکل سے کٹتا ہے۔ پہلی کی پہلی کتنے ہی بل منہ چڑا رہے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف جہیز کے لیے لاکھوں کی کمیٹیاں ڈالی ہوئی ہیں اور بھی کئی اخراجات ہیں ہم کون سا یہاں سکون میں ہیں۔''

اب کے یہ تلخ جواب روحی کی طرف سے آیا تھا۔ جس کی جاثیہ نے بھی بھرپور تائید کی۔

''مرسلین بھی ماشاءاللہ سے کما رہا ہے۔ گھر بھی نہ صرف اپنا ہے بلکہ پرتعیش اور شاندار بھی ہے۔ مرسلین کا رشتہ ثمامہ سے ہو جائے تو لاکھوں مسائل چٹکیوں میں نمٹ جائیں گے۔ نہ بری کا جھنجھٹ نہ کوئی جہیز کی ڈیمانڈ اور اور خاور باقی زندگی بیوی بچوں کے ساتھ گزار سکیں' کیا اب بھی ان کا حق نہیں بنتا۔''

وہ ایسی ہی تھیں جب حق سچ کی بات شروع کر دیتیں ہر قسم کی صورت حال میں مقابل سے پسپائی اختیار نہیں کرتی تھیں۔ روحی کو چپ لگ گئی تو جیسے ان کی بات نے جاثیہ کو جلتے توے پہ بٹھا دیا تھا۔

''الوینہ کچھ تیز مزاج کی ہے۔ مناف اس کا مزاج سمجھتا ہے۔ زندگیاں یونہی چھوٹے بڑے سکھ جوڑ کر سہل ہو جاتی ہیں۔ جنہیں ہم نے اپنی بڑی بڑی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خواہشوں کے عوض مشکل بنا رکھا ہے۔" اب ان کی دونوں بھابیاں انہیں یوں دیکھ رہی تھیں۔ جیسے سامنے کوئی پاگل بیٹھا ہو۔ بس شائستہ چین سے تھیں کہ بیٹے کا بیڑا پل بھر میں بیا بی نے کنارے لگا دیا تھا رہی بیٹی تو اشعب تھا نا۔

"لڑکیوں کا گزارا اب اتنی تنخواہوں میں کہاں ہوتا ہے۔" روحی کندھے اکڑا کے بولیں۔ اونہہ خود کی بیٹی کو محلوں میں بٹھا رہی ہے اور میری الوینہ ایک کمرے سے رخصت ہو کر دوسرے میں چلی جائے۔

"آپ کچھ دن اور رک جاتیں تو دیکھتیں کہ ثمامہ کو دیکھنے جو لوگ آ رہے ہیں کس قدر شاہانہ فیملی ہے۔ ان کا اپنا بزنس ہے۔"

بھابی کے شیریں لہجے میں ایسا غرور سا سمٹ آیا تھا کہ بیبا کا دل ہزار ذروں میں بکھرا۔ جب مائیں ہی یہ سوچ لیے بیٹھی ہیں کہ بچیوں کا گزارا اب پچاس ساٹھ ہزار تنخواہ میں کہاں ہوتا ہے تو بیٹیاں تو پھر لاکھوں کمانے والوں کی راہ دیکھیں گی اور بوڑھے باپ پردیس میں کماتے ہوئے وہیں مر کھپ جائیں گے۔ زندگیوں سے جہاں سادگی رخصت ہوئی‘ قناعت بھی کنارا کر گئی۔ مقابلہ بازی نے سکون سمیت زندگی کا رہا سہا حسن بھی غارت کر دیا۔ منیبہ نے ان تلخ سوچوں کو جھٹک کر وقت رواں میں اک گہرا سانس لیا۔

انہوں نے آج صبح جاثیہ کا جواب مرسلین کے سامنے رکھا تو تادیر خاموش رہنے کے بعد احمد سے بات کرنے کی راہ انہیں مرسلین نے ہی دکھائی تھی۔

"میرا ٹرانسفر اسلام آباد ہو رہا ہے اور میں واقعی اب شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے میں مانتا ہوں‘ ثمامہ اپنی ماں کی ہم خیال نہیں پر اسے میرے پروپوزل کے لیے ماں سے پسندیدگی کا اظہار کرنا ہوگا۔ آپ تایا کے آنے سے پہلے یہ بات ثمامہ سے کر لیجیے گا۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں‘ اس گھر کی عورتیں کس مقابلے بازی کا شکار ہیں پھر میں یا مناف ان کے لیے ایک سیکنڈ چوائس ہیں۔ اچھی طرح ہاتھ پاؤں مار لینے کے بعد محض تنکے کا سہارا...... اگر چچی نے تایا کو بھی انکار کر دیا تو پھر میں قصوروار نہیں ہوں گا۔ آپ ثمامہ کو یہ بھی بتا دیجیے گا۔"

مرسلین نے جس طرح دو ٹوک لہجے میں قطعیت سے بات کی تھی۔ بیبا کا دل کانپ کے رہ گیا۔ اب وہ بے خبر تھیں کہ ثمامہ نے ماں سے کس طرح اور کیا بات کی ہوگی مگر اپنے لیے مرسلین کے پروپوزل کا سن کر اس کے چہرے پہ تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ جس کا جیسا بھی موڈ تھا مگر احمد بات کا آغاز کر چکے تھے۔

کچھ دیر بعد اپنی بھابی کا جواز اور جواب سن کر بھی وہ مایوس نہیں تھے مگر باقی سب کے لیے وہ رات لمبی اور بوجھل تھی‘ احمد کے جانے کے بعد بیبا نے مرسلین کو بہ عجلت گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔

☆☆☆

مشعل جب چائے لے کر کمرے میں آئی تو وہ دونوں کسی بات پہ الجھ رہے تھے۔ اس نے اشعب کے منہ سے لفظ آپا سنا تھا۔ اسے دیکھ کے خالہ اور بھانجا خاموش ہو گئے۔ سونے سے پہلے اس نے بیبا کے کمرے میں جھانک کے چائے کا پوچھا تھا۔

"آج میں تم دونوں سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا ہم تینوں کی چائے لے کر اشعب کے بیڈروم میں آ جانا۔" وہ کچھ بھی کہے بنا واپس مڑ گئی۔

وہ اشعب کے بیڈروم میں اس کی غیر موجودگی میں آتی تھی تو اس کی مخصوص مہک اسے اپنے حصار میں لے لیتی تھی آج تو وہ خود بھی موجود تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی اس مہک نے بے تکلفی سے اسے چھوا۔

"ادھر میرے سامنے بیٹھو۔" بیبا نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لی اسے فلور کشن پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھنگال رہا تھا۔

"ثمامہ کیسی ہے؟" وہ بیٹھ چکی تو بیبا نے دھیمی سی آواز میں پوچھا۔

"بے وقوف ہے۔" وہ سر جھٹک کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مسکرائی۔
''ایک تم ہی سمجھ دار ہو۔'' اس نے مشعل کی پشت کو گھورا۔
''لو بھلا یہ کیا جواب ہوا۔'' بیبا ہنس دیں۔
''رو رو کے بے حال ہو رہی ہے جیسے وہ اسے چھوڑ کے جا چکا ہو۔ ہنہ!'' خاصا تپ کے بتایا۔ کسی نے اسے دوبارہ گھورا۔
''اور اگر ایسا ہی ہو تو۔'' بیبا نے ایک بے بس سا گہرا سانس بھرا۔
''جو آپ کا ہوتا ہے وہ آپ کو کسی بھی حال میں نہیں چھوڑتا۔'' وہ کہہ نہ سکی کہ وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ چکا تھا۔
''خیر چھوڑو۔'' بس آج تم دونوں مجھ سے اپنی، اپنی باتیں کرو۔'' انہوں نے ان دونوں کو مسکرا کے دیکھا۔ مشعل کا اعتماد ہوا ہوا۔
''پتا ہے اشعب! تمہارا اور مشعل کا رشتہ بہت انوکھا سا ہے کہ صرف احساس سے بندھا ہے (ہنہ اس کٹھور کو بتا رہی ہیں) میں چاہتی ہوں تم دونوں جہاں بھی رہو ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ اور واسطہ رکھو۔''
(یہ مجھ سے واسطہ رکھے گی جو پہلی بات کے بعد فون آپا کے ہاتھ میں دے دیتی ہے) اس نے اس گہری سی لڑکی پہ گہری سی نظر ڈالی۔
''اشعب! یہ کہتی ہے تمہیں اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔''
بیبا نے اچانک ہی مشعل پہ بم پھینکا۔ اس نے تیزی سے اسے دیکھا جو خالی کپ تپائی پہ رکھ کے سنجیدہ ہوا تھا۔
''میں نے کہا کیوں پروا نہیں یاد کرو جب تمہارا اپینڈکس کا آپریشن ہوا تھا تو کیسے اشعب راتوں رات مجھ سے بھی پہلے آ گیا تھا۔'' مشعل کا چہرہ تپا۔
''مگر اس پہ بھی اسے شکایت ہے۔'' بیبا صوفے کی پشت پہ سر گرا کے مسکرائیں۔
''اب کیا ساری باتیں بتائیں گی۔'' مشعل نے خاموش سا شکوہ کیا۔
''کہنے لگی ہاں آیا تھا مگر ان تین دنوں میں میرا حال پوچھنے بس ایک بار ہی کمرے میں آیا تھا۔''
مشعل نے خفگی سے خالہ کو دیکھا جبکہ وہ ہنوز مطمئن سا بیٹھا اپنے سیل پہ مصروف تھا۔ ''مشعل کا خیال ہے کہ ترکی میں تمہارا کسی لڑکی سے ضرور افیئر چل رہا ہے۔''
''اف!......خالہ نے یہ بھی بتا دیا۔'' اس کا رنگ اڑا۔
اشعب نے دیکھ کے نگاہ پھیر لی۔ وہ اس سے بہت خفا تھا۔ وہ خالہ کے سامنے اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔
''میں تم دونوں سے بس اتنا کہوں گی کہ کسی بھی وقت میں اور عمر کے کسی بھی حصے میں اس احساس کو گم نہیں ہونے دینا۔'' بیبا کی دھیمی اور سنجیدہ آواز نے دونوں کے دل پہ اثر کیا تھا۔ ''ہر حال میں تم دونوں کو ایک دوسرے کے حال کی خبر ہونی چاہیے۔''
اشعب نے سلگ کے پہلو بدلا۔ وہ ستارہ چھو لینے جیسی بات تھی۔ وہ نگاہ نہیں اٹھا سکی۔ بیبا نے جو نمبر ملایا تو دوسری جانب کال ریسیو کر لی گئی تھی۔
''ہیلو......ہاں!'' اب ان کا رخ باہر کی جانب تھا مگر مشعل کو ان خوبرو آنکھوں کا جون نہیں سینکنا تھا۔ اسے اپنی مٹھی میں سمٹی سرگوشیاں اس کی سماعت کی نذر کرنا تھیں۔ اس کا چہرہ تپ کے سرخ ہوا۔
''تم سے کس نے کہا ہے کہ ترکی میں میرا ایک لڑکی سے افیئر چل رہا ہے۔'' اس نے خشک لہجہ اختیار کیا۔ وہ لہجہ ان آنکھوں کے تاثر کے برعکس تھا۔
''تو کیا نہیں چل رہا؟'' وہ بھی برف اوڑھ کے لاپروائی سے بولی تھی۔ اسے روہی (محبوب کے گیت) سناتی آنکھوں کا اعتبار نہیں کرنا تھا۔
''تم بے وقوف ہو مشعل!'' وہ سکون کے ساتھ بولا۔
مشعل نے اس بے عزتی پہ صبر کا کڑوا گھونٹ بھرا اور تیزی کے ساتھ کھڑی ہوئی کہ اس کی شال کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کونہ اشعب کے چہرے سے لگا۔
"ترکی میں کسی ایک سے نہیں' میرا افیئر جانے کتنی لڑکیوں سے چل رہا ہے۔"
"کیا بے نیازی تھی وہ بھونچکارہ گئی۔ مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اسے اس بات سے کیا فرق پڑتا تھا۔ دروازہ سکون سے بند کیا۔
مگر فرق تو پڑتا تھا۔

☆☆☆

بیبا اس کو پھر سے اداسیوں کے سپرد کر کے جا چکی تھیں۔ ایک ہفتے تک اشعب بھی چلا جاتا۔ ثمامہ اور مرسلین ایئرپورٹ تک بھی نہیں گئے تھے۔ الوینہ بھائی کی وجہ سے بہت ڈسٹرب تھی۔ وہ بھی گھر پہ رہی۔ عنیزہ اور وہ مناف کے ساتھ واپس آئیں کہ اشعب ایئرپورٹ کی حدود سے نکلتے ہی کسی دوست کے ہاں جانے کا کہہ کے ان سے الگ ہو گیا تھا۔
گھر کی فضا خاموش اور تناؤ کا سا عالم تھا۔
"اے...... ہے سب ایسے منہ لٹکائے کیوں پھر رہے ہو۔ گھر کا مسئلہ ہے' مل بیٹھ کے دوبارہ سوچیں گے اور حل کر لیں گے۔"
مشعل' مناف اور عنیزہ کے بعد الوینہ کے منہ پہ بھی بارہ تیرہ بجتے دیکھ کے آپا نے اپنے انداز میں تسلی دی تھی۔ اس وقت وہ سب لنچ کے لیے کھانے کے کمرے میں جمع تھے۔ آج تصوّر نے کھانا اچھا بنایا تھا۔ آپا نے جب چوتھا کوفتہ پلیٹ میں ڈالا تو مشعل کو ٹوکنا پڑا۔
"آپا مٹن کے ہیں۔ بس بھی کریں۔"
"چکن کے ہوں تو یہ کہہ کے روک دیتی ہو۔ بے فائدہ گوشت یوں ہی کھائے جا رہی ہیں۔ بڑے گوشت کے ہوں تو اعتراض...... پھر کس کے کوفتے کھاؤں؟" آج آپا چڑچڑی سی ہو رہی تھیں۔
تب ہی مرسلین کھانے کی میز پہ آیا تو لمحہ بھر کو سب خاموش ہو گئے کہ موصوف رات کے بعد اب نظر آئے تھے مگر جب کوفتوں کو دیکھ کے اس نے سابقہ موڈ میں واؤ کہا تو گھر پہ اور ان سب کے چہروں پہ رات سے چھائے اداسی کے بادل چھٹ سے گئے اور سب پٹ سے مسکرا دیے۔ اس کے موڈ کی خوش گواری جیسے ہی لوٹی تھی سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا۔
مشعل بھاگ کے سب کے لیے کافی بنا لائی۔
"رات کو گاجر کا حلوہ بنائیں گے۔ یہ اشعب جانے کہاں رہ گیا۔" عنیزہ نے داخلی دروازے پہ نگاہ ڈالی تو روحی نے ترش اور تیز نظروں سے گھورا۔ ثمامہ کمرے سے باہر نہیں آئی تھی مگر جاثیہ نے وقت معمول کے مطابق ہی گزارا تھا۔
"آج رات کو اشعب کے ساتھ چل کر کہیں سے آئس کریم کھائیں گے اور پھر گھر آنے سے پہلے ٹورنٹو کافی بار سے کافی بھی پئیں گے۔" الوینہ کے پروگرام پہ عنیزہ کا سر جھٹ سے اثبات میں ہلا۔
"آپ سب کے لیے میرے پاس بھی ایک خبر ہے۔" مرسلین نے انہیں اپنے جانب متوجہ کیا۔ تیزی سے مونگ پھلی کھاتی مشعل کے ہاتھوں کی حرکت سست پڑی۔
"مجھے چچی سے کوئی شکوہ نہیں' جو ہوا سو ہوا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" آواز ذرا سا لڑکھڑا گئی۔ اب اس کا چہرہ آپا کی طرف گھوما۔ "آپا! میں جلد شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
اور جب اس نے لڑکی کا نام لیا تو سب پھٹی آنکھوں اور کھلے منہ کے ساتھ بے یقینی کے عالم میں پتھر کے بت بن چکے تھے۔

☆☆☆

مرسلین کی جانب سے نشر کی جانے والی دھما کا خیز خبر نے قصر انوار ہلا کے رکھ دیا تھا۔ گھر میں ایک بے حسی اور بے یقینی کا سا عالم تھا۔ وہ آپا کو شام کی چائے دینے کے بعد معمول کے مطابق گھر سے نکل آئی۔
وہ دو ماہ سے اس بوتیک میں جاب کر رہی تھی۔ آج اسے معمول کی چہل پہل سے الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے یونہی گلاس وال سے باہر جھانکا۔ وہ دھک سے رہ گئی۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بوتیک سے باہر ٹیرس پہ چہل قدمی کرتا وہ اشعب ہی تھا اسے ضرور مناف نے بتایا ہوگا ورنہ وہ تو اس کی جاب سے بے خبر تھا۔

''مشعل اپنے ماموں کے گھر جاتی ہے۔'' آپا نے اسے یہ ہی بتا رکھا تھا۔

ابھی اس کی چھٹی ہونے میں پندرہ بیس منٹ تھے۔ اس نے بے کلی سے دوبارہ باہر جھانکا۔ اشعب کا موڈ کل سے خراب تھا۔ مشعل نے گڑبڑ محسوس کی تھی مگر وہ اسے دوسرا مسئلہ سمجھی تھی۔ آج کل شام ڈھلتے ہی فضا دھند آلود سی ہو جاتی تھی تو خریدار نہ آنے کی وجہ سے آٹھ بجے تک شاپنگ مالز بند ہو جاتے تھے۔ وہ مناف کو جتنا برا بھلا کہہ سکتی تھی۔ اس نے کہا۔ یہ بوتیک اس کے باپ کا نہیں تھا کہ وہ رات ڈھلے تک اسے کھلا رکھتی۔ وہ بوتیک سے باہر آکر نہ صرف جھنجلائی بلکہ بوکھلائی بھی تھی۔

اشعب نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ اس کی پیشانی عرق آلود ہوئی۔ اب وہ دونوں ایک ساتھ مال کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ یہ دسمبر کے آخری دن تھے سردی عروج پہ تھی اس نے گرم شال کو سر پہ درست کیا۔ اور گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ یوں اکیلی آج پہلی بار اس کی گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ دھند کے باعث گاڑی کی رفتار ہلکی تھی۔

''میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ جاب کیوں کرتی ہو...... مگر اتنا ضرور پوچھ سکتا ہوں کہ کیا بابا جاتے ہیں؟'' اس کا سوالیہ لہجہ دھیما اور ٹھہرا ہوا تھا۔

ان دونوں میں اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ تڑخ کے کہہ دیتی۔ ''تمہیں اس سے کیا۔'' نہ ہی اس شخص کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ چلاتی۔ ''مجھ سے پوچھنے والے تم کون ہوتے ہو۔''

''وہ نہیں جانتے۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے دھیرے سے گویا ہوئی۔ اشعب کی سنجیدگی کو مزید چار چاند لگے۔

''مشعل! تم کیا کرتی ہو کیا نہیں۔ اس سے بابا کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ ایک رنج کے ساتھ بولا

مشعل کی سانس انتشار آمیز ہوئی

''آپا تمہیں ماہانہ خرچ اگر کم دیتی ہیں تو میں تمہارا اکاؤنٹ اوپن کروا دیتا ہوں۔'' مختصر سے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔ اس کا انداز ترس کھانے جیسا نہیں تھا۔ اسے مشعل فرید کا خفیہ جاب کرنا بہت برا محسوس ہوا تھا۔

اس نے خفت زدہ چہرے کے ساتھ سر جھکا لیا۔ وہ دونوں ہاتھ باہم پھنسا کر کچھ متامل سی ہوئی...... پھر اس نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا۔

''اگر میں اپنے ماموں کو سپورٹ کرتی ہوں تو میں اس کے لیے انکل کا پیسہ کیوں استعمال کروں۔'' وہ رسان کے ساتھ بولی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

''تم نے میرا لایا ہوا سیل فون الوینہ کو کیوں دیا؟'' اشعب نے اس تمام سفر کے دوران یہ پہلی بات اسے دیکھ کے کہی۔

(آہا...... مشعل کے دل نے قہقہہ لگایا) اب آیا نا...... سیدھی بات پہ۔ اگر اشعب احمد منکشف نہیں ہونا چاہتا تو مشعل فرید کی بھی کوئی حقیقت ہے۔

وہ مبہم سا مسکرائی۔

''اس دن مرسلین سے بات کرتے ہوئے آپ نے شاید (ذرا لمبا کھینچا) الوینہ کی آواز سنی ہو گی۔''

وہ بے طرح چونکا۔ اس کا متبسم چہرہ تکنے لگا۔ اسے اپنا ادا کردہ جملہ من وعن یاد تھا۔ اب وہ اک سلگتا سانس بھرنے کے سوا کیا کر سکتا تھا۔

''وہ یقیناً آپ ہی تھیں۔'' اب وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا وہ پچھلے پانچ سالوں سے اس شیشے کے آر پار کھڑے تھے کہ بس ذرا سا چھونے کی دیر تھی مگر ضرب لگانے میں دونوں طرف سے پہل کون کرتا سو ضبط آزمایا جا رہا تھا الوینہ کے پاس وہ سیل فون دیکھ کے اشعب کا خون کھول اٹھا تھا۔

''یہ لڑکی ہر پزل باکس مجھ سے کھلوانا چاہتی ہے۔'' اسٹیئرنگ وہیل پہ اس کی گرفت ذرا سخت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہوئی۔ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی لاپرواتھی۔ اشعب نے جبراً اس پر سے نگاہ ہٹائی۔

''آپ کا ایک سوال تو رہ گیا۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ سہل انداز میں ہم کلام ہوئی۔ اس کے ساتھ بیٹھے شخص کے بس ابرو بھنچے تھے۔

''اماں ذکیہ کے بیٹوں کی خراب ریپوٹیشن کے باوجود آپ وہاں کیوں جاتی ہیں۔''

مشعل نے اپنی کہی بات کا مزہ کسی شریر بچے کی طرح لیا اور ذرا سا اسے دیکھا۔ (وہ حیران ہوا۔ واقعی اگلا سوال یہ ہی تھا)

''وہ جیسے بھی ہیں' میری عزت کرتے ہیں۔''

وہ اس کی طرف سے کوئی بھی جواب نہ پا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولتی گئی۔

''ذکیہ بی ٹوپیوں میں صحیح طرح سے شیشے نہیں ٹانک پاتیں اور میں وہ کام آدھے گھنٹے میں کر لیتی ہوں اور ان کے کرائے دار گویتے نہیں ان کا اپنا دھمال بینڈ ہے۔ وہ لڑکے بُرے نہیں ہیں۔''

تمام سوچوں کے برعکس وہ خود کو پرسکون ظاہر کر رہا تھا۔ وہ برف چبا کے بات کرتی تھی۔ اب گاڑی میں دونوں طرف بے نیازی کا عالم عروج پہ تھا۔

☆☆☆

ایک پرتعیش زندگی گزارنا' وہ بھی آج کے دور میں بھلا کون نہیں چاہتا۔ جب آپ کی دونوں بھابیاں عنیزہ کو عشفہ کی بہو کے روپ میں دیکھ رہی ہوں تو ذرا سوچیے کہ پھر وہ اپنی بیٹیوں کے لیے اشعب سے کم پر کس طرح سوچ سکتی ہیں۔ آپ کو ان پر واضح کر دینا چاہیے تھا کہ یہ میرا نہیں، عشفہ اور اشعب کا معاملہ ہے۔''

فیروزہ کی گفتگو میں اک غیر معمولی پن تھا جیسے وہ بات کو اک خاص موڑ پہ لانا چاہتی ہوں۔ مگر وہ سچ کہہ رہی تھیں۔ شائستہ بھابھی' اشعب سے یوں ہی آس لگا کے بیٹھی تھیں۔ اس نہج پہ تو آج سے پہلے احمد نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ چہرے سے یوں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فیروزہ کی باتیں بے توجہی سے سن رہے ہیں۔ وہ حویلیاں سے ہو کر دو دن مزید اسلام آباد ٹھہرنے کے بعد آج گھر آئے تھے اور فیروزہ جیسے ان سے بات کرنے کا موقع ہی ڈھونڈ رہی تھیں۔

''ثمامہ نہیں نہ سہی کوئی اور سہی' مرسلین صاحب نے یہ سوچا اور میدان چھوڑنے میں کچھ زیادہ ہی جلدی دکھائی۔'' چند گھڑیاں خاموش رہنے کے بعد وہ اب دوبارہ شروع ہو چکی تھیں۔

''پلیز، فیروزہ!'' انہوں نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر جیسے انہیں مزید بولنے سے روکا۔ حالانکہ مرسلین سے متعلق بات نے دل الگ سے دھڑکایا تھا۔

''معاملہ اتنا بھی نہیں الجھا...... بھابی کو عقل آ جائے گی...... تم وہ بات کرو جو کرنا چاہتی ہو۔''

وہ اپنی بیوی کے ساتھ اپنے خاندانی معاملات ڈسکس نہیں کرتے تھے۔ اس وقت بھی احمد کا موڈ بات ——— بڑھانے کا نہیں تھا۔

''بھابی کو تو شاید عقل آ ہی جاتی مگر اس سیدھے معاملے کا رخ اب جس طرف مڑ چکا ہے میں بس اس کی وجہ سے اس موضوع پہ بات کرنے پہ مجبور ہوئی ہوں۔'' کچھ دیر شوہر کو تیز نظروں سے گھورنے کے بعد وہ تلخ سی ہو کر بولیں تو احمد کا ماتھا ٹھنکا کہ وجہ ٹیڑھی تھی۔ فیروزہ کا لہجہ یوں ہی تند نہیں تھا۔ انہوں نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھی اور بیوی کی طرف دیکھا۔

''کل رات مرسلین نے فون کیا تھا۔ وہ انبساط سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' وہ طنزیہ سا مسکرائیں۔

''واٹ!'' وہ گھومتے دماغ کے ساتھ دھاڑے۔

فیروزہ کی سلگتی مسکراہٹ نے احمد انوار کو بھڑکتی بھٹی میں جھونکا تھا۔ مرسلین اور انبساط اس نام کا بوجھ کنکریٹ کے ڈھیر سے بڑھ کر تھا۔

☆☆☆

دو دن ثمامہ سے لاتعلق رہنے کے بعد آج مشعل اسے اس کے بیڈروم سے باہر لے آئی تھی کہ آج جاشیہ چچی اپنے میکے تو روحی بیگم بیٹی کے ساتھ بازار جا چکی تھیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"اشعب ! ذرا ڈائننگ ٹیبل سے فروٹ باسکٹ اٹھالانا۔" آپا کے کہنے پہ وہ دو گھڑی کے لیے ڈائننگ روم میں آیا تو اس کی غیر حاضری کی ان ہی دو گھڑیوں میں وہ ثمامہ کو دھکیلتے ہوئے لاؤنج میں لے آئی تھیں، جہاں مرسلین صاحب پہلے سے موجود تھے۔

"جب یہ صاحب کچھ ہوا ہی نہیں کے مصداق گھر میں دندناتے پھر رہے ہیں تم بھی اپنی روٹین پہ آجاؤ۔" وہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ بولی کہ مرسلین نے کڑے جبر کے ساتھ ثمامہ پہ نگاہ ڈالی۔

"تمہاری غلطی یہ ہے ثمامہ کہ تمہیں ماں کے سامنے ڈٹ جانا چاہیے تھا۔" اس نے مشورہ دیا۔

"ہائیں!" آپا نے مشعل کو گھورا۔

(یہ کیسا مشورہ دے رہی تھی)

"دوسری غلطی مرسلین نے کی جو فوراً اپنی سیکنڈ چوائس کو منظر پہ لے آیا۔" مشعل نے اسے افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا۔ دونوں باتیں ہی مشعل نے صحیح کی تھیں۔ اشعیب نے اسے سراہتی نگاہوں سے دیکھا جو کینو کھا رہی تھی۔ ثمامہ کو سامنے پا کر مرسلین کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ کیسے یہ سوچ بیٹھا کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اس کا سامنا ثمامہ سے نہیں ہوگا اور اس کی زندگی کی نیا سکون سے پار لگ جائے گی۔ اس روئی روئی سی لڑکی سے دست بردار ہو جانا اب اسے اتنا آسان نہیں لگ رہا تھا۔

"ابھی گھنٹہ بھر پہلے تم نے جوشاندہ پیا تھا۔ اب یہ چوتھا کینو کھا رہی ہو۔ کچھ طبیعت کا خیال کرو۔" آپا کی برداشت اب ختم ہو چکی تھی۔

"یہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں یہ ہمیشہ اپنی جیب میں سیکنڈ چوائس رکھتے ہیں۔" آپا نے جیسے اس سے مردوں کی نفسیات پوچھی تھی مگر مشعل پہ اب آپا کی گھوریاں بے اثر تھیں۔ مرسلین نے تڑپ کے پہلو بدلا۔ مشعل کی نگاہ اشعب پہ نہیں پڑی تھی کہ وہ عقب میں کھڑا تھا۔

"مشعل صاحبہ نے بالکل درست ارشاد فرمایا۔ مرد ہوتے ہی ایسے ہیں بے وفا، بے لگام۔" یہ آواز مناف کی تھی۔

مشعل نے گردن گھما کے اسے دیکھنا چاہا تو نگاہ اشعب سے الجھ گئی۔ یہ بھی یہاں ہیں وہ تھوڑا سنبھل کے کچھ سمٹ کے بیٹھی۔

"ایک طرف بزدلی کی بنا پہ ثمامہ لڑکیوں کی ناک چلو بھر پانی میں ڈبو چکی ہے تو دوسری طرف مرسلین صاحب بے وفائی کا جھنڈا لہرا کر تمام مردوں کی ناک پہ چھری پھروا چکا ہے۔" مناف کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ اشعب نے مسکراہٹ دبائی مشعل نے تاؤ کھا کے مناف کو گھورا۔

"سیکنڈ چوائس مرد کی نیت میں ہوتی ہے۔" آپا سنجیدہ ہوئیں اور انہوں نے بات کے اختتام پہ خاموش بیٹھے مرسلین پہ اک سرد سی نگاہ ڈالی...... سب ہی اپنی اپنی جگہ سر جھکا کر رہ گئے۔

"اسی لیے تو اسلام مرد کو بھی نگاہ نیچی رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔" وہ کسی بھی طنز سے مبرّا ایک بات تھی کہ آپا کو بھی اس سے بات کرنے کا آج ہی موقع ملا تھا۔

"جاثیہ نے کون سا پکا انکار کر دیا تھا۔ احمد کو کسی کام کی جلدی تھی۔ وہ فی الفور وہ چلے گئے تھے۔ آتے دنوں میں ہم نے مل بیٹھ کے یہ مسئلہ حل کر لینا تھا۔ اب لڑکی ذات کیا ماں سے بغاوت کرتی اچھی لگتی۔ ایک دو روز میں ماں کو منا ہی لیتی۔ انسان جلد باز جو ٹھہرا۔" آپا نے بے بسی کی انتہا کو چھوتی آہ بھری۔

"مرسلین نے نیت جتا دی۔" لمحہ بھر رکنے کے بعد آپا نے مرسلین کے ضبط پہ پاؤں رکھنے جیسی بات کی تھی۔

اس کا چہرہ تاریک ہوا۔

"چچی نے مجھے بلاوجہ ریجیکٹ کیا آپا!" وہ جیسے دبی آواز میں چیخا۔

"رشتے ایسے تھوڑی لمحوں میں سلیکٹ اور ریجیکٹ ہوتے ہیں۔ صبر بھی کوئی چیز ہوتی ہے میاں!"

آپا کا لہجہ اس سے زیادہ دبنگ تھا

مناف اور مشعل کا سر تائید میں مسلسل ہل رہا تھا۔ ثمامہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آنسو تھے۔ مشعل نے اسے جانے دیا۔

"جلد بازی میں کیے گئے فیصلے اکثر پچھتاوا بن جاتے ہیں مرسلین! اسی لیے تو انسان کا یہ عمل خدا کو پسند نہیں۔" آپا کو کیا کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ احمد کا اترا چہرہ...... انوار خان کی دھاڑ...... نسبت کی ہٹ دھرمی، پلنگ پہ اوندھے منہ روتا ننھا اشعب جس کی طرف کسی کا دھیان نہیں تھا۔

☆☆☆

احمد کے بیڈروم میں ایک بے ترتیبی تھی۔ بیڈ پہ ایک جہازی سائز سوٹ کیس کھلا پڑا تھا جسے احمد کی بیوی نسبت انتہائی خراب موڈ کے ساتھ مختلف اشیاء سے بھرتی جا رہی تھی۔ اس کے شوہر کا کراچی میں اپنا بزنس تھا

لیکن آج اس کی پیکنگ کراچی کے لیے نہیں تھی۔ اپنے دوستوں کے ساتھ اس کے شوہر کی پیرس کے لیے سیٹس کنفرم تھیں۔ شام کی فلائٹ تھی۔

"پہلے تو آپ کا ٹور صرف چند دنوں کا ہوتا تھا اور اب پورے دو ماہ۔" نسبت نے پلٹ کر اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ احمد کا سانس اٹکا اور دل جیسے ٹھہر کے دھڑکا۔ وہ ابھی نہا کے نکلا تھا تولیے سے اپنے بال رگڑتا وہ جیسے سنی ان سنی کر کے ٹیرس پہ چلا آیا۔ نسبت سے اس کا رشتہ بچپن سے طے نہیں تھا مگر شعور میں آتے ہی وہ باپ کی اس خواہش سے لاعلم نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے سے چند سال چھوٹی اپنی کیوٹ سی چچا زاد نسبت کے اپنے لیے جذبات سے بھی بخوبی آگاہ تھا۔ دونوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ وقت بے وقت کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ وہ اس کے جذبات کی پذیرائی کرتا تھا۔ وہ اسے اچھی لگتی تھی

شادی کی تاریخ طے کرنے سے قبل انوار خان نے رسماً احمد سے پوچھا تھا اور بیٹے نے جس طرح مسکرا کے رضامندی ظاہر کی تھی تو باپ کی روح تک سرشار ہو گئی۔ یہ تو احمد نے شادی کے بعد جانا کہ نسبت اسے کس قدر چاہتی تھی۔

زندگی میں کچھ بھی نامکمل نہیں تھا۔ یہ تو اس نے فیروزہ سے ملنے کے بعد جانا تھا کہ حسن اس قدر بھی مکمل ہوتا ہے اور پہلی نظر کی محبت کیا ہوتی ہے؟ ان دونوں کے بڑھتے روابط میں زیادہ ہاتھ اس کے دوستوں کا بھی تھا۔

"گھر جاؤ تو اپنی خاندانی بیوی اور بیٹے کے ساتھ زندگی کو مکمل جہان سمجھو......اور جب کراچی آؤ تو فیروزہ کے ساتھ لائف انجوائے کرو۔ اپنا بزنس چمکاؤ۔ ہمیں دیکھو، کتنے عرصے سے یہ سب چل رہا ہے۔ زندگی میں یہ سب چلتا ہے یار۔"

فیروزہ ایک دوست کے توسط سے ہی اس کی شیئر ہولڈر تھی۔ اس کا تعلق ایک اچھی فیملی سے تھا۔ ملکے کردار کی نہیں تھی۔ اسے واقعی احمد انوار سے محبت ہو گئی تھی۔ احمد نے اس سے اپنی ماضی نہیں چھپایا تھا۔ اس کے باوجود بھی احمد کی زندگی میں شامل ہو کر وہ خود کو خوش نصیب تصور کرتی تھی اور احمد، فیروزہ کو پانے کے بعد بے حد مسرور تھا۔

کیا وہ سوچ سکتا تھا کہ وہ اس دوسری عورت کو پانے کے بعد خود سے بچھڑنے والا ہے۔ کاش وہ جان سکتا مگر ابھی تک سب ٹھیک تھا۔

آج وہ دونوں ہنی مون پہ جا رہے تھے۔ وہ گیلا تولیہ ٹیرس پہ پھیلا کے واپس بیڈروم میں آیا تو نسبت کمرے میں نہیں تھی۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال سنوارنے لگا

"غلام فاطمہ!" اس کے باپ کی آواز شیر کی دھاڑ جیسی تھی۔ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتا احمد اندر تک چونکتا ہوا۔ اس کے خوبرو چہرے پہ ایک پتھریلا سا تاثر جیسے جم سا گیا۔

☆☆☆

"غلام فاطمہ! اب تمہارا بیٹا......ایک شمع محفل سے اپنی اور اپنے دوستوں کی محفلیں روشن کرتا ہے۔"

انوار خان کے وہ الفاظ، حرف بہ حرف زہریلے تیر تھے جنہوں نے احمد کی غیرت تو نسبت کے دل کو چھید ڈالا۔

"پلیز بابا! آپ فیروزہ کے متعلق ایسا مت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کہیں۔'' وہ جیسے تڑپ ہی اٹھا تھا۔

ایک بے حساب درد نے نسبت کو کاٹ ڈالا۔ کوئی عذر نہ جواز، نہ انکار، پتھر میں ڈھلا وہ شخص ایک ہی جملے میں اقرار کے تمام مراحل طے کر چکا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے فنا ہوئی۔ احمد اسی شخص کا بیٹا تھا جو ظالم حکمرانوں کی طرح تلوار میان سے باہر رکھ کر فیصلے سناتا تھا۔ وہ اپنا سفری سامان ساتھ لے کر بیڈ روم سے باہر آیا تھا۔

''غلام فاطمہ! تمہارا بیٹا اس عورت کے ساتھ ہنی مون منانے جا رہا ہے۔'' وہ بیٹے کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے سکون کے ساتھ ہمکلام ہوئے۔

''غلام فاطمہ، نگہت، روحی بیگم جیسے سانس تک روک کے کھڑی تھیں اور نسبت وہ تو سانس سے بھی بے خبر تھی۔

''تمہارا بیٹا اسے پیرس میں حسین خواب دکھائے گا۔ اور میری یتیم بھتیجی یہاں خون کے آنسو روئے گی۔ تڑپے گی' ماتم کرے گی۔'' انوار کے لہجے میں کرب تھا۔ ''جب اس نے رونا ہی ہے تو دوسری صورت کیوں نہیں۔''

تایا کی آواز میں اک ہولناک گونج تھی۔

''اس کا ہاتھ تھام کے یا۔ واپس اپنے کمرے میں لوٹ جاؤ احمد! یا پھر اس سے ہر رشتہ ختم کر کے اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل جاؤ۔''

انوار نے نسبت کو کلائی سے تھام کے گھسیٹتے ہوئے بیٹے کی جانب دھکا دیا تھا۔ عورتیں تھرتھرا کے رہ گئیں اور احمد لڑکھڑاتی بیوی کو سنبھالنے کے بجائے دو قدم بدک کے پیچھے ہٹا جیسے وہ نامحرم ہو۔ انداز کچھ ایسا تھا کہ وہیں رک جاؤ۔ جیسے وہ نسبت کو جانتا ہی نہیں تھا۔

کاش وہ زمین میں سما سکتی۔ کاش وہ اس کی زندگی کا آخری پل ہوتا......

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔ میں آ کر بات کروں گا۔'' اس نے رخ پھیر لیا تھا۔ وہ اس کی پشت کو گھورنے لگی۔

''تمہیں جانے سے پہلے نسبت کو طلاق دینا ہو گی۔''

انوار کی آواز میں ایک دھمکی تھی۔ روکنے کا اک بہانہ تھا ایک آخری کوشش تھی۔

تایا کی بھڑکتی آواز نے نسبت کے تڑپتے دل کے لیے قرار کی ایک راہ نکالی تھی۔

''نسبت زوار کا تمہاری جدائی میں رونا پیٹنا، ماتم کناں ہونا بنتا ہے' تمہارے انتظار میں ہرگز نہیں احمد۔''

تایا نے کیسے اس کے دل کی بات کی تھی۔ مجھ میں کیا کمی تھی محبوب کہ دوسری عورت نے تمہیں پا لیا اور تم اس کے ہو گئے وہ جیسے پھر سے جڑنے لگی تھی۔ وہ تیر کی تیزی سے پلٹا تھا۔ اس نے بیوی کی کھلی آنکھوں میں چبھتی نظر ڈالی جس کی آنکھیں بالکل خاموش تھیں۔

''تمہیں کیا چاہیے انتظار یا پھر؟'' قصر انوار کی پختہ اینٹیں تڑاتڑ اس پہ برسنے لگی تھیں۔ محبت کا غرور مٹی ہوا اور وہ اسی مٹی میں مل گئی۔ وہ دوبارہ کبھی زندگی میں اس کی جانب ہاتھ بڑھاتا بھی تو ہاتھ میں نسبت زوار کے بجائے مٹی ہی آتی۔ وہ چار قدم پیچھے سرکی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ نسبت کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ وہ اپنے ساتھ کیا کر رہا ہے۔

''میں تمہارا انتظار نہیں کرنا چاہتی۔''

اس کا ٹھنڈا ٹھار لہجہ بھی مٹی ہوا۔

وہ لمحہ بھر کو بے یقین ہوا...... دکھ، صدمہ، بے اعتباری...... نسبت کی آنکھوں میں یہ سب نہیں تھا۔ بس اک ہو کا سا عالم تھا۔

اس دن کے بعد جب تک غلام فاطمہ زندہ رہی۔ شوہر کی جلد بازی پہ بین ڈالتی رہی۔ دونوں میاں بیوی کا غصہ اتر جاتا تو ضد بھی ٹھنڈی پڑ جاتی۔

''نسبت نے وہ فیصلہ تمہاری شہہ پہ کیا تھا۔''

اس دن کے بعد انوار خان جیسے بہرے اور گونگے ہو گئے تھے۔

عدت گزارنے کے بعد نسبت نے دوسری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شادی کر لی تھی۔ لیکن اس بار شادی کے تین سال بعد وہ بیوہ ہو کر دوبارہ زوار ہاؤس میں واپس آ گئی تھی۔ اس بار وہ اکیلی نہیں لوٹی تھی۔ اس کی گود میں ننھی مشعل بھی تھی۔ دو ماہ کی بیٹی کو نسبت کی گود میں ڈال کر مشعل کے ماں باپ بس تھوڑی دیر کا کہہ کے گھر سے نکلے تھے اور موت نے انہیں راستے میں ہی اچک لیا تھا۔ یقیناً قسمت نے نسبت کو مشعل کے لیے ہی اس گھر میں بھیجا تھا۔

بھتیجی کے دوبارہ اجڑنے نے انوار خان کو مہینوں میں ختم کر دیا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد نگہت نے نسبت کے ساتھ زوار ہاؤس میں رہنا شروع کر دیا تھا کہ منیبہ کی شادی کے بعد وہ بالکل اکیلی ہو چکی تھیں۔ احمد نے نسبت کو اپنی زندگی میں دوبارہ شامل کرنے کے کیا کیا نہ جتن کیے تھے۔ خود فیروزہ کئی بار نسبت کے سامنے گڑگڑائی تھی۔

''میں نے اب تمہیں چاہنا چھوڑ دیا ہے احمد!''

اس کا لہجہ صحرا اگلتا تھا۔ احمد اس کا سرد چہرہ تکتا رہ جاتا۔ اس کی وفات کے بعد نگہت، مشعل کو اپنے ساتھ قیصر انوار میں احمد کی ایما پہ ہی لے کر آئی تھیں جو اس لڑکی کو اشعب سے بڑھ کر چاہتا تھا اور نگہت کے لیے مشعل کیا تھی؟ وہ خود کو بھی سمجھا نہیں سکی تھیں۔

☆☆☆

انہوں نے کروٹ بدل کے دیکھا۔ فیروزہ گہری نیند میں تھیں۔ وہ جانے کتنی دیر ان کا خوب صورت چہرہ دیکھتے رہے۔ جانے کب اس کا مکمل حسن انہیں ادھورا لگنے لگا تھا شاید اس رات سے جب وہ نسبت سے رشتہ ختم کر کے ان کے ساتھ چلے گئے تھے۔ انہوں نے بے چینی سے سینہ مسلا اور بستر چھوڑ دیا۔

وہ دبے پاؤں ٹیرس پہ آئے۔ اسی پل آسمان پہ اک تارا سا ٹوٹا تھا۔

''تم میری زندگی میں واپس آ جاؤ نسبت!''

انہیں اپنی منت بھری آواز یاد آئی۔

''عورت وجود سے محبت نہیں کرتی، وہ جسے چاہتی ہے اسے چھونا اس کی خواہش میں نہیں ہوتا۔ وہ محبت کو خواب کی طرح دیکھتی ہے جو آنکھ کھل جانے پہ بھی یادداشت میں رہتا ہے۔'' وہ جیسے صدیوں بعد بولی تھی۔

''محبت میں یکتائی نہ رہے تو چاہنے والے پرندوں کی طرح اڑ جاتے ہیں احمد!''

اس کی نرم آواز کہیں سماعت کے بہت قریب سے ابھری تھی۔ انہوں نے ٹیرس پہ موجود ایزی چیئر سے ٹیک لگا کے آنکھیں موندیں تو گوشے پانی سے بھر گئے تھے۔

''میں اب بھی بس تمہیں چاہتا ہوں۔'' انہوں نے آنکھیں بند کر کے جیسے التجا کی۔

''میں نے اب تمہیں چاہنا چھوڑ دیا ہے۔ تم بھی مجھے چاہنا چھوڑ دو احمد۔'' ان لفظوں نے احمد کو مسمار کر دیا تھا۔

''جو چیز گنتی میں ہی نہیں آتی۔ جسے شمار نہیں کیا جا سکتا' اس کو ہم کس طرح تقسیم کر سکتے ہیں سو محبت میں آسمان کے تمام ستارے کسی ایک ہی ہستی کے نام کر دیے جاتے ہیں' کرنا ہوتے ہیں۔'' زندگی نے انہیں سمجھا دیا تھا۔ اب وہ دوسروں کو سمجھانا چاہتے تھے مرسلین انبساط کو کیسے پروپوز کر سکتا ہے جبکہ وہ محبت ثمامہ سے کرتا ہے۔

وہ آج اس کرب کو محسوس کر رہے تھے جو کبھی ان کے باپ نے محسوس کیا ہو گا وہ اپنے خاندان کو بخیوں کی طرح ادھڑتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ آج سمجھ رہے تھے کہ درد ایک ایک رگ میں کیسے اترتا ہے۔

''گلیمر اور محبت میں بہت فرق ہوتا ہے بے وقوف انسان۔'' انہوں نے مرسلین کو ایک خیالی تھپڑ لگایا تھا۔ ثمامہ کی ایک لمحے کی محبت کا مقابلہ انبساط کا برسوں کا تعلق نہیں کر سکتا تھا۔

انہیں ہر حال میں ثمامہ کا دل آباد رکھنا تھا۔

☆☆☆

''یہ لڑکی اس قدر احمق ہے' نادان ہے کہ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آپا نے یہ بات قدرے نیچی آواز کے ساتھ کی تھی کہ مبادا مشعل کے کانوں میں پڑ جائے۔ پھر وہ گھنٹوں منہ پھلائے پھرتی تھی کہ آپ میرے راز دوسروں کے ساتھ خواہ مخواہ ہی شیئر کرتی ہیں۔

"خیر، اندازہ تو میں بخوبی کر سکتا ہوں۔" اشعب اپنی معمول کی آواز کے ساتھ ہی گویا ہوا وہ دونوں لان کے جس حصے میں دھوپ سینک رہے تھے' دیوار کے دوسرے پار مشعل کپڑے استری کر رہی تھی۔ وہ اس کی بات سن کر جل بھن گئی تھی۔ آپا تو بے خبر تھیں مگر وہ اس کی وہاں موجودگی سے باخبر تھا۔ اشعب کے ہونٹوں پہ ایک محفوظ سی مسکراہٹ رینگی کہ وہ کھڑکی کی جانب پشت کیے بیٹھا تھا۔

"خاک اندازہ ہے۔" آپا کی پیشانی شکنوں سے بھر چکی تھی "تم بس اتنا جانتے ہو، نسبت نے زوار ہاؤس منیبہ اور مشعل کے نام کر دیا تھا۔ اس کے بعد جو ہوا۔ اس کا علم ہے کہ نہیں۔" آپا جیسے اس کے کان میں گھسی تھیں۔ اندر مشعل مارے صدمے کے فوت ہونے کے قریب ہو چکی تھی۔

"مشعل نے اپنا حصہ منیبہ کو بیچ دیا تھا اور اس رقم سے اپنے ماموں کو گھر خرید کر دیا تھا۔" وہ ہموار آواز کے ساتھ بے فکری سے کندھے اچکا کے بولا۔ مشعل کی سانس میں اسپرٹ سا گھلا۔ تو بیبا نے یہ راز افشا کر ہی دیا۔

وہ چاہتی تھی کہ ان سب میں اس کا اتنا بھرم تو قائم رہے کہ وہ بھی پراپرٹی کی مالک ہے کنگلی نہیں ہے۔ تو کیا بیبا نے اس سے کیا وعدہ توڑ دیا۔ اس کا دل ایک دم بوجھل ہو گیا۔

آپا کی سکڑی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں اور کچھ دیر پہلے کا جوش و خروش ماند پڑا۔ وہ پیچھے ہٹ کر تکیے سے ٹیک لگا کے بیٹھیں اور افسردگی کے ساتھ گویا ہوئیں۔ "کبھی مشعل بی بی سے پوچھنا کہ اس کا ماموں اب دوبارہ کیوں کرائے کے گھر میں رہتا ہے۔"

مشعل کو شدید دھچکا لگا۔ "اف! آج آپا بی تمام بھانڈے کیوں پھوڑ رہی ہیں۔"

"مجھے اس کا ماموں تمام قصہ سال بھر پہلے ہی بتا چکا ہے آپا۔" وہ جیسے اصل موضوع کی طرف آنا چاہتا تھا۔

آج اس نے سنا تھا کہ مشعل' آپا سے سلائی کے پیسے مانگ رہی تھی اور آپا جواباً نہ صرف حیل و حجت سے کام لے رہی تھیں بلکہ ٹیلرز کو بھی صلواتیں سنا رہی تھیں۔

"ارے میں پوچھتی ہوں' انہوں نے کون سا سونے کے دھاگے سے سلائی کی ہے جو ایک سوٹ کے بارہ سو مانگ رہے ہیں۔ استغفراللہ۔"

وہ بار بار کان چھو رہی تھیں۔ اس منظر سے آج دو دنوں بعد ثمامہ بھی بے ساختہ ہنسے گئی تھی جبکہ اشعب کی موجودگی میں مشعل خجالت محسوس کرتی رہی تھی جو بظاہر ان کی گفتگو سے انجان میچ دیکھنے میں مصروف تھا اوپر سے عنیزہ کی شو بازی نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

"آپا جی! مشعل تو سستے ٹیلر سے کپڑے سلواتی ہے۔ میں تو کل پانچ سوٹوں کے اکیس ہزار سلائی دے آئی ہوں۔"

اس بات پہ شائستہ نے بیٹی پہ سراہتی نگاہ ڈالی۔ اس وقت بھی وہ کٹ ٹراؤزر اور شاٹ شرٹ میں تھی۔

"عنیزہ پہ ماشاءاللہ ہر فیشن جچتا ہے۔" شائستہ نے ترچھی نظر اشعب پہ ڈالی جیسے بات اسے سنانے کے بعد تاثرات بھانپنا چاہتی ہوں۔ وہ حسب عادت جیسے اردگرد سے غافل سا بیٹھا۔ میچ دیکھنے کے ساتھ ساتھ مناف سے کسی بحث میں الجھا ہوا تھا۔

"ہاں بھئی' اللہ کی شان دیکھو' پرانے وقتوں میں بادشاہوں کے درزی بھی اتنی سلائی کہاں لیتے ہوں گے۔ اب دیکھا دیکھی ان کی بھی چاندی ہو گئی ہے۔"

"الوینہ تو اسلام آباد سے ہی اسٹچنگ کرواتی ہے۔" مقابلے کی اس دوڑ میں روحی بھلا پیچھے رہ سکتی تھیں۔ سو اپنی دیورانی کو نیچا دکھانے میں ایک پل ضائع نہیں کیا۔ اشعب نے بے اختیار ہی مشعل کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اترا ہوا چہرہ دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کا پھیکا سا تاثر ابھی تک اس کے دماغ سے نہیں نکلا تھا جس کی بنا پہ اس نے آپا سے صرف اتنا کہا تھا۔

"آپ مشعل کو کھلا خرچ دیا کریں۔" اور آپا نے بات کو کوئی اور ہی راہ دکھادی تھی۔

"مجھے اس کا ماموں سال بھر پہلے تمام قصہ بتا چکا ہے۔" اندکھڑی مشعل کے ذہن میں یہ جملہ بار بار گونج رہا تھا تو کیا اشعب جانتا ہے کہ اس کا ماموں زادوہ گھر بیچ کے اپنے بوڑھے ماں باپ کو کرائے کے گھر میں پھینک کر جانے کہاں غائب ہو چکا تھا۔

اس نے اشعب کا حق مارا تھا۔

اس نے ماتھے سے نادیدہ پسینہ پونچھا...... شکر تھا کہ بیاہ کے لیے اس کے دل میں پڑی گرہ فوراً کھل گئی تھی۔ مگر ماموں نے اشعب کو کیوں بتادیا تھا؟

اب آپا اسے آوازیں لگا رہی تھیں۔ وہ کھڑکی میں سے جواب دینے کے بجائے بہ عجلت سوئچ آف کرتی باہر کو لپکی۔

"آپا بی! میں نے ایک درخواست کی تھی اور آپ بات کو پکڑ کے کہاں لے گئیں۔" جب مشعل وہاں پہنچی تو اشعب آپا سے کہہ رہا تھا۔

"تو یہاں میں جو اتنی دیر سے زبان گھس رہی ہوں تو مقصد یہی ہے نا' اگر کھلا خرچا دوں گی تو بی بی خواہ مخواہ کی ہمدردیوں میں ادھر ادھر لگا دیا کریں گی۔" آپا تپ کے بولیں۔

مشعل کا گلا خشک ہوا۔ وہ آپا کے اشارے پہ ان کے ساتھ ہی لگ گئی۔

"اب یہ دیکھو، ثمامہ نے سردیوں کے عام سے جوڑے اسے دے کر وہ سارے قیمتی سوٹ اس سے ہتھیا لیے ہوں گے جو اس کی خالہ اس کے لیے اتنی دور سے اور شوق سے اٹھا کر لائی ہوگی۔"

آپا بی نے ایک بے بس سی آہ بھری۔ مشعل نے شرمندہ ہو کر چہرہ جھکا لیا۔

"اب میں انہیں کیسے منع کر سکتی ہوں۔" وہ منمنائی۔

"لو ذرا سنو، میں تمہیں یوں ہی تو اس کی حماقتوں کے قصے نہیں سنا رہی۔ نہ تو اس کے پاس اب پراپرٹی ہے اور نہ کوئی رتبہ' نہ عہدہ۔ آج کی بچت کل کو اسی کے کام آئے گی۔ خدانخواستہ کل کلاں کو سسرال میں اونچ نیچ ہوئی تو کسی کی محتاج تو نہیں ہو گی۔"

اب آپا بی کی آواز جذبات کی شورش سے دھیمی پڑ چکی تھی۔ مگر ان کی باتیں مشعل کے دل میں انی کی طرح گڑی تھیں۔ وہ خود ترسی کا شکار کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی اس کی شرمندگی لمحوں میں غائب ہوئی۔ اس نے فوراً جھکا سر بلند کیا۔

"میرے پاس پراپرٹی نہیں مگر تعلیم تو ہے نا۔ میں اپنا بوجھ اٹھا سکتی ہوں۔" وہ وقار کے ساتھ لب کشا ہوئی۔

وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اسے ٹکٹکی باندھ کے دیکھ رہا تھا اور ایسا کبھی کبھار ہوتا تھا کہ اس نگاہ کے ارتکاز سے دھڑکنیں منتشر ہوتی تھیں۔

"شادی سے پہلے جاب شاب کا سوچنا بھی مت۔ احمد کو سخت ناپسند ہے۔" آپا نہ صرف چبا چبا کے بولیں بلکہ برہمی سے اسے گھورا بھی۔

مشعل نے ٹپٹا کے اشعب کو دیکھا۔ جس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ جانے آپا نے اسے کیوں بلایا تھا۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ مگر اشعب نے اس کی جاب کا راز نہیں کھولا۔

"شکر ہے ایک بھانڈا تو ثابت بچ گیا۔" وہ اٹھنے لگی۔

"ارے بی بی! یہ سلائی کے پیسے پکڑو۔" آپا نے اسے رقم تھمائی۔ "باپ بے چارا سارا دن پردیس میں بنیان پہن کر لکڑیوں میں کیلیں ٹھونکتا ہوگا اور بیٹی یہاں ہزاروں روپے سلائیوں میں اڑا رہی ہے۔"

آپا کی آواز میں اداسی گھل چکی تھی۔

مشعل کو ابھی تیار بھی ہونا تھا۔ اسے جاب کے لیے نکلنا تھا۔ وہ زندگی کی آخری سانس تک اشعب احمد کو سمجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ دھیمے قدموں سے آگے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بڑھنے لگی وہ زندگی کی آخری سانس تک اس شخص کو مڑ کے دیکھنا اپنی ہار سمجھتی تھی۔ اسے ہارنا نہیں تھا اسے روہی سناتی ان مغرور آنکھوں کو مڑ کے کبھی بھی نہیں دیکھنا تھا۔

☆☆☆

”گھر کی منڈیروں پہ بیٹھے شادی کے گیت گاتے پرندوں کو میں اڑا دیتی تھی ...... دادی کے قدموں میں چٹائی بچھا کے ہمارا خاندانی سنار موٹے، موٹے سلگتے انگاروں پہ سونا پگھلاتا تھا جیسے وہ میرے خواب جلاتا تھا پھر وہ میرے سنہرے کنگنوں پہ ہرے، پیلے اور سرخ رنگ جڑتا جن کی چمک میری روح کو سلگاتی تھی۔ میری خنک ہتھیلیوں پہ اترتی دعاؤں نے دادی کے قدموں سے سنار کو اٹھا دیا تھا۔ پھر دادی کے چرخے کی کوک سوت کاتنے کے بجائے کوئی ورد الاپنے لگی تھی۔ میں نے اپنے تکیے پہ سفید غلاف چڑھا لیا پھر مجھے اپنی ماں کی بہوؤں کی کلائیوں میں پڑے اپنے نگ جڑے کنگنوں کی کھن، کھن اچھی لگنے لگی۔“

وہ مسکرائی اور خاموش ہوگئی۔

”چلو تمہاری کہانی تو ختم ہوئی۔“ لڑکیوں نے شکر کیا۔

”اس سے تو اچھی عشقہ کی کہانی تھی۔“ لڑکیوں کے لہجے خواب آگیں ہوئے۔

”کہاں اچھی تھی؟“ وہ مچل کے بولی۔

”وہ محل، وہ ہوا، وہ بادبان، وہ جزیرے، کیا وہ سب مایا نہیں، کیا ان سب کی وجہ سے قصر انوار میں ہر کوئی توڑ پھوڑ کا شکار نہیں۔ میں جانتی ہوں۔ صرف میں کہ عشقہ کا محل جتنا بڑا تھا۔ اس کی آنکھیں اتنے ہی بڑے بڑے آنسو روتی تھیں۔ پردیس کاٹنا کہاں آسان ہوتا ہے۔ اس کا شوہر اچھا آدمی نہیں تھا۔ وہ شرابی تھا۔ وہ ناچ گانے کا رسیا تھا۔ وہ میری چھوٹی سی عشقی کو بھی شراب پینے پہ مجبور کرتا تھا۔ وہ، وہ۔“

اس نے سرگوشی کی ...... لڑکیوں کے دل ٹھہر سے گئے۔

”کچھ دل محلوں کے لیے مچلتے تڑپتے ہیں۔ تو کچھ دل محلوں میں دھڑکنا چھوڑ دیتے ہیں۔“ لڑکیوں کی نگاہیں جھکیں۔ ”پھر واپسی کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔ سوائے ایک راہ کے۔ بس ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے رہو، کرتے رہو۔ تاپیں معدوم ہوتی جائیں گی محلوں کی کشش ماند پڑتی جائے گی۔“

اس نے سر جھکا لیا تھا۔ لڑکیاں جھرجھری لے کر خوابوں کی بگھیوں سے اترنے لگیں۔

☆☆☆

”تم ایسا کیسے کر سکتے ہو احمد۔ تم یوں ہر چیز سب میں کس طرح بانٹ سکتے ہو۔“ وہ دھیمی آواز کے ساتھ چلائیں۔

”جب میں خود کو بانٹ سکتا ہوں تو اپنی پراپرٹی کیوں نہیں بانٹ سکتا۔“ وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ سلگ کے لب کشا ہوئے وہ گنگ کھڑی انہیں دیکھنے لگیں۔

”میں نے تم سے کہا تھا ’میں شادی شدہ ہوں۔ تم نے کہا تھا‘ مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تمہیں کیوں فرق نہیں پڑتا تھا۔ کیوں؟“ وہ پوری قوت سے غرائے۔ ”اگر تم پیچھے ہٹ جاتیں تو میں بھی آگے نہ بڑھتا۔ سب ٹھیک ہو جاتا۔“ وہ آج حد سے زیادہ تلخ ہو رہے تھے۔ فیروزہ کے اندر کوئی بھانبڑ سا سلگا۔

”میں اب قصر انوار میں کچھ بھی غلط نہیں ہونے دوں گا۔“ ان کے لہجے میں اداسی گھلی۔ ”میں نہیں چاہتا کہ ثمامہ کو کھونے کے بعد مرسلین بھی کبھی مجھ جیسے پچھتاووں سے دوچار ہو۔“

”تو آپ کیا سمجھتے ہیں احمد صاحب! کہ میں انبساط کو کسی ایسی حماقت کا مرتکب ہونے دیتی۔“ وہ پھنکار کے بولیں۔ ”میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی تھی۔ تمہیں چھوڑنا بہت مشکل تھا مگر میں کسی اور کو اب کسی پاگل اور پتھر سے سر ٹکرانے کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گی۔“

انہوں نے دروازہ عبور کرتے شوہر کی پشت پہ طعنوں کے بھاری پتھر پھینکے تھے۔ جانے والے نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پھر بھی پلٹ کے دیکھا نہ کچھ جواب دیا۔
''تمہارے خاندان میں ہر کوئی پاگل ہے احمد انوار!'' وہ رندھی آواز کے ساتھ چیخیں۔'' ان کی رنگت نفرت سے سیاہ پڑ رہی تھی۔وہ ہانپتی ہوئی صوفے پہ ڈھے سی گئیں۔
ایک شادی شدہ شخص سے شادی کرنا کسی بھی عورت کی زندگی کی بدترین بھول ہوتی ہے۔وہ کسی کا گھر توڑ کے اپنا دل بھی آباد نہیں رکھ سکتی۔اگر وہ پیچھے ہٹ جاتیں تو احمد بھی کبھی آگے نہ بڑھتے آج وہ خود سے اپنی غلطی کا پہلی بار اعتراف کر رہی تھیں۔
دوسری بیوی اور دوسری عورت کے لیے مرد کی محبت جھاگ کے بلبلے جیسی ہوتی ہے۔

☆☆☆

قصر انوار میں آج دوپہر خوب چمک رہی تھی۔
آپا بی نہانے کے بعد اب مشعل سے بال بنوا رہی تھیں۔
''جی جناب' آپ بھی خوب چمک لیجیے کہ دو دنوں کے بعد آپ کو غائب جو ہو جانا ہے۔'' الوینہ کے طرز تخاطب پہ مشعل نے فوری نظر اٹھائی مگر اشعب تو کافی فاصلے پر تھا۔
''الوینہ! تم بھی نا!'' ثمامہ نے اسے کھینچ کے کینو مارا جو لان میں انٹری دیتے مرسلین نے کیچ کر لیا تھا۔
اس نے اداس اور سنجیدہ سی نظر چہرہ موڑتی ثمامہ پہ ڈالی۔وہ سچ مچ اس سے بہت خفا تھی۔
''جی آپ بھی خوب سنجیدہ اور رنجیدہ ہو لیجیے ......کہ احمد انکل بس آتے ہی ہوں گے۔'' لگے ہاتھوں اس نے بھائی کی کلاس بھی لے ڈالی جو اسے گھور کے رہ گیا تھا۔
''ضروری تو نہیں کہ وہ دو دنوں تک چلا جائے۔کچھ ایسا سبب بھی تو بن سکتا ہے کہ اسے ٹھہرنا پڑے۔'' عنیزہ' اشعب پہ نظریں جمائے ٹھنڈی آہوں کی پٹاری کھول چکی تھی۔
الوینہ کا قہقہہ چھت پھاڑ تھا۔''محکمہ موسمیات کے مطابق تو دو دنوں بعد یہاں بادلوں کا اور بارش کا راج ہو گا۔'' مشعل مسکرا دی۔'' وہ ٹھہر بھی جائے تو کب تک؟'' وہ جانے والوں میں سے تھا مشعل نے اسے محتاط سا ہو کے دیکھا۔
''کاش وہ اسی گھر کا مکین ہوتا۔'' عنیزہ کیسے اپنے جذبات عیاں کر دیتی تھی۔مشعل حیرت زدہ ہو جاتی تھی۔وہ عنیزہ کو سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔سفید سوٹ میں جس کا چہرہ دھوپ سے سرخ پڑ رہا تھا۔
''اگر وہ اس گھر کا مکین ہوتا تو سوچو پھر مشعل بی بی کہاں مقیم ہوتیں۔'' الوینہ کا قہقہہ اس بار کچھ زیادہ ہی بلند تھا کہ تینوں مردوں نے اسے گردنیں گھما کے دیکھا۔اونگھتی ہوئی آپا نے بھی ہڑبڑا کے آنکھیں کھولی تھیں۔الوینہ کی بات مشعل کے دل پہ لگی تھی۔جیسے ایک منظر سا واضح ہوا۔وہ ایک منزل کے راہی نہیں تھے۔دل کسی اتھاہ میں اترا۔
تب ہی احمد کی گاڑی گیٹ سے آتی دکھائی دی۔ایک ہلکی سی ہلچل مچی۔اور نئے سرے سے محفل ڈرائنگ روم میں سجائی گئی۔احمد کے حکم کے مطابق گھر کے تمام افراد میں سے کوئی ایک بھی غائب نہیں تھا۔
اس قصر میں چمکنے والی دھوپ ڈھل چکی تھی پر تمام چہرے چمک رہے تھے۔
احمد نے بات ہی ایسی کی تھی۔انہوں نے اپنا اسلام آباد والا بنگلہ مرسلین اور مناف کے نام کر دیا تھا۔
اس خبر پہ مشعل نے سانس روک کے اشعب کو دیکھا تھا جو ہنوز بےفکر سا مسکرا رہا تھا۔
''تو کیا بیا کے شوہر سچ کہتے تھے۔یہاں کوئی بھی ذی ہوش نہیں۔'' وہ عجیب سی فرسٹریشن کا شکار ہوئی۔
اشعب نے کیا عجیب ماں باپ پائے تھے۔
''میں ثمامہ اور الوینہ کے لیے نئے ماڈل کی گاڑیوں کی بکنگ بھی کروا چکا ہوں۔بس آپ لوگ شادیوں کی تیاریاں شروع کریں۔'' وہ بھاوجوں سے مخاطب ہوئے۔جو جیٹھ کے صدقے واری جا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رہی تھیں۔

''میں زندگی میں جو کچھ کھو چکا ہوں، وہ محض بابا کی جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں بے قصور ہوں، غلطی میری بھی تھی۔ مجھے اعتراف ہے۔''

اس سب میں زیادہ قصور وار میرے دوست تھے جنہوں نے مجھے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ یہ بات انہوں نے دل میں کی تھی...... وہ ہلکا سا کھنکارے۔

''مگر یہ بھی سچ ہے کہ بابا کی خود پسندی اور ہٹ دھرمی کا خمیازہ ہم آج بھی کسی نہ کسی صورت بھگت رہے ہیں۔'' احمد کی بے چین نگاہ آپا کی طرف اٹھی تھی دونوں کی نگاہیں ملیں۔

احمد کے کانوں میں آج بھی پھوپھی کی آواز اودھم مچاتی تھی۔

''بڑی بیٹی کے بیٹے' چھوٹی کو کون پوچھے گا انوار؟'' انہوں نے کیسے دنوں میں عشفہ کے لیے بھائی کو قائل کر لیا تھا ورنہ نظام 'عشفہ کے قابل کہاں تھا۔ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی عشفہ جس کی شادی سب سے پہلے کر دی گئی تھی۔ کاش بابا عشفہ کی مرتبہ بھی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتے تو ان کی اکلوتی اولاد اشعب زندگی بھر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتا۔ وہ بھی دوسرے بچوں کے ساتھ اسی گھر میں پروان چڑھتا۔ ان کے دل سے اک ہُوک سی اٹھی تھی۔

نظام جانتا تھا کہ وہ باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ اسے عشفہ جیسی خاندانی اور باحیا بیوی چاہیے تھی جو حقیقت جان کر بھی اسے چھوڑنے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو مقدر کی مہربانی تھی کہ انوار نے بیٹی کے حالات سمجھتے ہوئے اشعب کو اس کی گود میں ڈال دیا تھا۔

''اشعب باقی بچوں میں سے بڑا ہے سب سے پہلے تو اس کی شادی ہونی چاہیے۔''

آپا نے جان بوجھ کے یہ معاملہ چھیڑا تھا کہ عنیزہ کے آخری سمسٹر میں بھی ایک دو ماہ رہ گئے تھے۔ اس کی ماں خواہ مخواہ اشعب کی آس لگائے بیٹھی تھی حالانکہ عنیزہ لڑکیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ آپا کی آواز پہ احمد جیسے گہری نیند سے جاگے تھے۔

''آں...... ہاں!'' شائستہ پوری جان سے ان کی جانب متوجہ ہوئیں۔ کچھ ایسا ہی حال عنیزہ کا بھی تھا اور مشتعل اردگرد سے بے نیاز جیسے نماز کی نیت باندھ چکی ہو۔ ''جسے جس کا ہونا ہے' ہو جائے۔''

مگر جو اسے دیکھ رہا تھا' وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کی جھکی پلکوں پہ محبت گل لالہ کی طرح تر و تازہ تھی۔

تم کسی گیت کا مصرعہ نہیں ہو اشعب کہ جسے ہر کوئی گنگنا سکے۔ تم اک مشکل اور انوکھا ساز ہو اور میری انگلیاں بے ہنر۔

جانے وہ اسے کیوں دیکھ رہا تھا اور جانے وہ خود کو اس قدر کیوں چھپا رہی تھی۔

''اشعب پہ میرا اختیار کہاں ہے آپا بی؟'' احمد کی سپاٹ آواز جانے کونسی گہرائیاں ناپ کے لوٹی تھی۔ ڈرائنگ روم میں اک گہرا سکوت چھا گیا۔

انوار کی بہوؤں نے دل ہی دل میں عشفہ کو حسب عادت اور حسب ظرف خوب کوسنے دیے۔

''ہاں اتنا جانتا ہوں کہ (گل لالہ کی خوشبو ذرا سا اڑی...... اور ساحلوں پہ چہل قدمی کرنے والے شخص کی پلکوں پہ اٹکی۔) وہ لمحوں کا توقف سب کے لیے صدیوں جیسا تھا۔

''اتنا جانتا ہوں کہ عشفہ نے کسی لڑکی کا انتخاب کر رکھا ہے۔'' اب کے احمد مسکرا کے گویا ہوئے۔ باقی سب کے چہروں سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''جسے جس کا ہونا ہے ہو جائے وہ لاپروا سی نیت باندھ کے کھڑی رہی۔ مجھے ان خوبرو آنکھوں کا جون نہیں سینکنا۔'' ساحلوں کو ناپنے والا شخص گل لالہ کی خوشبو کے تعاقب میں بھٹکنے لگا تھا۔

''تو کیا وہیں یعنی کہ ترکی میں؟ کون لڑکی؟ کیسا خاندان؟ اب وہاں ہزاروں سوال بھانت بھانت کی بولیاں۔ احمد کی مسکراتی آواز' عنیزہ چپکے سے کھسک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چکی تھی۔ شائستہ کو چھو لو تو جیسے دھڑام سے زمین بوس ہو جاتی ...... روحی اور جاثیہ کے چہروں پہ نور برسنے لگا تھا جیسے ابھی ابھی عمرے کا احرام اتارا ہو، صد شکر کہ ان کی بیٹیاں اشعب کی امیدوار نہیں تھیں۔ مناف کچھ دیر پہلے ہی مٹھائی لینے جا چکا تھا۔ ثمامہ اس محفل کا حصہ بنی ہی نہیں تھی۔

آپا بی کے چہرے پہ ہرا حساس سے عاری پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ کیا تھا جو عشفہ عنیزہ کو بہو بنا لیتی، بچی گھر میں رہ جاتی مگر اب بات کرنے کا کیا فائدہ۔

آوازوں کا اک شور سا تھا۔

"عنیزہ کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہو جائے تو کچھ فیملیز نے مجھ سے کہا ہوا ہے۔ آپ لوگ ادھر ادھر رشتے مت ڈھونڈیے گا۔" احمد نے خاصے توقف کے بعد اپنے ڈھب سے بات کی تھی۔ آوازوں کا شور ایک دم سے تھما ...... شائستہ مبہم سا مسکرائیں۔ باقی سب نے بھی ایک آواز انشاءاللہ کہا تھا اور مشعل جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔ وہ ایک خنک سی گلی میں کھڑی تھی جہاں اس کے برف وجود میں محبت نغمہ سرا تھی

محبت لو کے ہاتھوں لگ کے کیونکر خاک ہو جائے۔

محبت جنوری جیسی دل محرم کو اچھی ہے۔

☆☆☆

"بھئی، سچی بات کہوں، ہٹ دھرمی میں اس خاندان سے کوئی جیت کے دکھائے تو مانوں۔ کیا مرد، کیا عورتیں۔ توبہ توبہ۔" روحی ناک پر سے مکھی اڑا کے بولی تھیں۔

اس وقت وہ فون پر اپنے شوہر سے مخاطب تھیں۔ انداز ایسا تھا جیسے جلتے کوئلوں پہ کھڑی ہوں۔ آپا نے انہیں ابرو چڑھا کے دیکھا۔ وہ ان کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

"ہاں، ہاں میں بھی باغی تھی۔ نسبت مجھ سے بھی دو قدم آگے نکلی ...... مگر آپ سب نے تو اپنے بچوں کی تربیت میری ماں اور زوار کی بیوی سے بہتر کی ہو گی۔ ان میں تو اس خاندان کی ہٹ دھرمی رتی بھر نہیں ہونا چاہیے تھی۔" آپا خوب مسکرا کے بھابیوں سے مخاطب ہوئیں۔ آپا کی بات سے ان کے چہروں پہ ہوائیاں اڑی تھیں۔

تب ہی اشعب سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آیا سامنے ہی جاثیہ دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"ارے ہونا کیا تھا۔" یقیناً دوسری جانب احمد انوار نے فون پہ بیوی کے چلانے کی وجہ پوچھی تھی۔

"رات بھر گلی محلے میں مٹھائیاں چھوہارے بٹتے رہے ہیں اور اب آپ کی بھتیجی نے صاف انکار کر دیا ہے۔" وہ تیز آواز میں تڑخ کے بولی تھیں۔

"ایک مسئلہ ختم ہوتا نہیں دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔" اشعب بڑبڑاتا ہوا آپا کے پہلو میں ٹکا۔

روحی بات کرتے کرتے باہر جا چکی تھیں۔ جو سنانا مقصود تھا، اس کے بعد وہاں ٹکنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

"میری بچی تو اللہ میاں کی گائے تھی، جانے اسے یہ پٹی کس نے پڑھائی ہے۔" مشعل جو ابھی آپا اور اشعب کے لیے کافی بنا کر لائی تھی۔ اس نے بوکھلا کے جاثیہ چچی کو دیکھا۔

"میری تربیت میں کمی نہیں ہے آپا بی! جس وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔ اسے آپ بھی جانتی ہیں۔ ثمامہ سے انکار کروایا گیا ہے۔"

مشعل سکتے میں رہ گئی۔ جویلیاں شہر کی شدید دھند تیر کی تیزی سے اس کے شل وجود میں اتری تھی۔

"اس سارے قصے میں مشعل کو بیچ میں مت کھینچو بی بی!" آپا کا چہرہ مارے اشتعال کے لال بھبھوکا ہوا۔

مشعل کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ اشعب کے ابرو غصے سے اور ضبط سے باہم بھنچ سے گئے۔ اس نے مشعل پہ نگاہ ڈالی جیسے وہ ابھی رو دے گی۔ اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''رائی کا پہاڑ مت بنایا کرو جاثیہ!'' بچی کو مرسلین کی حرکت پہ غصہ تھا' دو چار دنوں تک اتر جاتا۔ یوں بھرے شہر میں ڈھنڈورا پیٹنے کی کیا تک تھی۔''

مشعل کی حالت پہ آپا کا دل دکھا تھا۔ جو پلکیں جھپک، جھپک کے آنسو پینے کی کوششوں میں تھی۔ اشعب کی نگاہوں میں تپش بڑھنے لگی۔

''اس گھر کا ماحول بھی جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ آپا کی بات پہ دروازے کے بیچ ٹھٹک کے رکی۔ ''ایک ڈیڑھ ماہ تک میں عشفہ کے پاس چلی جاؤں گی۔''

آپا کے الفاظ شعلہ نما تھے۔ وہ پل میں بھسم ہوئی اور متحیر سی ہو کے پلٹی۔ اس کے ہاتھ سے گرم شال چھوٹ کے زمین پہ گری۔

''فیصلے ہو بھی گئے......اور......اور میں۔'' اس کی لہو رنگ آنکھیں آپا کو چھو کے اس کے پہلو میں بیٹھے شخص پہ ٹکیں۔

''جہاں تک مشعل کی بات ہے تو...... احمد اس کے لیے رشتہ منتخب کر چکا ہے۔''

وہ الفاظ دل چھیدنے جیسے تھے۔ نگاہ ملی تھی مگر تباہ حالی صرف دم بخود کھڑی مشعل کے حصے میں آئی تھی اشعب نے لاپروائی سے نگاہ موڑ لی تھی۔ اگر وہ اس کے لیے دوسرا کنارہ تھا تو وہ بھی تیرھواں مہینہ بن سکتی تھی۔

''لڑکیاں اس سال محبت کے لیے نہیں روئیں گی۔'' ۔اس نے نئے سال کی پہلی شام سے سرگوشی کی ......وہ لمحوں میں جڑی اور جھٹکے سے پلٹ گئی۔

☆☆☆

آپا کا بی پی لو ہو گیا تھا۔ ثمامہ ان کے لیے سیب پہ نمک چھڑک کے لے آئی۔

''بیبا بی سے بات کریں۔'' اشعب نے فون ان کے کان کے ساتھ لگایا۔

''ابھی، ابھی سخت پریشانی کے عالم میں گھر سے نکلی ہے۔ اس گھر کی بیبیوں نے خواہ مخواہ یتیم بچی سے بیر باندھ رکھا ہے ذرا جو دلوں میں خوف خدا رہ گیا ہو۔ تم ذرا اس کے فون پہ بات تو کرو بیبا!''

ثمامہ قریب ہی شرمندہ سی سر جھکائے کھڑی تھی۔ اشعب کے چہرے پہ ہنوز تناؤ کی سی کیفیات تھیں۔

''ذرا جو اس گھر کے باسیوں میں تحمل اور برداشت ہو۔ ہزار بار سمجھا چکی ہوں کہ جلد بازی شیطان کا کام ہے۔'' آپا بی بیبا سے بات کرنے کے ساتھ ساتھ ثمامہ کو بھی گھورے جا رہی تھیں۔

''ہاں، ہاں یہ میرے پاس ہی کھڑا ہے۔'' آپا نے فون اشعب کے ہاتھ میں دیا۔ اب وہ ان سے بات کر رہا تھا۔

''اک ذرا سی بات کیا کہہ دی۔ آپ نے تو طوفان برپا کر دیا ہے آپا بی۔'' جاثیہ بیگم تنتناتی ہوئی دوبارہ سے آ دھمکیں۔ ''دبئی، ترکی پھر کراچی تک خبریں پہنچ چکی ہیں۔'' انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''مما! اس میں مشعل کا کیا لینا دینا۔ وہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔'' ثمامہ بی بی نے جی کڑا کر کے زبان کھول ہی دی۔ اشعب نے اسے بغور دیکھا جس کی روئی، روئی آنکھیں اس کے اپنے فیصلے سے انکاری تھیں۔

''بے وقوف ہوتی ہیں یہ لڑکیاں۔'' اس کے ماتھے کی سلوٹیں گہری ہوئیں۔ اب وہ اپنا سیل فون اپنی بھاری جیکٹ کی جیب میں رکھ رہا تھا۔

''کچھ روز تک تمہارا باپ آ جائے گا پھر یہ اپنے اور پرائے فیصلے اس کے سامنے ہی رکھنا۔'' جاثیہ پیر پٹختی وہاں سے ہٹ گئیں۔ آپا بی کا دل خوش گواری سے دھڑکا۔

''شکر ہے شادیوں کے بہانے ہی سہی' جیتے جی بھائیوں سے مل لوں گی۔''

انہیں یہاں آئے چار پانچ برس بیت گئے تھے کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں بیویاں اور بچے کویت میں رہ آتے تھے۔ ثمامہ دھیمے قدموں سے چلتی لان میں آئی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا جیسے ابھی برس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پڑے گا۔اس نے سفید پھول کو نرمی سے چھوا جو سردی سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

''اب حساب برابر ہو چکا ہے ثمامہ۔اب انکار ہوگا نہ تکرار ہوگی۔''

اس کے عقب سے مرسلین کی سرگوشی ابھری ......وہ سفید پھول کی مانند ہوئی۔

''میں نے صرف انکار کیا ہے۔کوئی سیکنڈ یا پھر تھرڈ چوائس گھر والوں کے سامنے نہیں رکھی ۔ پھر حساب برابر کہاں ہوا۔'' وہ استہزا سے مسکرائی۔

مرسلین کے لب بھنچ گئے۔اس نے گیلی مٹی کو جوتے کی زوردار ضرب سے اکھاڑا۔

''میں انبساط میں انوالوڈ نہیں تھا۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کے بولا۔

''پھر اسی کا نام کیوں تمہاری زبان پہ آیا مرسلین؟ کیوں؟'' ثمامہ کی آنکھیں جیسے برس پڑنے کو تھیں۔

وہ لاجواب ہوا......اس نے یونہی نگاہ چرائی ''وہ کہیں نہ کہیں تو تھی ......'' اب کے ثمامہ کا لہجہ دوستانہ تھا ، نا قابل فہم تھا۔اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ کچھ دیر قبل وہ پانیوں سے لبالب تھیں۔وہ پانی کیونکر دھواں ہوا۔وہ الجھ گیا وہ اس سے دور جانے لگی۔

''لڑکیاں اب محبت کے لیے نہیں روئیں گی۔'' وہ مسکرائی۔اس نے گیلی مٹی پہ سہج سے قدم رکھا۔ لڑکیاں گیلی مٹی کے گھروندے نہیں بنائیں گی۔اس کے قدموں نے کچھ اور تیزی پکڑی۔

''لڑکیاں اب کسی کے لیے بھی راستوں میں نہیں ٹھہریں گی۔''

''ثمامہ! میری بات سنو۔'' مرسلین نے بے قراری سے پکارا۔

''اب لڑکیاں پکارنے والوں کو مڑ کے نہیں دیکھیں گی۔'' اسے ذکیہ بی کے گھر گایا جانے والا گیت یاد آیا۔

سنو......اے لڑکیوں ایسا نہیں ہوگا۔
محبت آندھیوں کے ہاتھ لگ کے دربدر ہوگی۔
محبت جنوری جیسی ہی اب کے معتبر ہوگی۔

اسے یوں بے نیازی سے مسکراتا ہوا دیکھ کر اشعب کو اس پہ مشغل کا گمان ہوا۔وہ ششدر سا ہوا۔اس نے چہرہ اٹھا کے دور تک دیکھا۔ جہاں مرسلین خود کو کسی گزر جانے والے دن کی طرح سمجھ رہا تھا۔وہ مسکراہٹ دبا کے اس کے قریب سے گزرنے لگا۔پھر کچھ سوچ کے رکا۔

''اپنی ٹائی کی گرہ تھوڑی سی ڈھیلی کرو۔ پھر سانس بحال ہوگی۔'' وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

مرسلین نے اسے غصے سے گھورا ...... وہ یقیناً ابھی آفس سے لوٹا تھا۔اشعب ذرا آگے جا کے ہنس دیا۔

مرسلین کا مسئلہ اتنا گمبھیر نہیں تھا' اس کا اپنا معاملہ زیادہ الجھا ہوا تھا گاڑی کا دروازہ کھولا۔اس نے ڈرائیونگ ڈور کھولا اس کے ایک ہاتھ میں مشغل کی شال تھی اس نے اسے فرنٹ سیٹ پہ رکھا۔

''ضد کی پکی ہے ۔ دیکھ لینا آج واپس نہیں آئے گی۔'' آپا کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

''آپ حوصلہ رکھیں آپا! وہ بہت مضبوط ہے۔'' اس نے انہیں تسلی دی۔

''مجھے کسی کام سے باہر جانا ہے تو واپسی میں اس کے ماموں کے گھر سے ہوتا آؤں گا۔''

''اشعب! اس کی شال بھی لیتے جاؤ۔'' جب وہ نکل رہا تھا تو آپا بی نے نیا حکم جاری کیا۔

عنیزہ نے صوفے پہ پڑی شال اسے تھماتے ہوئے اس پہ خاموش سی نگاہ ڈالی تھی۔اسے اشعب سے دھواں دھار قسم کی محبت نہیں تھی مگر وہ اس کی خواہش تو تھا ـــــــ ماں اسے آدھی رات تک سمجھاتی رہی تھی۔

''اپنی دونوں تائیوں اور باقی لڑکیوں کو ہنسنے کا موقع مت دینا......بات بڑھے گی تو اپنی ذات ہی کا تماشا لگے گا۔دل سے سارے ملال دھو دو۔''

ملال تو دھلے تھے یا نہیں مگر عنیزہ نے صبح اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر سافٹ سا میک اپ ضرور کر لیا تھا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

۔اس کے ہاتھوں سے شال لیتے ہوئے وہ معمول کی طرح ہی مسکرایا۔ وہ اتنا گھامڑ یا نا سمجھ نہیں تھا' وہ اپنے لیے عنیزہ کے جذبات سے باخبر تھا۔ وہ ہمیشہ اپنا رویہ تینوں کزنز کے ساتھ ایک سا رکھتا تھا۔ ان کے لیے وہ تحائف وغیرہ بھی ایک سے ہی لاتا تھا اور مشعل ......اس نے گاڑی کا دروازہ آہستگی سے بند کیا۔

''کیا آپا مشعل صاحبہ کو نہیں جانتیں جو جاثیہ چچی کی بات پہ آگ بگولہ ہو گئی تھیں۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''کیا آپا نہیں جانتیں مشعل کی تربیت نسبت زوار کے ہاتھوں ہوئی ہے۔'' اب وہ گاڑی پیچھے کر رہا تھا۔

''نسبت زوار جس نے بے وفا محبوب کے لیے دل بدری کی سزا تجویز کی تھی۔'' اب وہ گاڑی روڈ پہ لے آیا۔

آپا اتنا تو ضرور جانتی تھیں کہ ثمامہ' مشعل کی گہری دوست ہے۔'' اشعب کے ہونٹوں پہ پھوٹنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

☆☆☆

وہ عشفہ کے ساتھ جب دادا کی وفات پہ پاکستان آیا تو پانچ سال کا تھا۔ یہاں گزارے جانے والے دو ہفتے اس کی یادداشت میں نہیں تھے۔ ان دو ہفتوں میں ماما نے قصر انوار کے بچوں اور بڑوں کے ساتھ اپنی اور اشعب کی ڈھیر ساری تصویریں کھنچوائی تھیں' شاید اس لیے کہ پاپا کو ماما کا پاکستان آنا پسند نہیں تھا۔ وہ جب شعور کی دنیا میں آیا تو عشفہ روز وہ البم اس کے سامنے کھول دیتیں۔ ''اشعب اس قدر لکی ہے کہ اس کی ٹو مدرز ہیں۔'' وہ نسبت کی تصویر چھوتیں۔

''اور یہ دیکھو پاکستانی بابا!'' وہ احمد کی تصویر پہ انگلی رکھتیں، پھر باری، باری سب سے متعارف کرواتی جاتیں......سفید پھولی سی فراک میں ڈیڑھ سال کی گڑیا سی مشعل جو مسکراتی سبز آنکھوں کے ساتھ اشعب کے آگے پلاسٹک کے گھوڑے پہ بیٹھی

تھی۔ اس نے شاپنگ مال کے سامنے گاڑی پارک کی یہ اس کا آف ٹائم تھا مگر جب پندرہ منٹ گزرنے کے بعد بھی وہ باہر نہیں آئی تو اس نے اندر جا کر کاؤنٹر گرل سے مزید تسلی کی۔

''آج مشعل فرید کام پہ نہیں آئی۔''

وہ اب دوسرے راستے پہ ہو لیا۔ اس نے دوران ڈرائیونگ بالوں میں انگلیاں الجھا کر انہیں مزید بگاڑا۔

وہ دوسری بار دادی کی وفات پہ پاکستان آئیں تو بارہ سال کا تھا۔ اس نے اور کسی کو پہچانا تھا یا نہیں مگر اس نے اپنی سیکنڈ مما کو پہچان لیا تھا۔ انہوں نے اسے تادیر اپنے ساتھ لپٹائے رکھا تھا۔

ایک دم ہی اس سبز آنکھوں والی آٹھ نو سالہ بچی نے نسبت کا بازو اپنی طرف کھینچا تھا۔ ''یہ میری مما ہیں۔'' اس نے اشعب کو پیچھے دھکیلا۔

اشعب نے اسے ناگواری سے گھورا تھا کہ اس بار آنے سے قبل عشفہ نے اسے مشعل کی تمام حقیقت بتا دی تھی۔

''میں تم دونوں کی مما ہوں۔'' اس کی سیکنڈ مدر نے ان دونوں کو اپنے حصار میں لے لیا تھا مگر بارہ سالہ اشعب کے دل میں مشعل کے لیے ناپسندیدگی نے ذرا سی جگہ بنا لی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد اس نے گاڑی ایک کشادہ چوک کے سرے پہ پارک کی۔

اب وہ مشعل کے ماموں کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ منٹ بعد ایک بارہ تیرہ سالہ بچے نے دروازہ کھولا۔ وہ اشعب کو دیکھ کے خوش ہوا......وہ بچہ اس گھر میں کل وقتی ملازم تھا۔ اس نے اشعب کے ہاتھوں سے شاپر پکڑ لیے۔ وہ لڑکے کی ہمراہی میں آگے بڑھا۔

اسے دیکھ کے ماموں کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ چند منٹوں بعد ملازم قہوے کے ساتھ اسی کے لائے ہوئے ڈرائی فروٹس اسے پیش کر رہا تھا۔ ماموں ادب کے رسیا تھے سو ان کے پاس باتوں کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ تھا۔ ممانی ایبٹ آباد اپنی بیٹی کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پاس گئی ہوئی تھیں۔ وہ جسے ڈھونڈ رہا تھا وہ یہاں بھی نہیں تھی۔ اشعب جب بھی پاکستان آتا تھا تو مشعل کی غیر موجودگی میں اپنا کافی وقت یہاں گزارتا تھا۔

وہ آج ڈسٹرب تھی۔ مایوس تھی' وہ کہاں جاسکتی ہے۔ اس کا دل بھیگا۔ اس کا آخری ٹھکانا ذکیہ بی کا گھر تھا۔

"عشفہ کی طبیعت جہاز میں بگڑ جاتی ہے۔ بھلا سالوں بعد چکر لگانے کا اور کیا سبب ہوگا۔" وہ دنگ رہ گیا۔ اس کا باپ اس کے پاکستانی بابا سے جھوٹ بول رہا تھا مگر کیوں مما تو جہاز میں اچھی بھلی مسکراتی رہتی تھیں۔

"اشعب کو چھٹیوں میں بھیج دیا کرو نظام!" آپا بی نے کڑا لہجہ اختیار کر کے وہ موضوع سمیٹ دیا تھا۔ "ہم سب کا بھی اس پہ کوئی حق ہے ورنہ روز قیامت کہیں ایسا نہ ہو کہ انوار خان کے علاوہ تمہارا گریبان بھی عشفہ کے ہاتھوں میں ہو۔"

آپا بی کی سرد آواز نے ستر سالہ نظام کو جیسے روز حشر کی جھلک دکھا دی تھی کہ وہ یوں خاموش ہوئے جیسے برف میں اتر گئے ہوں۔

وہ رات عشفہ نے زوار ہاؤس میں نسبت کے ساتھ گزاری تھی۔ اشعب تمام رات ان کے ساتھ جاگا تھا۔ ان دو عورتوں کی کہانی اسے آج بھی از بر تھی۔

اس رات کے بعد نظام نے انداز زندگی بدل ڈالا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ عشفہ کی واحد خوشی اس کی ذات تھی۔

جبکہ نسبت زوار کی واحد خوشی مشعل فرید تھی۔

ناپسندیدگی کا دائرہ وسیع ہوا تھا......

شام جب رات کے احاطے میں پاؤں رکھنے لگی تو وہ ذکیہ بی کے گھر میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مشعل کی شال تھی۔ سامنے ٹیبل پہ سفید اور میرون ٹوپیاں پڑی تھیں۔ جن میں جڑے سیاہ شیشے چمک رہے تھے جن سے گل لالہ کی باس پھوٹ رہی تھی جو کسی کی آنکھ سے گزر کے سنور چکے تھے۔

"وہ ان تمام ٹوپیوں پہ شیشے ٹانک کے چلی گئی تھی۔" ذکیہ بی کی نرم آواز پہ اس کا انہماک ٹوٹا۔

اس نے ثمامہ کو کال کی۔ "مشعل تو گھر نہیں آئی۔" وہ سراسیمگی کے ساتھ بولی۔

اشعب کے دل میں شرر پھوٹا۔ "او..... اچھا پھر اپنے ماموں کے گھر ہوگی۔" فوری جھوٹ گھڑا جبکہ وہ خود پریشان ہو چکا تھا۔

مغرب کی اذانوں کے بعد ذکیہ بی کے کرائے داروں نے ساز چھیڑ دیے تھے۔ "وہ کہاں ہو سکتی ہے" وہ ذکیہ بی سے مخاطب ہوا۔

"کیا دنیا میں اسے اس شخص کے سوا کوئی ڈھونڈ سکتا ہے۔" وہ مسکرائیں پھر اثبات میں سر ہلایا۔ کہ ہاں میں جانتی ہوں۔ وہ دروازہ کھول کے پتلی سی گلی میں نکل آیا۔

"ابھی اسے اور بھٹکنا چاہیے تھا......" جنوری کی پہلی شام ان پہ خفا ہوئی۔ ذکیہ بی نے مسکرا کے ٹوپیاں گنیں۔

"وہ ڈھونڈنے والوں میں سے ہے پگلی۔"

ساحلوں سے بندھی کشتیاں کھولنے والا، سمندروں کے کنارے ناپنے والا' جینز کی جیبوں میں ہاتھ گھسائے کسی انجانی سمت چل رہا تھا۔

پاکستان میں پرانا نظام دفنا کے وہ ترکی آیا تھا مگر اشعب کے دل سے جیسے اتر چکا تھا۔ اس نے عشفہ کو آزادی کا سندیسہ سنا کر بھی جیسے خود سے باندھ لیا تھا۔ چند ماہ بعد فالج کے حملے نے اسے دونوں ٹانگوں سے معذور کر دیا تھا۔ اب وسیع کاروبار کو سنبھالا دینے کے لیے عشفہ کا پل پل کا ساتھ ضروری تھا۔ مگر اشعب وقتاً فوقتاً پاکستان آنے جانے لگا تھا۔

☆☆☆

ایک پوری گلی گھوم کے اس نے چھوٹا سا موڑ کاٹا اب وہ ذکیہ بی کے گھر کی عقبی گلی میں تھا۔ گلی کے نکڑ پہ چھوٹا سا پارک تھا' موڑ مڑتے ہی اس نے مشعل کو دیکھ لیا تھا اس کا دل ٹھہر کے دھڑکا۔

وہ دبے پاؤں آگے بڑھا۔ وہ مسمار شدہ دیوار پہ بیٹھی جیسے وہاں نہیں تھی۔ اس سنگی بنچ نما دیوار پہ دو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

افراد بہ خوبی بیٹھ سکتے تھے۔ اس نے براؤن جرسی پہنی ہوئی تھی اس کی دوپٹہ نما چادر گرم نہیں تھی۔ اشعب نے اسے ہوا کی طرح دیکھا جو ہوتی ہے مگر نہیں ہوتی' وہ اس کے پہلو میں بیٹھا۔ ذکیہ بی کے کرائے دار ایک خوب صورت گیت چھیڑ چکے تھے۔

مشعل نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا وہ آج پہلی بار یوں اس کے قریب بیٹھا تھا کہ درمیان میں بالشت بھر فاصلہ تھا۔ سردی کا احساس کچھ زائل ہوا اشعب نے اس کے سرخ پڑتے ہاتھوں پہ نگاہ جمائی۔

دونوں ہی محبت کے جذبات میں جلتے ہیں
وہ برف پہ چلتے ہیں' ہم آگ پہ چلتے ہیں

ان سنگرز کی آوازیں اچھی تھیں۔ اشعب نے ایک لمبا گہرا سانس اندر کی جانب کھینچا جیسے گیت کے بولوں کو دل میں اتار رہا ہو۔

اس نے اسے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ مشعل کا ضبط اسے اکثر خوف زدہ کر دیتا تھا۔ مگر آج اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ''دو چار آنسو تو کمرے میں بھی بہائے جا سکتے تھے۔'' اشعب کا مسکراتا انداز خاموشی پہ بھاری پڑا۔

مقصد اسے یاسیت — سے نکالنا تھا...... وہ فوری کامیاب بھی ہوا۔

''میں کیوں آنسو بہاؤں ؟'' جواب ترنت آیا۔

اگلے لمحے اس نے شال کھول کے اس کے شانوں پہ پھیلائی۔

''آپا بی کا حکم تھا۔'' وضاحت ضروری تھی۔

''ہاں میں نے تو جیسے سارا زمانہ اور زمانے کے سارے اچھے موسم اوڑھ لیے ہیں۔'' وہ کلس کے رہ گئی۔ سردی کا احساس کچھ اور کم ہوا۔

''اب اس عمر میں گھر چھوڑ کے چھپ جانا کیا 'یہ بچپنا نہیں؟'' وہ دھیمے سے گویا ہوا مگر نگاہ نہیں موڑ سکا۔ وہ حیرت میں مبتلا ہوئی اور کچھ ایسا ہی تاثر آنکھوں میں بھر کے اسے دیکھا۔ دیکھتے رہنے کی کوشش بھی کی پھر نگاہ پھیر لی۔ (وہ آنکھیں منافق تھیں)۔

''جو الزام چچی نے مجھ پہ لگایا وہ کم ہے۔'' غصے کے باوجود جواب آہستگی سے دیا کہ وہ اس پر بھنا سکتی تھی نہ چلا سکتی تھی اشعب کا دل قہقہہ لگانے کو چاہا۔

''کیا واقعی میں اسے الزام سمجھوں۔'' وہ ہونٹوں کے کناروں میں مسکراہٹ سمیٹ کے بولا۔

مشعل نے تیزی سے اسے دیکھا پھر گڑبڑا کے سیدھی ہوئی تاہم چہرہ ایک دم تپ اٹھا تھا۔

''میں نہیں سمجھتا کہ یونہی بلاوجہ مشعل کا ذکر کسی بھی دوسرے یا تیسرے کی گفتگو میں آتا ہوگا۔'' اس کا لہجہ نرم تھا اور انداز میں کسی ٹھوس برتن کی سی کھنک تھی۔ مشعل کا دل پسینے سے بھیگا جیسے وہ کسی بڑی غلطی کی مرتکب ہو چکی تھی۔ اس نے سنبھل کے پہلو بدلا کہ فاصلہ ذرا سا تھا۔

''میں ثمامہ سے کچھ۔''

''نہیں مشعل!'' اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ ''ثمامہ اتنی بہادر نہیں کہ مقابلے پہ اتر آتی۔'' وہ برجستگی سے بولا۔

اس کے چہرے پہ خفا خفا سا تاثر تھا۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اچانک مسکرائی۔ اشعب کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ اس نے اپنے شانوں پہ شال کچھ یوں سمیٹی جیسے سچ مچ وہ اک حسین زمانے کے خوب صورت موسم اوڑھے بیٹھی ہو۔

''تو کیا میں اسے اپنی تعریف سمجھوں؟'' وہ کچھ محظوظ سی ہو کے بولی تھی۔

'' تمہارے پاس بے حساب رشتے ہیں۔ بے شمار چاہنے والے ہیں۔ جو ہر وقت تمہارا چہرہ دیکھتے ہیں تو پوری جان سے مسکرا دیتے ہیں اور مشعل' اس سے محبت کرنے والوں کی تعداد تھوڑی سی ہے اس کا ماموں، آپا بی، بیبا خالہ اور میں' اس کے چہرے کی طرف دیکھنے والے ہم بس چار ہیں۔ وہ تمہارے برابر کیسے ہو سکتی ہے؟''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اکیس بائیس سال کے اشعب کو اس کی ماں نے اپنے سامنے بٹھا کے سمجھایا تھا کہ اس نے بیٹے کے دل میں مشعل کے لیے ناپسندیدگی بھانپ لی تھی۔ وہ اس دن ماں کے سامنے شرمندہ ہوا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔

وہ سر اٹھا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی دیوانے کا خواب تھی اور وہ واعظ ناداں ثابت ہو چکا تھا۔

☆☆☆

موسم آج انتہائی سرد تھا۔ سردی ہڈیاں خشک کر رہی تھی جبکہ مشعل احمد انکل کی باتیں سوچ کے اپنا خون خشک کر رہی تھی۔

جانے وہ خبر انکل تک کس نے پہنچائی تھی؟ یہ راز بھی فاش نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت کچن میں کھولتے دماغ کے ساتھ آلو کوفتے بنا رہی تھی۔

بظاہر تو احمد انکل بیٹے سے الوداعی ملاقات کرنے آئے تھے مگر پس پردہ ان کا مقصد مشعل کے ڈھیلے دماغ کے پیچ کسنا ہی تھا۔

''وہ دوست کیا ہوا...... جو آپ کو سمجھا سکتا ہے نہ بہلا سکتا ہے' میرے خیال میں تو دوستوں کے پاس رنگ برنگے الفاظ کا چھپاتی' دعاؤں کا اور دل کو چھوتی تسلیوں کا اک انبار ہونا چاہیے اک خزانہ ہونا چاہیے''۔

وہ کچن اسٹول پہ جیسے گرسی گئی۔

''جنہیں وقت ضرورت اپنے دوستوں کے لیے بروئے کار لانے کا آپ کو ہنر بھی آتا ہو تو آپ کا دوست زندگی میں کبھی مایوس ہو سکتا ہے نہ بھٹک سکتا ہے۔'' احمد کی آواز جیسے اس کے قریب ہی گونج رہی تھی۔

''میری زندگی میں ہمیشہ اچھے دوستوں کا کال رہا...... مجھے راہ سے بھٹکانے والے میرے دوست ہی تھے جنہوں نے مجھے ٹوکا نہ تنبیہ کی۔ قصور میرا بھی تھا مگر میں آج بھی ان کے سر رکھتا ہوں۔''

اس نے میز گھسیٹی اور مٹر چھیلنے لگی۔ ابھی اسے مٹر پلاؤ بنانا تھا۔ آج وہ آپا کے کہنے پہ اشعب کی پسند کا کھانا بنا رہی تھی۔ فی الوقت قصر میں آج اس کا آخری ڈنر تھا۔ اس کے ہاتھ سردی سے اکڑنے لگے تھے۔

''میں نہیں چاہتا کہ اب یا کبھی آئندہ ثمامہ خاور کے کسی بھی پچھتاوے میں بھولے بھٹکے سے بھی مشعل کا گزر ہو۔''

''شکر ہے انکل نے اس سے یہ گفتگو اکیلے میں کی تھی اور اسے بھی دل کی بات کہنے کا موقع مل گیا تھا۔

آج کلکر کی سیٹی میں بھی برہا کی ہوک تھی۔

ثمامہ سے دو گھنٹے مغز ماری کے بعد اب اس کا سر دکھ رہا تھا۔ اس نے تیسرے چولہے پہ چائے کا پانی چڑھایا۔ کاش اس کا بھی کوئی دوست ہوتا جو آج اسے بھی بہلا سکتا کہ دل سنبھل جاتا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''جو ہماری قسمت میں نہیں لکھا ہوتا اور ہمیں ہماری دعا یا کسی اور سبب سے مل جاتا ہے وہ عطا ہوتی ہے اور اس عطا شدہ انسان سے اللہ کو بہت محبت ہوتی ہے اور مشعل کو اللہ نے کیا کچھ عطا نہیں کیا۔'' اسے مما کی بات یاد آئی۔

وہ اس ایک شخص کے لیے اللہ کے ناشکروں میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ پھر بھی آج پانی آنکھ میں ٹھہرا نہیں تھا۔ وہ پہلے صرف چلا جاتا تھا مگر اس مرتبہ وہ بچھڑ رہا تھا۔ ہو سکتا تھا آئندہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ آتا۔ سو دل کی ویرانی عجب تھی۔

وہ میز پر سے کپ اٹھانے کو مڑی اور رواں موسم کی طرح ٹھنڈی ہوئی۔ جانے وہ کب آیا تھا۔ اس پہ اک نگاہ ڈال کے وہ کاؤنٹر پہ پڑا جگ اٹھانے لگا۔

''یہ دو چار آنسو تو کمرے میں بھی بہائے جا سکتے تھے۔'' وہ جتائے بنا نہیں رہ سکا کہ دیکھنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ پھر مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے اسے دوبارہ دیکھا۔

''میں کیوں روؤں گی۔ یہ تو پیاز کی جلن ہے۔'' جواب فوری اور اشعب کے حسب توقع تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''اس میں ایسا کیا ہے' لڑکیاں یوں ہی بلاوجہ بھی تو رو لیتی ہیں۔'' وہ جیسے اس کے پاس گھنٹوں کے حساب سے کھڑے رہنا چاہتا تھا۔ وہ اب اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

''ہاں ......شاید پہلے زمانوں میں روتی ہوں گی۔'' وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کے گویا ہوئی اور وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

''مگر اب لڑکیاں کسی کے لیے بھی نہیں روئیں گی۔'' یہ آخری جملہ اس نے دل میں ادا کیا تھا اور ان ساحر آنکھوں کی زد سے دور ہوئی۔

''تم نے بابا سے کیا کہا ہے مشعل؟'' وہ اچانک مطلب کی بات پہ آیا۔

مشعل نے اسے اچنبھے سے دیکھا تھا۔ اشعب احمد میں رونما ہوتی تبدیلیاں اسے چونکا رہی تھیں۔

☆☆☆

''ایک تو وہ آپا بی کے ترکی جانے کی خبر سے بوکھلا سی گئی ہے دوسرا ثمامہ والا مسئلہ مگر مجھے تو محسوس ہوتا ہے کہ بات کوئی اور بھی ہے ورنہ پہلے تو اس نے کبھی مجھے یا احمد کو یوں کسی بات پہ مجبور نہیں کیا۔''

بیبا خالہ کی پریشان آواز پہ اشعب کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے اپنا انداز نشست بدلا اور سیل فون دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں یوں ہی کرتا تھا۔

''ذرا فرصت ہو تو مشعل سے پوچھنا کہ وہ کیا چاہتی ہے' اس کی ضد نے مجھے تو الجھا دیا ہے۔'' بابا بھی جانے سے پہلے اسے تاکید کر کے گئے تھے۔

''یہاں ایسا کچھ بھی خاص نہیں ہوا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ویسے اس نے کہا کیا ہے؟'' دھیمے سے استفسار کے بعد اس نے مشعل کو دیکھا جو ثمامہ کے ساتھ میز لگا رہی تھی۔

''وہ میرے پاس دبئی آنا چاہتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہے اشعب۔'' بیبا خالہ کا لہجہ کانپ کے رہ گیا۔

''آج احمد سے بھی اس نے یہی مطالبہ کیا ہے۔ کچھ دیر پہلے میری بات احمد سے ہوئی ہے۔ ''تم جانتے ہو عاشر اسے مستقل یہاں نہیں رکھنا چاہتا۔''

بیبا پتا نہیں اور بھی کیا کہہ رہی تھیں۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس نے کل شام سے وہی شال اوڑھی ہوئی تھی۔

''عاشر اسے مستقل گھر میں نہیں رکھنا چاہتا۔'' وہ ایک بدترین بازگشت تھی۔ اور کیا وہ گزشتہ شام کو کبھی بھلا سکتا تھا۔

''ابھی کچھ روز کے لیے رک جاؤ۔ مشعل کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسے ہماری ضرورت ہے۔'' بات عام نہیں تھی۔ بیبا کا لہجہ اڑا ہوا تھا۔

''اب یہ مشعل نامہ بند بھی کرو منیبہ۔'' عاشر شاید اسی پل اندر آئے تھے۔

''میں پھر بات کروں گی۔'' کال کٹ چکی تھی۔

''اب یہ مشعل نامہ بند بھی کرو۔'' اس کا دماغ سن ہوا۔ ''کیا یہ لڑکی اتنی ارزاں ہے۔ دل پہ چوٹ سی پڑی' کیا ایسا سوچا بھی جا سکتا ہے۔

(تمہارے پاس بے حساب رشتے ہیں اور مشعل کو چاہنے والے بس چار......وہ تمہارے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔)

وہ اچانک لاؤنج سے نکلا۔ باہر بلا کی سردی تھی۔ اس کے دبئی جانے پر عاشر اقبال اس کے لیے دنیا جہان کی نعمتیں ڈھیر کر دیتے تھے کہ وہ اشعب احمد تھا۔ اشعب نظام تھا۔ وہ لاکھوں میں کھیلتا تھا اور مشعل کو وہ گھر میں ایک ماہ سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ وہ مشعل فرید تھی جس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کے حواس منتشر ہو رہے تھے۔ کیا وہ اسے اس حالت میں چھوڑ کے پاکستان سے جا سکتا تھا۔

☆☆☆

ڈنر کے بعد وہ لاؤنج میں ہی ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔ ثمامہ اور مشعل' آپا بی کے بستر میں گھسی ہوئی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھیں۔ عنیزہ اور الوینہ نے ہیٹر کے سامنے قبضہ جما لیا تھا۔ مناف صوفے پہ پھسکڑا مار کے بیٹھا اپنا تازہ کلام سنانے کو مچل رہا تھا۔

''جی، جی ارشاد۔'' ثمامہ نے شاعر صاحب کو بولنے پہ مجبور کیا۔

''اس کے ابا کی بھینس نے یہ میرا کیسا حال کر دیا۔''

''ہائیں!'' آپا کی آنکھیں پھیلیں۔ باقیوں کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

''اپنے گوبر سے میرے پاؤں کو مالا مال کر دیا۔''

''واہ، واہ۔'' وہ خود ہی جھوما۔ ''کہو کہ قربان جاؤں۔''

اس نے مشعل کی طرف اشارہ کیا۔ سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ ایک دم سرخ ہوئی۔

''شٹ اپ۔'' اس نے تلملا کے مناف کو گھورا۔

''ارے یہ شاعر کمبخت' بھینسوں کے باڑے میں گھسا ہی کیوں؟'' آپا کی سوئی وہیں اٹک چکی تھی۔

''او، ہو لڑکی گجر کی بیٹی جو تھی۔'' مناف نے چہک کے گتھی سلجھائی۔

''ارے کچھ ہوش کے ناخن لو میاں۔'' ایک پہلے انکاری ہے' اوپر سے تمہارا آنا جانا بھی گوجروں کے یہاں ہو گیا تو لڑکیاں تو سمجھو بیٹھی رہ گئیں۔''

آپا کی بات پہ سب لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ صرف اشعب زیر لب مسکراتا رہا۔ مشعل نے منہ لحاف میں گھسا لیا تھا۔

''اچھا اب باڑے کا رخ نہیں کروں گا۔ اب میرا اگلا شعر ملاحظہ کیجیے۔''

ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی' اس نے کمال کر دیا

وہاں اب ایک ہاہا ہو کار مچی تھی۔ الوینہ کی آواز سب سے اونچی تھی۔ ''یہ چوری ہے، چوری ہے۔''

اندر اپنے بیڈ روم میں اپنے نرم گرم بستر میں لیٹی شائستہ کے لبوں سے اک سرد آہ نکلی کہ باہر سے آتی آوازوں میں بس عنیزہ کی آواز جوش سے مفقود تھی۔

''ہم مائیں کس قدر ظالم ہوتی ہیں کہ اپنی خواہشوں کے فتور بچیوں کے کچے ذہنوں میں بھر دیتی ہیں۔ میری بیٹی فلاں سے کہیں بہتر ہے تو فلاں کی ہی بہو بنے گی اور راج کرے گی۔ بچیوں بچوں کی خالہ، پھوپھیوں، ماماؤں، چچاؤں میں جو مال و دولت رکھتا ہو اسی سے آس لگا کے بیٹھ جاتی ہیں، ایسا ہو گا اور ہو کر رہے گا، نہیں تو یوں' نہیں تو ووں اور جب وقت آتا ہے تو دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔''

انہوں نے بے چینی سے کروٹ بدلی۔ ''ہمیں تو بیٹیوں کو باور کرواتے رہنا چاہیے کہ جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں۔ خبردار خواب مت دیکھنا۔ مگر ہم کیسی مائیں ہیں جوان کے خیالوں کا رخ کسی ایسے گھر کی طرف موڑ دیتی ہیں جو درحقیقت ہمارا اپنا خواب ہوتا ہے۔

خواب ٹوٹ جاتے ہیں۔ بیٹیوں کے دل مرجھا جاتے ہیں۔ ان کی آوازوں کی چہکار ماند پڑ جاتی ہے تب ہمیں یقین آتا ہے کہ واقعی جوڑے اللہ بناتا ہے۔'' ان کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا تھا۔ وہ عشفہ یا اشعب سے کیا گلہ کرتیں۔ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔

''واہ، واہ!'' باہر پھر سے شور اٹھا تھا۔

''یقین کریں آپا! جب سے میری بات پکی ہوئی ہے۔ حویلیاں شہر کی ساری اور اسلام آباد کی آدھی لڑکیاں دل شکستہ کارڈیالوجی سینٹر میں پڑی ہیں۔'' اس نے حسب عادت الوینہ کو منہ چڑایا۔ اور وہ چڑ بھی گئی۔

''اسلام آباد کی تمام لڑکیوں کو کارڈیالوجی میں ہونا چاہیے تھا۔'' ثمامہ تمتماتے چہرے کے ساتھ تڑخ کے بولی تھی۔

''اوئے، ہوئے۔'' جیسی آوازوں کے ساتھ انہوں نے مرسلین کو مختلف اشارے کیے جولبوں کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اندر مسکرا رہا تھا۔
مدتوں بعد آج اس نے گلہ کیا مجھ سے
منصب دلبری پہ کیا مجھ کو بحال کر دیا
مرسلین کی آواز اچھی تھی اور اس نے شعر کو اک انداز کے ساتھ پڑھا تھا کہ ثمامہ کا چہرہ گلابی پڑ گیا۔
"یہ بحالی مشعل کی مرہون منت ہے۔"
ایک وقفے سے اس نے مرسلین کے سر پہ احسان رکھا۔ جس نے ہاتھ کے اشارے سے مشعل کو تھینکس کہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔ اشعب خاموش تھا جیسے محفل میں جبراً بیٹھا ہو۔ اسے مشعل سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ مشعل کے چہرے کا اطمینان مصنوعی تھا۔

☆☆☆

"ایئرپورٹ کون کون جا رہا ہے۔" مناف نے گرما گرم سوپ سے انصاف کرتے ہوئے سب پہ سوالیہ نگاہ ڈالی۔
"آج بہت سردی ہے۔ میں نہیں جا رہی۔"
عنیزہ ہیٹر کے کچھ اور نزدیک ہوئی۔ جوتے کے تسمے باندھتے اشعب نے اسے چونک کے دیکھا۔ آج سے پہلے اس کی آمد اور روانگی پہ کوئی ہونہ ہو عنیزہ ضرور ہوتی تھی تو کیا رشتہ صرف غرض کا ہوتا ہے۔
"میں اور ثمامہ تو ضرور جائیں گے۔" ہاتھ میں ہینگر لٹکائے الوینہ لاؤنج میں آئی۔ "آج کل کی سردی کے لحاظ سے مجھے کچھ مناسب نہیں لگ رہا۔"
"کیا میں تمہارا پنک سوٹ پہن لوں۔" الوینہ نے مشعل سے پوچھا۔
وہ مطلب کے وقت مشعل سے خوب دوستی گانٹھ لیتی تھی۔ اشعب نے الوینہ پہ سپاٹ سی نگاہ ڈالی۔
آپا نے تیوریاں چڑھا کے اسے گھورا۔ "کل فیروزہ نے مشعل کے لیے سردیوں کے کچھ سوٹ اور دو شالز بھیجی تھیں۔"
"سامنے ہی بیڈ پہ پڑے ہوں گے۔" چائے پیتی مشعل نے کمال بے نیازی سے کہا جیسے وہ اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھنا چاہتی ہو۔

آپا کی بھابیوں کے تعلقات بالکل پہلے جیسے جا رہے تھے باقی زندگی کی مقابلہ بازی بس شاپنگ کی حد تک تھی۔ اشعب کسی کو کال ملاتے ہوئے باہر آ گیا۔ چند منٹوں بعد اشعب نے اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ اس نے سفید گرم جرسی پہ میرون شال لی ہوئی تھی۔ وہ اس کے لیے بھی ایئرپورٹ نہیں جاتی تھی۔ اس کی یہ عنایات بس بیا خالہ تک محدود تھیں۔
اب وہ فون پہ بات ختم کر چکا تھا۔
کوئی بھی داستان مکمل نہیں ہوتی، کہیں کوئی کمی رہ جاتی ہے اور کوئی ایسی ہی کمی مشعل کی آنکھوں میں بھی تھی۔ وہاں کسی ادھوری داستان کا درد ہلکورے لے رہا تھا۔ پھر بھی اس نے جانے والے کو مسکرا کے دیکھا۔
"میں ماموں کی طرف جانے لگی تھی، سوچا آپ کو خدا حافظ کہہ دوں۔"
وہ لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ کچھ پل سرک گئے وہ نگاہ چھڑا کے پلٹ گئی۔ وہ کسی بھی موڑ پہ اس ادھوری کہانی کا رخ بدل سکتا تھا۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔
تمازتیں ڈھونڈنے سے مل بھی جائیں تو وقتی آس ہوتی ہیں۔
کہ الاؤ چھوڑ دینے سے سردی پھر سے آپ کے ساتھ چلنے لگتی ہے۔
تمازتیں ہمارے وجود میں ہوتی ہیں۔
کہیں مٹھیوں کے اندر سے جھانکتی ہیں۔
وہ وسطی گلیوں سے ہوتی ہوئی ماموں کے گھر جلد پہنچ جاتی تھی لیکن آج اس کا دل بھٹکنے کو چاہ رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا چلنے کے بعد وسطی گلیوں سے نکل آئی۔ اس کی مٹھیوں سے جیسے تمازت اڑ چکی تھی۔ تمازت آنکھ کے پانی میں بھی تو ہوتی ہے۔ وہ ہاتھوں کو باہم پھنسا کے رکی۔ اب وہ ذکیہ بی کے گھر کے بالکل نیچے تھی۔ اندر موسیقی کا شور تھا۔
تو وہ چلا گیا۔" سنو، وہ مجھے چھوڑ کے جا رہا ہے۔ وہ ہونٹوں کے گرد دونوں ہاتھ رکھ کے زور سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چلائی۔لیکن آواز شور میں دب گئی۔ سردی اسے پاگل کررہی تھی۔اس کی آنکھوں میں گرمی گھلنے لگی۔

"سنو اے لڑکیو...... ایسا نہیں ہوگا۔"

گیت کے بول اس کے خنک قدموں سے لپٹے۔

"ہاں میرے نرم کہروں میں اس کا گزر بھی ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔وہ آگے بڑھنے لگی۔

؎ تیری مٹھی میں جو سمٹی ہوئی سرگوشیاں سی ہیں۔

"اب کبھی نہیں ہوں گی۔" وہ اس گیت نگار کو جواب دیتی جارہی تھی۔

سنو اے لڑکیوں، ایسا نہیں ہوگا
محبت مارچ کے موسم میں
اپنے کچے جسموں کی
ذراسی باس بھی
اپریل کو چھونے نہیں دے گی
کہ اب ایسا نہیں ہوگا
مئی کی تلملاتی لُو محبت اوڑھ بیٹھے گی
کہ اب ایسا نہیں ہوگا
محبت آندھیوں کے ہاتھ لگ کے دربدر ہوگی
محبت جنوری جیسی ہی اب کے معتبر ہوگی

وہ ذکیہ بی کی گلی، وہ گلی میں سنائی دیتا گیت۔ اب کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔اب اس کی آنکھ کے پانی میں بھی تمازت نہیں تھی۔ وہ ایک پتھریلی روش پہ چلتی چلی جارہی تھی۔

اس نے دیکھا وہ ایک پتھریلی روش پہ جارہی تھی اس کے قدموں میں برق سی بھرگئی۔ وہ جیسے مشعل فرید کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔وہ سبز آنکھوں کی مالک لڑکی جادوگرنی تھی۔

نسبت دنیا سے چلی گئی تھی۔وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے جانے کے بعد مشعل سے محبت کرنے والوں چار لوگوں میں پانچواں احمد بھی شامل ہو چکا ہے۔اس نے چند قدم پیچھے رک کے اپنا سانس بحال کیا۔وہ اچانک رکی پھر مڑ کے دیکھا۔

جیسے پاؤں کے نیچے آگ سی جل اٹھی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھانے پہ اسے دیکھا تھا جسے وہ دیکھنا چاہتی تھی۔وہ عطا شدہ ہوئی۔ بھلا ایسا کہاں ہوتا ہے کہ خواہش کی اور دیکھ لیا۔یوں ہی تو ہجر پہ ہجر کے مارے دیوان نہیں لکھ ڈالتے۔

وہ ذرا سا لڑکھڑائی کہ سڑک کے بیچ اور کناروں پہ بھی جابجا پتھر اکھڑے ہوئے تھے۔وہ بے دھیانی میں آبادی سے آگے نکل آئی تھی۔اب وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔اس نے آبادیاں، بستیاں، رونقیں پیچھے چھوڑ دی تھیں پھر بھی اک زمانہ اس کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ وہ پتھر سبز تھا جسے وہ اٹھانے کو جھکی۔ کہ اس سرمئی اور نیلے موسم میں آج سبز رنگ مغرور تھا۔

"تم اپنی چیزوں سے کتنی آسانی سے دستبردار ہوجاتی ہو۔" وہ جملہ نما سوال ذو معنی تھا۔

(مشعل، اشعب احمد آج سے تمہارا ہے۔ کومے میں اترتی کسی عورت نے اس سے یہ آخری بات کی تھی) تو کیا اسے یاد آچکا ہے۔

اس کی آنکھوں کے آگے رنگ گڈمڈ ہوئے' وہ پتھر اٹھانا بھول گئی۔ اگر وہ واقعی اسے یاد دلا رہا تھا جس نے وہ جملہ ہمیشہ یاد رکھا تھا۔اس جملے کے عشق میں وہ آج بھی گرفتار تھی۔ اف کیا!! وہ یہاں ہوتی۔وہ پہلا آسمان چھو چکی تھی وہ سیدھی ہوئی پھر گردن کو خفیف سا موڑ کے اسے دیکھا۔

وہ مغرور اور سنجیدہ تھا۔وہ مایوس ہوئی۔

کیا اسے یاد نہیں ہے۔ اس عورت نے آنکھیں بند کرنے سے پہلے ان دونوں کے ہاتھ تھامے تھے پھر اس نے مشعل کا ہاتھ اس کے ٹھنڈے ہاتھ میں دیا تھا۔ (اشعب احمد' مشعل فرید آج سے تمہاری ہے) کیا وہ لرزتا ہاتھ آج بھی اتنا ہی سہما ہوا اور ٹھنڈا ہوگا۔

یہ لوٹ ہی آیا ہے تو پوچھ لینا چاہیے۔ اگر دل سے وہ لفظ مٹ چکے تھے تو دماغ میں تو ہوں گے جیسا کہ...... سوچنے کے ساتھ ہی لڑکی کے لبوں نے جنبش کی۔ اس کی سانس ہزار کیفیات کے ساتھ سینے سے باہر آئی تھی۔

"کیا مشعل فرید بھول چکی ہے کہ اشعب احمد

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کس کا ہے۔'' اگر اس نے ایسا کہہ دیا۔ تو وہ اس سرد جنوری میں کہاں پناہ ڈھونڈے گی۔

وہ پلکیں جھپکے بنا اسے دیکھ رہی تھی جو اس دھند آلود سی شام کا حصہ لگ رہا تھا۔

''کیا میرا لوٹ کے آنا یوں ہی ہے۔ ان راستوں کے لیے ہے؟ نہیں...... میں تمہارے لیے آیا ہوں۔''

وہ ہمہ تن گوش تھی۔ اس نے سائیں سائیں کرتی شام کے ہونٹوں پہ نرمی سے انگلی رکھی تھی۔ ششش۔ وہ کیا سننا چاہتی تھی جیسا کہ آج اس نے کیا جواب دیا کہ شام استہزا سے مسکرائی۔

''وہ سوٹ بہت شاندار تھا، قیمتی تھا۔ تمہیں یوں آنٹی یا بابا کی دی گئی چیزوں کو نہیں بانٹنا چاہیے۔'' وہ بالکل سیدھ میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپا کو اچھا نہیں لگتا مجھے بھی برا لگتا ہے۔'' وہ ایک گہرے توقف کے بعد بولا تھا۔

اس کا سرد دل کٹ کے رہ گیا۔ ''کیا یہ مجھ سے یہ کہنے کے لیے آیا ہے کہ تم میرے باپ کا پیسہ ضائع کرتی ہو۔''

اس نے اپنے جواب سے دھواں ہوتی لڑکی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ایک دم پیچھے ہوئی اور پلٹ کے جانے لگی۔

اس نے سنا وہ اسے آواز دے رہا تھا۔ وہ اب اس پتھریلی روش پہ جیسے بھاگتی ہوئی آبادیوں کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے کہیں اردگرد نسبت کی گونج تھی۔

''اگر میں اسے چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کرتی تو وہ مجھے چھوڑ دیتا۔'' وہ بھی نسبت کی طرح اس لمحے سے ڈر گئی تھی۔ اس نے سانس بحال کرنے کے لیے اک دیوار سے ٹیک لگائی کہ پہلو میں آ کر کسی نے اس کا ہاتھ تھاما۔

اس سے ہلا بھی نہیں گیا۔ بس نگاہ اٹھائی۔ آج اس کا ہاتھ سرد نہیں تھا۔ آج دوسری بار مشعل کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ابھی تک نڈھال سی ٹیک لگائے تھی۔

''مان لیا کہ لڑکیاں اب محبت کے لیے یا محبوب کے لیے آنسو نہیں بہائیں گی اور وہ اب کچے پکے گھڑے لے کر کناروں پر بھی نہیں آئیں گی مگر لڑکیوں کو اپنے پیچھے خوار ہوتے کسی معقول آدمی کی پوری بات سن کے بھاگنا چاہیے۔'' وہ اسے نرم نگاہوں سے دیکھتا تپ کے بولا تھا۔ اس کی آنکھیں پٹ سے کھلیں۔

''دوسری بات یہ ہے کہ ذکیہ بی کے کرائے داروں کو میں نوٹس بھیج چکا ہوں یا تو یہ گیت بدلو یا مکان خالی کرو۔''

مشعل نے پوری آنکھیں کھولیں۔

''ایک تو حویلیاں شہر کی لڑکیوں کے دماغ ساتویں آسمان پہ پہنچ چکے ہیں۔ دوسرا اس قدر ٹھنڈی محبت سے نمونیا بھی ہو سکتا ہے۔''

وہ سیریس تھا۔ مشعل حیران ہوئی۔

''لڑکیوں کو واقعی محتاط سی محبت کا شکار ہونا چاہیے۔'' اس نے ایک دم پینترا بدلا اور دھیمی سی سرگوشی کی۔

''مگر میرے خیال میں محبت کو فروری جیسا ہونا چاہیے۔'' اب اس نے مشعل کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔ ''جس طرح فروری میں سارے موسم ہوتے ہیں اس طرح محبت میں بھی کئی موسم آتے ہیں مشعل۔'' اس کی آواز میں تپش اتری۔ ''اور یقین کرو۔ پچھلے پانچ سالوں سے میں مشعل فرید سے محبت کرنے والے لوگوں میں ہی خود کو شمار کرتا ہوں۔'' اب اس نے دیوار کے ساتھ بالکل اسی کے انداز میں ٹیک لگا لی تھی۔ اب کچھ ایسی ہی تپش مشعل کے چہرے پہ بھی تھی۔

''لمبے بالوں والے سازندے نے کھڑکی سے جھانکا تو اشعب نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے۔ لڑکے نے کھڑکی کا پٹ بجایا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ یہ شخص تمہاری شال کے سائے میں فروری کے اختتام تک قیام کر سکتا ہے۔''

مشعل کے ہونٹوں پہ مدھم مسکراہٹ ابھری۔

''سنو اے لڑکو۔'' اشعب کی صدا اونچی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''میں اس لڑکی سے فروری جیسی محبت کرتا ہوں۔''
مگر لڑکے اندر ساز چھیڑ چکے تھے۔

''اور جو ترکی میں ہیں ان سے۔'' اس نے تیکھی اور ترچھی نظر کے ساتھ پوچھا۔

''میں ان سب سے تمہیں ملواؤں گا جو تمہیں پسند آئیں' وہ رکھ لیں گے۔ باقی......اف۔''

وہ کراہ کے خاموش ہوا۔ مشعل نے اس کے ہاتھ پہ وہی سبز پتھر مارا تھا۔

''اور باقی سب؟'' اس نے ہولے سے کہا۔
اس کی آواز میں اندیشہ تھا۔ اشعب ایک دم خاموش ہوا کہ اسے اس سمٹے سے سہمے سے لہجے پہ ٹوٹ کے پیار آیا تھا۔

اس نے جیکٹ کی جیب سے اپنا سیل فون نکالا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ اس نے چند بار اسکرین کو چھوا۔ پھر وہ مسکرایا اور روشن اسکرین اس کے سامنے کی، وہ ایک پلاسٹک کے گھوڑے پہ اس کے آگے پورے استحقاق سے بیٹھی تھی۔

''کہوں گا تو بس اتنا۔'' یہ تب سے میری ہے اور بالکل ایسے ہی لے جاؤں گا۔'' وہ بالکل اک نیا اشعب لگ رہا تھا۔

''میں سمندروں کے کنارے تمہارے لیے کتنی ہی کشتیاں ٹکرا آیا ہوں۔'' اس نے مشعل کے رخسار کے پاس دھیمی سی سرگوشی کی۔

''ساحلوں پہ آوارہ سازندے اک قدیم ساز چھیڑنے کو ہمارے منتظر ہیں مشعل۔''

مشعل نے جھینپ کے اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا تھا۔ ذکیہ بی کے کرائے دار اب ایک ترکی زبان کا گیت گا رہے تھے جس کا مترجم اشعب تھا اور مشعل جسے آنکھیں موندے سن رہی تھی۔

جس طرح دل ایک ہوتا ہے۔ ہجر اور وصال بھی کسی ایک ہی شخص کے لیے ہوتا ہے۔ باقی تو نہ کوئی بچھڑ کے ہمیں تڑپا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی پا کے ہمیں پا سکتا ہے۔

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساطِ دل	آمنہ ریاض	500/-
زردموسم	راحت جبیں	1000/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
عین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو مندمل تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	500/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج صحن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	300/-
تیری راہ میں رُل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عظمیٰ اختیار

چاشنی روٹھ گیا

مجھے بڑا دلچسپ لگتا تھا آنکھیں پڑھنا...... مگر جب سے ان ہرنی جیسی آنکھوں کی وحشت میرے وجود میں سمائی ہے۔ آنکھیں پڑھنے سے گریز کرنے لگا ہوں۔

وہ خوبصورت آنکھیں جن کے گلابی ڈوروں میں فسوں کی وجہ میں بن گیا۔ کہ مجھے دیکھتے ہی مسکرانے لگتیں۔ پھر یکایک صحرا ہوئیں...... پھر مردہ ہو کر مجھ میں زندہ ہو گئیں۔ کبھی نہ بجھنے کے لیے......

لوگوں کو فیس ریڈنگ کا شوق ہوتا ہے...... چہرہ شناس لوگ چہرے سے سامنے والے کی شخصیت کا اندازہ لگا لیتے ہیں ...... چہرے پر لکھی تحریر پڑھ لیتے ہیں۔

مگر میں...... میں ہمیشہ لوگوں کی آنکھیں پڑھتا تھا۔ واقعی آنکھوں کی بھی الگ داستان ہوتی ہے۔ ہنستے چہروں پر سجی اداس آنکھوں کی داستان کبھی آپ سمجھ پائے ہیں......؟؟

اور تو اور کبھی اداس چہرے پر مسکراتی، کھلکھلاتی آنکھوں کا بھی کھوج لگایا؟؟

یہ جو آنکھیں ہوتی ہیں نا...... یہ کہی ان کہی تمام داستان سنا دیتی ہیں۔ بے تحاشا ہنستے ہوئے انسان کے اندر چھپے دکھ کا پول کھول دیتی ہیں۔ مجھے بڑا دلچسپ لگتا تھا آنکھیں پڑھنا...... آنکھوں کی زبان بڑی صاف گو اور سچی ہوتی ہے صاحب۔

مگر جب سے وہ سچ بولتی آنکھیں پہلے مجھ پر مریں پھر میری وجہ سے مر گئیں...... جب سے میرا شوق مر گیا......

یہ اس وقت کی بات ہے جب روزانہ قریبی پارک میں گھنٹہ بھر چہل قدمی کرنا میری عادت تھی۔ ہری بھری گھاس پر چلنا اور اجلے من اور چمکتی آنکھوں والے بچوں کا کھیل کود دیکھنا طبیعت کو ہشاش بشاش کر دیتا تھا...... کبھی کبھی کاغذ قلم لیے وہیں بیٹھ کر ڈھلتے سورج کے ہمراہ وقت گزارتا۔

جس دن وہ مجھ سے ملی تھی...... وہ سرمئی شام تھی۔ چہل قدمی کرتے ہوئے ہوا کانوں میں سرگوشی کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ ساتھ ننھے بچوں کے قہقہوں کی آواز فضا میں جلترنگ بکھیر رہی تھی۔ میں ماحول کے زیر اثر کچھ اس طرح مگن تھا کہ سامنے سے آتی ایک منہ زور بائیسیکل سے ٹکراتے ٹکراتے بچا......

جھنجلا کر جو سائیکل سوار کی جانب دیکھا تو دو بڑی بڑی شرارتی آنکھوں کو سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے منتظر پایا۔

مجھے متوجہ دیکھ کر وہ اپنی آنکھوں کو حد درجہ پھیلا کر کندھے اچکاتے ہوئے گویا ہوئی...... "آپ کی غلطی ہے سر جی...... اس لیے میری طرف سے تو سوری نہیں بنتی۔"

اور یہ جا وہ جا......

میں اپنے کپڑوں پر سے ان دیکھی گرد ہی جھاڑتا رہ گیا۔ اسی دوران وہ دوبارہ سے اسپیڈ میں میری طرف آتی دکھائی دی۔

"لو جی اب پتا نہیں کیوں آ رہی ہے۔" سائیکل دوبارہ اسپیڈ میں جو میری طرف آئی تو میں کھسیا کر سائیڈ پر ہو گیا۔ آفت کی پرکالہ جب بلکل قریب پہنچ گئی تب پیڈل پر سے پاؤں ہٹایا۔ زمین

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پر پیر رکھ کر اوپر سے نیچے تک بغور جائزہ لیا...... آنکھوں میں حیرانی کا تاثر اور شناسائی کی ملی جلی کیفیت در آئی۔
" آپ ......آپ وہی ہیں نا نعمان احمد... افسانہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نگار؟"

میری جانب سے تصدیق کے بعد تو وہ گویا اچھل پڑی... آہو چشم میں تحیر پھیلا اور پھر یکدم اسکے نینوں میں خوشیوں کے دیئے جگمگانے لگے۔

"میں آپکی بہت بڑی فین ہوں سر...... آپ کی تحریریں کمال ہوتی ہیں... بہت لاجواب......"

اب وہ اپنی پہلی حرکت پر کسی معذرت کے بغیر ہی پٹر پٹر میری تحریروں کے گن گا رہی تھی...... کچھ دیر لگاتار بولنے کے بعد اور دوبارہ ملنے کی تمنا ظاہر کرکے وہ دیکھتے ہی دیکھتے جس آندھی طوفان کی طرح آئی تھی ویسے ہی واپس مڑگئی۔اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔

معمولی سی تو لڑکی تھی۔اگر کچھ خاص تھا تو اس کی آنکھیں۔

گندمی چہرے پر بادامی آنکھیں......عجیب نین تھے اس کے۔خاموش چہرے پر مسلسل باتیں کرتے......

اب روز ہی اس سے سامنا ہو جاتا۔کبھی وہ بوڑھی دادی کے ساتھ ہوتی......کبھی اپنی سہیلی کے ساتھ۔کبھی اکیلی پارک میں بچوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتی پائی جاتی۔مجھے دیکھتی تو کچھ ہی دیر میں میرے ہم قدم چہل قدمی شروع کر دیتی۔اور ساتھ ڈھیروں باتیں بھی۔میرا کوئی ایسا افسانہ نہیں تھا جو اس نے نہ پڑھا ہو۔

اکثر میں نے دیکھا تھا جس دن وہ بہت باتیں کرتی......اونچے اونچے قہقہے لگاتی......اس دن اس کی خوبصورت آنکھوں میں ہلکورے لیتا حزن اس کے دلگیر ہونے کی کہانی سنا دیتا۔

کبھی وہ گم صم کسی بینچ پر بیٹھی ہوتی......اس وقت اس کی آنکھوں میں ایسی مقناطیسی چمک ہوتی جیسے ان آنکھوں کے طلسم سے دور اڑتے خوابوں کے جگنوؤں کو قید کر لینا چاہتی ہو۔

کبھی بچوں کے درمیان بیٹھ کر جب انتہائی سنجیدہ چہرہ لیے ان کی باتیں سن رہی ہوتی تو نین کٹوروں میں رقصاں شرارت صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

عجیب آنکھوں کی مالک تھی وہ......کبھی صحرا......کبھی دریا......کبھی ہرنی سی وحشت......کبھی کبھی معصوم سے چہرے پر باغی آنکھیں۔اور کبھی کبھی مسکراتے نین......

میں جو کہ ایک محتاط انسان ہوں۔سانپ سیڑھی کے کھیل جیسی محبت مجھے اپنے بس کا روگ نہیں لگتی تھی۔

میں اپنی کیفیات کو خود تک رکھنا پسند کرتا ہوں...ان سب کے باوجود جنس مخالف جانے کیوں بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں۔میری گہری سیاہ......خوابوں کے شور سے جاگتی آنکھوں میں انہیں شاید کوئی کشش محسوس ہوتی ہو مگر میرا لیا دیا انداز انہیں جلد ہی مایوس کر دیتا......

ان سب کے باوجود ان بادامی آنکھوں نے مجھے گھائل کر دیا تھا —— ارغوانی پھول جیسی لڑکی اپنی آنکھوں سمیت بہت عرصے سے مقفل پڑے میرے دل کی منڈیر پر اپنا حق جما کر بیٹھ گئی تھی۔میں لاکھ پیچھا چھڑانا چاہتا...... مگر وہ جیسے مجھ میں رچ بس گئی تھی۔

وہ مجھ سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی۔میں گریز پا سا اس کی باتوں کا سنبھل کر جواب دیتا رہتا۔

جس دن اس کی آنکھوں میں بہت واضح اپنی تصویر دیکھی تھی......میں ڈرنے لگا تھا۔

کاش کہ ان حسین آنکھوں کا محور و مرکز میں ہی رہتا۔جیسے چاہتا دھنک رنگ اس کے نینوں میں بھر دیتا......

لیکن ضروری نہیں کہ خواہشوں کی تمام تتلیاں ہاتھ آ جائیں۔تمناؤں کی کچھ تتلیوں کو اگر ہم اپنی ہتھیلی میں قید کر بھی لیں تو وہ اپنے کچے رنگ ہماری ہتھیلی میں چھوڑ کر خود مردار ہو جاتی ہیں......رنگوں سے خالی۔

☆☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خزاں رت آہستہ آہستہ چھا رہی تھی۔ ہرے بھرے درخت ٹنڈ منڈ ہونے لگے تھے۔ اس وسیع پارک میں چہل قدمی کرتے ہوئے بے شمار پیلے پتے پیروں کے نیچے آ کر جب چرمراتے...... تو ان کی ناقدری پر میں دل مسوس کر رہ جاتا۔ مگر گزر کر جانا ان ہی پتوں کے اوپر سے ہوتا......

آج ہوا کافی تیز تھی...... پتوں کو زمین سے اڑائے لے جاتی...... کبھی کہاں کبھی کہاں...... آج پارک کا کافی حصہ پتوں سے صاف تھا۔ آج ہوا انہیں اپنے بازوؤں میں جھولا جھلاتی محسوس ہو رہی تھی...... زور سے زمین سے اٹھاتی۔ پھر کہیں دور پٹخ دیتی...... پھر اپنی آغوش میں اٹھا لیتی۔

میں ہوا اور پتوں کا کھیل دیکھنے میں محو تھا۔ جانے کب وہ آئی اور میرے ہم قدم چلنے لگی۔ یکبارگی میرا دل چاہا میں اسے ہوا کی طرح آغوش میں اٹھا لوں... کبھی نہ زمین پر پٹخنے کے لیے......

آج کچھ اضطراب اور ہیجان تھا اس کی آنکھوں میں...... باتیں کرتے ہوئے وہ مجھ سے نظریں چرا رہی تھی۔ مجھے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا...... اگر وہ مجھ سے جواب میں محبت مانگ لے تو کیا میں اسے دے سکوں گا؟؟ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ میں تیز تیز قدم چلنے لگا جیسے مجھے کوئی کام یاد آ گیا ہو...... وہ دوڑتے ہوئے میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں میں نے ان کہی بات پڑھ لی تھی......

"سر!"

"جی۔"

"اگر میں آپ سے کہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے تو آپ کا کیا ردعمل ہوگا؟" بظاہر وہ انجان بنی عام سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"نہ میں نے تمہاری ایسی کوئی حوصلہ افزائی کی اور نہ ایسا کر سکتا ہوں...... ظاہر ہے بری طرح ڈانٹ دوں گا۔" اس کے کرب کو اپنے دل میں محسوس کرتے ہوئے میں نے سخت لہجے میں جواب دیا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ مگر میں دیکھ چکا تھا برداشت کی شدت سے سرخ ہوتی آنکھوں کی نمی...... جیسے کسی شیشے پر آہوں کی بھاپ اکٹھی ہو گئی ہو۔

گھر پہنچ کر جانے کب سے رکے آدھے ادھورے کاموں کو پھیلا کر بیٹھ گیا۔ کئی آدھی ادھوری تحریریں اپنے مکمل ہونے کے انتظار میں تھیں.. سوچا انہیں مکمل کر لیا جائے... مگر کوئی بھی کام کرنا مشکل ہی تھا......

ہر طرف وہ سرخ ہوتی بادامی آنکھیں...... خود سے جنگ لڑتے شام تک اندر کی گھٹن نے بخار کا روپ دھار لیا...... جسم تپنے لگا۔ میں اپنی ہی آگ میں جانے کتنے روز جلتا رہا۔

پھر طبیعت بہتر بھی ہو گئی۔ مگر جان بوجھ کر اس پارک میں جانے سے کتراتا...... زیادہ وقت اب گھر پر ہی گزرتا۔ گھر بیٹھے اب صفحات پر صفحات کالے ہوتے۔

میرے ہر افسانے میں اس کی چشم حیراں میں پوشیدہ وہ درد نمایاں ہوتا...... ہر تحریر ملال کا نمونہ بن جاتی۔

کچھ دن اور گزر گئے...... یہی کوئی بیس پچیس صدیوں جیسے دن تھے شاید......

☆☆☆

آج ہلکی ہلکی بارش تھی۔ مجھے وہ بے طرح یاد آنے لگی...... بارش اسے بے تحاشہ پسند تھی۔

جانے کیوں آج اس کی صرف ایک جھلک دیکھنے کے لیے دل مچلنے لگا...... کچھ ہی دیر میں میں پارک کی جانب رواں دواں تھا۔

پارک تک پہنچتے پہنچتے دل بے ترتیب انداز سے دھڑکنے لگا تھا۔

اس دن ڈانٹ دیا تھا...... جانے اب کیسی ہو گی۔

بے چینی سے ہر طرف نظر دوڑائی کہیں وہ نظر نہ آئی۔ میں مایوس سا ہو کر ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گیٹ پر نظریں جمادیں... شاید اس نے اب آنا چھوڑ دیا ہو......دل میں وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ دماغ، خیالات کی پرواز میں کہاں کہاں کا سفر طے کر رہا تھا۔ مگر دل ایک ہی ضد باندھے بیٹھا تھا۔

اسی اثناء میں مین گیٹ سے ایک لڑکی داخل ہوئی... چاروں طرف بے چینی سے نظر دوڑاتے ہوئے جب مجھ پر نظر پڑی تو تیز قدموں سے میری طرف آنے لگی۔

"یہ؟ خیر......یہ تو اس کی سہیلی ہے۔"

"سر! کتنے دنوں سے آپ کی تلاش میں یہاں آ رہی ہوں"... اس نے دو فٹ کے فاصلے سے ہی بے صبری سے مجھے پکار کر کہا۔

"کیوں خیریت؟" مجھے اپنی آواز کسی انجان اندیشے میں ڈوبی لگی تھی...... جیسے ابھرتی گونج کا کوئی گلا گھونٹ دے۔

اور جب اس نے اسکی طویل علالت کی اطلاع دی تو سب سے پہلے میرے بے بس دل نے ایک درد کی لہر محسوس کی۔

وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی......اگر وہ یہ نہ بھی کہتی تو میں اس سے ضرور ملتا اور کہتا......وہ تمام ان کہی باتیں......وہ اعتراف...... جنہیں سن کر وہ کھل اٹھتی...زندگی کی طرف لوٹ آتی۔

میں اسکی سہیلی کے ساتھ چل پڑا۔ رستے میں معلوم ہوا...

"ذہنی ڈس آرڈر کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہوئی تھی......اب ڈاکٹر کے بقول دل کا عارضہ بھی لاحق ہے......" میرے دل میں اٹھتا درد میری آنکھوں میں جلن سی پیدا کر رہا تھا۔

کب ہسپتال آیا، کب ہم وارڈ میں داخل ہوئے، میری آنکھوں میں جمع ہوتی بھاپ نے شاید مجھے سر اٹھانے نہ دیا تھا۔

اب وہ بیڈ پر میرے سامنے تھی۔ وہ ہی......جسے میرا دل متاع حیات مانتا تھا......جینے کی قیمت ادا کر رہا تھا۔ یوں لگتا جیسے بیڈ پر بس کپڑا پڑا ہے۔ اچھی بھلی لڑکی کا جسم گھل کر اپنے کپڑوں میں کہیں کھو سا گیا تھا۔ ان ہڈیوں کے ڈھانچے میں جو چیز اب بھی زندہ تھی......وہ تھیں اسکی آنکھیں......صحرا کی مانند پیاسی آنکھیں.. جیسے کسی خواب کے شور سے اٹھ گئی ہوں...... . تعبیر کی تلاش میں سانس لیتی آنکھیں......مجھے دیکھ کر جیسے مچل پڑیں۔ میں ایک لمحے کو نظریں چرا گیا......اسکی آنکھیں اسی دن کی طرح نم ہوئیں اور پھر کسی جھیل کی طرح لبالب بھر گئیں......میں ان موتیوں کو گالوں پر لڑھکنے سے پہلے چن لینا چاہتا تھا......مگر آنکھ کے صحرا نے یکلخت اس جھیل کو خود میں ہی جذب کر لیا۔

"آہ......وہ اشک جو تو نے کبھی بہائے بھی نہیں"

وقت کی مار کے باعث اس کے کیکر کی چھال جیسے ہاتھ......

ان ہاتھوں کو میں تھامنا چاہتا تھا۔ اسکی آنکھوں میں محبت کا فسوں پھونک کر اسے دوبارہ زندگی کی طرف لانا چاہتا تھا......

مگر یہ کیا......وقت بے رحم چال چل گیا۔

اسکی آنکھیں مجھے دیکھتے دیکھتے مجھ پر ٹھہر سی گئیں......کسی بت کی مانند بے حس و حرکت......زندگی کی رمق سے خالی...

بے یقینی کی کیفیت میں، میں نے اسے جھنجوڑ ڈالا......

آس پاس رونے کی بلند ہوتی آوازیں اس ہرنی جیسی وحشت بھری آنکھوں، کے ساکت ہونے کا مطلب سمجھا رہی تھیں۔

آہ......کاش وقت ذرا دیر کو رک جاتا... مجھے اعتراف کرنا تھا۔

مجھے اسے بتانا تھا...... کہ وہ میری روح ہے اور میرے مسکرانے کا سبب بھی......مگر وہ اعتراف میں اپنی آنکھوں میں لیے ہی لوٹ آیا۔ لوٹ تو آیا......مگر وہ رنگ برنگ کے احساسات کو بیان کرتی اور بالآخر روم روم وحشت پکارتی آنکھیں مجھ سے چمٹ گئی ہیں۔ اب آنکھوں کو پڑھنے سے میں ڈرنے لگا ہوں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سدرۃ المنتہیٰ

محبت تمہارے نام

"اپنا خیال رکھنے کا وعدہ کرو اور یہ کہ اپنا یہ وعدہ کبھی نہیں بھولو گے۔"

"اور اپنے لیے کوئی وعدہ نہیں لو گی؟"

محبت کو وداع کرنے کے لیے وعدوں کی ضرورت نہیں ہوتی نہ ہی محبت کے پودے کو ہر روز پانی دینا ہوتا ہے یہ بے پانی پروان چڑھتی ہے ۔یہ زندہ رہتی ہے جب تک ہم رہیں اور اس کے بعد بھی کہیں یادوں میں

کاغذوں میں‘ باتوں میں مگر میں نے آج تمہیں سچے دل سے سونپ دیا۔ اپنا پورے کا پورا دل اور کچھ؟"

کاغذ محبت کے بوجھ سے بھاری تھے۔ اس نے صفحات کھنگالے۔

"محبت کی کہانی کے صفحات کبھی گننے نہیں چاہئیں۔ گنے بغیر یہ کہانی پڑھنی چاہیے۔" وہ صفحات گنتے ہوئے رک گیا۔

"تم اس لڑکی کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہو؟" وہ مسکرائی۔

"اس کی کہانیوں کا اختتام ہمیشہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے۔"

"اس سے پوچھو۔ اسے کبھی محبت کی کہانی لکھنا بھی آئے گی۔" وہ تلخ تھا۔

"تم چاہتے ہو‘ میں اس سے کہوں کہ اپنا قلم توڑ دو؟"

تم اس سے پوچھو کہ کیا وہ تلخ حقائق کے علاوہ بھی کچھ لکھ سکتی ہے؟"

"ایک لڑکی کی زندگی میں کتنی کٹھنائیاں ہوتی ہیں‘ تمہیں کچھ اندازہ ہے ضراب؟"

"ایک لڑکی کی زندگی میں کچھ خواب بھی ہوتے ہیں۔"

"یہ لڑکی انوشہ ... تم یقین کرو‘ یہ بہت خوب صورت لکھتی ہے۔"

"مجھے پتا ہے مناز! یہ بہت عمدہ لکھنا جانتی ہے مگر اس سے کہو کہ ہمیں ایک محبت کی کہانی چاہیے۔"

"جو کہانی تمہارے ہاتھ میں ہے ضراب! وہ بھی محبت کی ہی ہے۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مکمل ناول

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ہاں سلگتی ہوئی' سسکتی ہوئی' بے نام سی۔"

"ہاں' ٹھیک کہتے ہو۔ اس کی زندگی جیسی اس کی ڈھیروں کہانیاں رد کر چکی ہوں۔ مجھے پتا ہے۔ یہ اس کی طرف سے بھیجی گئی آخری کہانی ہے۔ اگر یہ نہ چھپی تو اس نے سمجھو کہ قلم توڑ دیا۔ میں نہیں چاہتی وہ اپنا قلم توڑ دے۔"

"میری بات سنو مہناز! اس سے کہو بس ایک کام کرے۔"

"اور وہ بھلا کیا؟"

"وہ یہ کہ اس سے بولو کہ انجام بدل دے۔" وہ پورا دستہ میز پر پٹخ کر کندھے اچکا کر اٹھا۔

انہوں نے دستہ اٹھایا۔ پیار سے سنبھال کر ایک طرف رکھا اور فون گھما دیا۔ ان کا دل پہلی بار ڈوبا تھا۔ وہ مایوس ہوئی تھیں۔ کس قدر مشکل ہوتا ہے یہ کہنا کہ محبت کی کہانی لکھو جیسے آپ کسی کو کہہ رہے ہوں کہ محبت کرو۔ اور اس سے بھی زیادہ مشکل یہ کہ محبت کی کہانی کا انجام بدل دو۔ بھلا ایسا ممکن ہوتا تو کیا آج شیریں فرہاد ایک نہ ہوتے...... مگر انہوں نے آج یہ مشکل کام کر دیا۔ اور کسی کے سر پہ محبت کی تلوار لٹکا دی۔

کہانیاں دل کے خون سے لکھی جاتی ہیں اور دل کے خون سے لکھی جانے والی کہانیاں صرف کہانیاں نہیں ہوتیں' زندگی ہوتی ہیں۔ پر کچھ بدلوانا تھا۔ وقت کی سوئی کو موڑنا تھا...... یہ جانتے ہوئے بھی کہ سوئی موڑنے کی اندھا دھند کوشش وقت کے لمحات کو توڑ دیتی ہے۔ وقت پیچھے نہیں جاتا۔ بس جیسے رک جاتا ہے۔ سانس اٹک جاتی ہے۔ لمحے تھم جاتے ہیں۔ کائنات آہ بھرتی ہے اور محبت کی آنکھوں سے ایک قطرہ گر جاتا ہے آنسو کا۔

☆ ☆ ☆

"محبت کی کہانی بدلی نہیں جا سکتی بہرام!" اس نے کاغذوں کے پلندے کو دیکھا اس پر ہاتھ پھیرا۔

"میں آخر کب تک تمہاری ناکام کہانیوں کے لفافوں کے بوجھ اٹھاتا رہوں گا انوشہ بی بی۔"

"بہرام! تم تھک گئے ہو؟" وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ "تم تو میرے پیارے دوست تھے۔"

"دوست ہوں۔ مگر تھک چکا ہوں۔" آج وہ پھر اپنی نوکری کے لیے فائل تیار کر رہا تھا۔ کاغذوں کو جمع کر کے سی وی ترتیب دینے والا مرحلہ سر پہ تھا۔ کتنی بار سر پہ آیا اور گزر گیا۔ ہر طرح کا طوفان بھی۔

"دیکھو انوشہ! کہانی کا انجام بدل دو۔ ان کی بات مان لو۔"

وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہہ رہا تھا کہ اس کے لیے اسے اپنا پورا ماضی کھنگالنا پڑے گا۔ کئی بار ہنسنا ہوگا۔ بہت بار رونا ہوگا۔ مسکراہٹ میں چھپی ہوئی کئی کہانیاں جھانکیں گی۔ کب تک آخر کب تک۔

"لکھو ایک تھا بہرام جسے کلثوم کے عشق نے توڑ دیا۔"

"اور میں نے اپنا قلم توڑ دیا۔" انوشہ کا قلم دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔

"تم نے یہ کیسے کیا انوشہ؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم نے وہ سب کیسے کیا؟ جو کرنا مشکل تھا؟" وہ الٹا سوال لے کر آ گئی۔

"ہائے ایک تھی انوشہ...... جو بھاگتے بھاگتے بالآخر پھنس گئی۔ اسے کسی سے محبت ہوئی اور پھر کسی کو اس سے اور اس نے اپنا دل جوڑنے کے لیے کسی کا دل توڑ دیا۔" یہ سب وہ مسکراہٹ دبا کر بول رہا تھا۔

"اس سے پہلے وہ مر جانا پسند کرتی تھی۔" اس نے بہرام کو گھور کر دیکھا۔

"اور وہ کہانیاں لکھتے لکھتے ہار گئی۔" وہ فائل تیار کر چکا تھا۔

جانے دو بہرام! جھوٹے قصے مت گھڑا کرو۔" وہ بگڑ گئی۔

"جھوٹے قصے گھڑنا تمہارا کام ہے ڈیئر کزن! تم بناؤ کہانیاں نت نئی۔ غم دوراں سے غم جاناں کا سفر۔ حق ہا...... " وہ فائل سیدھی کر کے اٹھا۔ "تمہاری محبت میں جو رکاوٹ ہے وہ ہے نوکری جو ہمیشہ محبت کے رستے میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آجاتی ہے۔ وہی نوکری جس کی تلاش میں ہم نے جوتیاں گھسا دیں۔"

"اب دھیان رکھنا..... محبت کے حصول کے لیے نوکری بہت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نوکری میں دیر ہو جائے تو محبت اڑ جائے بھاپ کی طرح۔" وہ ہاتھ کا ہوائی جہاز اڑا کر بولی تو صفحات جو پہلے ہی بے ترتیب تھے اب بے راہ ہو کر آوارہ اڑنے لگے۔

بس اس کے ہاتھ اٹھانے کی دیر تھی' دسترس سے نکلنے کے بعد چیزیں ایسے ہی اُڑ جایا کرتی ہیں' یہاں تک کہ دل بھی' جب ہی تو اس کے ہاتھوں کی گرفت ہمیشہ مضبوط رہی تھی صفحات پر بھی اور مگر دل پر بھی۔

"دل بھلا کیسے پھڑک سکتا ہے؟" اس نے خود سے سوال کرتے ہوئے کمرے کے کونے کھدرے' میز کے نیچے' شیلف کے پیچھے اور بیڈ کے نیچے سے چند کاغذات نکالتے ہوئے خود کلامی کی۔ بہرام اپنی فائل لے کر کب کا کمرے سے جا چکا تھا۔

✲ ✲ ✲

"کچھ عرصے پہلے تک یہ سوچ کتنی اچھی تھی کہ لڑکی اپنا نصیب خود لے کر آتی ہے۔ ابا نے شادی کی تو بے روزگار تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اماں کے نصیب کا پھل آنا شروع ہوا۔ میرب پیدا ہوئی تو ابو کی ترقی ہو گئی ۔ سب نے کہا یہ اپنے حصے کا رزق لائی ہے۔ میں پیدا ہوا تو گھر بننا شروع ہوا۔ عقائد سے لے کر یقین تک کا سفر کتنا سہل تھا اور اب شادی سے پہلے لڑکے کا گھر ہو' گھر میں تین کشادہ کمرے ہوں' گاڑی ہو' اچھی نوکری ہو جس سے لڑکی خوشحال زندگی بسر کرے' بعد میں بچے ہوں تو وہ بھی سکھی ہوں' آسودہ رہیں' اور پیدا ہوتے ہی انہیں احساس ہو کر ہم ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس سب کے حصول کے دوران اگر دیر ہو' اگر لڑکا تھک جائے۔ اگر شادی سے پہلے وہ اپنی قابلیت ثابت نہ کر پائے تو سب بے سود..... سب کچھ بے کار۔" وہ بڑبڑاتا ہوا دادی کے تخت پہ آ بیٹھا۔ دادی نے تسبیح پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر مایوسی دیکھی تو فکر مند ہو گئیں۔

"نوکری کے لیے جا رہے ہو؟"

"جی بڑی اماں۔"

"دعا چاہیے؟" دست شفقت سر پہ رکھ کر پوچھنے لگیں۔

"پتا نہیں کیا چاہیے؟" وہ جھلاتا ہوا اٹھا اور باہر نکل گیا۔ ماں کچن سے چائے لے کر باہر آئیں تو وہ غائب تھا۔ "یہ بہرام کہاں گیا؟"

"چلا گیا۔" وہ افسردہ تھیں۔

"بغیر ناشتہ کیے ہی چلا گیا....." ماں تھیں لاکھ خفا سہی مگر پریشان ہو گئیں۔

"جس طرح بچے کے ناشتے کے لیے پریشان ہوتی ہو اسی طرح اس پہ رحم کیا کرو بہو۔"

"میں نے کیا بے رحمی کی ہے اماں؟" وہ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"جوان بچہ ہے۔ مرضی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ آرام سے راضی ہو جاتے۔ بچے کو کملا دیا فکریں دے دے کر..... عتیق اپنی منوانا چاہے تم اپنی..... حد ہو گئی۔"

"اب اماں! سونیا بے شک میری بھانجی ہے مگر کیا برائی ہے اس میں آخر..... اخلاق کی اچھی ہے' سلیقہ مند ہے۔ پورے گھر کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے اس نے۔"

"مانتی ہوں بہو' سب مانتی ہوں۔ سونیا بری نہیں ہے۔ بری تو انوشہ بھی نہیں ہے۔ گھر کی بچی ہے۔ چچا کی بیٹی۔ سلجھی ہوئی با اخلاق' کیا ہوا جو ہنر مند نہیں ہے۔ کیا ہوا جو کھانے پکانے میں کچھ کوری ہے مگر ہے تو اچھی' شائستہ زبان' دھیمی' لہجہ نرم' کبھی جو ماں کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی ہو اس نے' کبھی جو باپ کے سامنے کھڑی ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ تمہارا اور عتیق کا بھی کتنا احترام کرتی ہے۔"

"میں نے اسے کب بُرا کہا ہے اماں۔ سونیا ذرا منہ پھٹ ہے مگر دل کی بہت اچھی ہے۔"

"بچیاں سب ہی اچھی ہوتی ہیں بہو۔ مگر یہ بھی تو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دیکھو کہ بہرام کس جگہ خوش ہے۔"

"ہاں تو راضی تو ہو گئے ہیں عتیق اب اور کیا کریں۔ لڑکی کے گھر تک تو چلے گئے رشتہ لینے۔" ان کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"بے شک چلے گئے مگر کس طرح چار سال بچے کو رُلا کر پریشان کر کے نڈھال کر دیا۔ غصہ کر کے گھر سے نکال کر، برا بھلا کہہ کر۔"

"رہنے دیں اماں جی اب جو بھی ہے۔ پناہ تو پھر بھی اسے باپ کے گھر میں ملی۔ اب کتنے دن رکھا پھپھی نے بالآخر چھوڑ دیا یہ کہہ کر میاں اب اپنے گھر جاؤ، ہم بھی جوان بچی والے ہیں۔ تب تک رکھا جب تک امید رہی کہ ان کے رحم کے جذبے سے متاثر ہو کر وہ **فضیلہ** سے شادی کرنے کے لیے راضی ہو جائے گا۔ تب تک خوب آؤ بھگت کی، گھر پہ رکھا، کھلایا پلایا سہارا دیا۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ کلثوم نام کا تعویذ جو اس نے پہنا ہے وہ کبھی نہیں اتر سکتا تو دروازہ کھول دیا کہ اب گھر جا سکتے ہو۔

اسے بھی پتا چل ہی گیا کہ ماں باپ ہی ساری زندگی ناز نخرے برداشت کر سکتے ہیں۔ اب ہوش آ گیا نا۔ عتیق جتنا بھی بگڑیں، برا بھلا کہیں، گھر سے نکل جانے کا کہیں مگر پڑا رہتا ہے۔ اتنا اکڑو بن کر رہتا ہے تب بھی ..... یہ نہیں کہ باپ سے پوچھ لے آ کر کہ کاروبار کیسا جا رہا ہے۔ کبھی آ کر ہاتھ ہی بٹا دے۔"

"اب رہنے دو بہو! پڑھائی لکھائی اس لیے نہیں کی ہے کہ کپڑے کی دکان پر بیٹھ جائے۔ یہی کرانا تھا تو پڑھایا لکھایا کیوں پھر؟"

"حقیقت تو یہی ہے اماں کہ پہلے خود عتیق نے اور اس کے بعد آپ نے ہی اس کا دماغ خراب کیا ہے۔ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا وہ....."

"عجیب ماں ہو بہو تم۔" انہوں نے کہہ کر پھر سے تسبیح اٹھالی۔

"ہاں عجیب ہی ماں ہوں تب ہی تو اس کے کہنے پر لڑکی کے در پہ چلے گئے اور انہوں نے کیا کیا؟ یہ کہہ کر بھگا دیا کہ جب لڑکے کو ملازمت ملے اور اپنا الگ پورشن بنوا لے تو آ جائیے گا تب تک اگر لڑکی کے لیے کوئی اور اچھا رشتہ آ گیا تو ہم وہاں کر دیں گے۔ یہ ہوتا ہے سلوک .... جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا۔ یہ عزت ہے اس کی کلثوم بی بی کی نظر میں اور اٹھا کر ماں باپ کو پرائی چوکھٹ پر لے گیا۔ گھر میں تین تین لڑکیاں تھیں۔ چلو سونیا نہیں انوشہ سے کر لیتا۔ انوشہ نہیں تو **فضیلہ** ہی سگی پھپھی کی بیٹی تھی آخر۔ مگر کہاں .... اس کی آنکھ تو وہاں ڈوبی جہاں تیرنے کا آسرا ہی نہیں۔" وہ با آواز بلند کہتی ہوئی چلی گئیں۔

اور ادھر ان کی ساری آوازیں سنتی ہوئی مگر ایک کان سے سن کر دوسرے سے، ہمیشہ کی طرح نکالتی ہوئی اپنے تھکے ہوئے صفحات سینے سے لگائے بستر پر دھپ سے بیٹھ گئیں۔ انوشہ بی بی!

اور ایڈیٹر صاحبہ کہتی ہیں "محبت کی کہانی لکھو محبت کی کہانی" وہ اٹھ کر کھڑکی تک آئی، کھلی کھڑکی سے باہر جھانکا تو دھوپ کسی آتشی گولے کی طرح گرم ہوا کے تھپیڑے برساتی ہوئی اس سے آلپٹی تو اس نے گھبرا کر کھڑکی کا پٹ تیزی سے بند کر دیا۔ بستر پر پڑا ہوا سیل فون ہلکی مدھم آواز سمیت تھرتھراتے ہوئے چمکنے لگا تو اس نے لمبی سانس بھر کر صفحات میز پر رکھ کر فون اٹھا کر چمکتی ہوئی اسکرین پر مانوس نام دیکھا تو لمحے بھر کو ہر ایک چیز ساکت ہو گئی۔ کائنات جیسے ساکت ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

پہلے پہل سب کی کہانی میں راوی چین لکھتا ہے۔ اس کی زندگی کی اٹھان بھی یہی تھی۔ یہی خوب صورت بچپن، پیاری پیاری یادیں۔ امی ابا کا ڈھیر سارا پیار اور اکلوتے پن کا اعزاز سر پہ لیے ہوئے وہ مطمئن خوش اور چہکتی ہوئی۔ لاڈلی انوشہ بے بی ساری باتیں، تجزیے، تجربے اس سے شروع ہو کر اس پر ختم تھے۔ ہر کام اس سے پوچھ کر کرتا ہوا، بس ایک محبت ہی بے پوچھے کر بیٹھا تھا۔

اس دن وہ اس سے خفا تھی جس دن بہرام کلثوم سے لے کر کلثوم تک کا سبق پڑھتا رہا تھا پھر وہ آہستہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آہستہ اس کی محبت کے اٹھتے ابال کو دلچسپی سے لینے لگی۔ وہ باقاعدہ کلثوم کی باتیں اس سے پوچھنے لگی تھی۔

اس وقت وہ دونوں ٹین ایج تھے۔ نئے نئے کالج میں آئے تھے۔ انہیں ان ہی دنوں جب اس کی ماں اور اس کے باپ کے درمیان لمبی خاموشی چل رہی تھی۔ وہ فون کرتے تو انوشہ سے بات کرتے اور رکھ دیتے۔ پھر پتا چلا کہ اس کے باپ نے باہر شادی کرلی ہے اور ساتھ بہت سارے سوال سر اٹھانے لگے کہ وہ تو بس کمانے کے لیے گئے تھے۔ انہیں یہاں نوکری نہیں ملی تھی۔ کاروبار میں خسارہ ہو رہا تھا وہ آٹھ نو سال کی تھی جب بابا نے اسے گود میں چڑھا کر بتایا تھا کہ انو بے بی! بابا کو اجازت دیجیے' بابا آپ کے لیے ڈھیر سارے پیسے جمع کر کے لائیں گے۔ وہ باپ کی ہر بات بہت آسانی کے ساتھ مان جایا کرتی تھی' یہ بھی مان لی۔ اسے اعتماد تھا کہ بابا جو کہتے ہیں وہی سچ ہوتا ہے۔ یہ پٹیاں اس کی دادی کی پڑھائی ہوئی تھیں۔

شروع شروع میں ان کے جانے سے وہ بیمار پڑ گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے بابا کی دوری برداشت کی تھی۔ پھر اسے اپنی عادت بنانی پڑی۔ فون وہ پابندی سے کرتے تھے۔

وہ سنتی' کبھی اس کی ماں فون پر اس کے باپ کو برا بھلا کہہ رہی ہوتی کبھی منتیں کر رہی ہوتی کہ لوٹ آؤ ... کبھی پریشان ہو جاتی۔ کچھ سالوں سے یہ تبدیلی آئی کہ اس کی ماں نے پہلے کی طرح اب لڑنا چھوڑ دیا تھا اور چپ سادھ لی تھی۔ وہ پہلے جیسی خوب صورت نہیں رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اپنی ماں کو مرجھاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اور جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو زندگی میں پہلی بار اس نے پورے دل سے چاہا کہ ان کو برا سمجھنا شروع کر دے۔ اس نے انہیں فون کیا۔ وہ لڑنا چاہتی تھی۔ انہیں مورد الزام ٹھہرانا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے وہ بول پڑے۔

"انو میری بات سنو۔"

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے	350/- روپے
3 بوتلوں کے لئے	500/- روپے
6 بوتلوں کے لئے	1000/- روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جب وہ یہ کہتے تھے تو وہ چپ کر کے سن لیتی تھی۔

اس بار بھی یہی ہوا‘ مگر اس بار بات کچھ الگ تھی‘ اس سے قطعی الگ کہ ’دیکھو اپنا خیال رکھنا۔ بابا جلدی ملنے آئیں گے۔ اس عید پر تصویر کھینچ کر بابا کو بھجوانا۔ بابا کو یاد سے خط لکھنا۔ بابا تمہیں بہت یاد کرتے ہیں اور ہر بار اس کے شکوے مٹ جاتے تھے۔ ایک دو سالوں سے وہ ذرا زیادہ کم فون کرنے لگے تھے یا پھر یہ کہ طریقہ بدل گیا تھا خیال رکھنے کا۔ وہ اسکول سے کالج میں آگئی تھی۔ انہوں نے اس کے رزلٹ کی تعریف کی تھی۔ پھر یہ کہ ”انو بڑی ہو گئی ہے۔“

”اب اور جی لگا کر پڑھے گی۔“

”یہ بتاؤ پیسے کتنے چاہئیں؟ میں نے تمہارے لیے جو نیا فون خرید کر بھیجا ہے وہ کیسا ہے؟“

”ارے ہاں بہرام نے بتایا کہ تم سارا سارا دن کہانیاں بناتی رہتی ہو؟

مجھے کوئی کہانی ضرور سنانا اپنی‘ کسی دن فرصت سے لمبی کال کروں گا۔“

”مگر اپنی پڑھائی پر بھی توتوجہ دو نا۔“

”اچھا پھر رکھتا ہوں‘ تھک گیا ہوں....“

”اور اب انو میری بات سنو۔ دیکھو کئی سال ہو گئے۔ پرائے ملک میں رہتے ہوئے‘ بڑی مشقت کاٹی ہے۔ تمہیں بھی پتا ہے۔“

وہ کہنا چاہتی تھی واپس آجائیے۔ مت کاٹیے مشقت ہم خوش ہیں.... دوسری صورت میں بھی گزارا کر لیں گے مگر ان کو سننے سے زیادہ کہنے میں دلچسپی تھی۔

”دیکھو خود سے کھانا بنانا پڑتا تھا۔ یا پھر باہر کا‘ گھر میں کوئی خیال رکھنے والا نہیں تھا نا.... اور بہت سے مسائل اور ان کے نتیجے میں بے بسی سے یہ بتایا کہ بالآخر شادی کرنی ہی پڑ گئی۔“

”مطلب شادی کو کچھ سال ہو گئے ہیں۔ بتا آج رہے ہیں۔“

”تمہارا ایک چھوٹا بھائی ہے انس‘ اور بہن چھ ماہ کی ہے۔ میں تصویر بھیجوں گا۔ تم دیکھنا بہت پیارے ہیں تمہارے جیسے.... وہ جب تم سے ملیں گے‘ تمہیں آپا کہہ کر بلائیں گے۔ تمہیں کتنا شوق تھا نہ کہ تمہارا کوئی چھوٹا بہن بھائی ہوتا دیکھو اب کتنا اچھا لگے گا تمہیں سب کو یہ بتاتے ہوئے کہ تمہاری ایک چھ ماہ کی بہن ہے۔ شکل میں تم سے ملتی ہوئی اور تمہارے بھائی کی آنکھوں کا رنگ بھی تمہاری آنکھوں جیسا ہے‘ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پیر بھی پتلے پتلے سے ہیں وہ تمہارا طرح بہت پیارا ہے انو۔“

وہ بولتے رہے۔ اس کا دل خالی ہوتا رہا اور بول کر جب خود کو بری الذمہ قرار دے دیا گیا تو فون کھٹ سے بند وہی رسمی جملہ ”اپنا خیال رکھنا۔“

اس نے کہا آپ نے تو نہیں رکھا نا۔“ اور تب فون بند تھا۔

پہلی بار اس نے چاہا کہ ماں اس کے گلے لگ کر روئے۔ اس سے اس کے باپ کی شکایتیں کرے۔ وہ بھی یہ سب سننا چاہتی تھی مگر اس کا الٹ ہوا۔ انہوں نے اسے سامنے بیٹھے دیکھ کر صرف اتنا کہا کہ ”تھک گئی ہوں۔ مجھے پتا نہیں کیوں اندازہ ہے تم میرے بغیر بھی پل سکتی ہو۔ بلکہ پل تو گئی ہو۔ تمہیں مجھ سے کچھ پوچھ گچھ کرنے کی عادت نہیں ہے‘ نہ تم مجھ پر ڈیپینڈڈ ہو.... جوان ہو۔ برا بھلا سمجھتی ہو اپنا۔ یقین ہے تم اپنا خیال رکھو گی۔“ اس کی ماں کا لہجہ خالی تھا۔ وہ گنتی کی چند چیزیں لے کر یہاں سے چلی گئی تھی۔

دو راتیں اس نے بہت دکھ میں گزاریں۔ مانا کہ وہ ان پہ کم دادی پہ زیادہ انحصار کرتی تھی۔ یا پھر خود ماں بیٹی کے درمیان کم دوستی تھی۔ تب بھی وہ ماں تو تھیں نا‘ کمرے میں موجود تو رہتی تھیں بغیر محسوس کرائے اس کے کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھ دیتی تھیں۔ اس کے کاغذات سمیٹ کر رکھ دیتیں۔ وہ جب تک تھیں انہوں نے خود ہی گھر کے کام کا بوجھ اپنے اوپر لے رکھا تھا۔ وہ دو دن اس نے مشکل سے گزارے تھے۔ تیسرے دن وہ انہیں منانے چلی گئی تھی۔

”امی! آپ گھر واپس آجائیں.... میرا جی نہیں لگتا آپ کے بغیر۔“

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"انو! میں تمہارے لیے رکی رہی تھی... تم نو سال کی تھیں جب تمہارا باپ باہر گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ میرا اتنا خیال تو نہیں رکھتا تھا... مگر پھر بھی شوہر تھا' اس کی موجودگی ہی کافی تھی۔ میں نے اس سے کبھی پیسے کی ڈیمانڈ نہیں کی۔ تمہیں پتا ہے مجھے سادہ کھانے سادہ پہننے کی عادت نہیں تھی مگر ڈال لی۔ وہ میری وجہ سے نہیں گیا تھا انو... اسے خود ہی شوق چرایا تھا پھر پہلے سال وہ ایک ہفتے کے لیے آیا پھر دو سال بعد ایک مہینے کے لیے اور پھر آنا چھوڑ دیا۔ میں کبھی اس کے لیے ضروری نہیں رہی۔ اس کے دل میں میری کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں سب کچھ تمہاری وجہ سے سہ رہی تھی... سن رہی تھی۔ برداشت کر رہی تھی۔ میں تب ہی نکل جاتی۔ مگر میں نے تمہارا سوچا۔

اب تم سمجھ دار ہو' بڑی ہو۔ میری موجودگی ویسے ہی وہاں فضول ہے۔"

"وہ بہت برے ہیں امی... مگر وہ ہیں تو آپ کے شوہر ہی۔" اس کے پاس جیسے بولنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ ہنس پڑیں اس کی بات پر۔

اس کی خالہ اندر آئیں تو انہوں نے واضح طور پر ہر اس ناانصافی کا شکوہ کیا جو اس کی ماں کے ساتھ اُس گھر میں ہوئی تھی۔ وہ حیران تھی کہ کبھی اس نے کچھ کیوں نہ دیکھا۔ اس کی خالہ نے بتایا کہ وہ سب دیکھنے نہیں محسوس کرنے لائق تھا۔ اس کی ماں کی اس گھر میں عزت تھی نہ اہمیت۔

"کچھ جھگڑے ظاہر نہیں ہوتے۔ تُو تُو مَیں مَیں کے نہیں ہوتے۔ کچھ جھگڑے سرد جنگ کی طرح چھا جاتے ہیں اور ہر احساس پر تہہ جم جاتی ہے برف کی یا مٹی کی پر' شکلیں دھندلا جاتی ہیں۔ تعلق پہ کائی جم جاتی ہے۔ اس شخص نے کبھی منیرہ سے محبت نہیں کی اور وہ دنگ رہ گئی۔

ساری بے انصافی محبت کی تھی۔ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے کتنے مسائل نے جنم لیا تھا پھر دوسرا جملہ تمہاری ماں کو تم سے محبت تھی اسی لیے وہ وہاں رکی رہی۔ اس کی ماں کی آنکھوں سے تواتر کے ساتھ آنسو گر رہے تھے۔ وہ ان سے لپٹ گئی۔

اور کئی دن تک وہ ان کے ساتھ رہی تھی۔ نانو کے گھر وہ پہلی بار اتنے دن رہی تھی۔ پہلی بار اس نے ماں کا خیال اسی طرح رکھنا شروع کیا تھا۔ بغیر کہے ان کے کپڑے استری کر کے لٹکا دینا۔ بغیر بتائے ان کی آنکھوں کی تھکن محسوس کر کے فوراً" ان کے لیے چائے بنا لانا۔

ان ہی دنوں جب وہ ان کی ہر پریشانی محسوس کرتی تھی۔ جب وہ بغیر پوچھے روزانہ رات کو سونے سے پہلے دودھ کا گلاس بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ آتی تھی اور سوتے وقت ان کے بازو سے لگ کر سونا عادت بنائی تھی ان ہی دنوں جب وہ نانو کے گھر میں ان سے کوکنگ سیکھنے لگی تھی دو بار بہرام اسے لینے کے لیے آیا تھا۔ ایک بار عتیق چچو نے فون کیا تھا۔ دادی کئی بار چچی کے ہاتھوں پیغام بھیج چکی تھیں۔ مگر وہ صرف ماں کے ساتھ وقت بتانا چاہتی تھی۔

اپنا فون وہ زیادہ تر بند رکھتی تھی اور باپ کی ایک کال اس نے مس کر دی تھی۔

ان ہی دنوں نانو کے گھر ایک لفافہ آیا تھا جو اس نے چاک کیا تھا اور وہ اس کے باپ کی طرف سے اس کی ماں کے لیے طلاق نامہ تھا... وہ دنگ رہ گئی اور اس دن اس کے پاس جواز آ گیا کہ وہ اپنے باپ کو بُرا کہے نہ کہے مگر سمجھے ضرور۔

اس کی ماں کے لوٹنے کا امکان پوری طرح سے ختم ہو گیا اور اس کے ماں کے پاس رہنے کا امکان بھی اسی طرح کھو کھلا ہوا کہ جب اس کی ممانی کو احساس ہوا کہ وہ ماں کے پاس رہنا چاہتی ہے' انہوں نے اندر ہی اندر احتجاج کرنا شروع کیا۔

اور ماں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اس سے پہلے ممانی باضابطہ طور پر تمہیں جانے کے لیے کہیں تم چلی جاؤ اپنے ددھیال میں جہاں تمہاری اصل جگہ بھی ہے اور اہمیت بھی ہے ان ہی دنوں جب وہ ماں کی عادی ہو گئی تھی' ان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی اسے لوٹنا پڑا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ گھر میں داخل ہوئی مرجھائی ہوئی۔ دادی کی باتیں ' چچی کی نصیحتیں یا پھر بہلاوے ' بہرام کا کلثوم نامہ ' چچا کی پڑھائی کے متعلق پوچھ گچھ۔ کالج کی لڑکیاں ' باتیں ' کھلکھلاہٹیں کچھ بھی اس کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ کہیں دل نہیں لگ رہا تھا بس دل کو اٹکائے ہی رکھا تھا ہر جگہ۔

صبح کالج جاتے وقت دادی سے دعا لے کر جانے کی عادت ' مگر اب وہ جاتے وقت ماں کو ایک ٹیکسٹ کر دیتی تھی کہ کالج جا رہی ہوں۔ پھر ان کا پوچھنا کہ ناشتہ کر لیا ہے۔

جی کر لیا۔

کپڑے پریس کر لیے تھے ' جوتے پالش کے بغیر تو نہیں پہنے۔ جرابیں الماری کی نچلی دراز میں ہی رکھا کرو۔ جگہ بدلو گی تو بھول جاؤ گی۔ فون دھیان سے رکھنا۔ کلاس کے دوران بند کرنا نہ بھولنا اور چھٹی کے وقت کھولنا۔ گھر پہنچ کر بتا دینا کہ پہنچ گئی ہو۔ کھانا یاد سے کھا لینا دوپہر کا وغیرہ۔

ایسے چھوٹے بڑے کئی ٹیکسٹ ' کئی باتیں۔ پہلی بار یہ احساس کتنا اچھا تھا کہ محبت بھی الگ الگ قسم کے راستوں میں الگ طرف سے آ بستی ہے۔ رچ بس جاتی ہے۔ اندر کی کمیوں کجیوں کو دھونے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور کمیاں کجیاں نہ دھل پائیں تو بھی مسئلہ نہیں ہوتا۔ محبت ہی تو ہوتی ہے جو کمیوں کجیوں سمیت قبول کرتی ہے اور پھر وہ کمیاں کجیاں خوبیوں سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہیں۔ بد صورتیاں ' خوب صورتیوں میں بدل جاتی ہیں۔

جیسے بہرام اور کلثوم.... جیسے اس کی دادی اور اس کا باپ.... جیسے وہ اور اس کی ماں.... رشتے کتنے مضبوط تھے۔

ایک محبت نکال دو تو بالکل ویسے جیسے وہ پہلے ماں کے ساتھ اجنبیوں کی طرح رہی تھی۔ جیسے اس کی امی ابا رہے تھے ایک دوسرے کے ساتھ.... جیسے بہرام نے ابھی کلثوم کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا.... جیسے زندگی میں کوئی ہل چل نہ تھی۔ کوئی احساس نہیں تھا۔ نہ ہی خواب۔

☼ ☼ ☼

اس نے نانو کے گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی ماں سے باہر ملنے لگی تھی ' ہر ہفتے کی شام بہرام اسے گھر سے ایک گھنٹے کی دوری پر چھوڑ آتا تھا۔ عصر سے مغرب تک وہ ماں کے پاس ہوتی تو کبھی مغرب سے عشاء تک گپ شپ کرتی۔ ان سے کچھ سنتی کچھ سناتی.... وہی بے وجہ کی باتیں مگر عجیب ہی سکون تھا۔ باقی پورا ہفتہ بہرام اس کا دل بہلانے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ شام کی چائے بنانے کی ذمہ داری اس کی تھی۔ شام کی چائے پہ بہرام ہوتا ' وہ ہوتی۔ وہ ماں کی باتیں کرتی ' باپ کی کرتے کرتے رک جاتی۔ نو دس سال پہلے کی باتیں پرانی تھیں۔ اسے فرسودہ و بوسیدہ لگتی تھیں۔

باپ ہفتے میں ایک کال کرتا۔ گھنٹہ بھر ماں سے بات کرتا تھا۔ وہ صرف آپ کیسے ہیں۔ میں ٹھیک ہوں ' ایک دو منٹ کے علاوہ نہ ٹھہرتی۔ مجھے ہوم ورک کرنا ہے بابا۔ کالج کا کام ہے ' کچن کا وغیرہ کہہ کر ہٹ جاتی تھی۔ دادی کی وہی نصیحتیں کہ باپ ہے ' یاد کرتا ہے ' بات کر لیا کرو۔ پوچھتا ہے ' فکر رہتی ہے اسے تمہاری۔

اور وہ اب یہ باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی۔ دادی اس کی لاپروائی پہ چڑ جاتی تھیں۔ مگر کیونکہ وہ بحث نہیں کرتی تھی اس لیے بچت ہو جاتی تھی۔

رات کے کھانے میں سالن بنانے کی ذمہ داری بھی اس نے خود ہی اپنے سر لے لی تھی۔ اس کے بعد عشاء پڑھ کر وہ کوئی نہ کوئی کتاب اٹھا لیتی تھی ' پڑھنے کے لیے یا پھر قلم اور کاغذ ہو جاتے.... بے سروپا لکھتی جاتی۔ جو سمجھ میں آتا۔ وہ کاغذ پر منتقل ہو جاتا اور جو سمجھ میں نہ آتا وہ بھی۔

بہرام نے اس کی ایک دو کہانیاں اٹھا کر رسالے میں بھجوا دیں ' جو چھپ بھی گئی تھیں۔ بہرام رسالے لے آیا تھا ' وہ خوش تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسے خوش ہونا چاہیے یا نہیں۔ لکھنا اس کے لیے شہرت کی چاہ نہیں تھا نہ ستائش کا باب۔ بس وہ لکھ دیتی۔ بعد میں تجزیے تبصرے بھی وہ ہی پڑھ لیتا یا پھر پڑھ کر سنا دیتا' اسے اچھا لگتا۔

ان ہی دنوں وہ یونیورسٹی میں داخل ہوئی تھی۔ اور اس کی خالہ نے فون کر کے اسے بتایا کہ وہ لوگ اس کی ماں کی کہیں شادی کر رہے ہیں۔ اس کے لیے یہ ایک حیرت کا جھٹکا تھا۔

اس کی خالہ نے فون رکھنے سے پہلے اس سے کہا "انوشہ! کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ ضرور سوچنا کہ تمہاری ماں کی آدھی جوانی تمہارے باپ کی لاپروائی کی نذر ہو گئی تھی اور اب عمر کے اڑتالیسویں سال میں جب وہ جوانی کو پوری طرح پیچھے چھوڑ رہی ہے تو آگے کا سفر بہت کٹھن اور اکیلا ہو گا۔

اس نے سوچا کہ خالہ کو بتائے کہ ہم نے تو سوچا تھا کہ ہم عنقریب ایک کرائے کا گھر لے کر اکٹھے رہیں گے۔ میں نے کالج کے اسٹوڈنٹس کو پڑھانے کے لیے سوچا تھا۔ میں اپنے اچھے ریکارڈ کی بنیاد پر ایک دو پرائمری اسکولوں میں سی وی دے کر آگئی تھی کہ کہیں سے بس اتنے اخراجات مل سکیں کہ میں ماہانہ کرایہ ادا کر سکوں تاکہ میں بقیہ عمر اپنی ماں کے ساتھ محبت سے بسر کروں۔

مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ وہ اس روز نانو کے گھر گئی تھی اس شخص کو دیکھنے کے لیے۔ وہ پچاس پلس ہشاش بشاش خوش گوار طبیعت کا مالک لگتا تھا۔ پھر خالہ کے ساتھ جا کر اس نے اس آدمی کا گھر دیکھا تھا۔ اس کی پھوہڑ' بدلحاظ' بد مزاج قسم کی بیٹی سے بھی ملی تھی جو عمر میں اس سے چار چھ سال بڑی ہو گی۔

شادی شدہ تھی' بڑی رکھائی سے ملی تھی۔ وہاں سے لوٹی تو ماں کو ساری تفصیل ایسے سنائی جیسے چھوٹی بہن بڑی بہن کا رشتہ ہونے پر چھان بین کرتی ہے۔

"اچھا ہوا امی! اس لڑکی عرشی کی شادی ہو گئی ہے ورنہ وہ آپ کو تنگ کرتی.... عجیب بیزار قسم کی لڑکی تھی۔" ماں اس کی بات پر ہنس دی تھیں۔

"اور کسی سے ملیں؟"

"آپ کا مطلب ہے اُن سے؟" وہ شوخی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

منیرہ کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ کتنا عجیب لگتا تھا بیٹی' ماں سے سوال کرے۔ چھیڑے کہ تنگ کرے۔ انہیں فی الفور احساس ہوا کہ یہ عمر تو ان کی بیٹی کی ہے' کسی کے بارے میں سوچنے کی۔ پوچھنے کی۔ شرمانے' لجانے' جتانے کی۔ سب کچھ کتنا عجیب سا ہو رہا ہے۔ ان کا دل جیسے بیٹھ سا گیا اچانک۔

"آپ کیوں پریشان ہیں امی! وہ اچھے ہیں۔ ویسے وہ بتا رہے تھے کہ وہ یونیورسٹی لائف سے پہلے آپ کو پسند کرتے تھے۔ پھر آپ کی شادی ہو گئی.... انہوں نے بھی شادی کر لی۔ ان کی بیٹی مجھ سے بڑی ہے.... اگر میری پیدائش چھ سال بعد نہ ہوتی تو میں بھی عرشی کے برابر ہوتی اور میری بھی شادی ہو چکی ہوتی۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"تمہاری اب بھی شادی ہو سکتی ہے گڑیا۔" انہوں نے اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بہرام کیسا لگتا ہے تمہیں انوشہ؟"

"وہ ہنس پڑی۔" بہرام تو میرا دوست ہے' اچھا ہی لگے گا۔"

"اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"امی.... نہیں نا.... وہ کلثوم کو پسند کرتا ہے۔"

"تم اسے کرتی ہو؟"

"نہیں امی! کیا ہو گیا.... کرتی ہوں مگر ایسے نہیں۔ وہ میرا کزن ہے' دوست ہے۔ بلکہ وہی دوست ہے۔"

"وہ اچھا لڑکا ہے انو۔ تمہارا خیال رکھے گا۔"

"وہ ویسے ہی خیال رکھتا ہے امی بغیر کسی لالچ کے۔" اب آپ پھر ایسی بات نہیں کیجئے گا۔ دیکھیں ابھی تو میں نے یونیورسٹی کلیئر کرنا ہے۔ ابھی نہیں پلیز۔"

"اچھا.... ایسا کوئی معاملہ ہو تو مجھے ضرور بتانا اور فوری بتانا۔"

"ٹھیک ہے بتا دوں گی.... بس ختم کریں یہ بات۔ یہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بتائیں شاپنگ پر کب چلیں۔"

"شاپنگ کیوں انو؟"

"امی.... بس بہت ہو گئی سادگی۔ اب آپ کو خوش رہنا ہے۔ اپنا خیال رکھنا ہے.... وہ بہت اچھے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ سب اچھا ہو۔"

"امی ایک بات پوچھوں؟ آپ بھی انہیں پسند کرتی تھیں۔"

"انو؟" وہ ناگواری سے دیکھنے لگیں۔

"اچھا' نہ بتائیں۔ خالہ سے پوچھ لوں گی میں بھی۔"

"انو کچھ تو عقل سے کام لو۔ میری اب عمر ہے ان باتوں کی۔"

"آپ اب بھی جوان لگتی ہیں۔"

"بہلاؤ مت مجھے۔"

"نہیں یہ سچ ہے۔ آئیں آئیں میں آپ کو آئینہ دکھاؤں۔"

"رہنے دو انو۔" وہ گڑبڑا گئیں۔

انوشہ انہیں کھینچ کر آئینے تک لائی۔ "اب دیکھیں آپ زیادہ پیاری ہیں یا میں؟"

یہ تو سچ تھا کہ ان کے چہرے کے نقوش دلکش تھے۔ رنگت دمکتی ہوئی' پلکیں گھنی گہری آنکھیں بالوں میں سیدھی مانگ۔ سوبر سی مگر اب بھی خوب صورت لگتی تھیں۔

انوشہ کی رنگت دبتی ہوئی تھی' آنکھیں درمیانی بھنویں گہری' ہونٹ بھرے بھرے' ناک نہ چھوٹی نہ زیادہ لمبی۔ مناسب نین نقش تھے مگر جاذبیت بہرحال تھی۔

"تمہیں کیا پتا کہ اصل خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔ چلو چھوڑو اب بیٹھو۔ میں تھک گئی ہوں۔ تھوڑا آرام کروں گی۔"

"آپ اتنا جلدی کیوں تھک جاتی ہیں امی!"

"انو بیٹھو.... میری بات سنو دیکھو! میں یہ شادی اپنے ارمان پورے کرنے کے لیے نہیں کر رہی۔ تم ایسا برتاؤ مت کرو بیٹا! مجھے برا لگتا ہے۔"

"امی! خوشی پر سب کا حق ہوتا ہے اور اس سب کی کوئی خاص عمر نہیں ہوتی۔ اور آپ مجھے مت روکیں۔ دیکھیں میری کوئی بہن بھی تو نہیں ہے.... میرب تو عجیب ہے۔ اتنی سی چھوٹی سی عمر میں شادی کر کے بیٹھ گئی.... خیر مگر مجھے اچھا لگے گا نا۔ آپ کے ساتھ.... آپ تو مجھے مت روکیں۔"

وہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ "انو! تمہیں کون سمجھائے.... وقت بہت اثر رکھتا ہے۔ عمروں پر.... انسانوں پر۔" وہ بڑبڑاتی رہ گئیں۔

پورے مہینے بعد وہ گھر لوٹی تھی۔ دادی اس سے خفا تھیں۔ بہرام بہت خوش تھا کہ وہ آتو گئی اور اب اندازہ تھا کہ اس کے وہاں جانے کا بہانہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی دادی نے پہلی بار اس کی ماں کے لیے کچھ ناگوار جملے کہے تھے جس پر اس نے انہیں ٹوکا تھا۔

"آپ کی مرضی آپ جو سوچیں مگر میرے سامنے میری ماں کو بُرا مت کہیں بی اماں۔"

"بس لگ گئے پر۔ سیکھ آئیں نانی کے گھر کے سبق۔"

اب وہ کیا کہتی کہ نانی کے گھر کے سبق اگر ایسے ہوتے تو اس کی ماں نے اتنا عرصہ خاموشی کی نذر نہ کر دیا ہوتا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر آگئی تھی پھر اس نے بہرام کو بتایا کہ کیسے اس نے شادی کی تیاری کی' وہ کیسی لگ رہی تھیں' کس رنگ کے کپڑے پہنے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس نے خود تصویریں کھینچی تھیں۔ انکل عزیز کہتے زبان نہیں تھک رہی تھی۔

"اتنی مایوس ہو تم اندر سے انو...." بہرام اسے کب سے یوں بولتے ہوئے سن رہا تھا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا۔ میں تو خوش ہوں۔"

"جب انسان اندر سے ان سکیور ہوتا ہے انو تو یوں ہی بول بول کر خوشی کا اظہار کرتا ہے' زبردستی۔ تمہیں کس چیز کا ڈر ہے۔" وہ یک دم چپ ہو گئی۔ اس نے کوشش تو بھرپور کی تھی ہر جگہ ہروقت ٹھیک رہنے' ٹھیک رکھنے اور کرنے کی۔ پھر بھی ایسا محسوس ہوتا تھا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دل میں کوئی کانٹا سا چبھ گیا ہے۔
"بہرام.... وہ امی کو خوش رکھیں گے نا؟ جو خوشیاں پاپا نے انہیں نہیں دیں۔ وہ انکل عزیز تو دیں گے دینی تو چاہئیں۔ وہ کہہ رہے تھے وہ امی کو پسند کرتے تھے۔"
"تم نے اچھا کیا انو.... چچی کا ساتھ دے کر انہیں خوشی دے کر ہو سکتا ہے سب اچھے کے لیے ہی ہوا ہو۔"
"ہوم۔ ان شاء اللہ سب اچھا ہو گا۔"
"تم چچا سے بات کر لینا انو۔ وہ پوچھ رہے تھے تمہارا۔"
"وہ مجھے اب اچھے نہیں لگتے بہرام! انہوں نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے اور انہیں کوئی احساس ہی نہیں ہے۔"
"انہوں نے اپنا حق استعمال کیا ہے انو! وہ وہاں اکیلے تھے۔"
"نہیں بہرام۔ اگر اکیلے تھے تو امی کو بلوا لیتے ہمیں بلوا لیتے۔ انہیں وہاں بہت سے سال ہو گئے تھے۔ وہ بلوا سکتے تھے۔"
"اچھا چھوڑو اب تم اپنا دل خراب مت کرو۔ کل چلنا ہم پریس کلب سے بہت ساری کتابیں خریدیں گے وہ بھی آدھی قیمت پر۔" وہ اس کی بات پر مسکرا دی۔
"مجھے لگتا ہے میرے اندر سمندر اتر گیا ہے بہرام! لگتا ہے لہر پہ لہر آ رہی ہے۔ اور کبھی لگتا ہے کچھ نہیں دیکھو سمندر کے نزدیک اتنی عمارتیں ہیں۔ لوگ آتے ہیں۔ تب بھی لگتا ہے سمندر اکیلا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں بھی اکیلی ہوں۔ بہرام۔"
"تم اکیلی نہیں ہو۔ میں ہوں ہم سب ہیں اور پھر تمہاری کتابیں کاغذ اور قلم ہے۔"
"اس کا تو مجھے یقین ہے پر....."
"پر کیا؟"
"کیا امی مجھ سے دور چلی جائیں گی بہرام ایسے ہی جیسے بابا چلے گئے؟"
"اصل بات اب آئی ہے نا زبان پر۔ کب سے پوچھ رہا تھا۔"
"اب یہ خدشہ تو ہے نا بہرام۔"
"تم چپ کرو ہم تمہارے لیے کوئی کلثوما ڈھونڈتے ہیں۔" وہ اس کی بات پر ہنس دی۔
"ہاں واقعی یہ اچھی تجویز ہے۔ تم کلثوم کی باتیں کرتے ہو۔ میں کلثومے کی کروں گی۔" وہ ہنس پڑا۔
"چلو باہر چلیں پارک میں۔"
"کلثوم آئے گی کیا؟"
"نہیں بھئی یونہی۔"
"اچھا پھر چلو چلتے ہیں۔" وہ دونوں باہر نکلے تو عتیق بیٹھے تھے۔
"کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟"
"ابو باہر جا رہے ہیں۔ ذرا پارک تک۔"
انہوں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ "مغرب تک آ جانا۔ نماز گھر پہ پڑھنا۔"
"جی بہتر...." وہ کہہ کر بائیک نکالنے لگا۔ انوشہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔
"پھر تم نے کیا سوچا عتیق میاں؟"
"سوچا تو ہے پر یہ مانے تب ناں۔"
"تم اس سے پوچھو نہیں بس حکم سناؤ۔"
"سارا سارا دن تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا یہ بہرام کو ہو کیا گیا ہے۔"
"بہن بھائیوں کی طرح رہ رہے ہیں گھر میں اماں۔"
"ارے تم تو چپ رہو بہو جانتی ہوں۔" "بہن تو وہ سونیا اور فضیلہ کو بھی سمجھتا ہے۔"
"چلیں آپ کر لیں بات۔ خود ہی سن لیجئے گا۔" جواب دے کر منہ بنا کر وہ کچن میں چلی گئیں۔ بڑی بی بڑبڑانے لگیں۔ اور عتیق سوچتے ہوئے فون اٹھا کر بھائی کو کال ملانے لگے۔

✡ ✡ ✡

"ہم تمہاری بہرام کے ساتھ شادی طے کر رہے ہیں۔" اس کے ابا کو اس سے خصوصی طور پر یہی بات

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کرنی تھی۔

"آپ غلط فیصلہ کر رہے ہیں۔" وہ پہلی بار بولی۔

"تم ابھی ٹھیک اور غلط کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

"آپ سے زیادہ سمجھنے لگی ہوں.... تجربات نے سکھادیا ہے۔"

"تم یہ کس طرح بات کر رہی ہو انو' بابا کے ساتھ۔"

"بہت پہلے اس طرح کر لینی چاہیے تھی۔" اس نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ اس کی دادی اسے ہکا بکا دیکھتی رہ گئیں۔

"یہ تم نے باپ کے ساتھ اس طرح بات کی ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ نتیجتاً" مجیب خود آگئے تھے ایک ہفتے کے اندر۔

"مطلب یہ کہ آنا اتنا آسان تھا.... اور وہ جان بوجھ کر ہمیں ٹالتے رہے تھے۔ وہ نارمل طریقے سے ان سے ملی تھی۔ رات کو وہ اس کے کمرے میں آکر بیٹھے تھے۔

"بہرام میں کیا برائی ہے؟"

"کوئی برائی نہیں ہے۔"

"تو پھر انکار کیوں؟"

"آپ بہرام کو بلوائیں ابھی.... اس سے پوچھ لیں۔" انہوں نے بہرام کو بلوایا۔ ساتھ عتیق صاحب بھی آگئے۔ چچی بھی' دادی بھی.... عدالت لگ گئی تھی جیسے۔

"تم بتاؤ بہرام اس شادی سے کیوں انکار ہے۔"

"میں اور انوشہ بہت اچھے دوست ہیں۔ مگر ہم نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔"

"تو اب سوچ لو۔"

"نہیں سوچ سکتا۔" وہ سر جھکا کر بیٹھا تھا مگر اعتراض میں۔

"ہم تم دونوں کی بھلائی کی خاطر یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔"

"ہمیں نامنظور ہے۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

عتیق اور مجیب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"خود سر ہوگئے ہو تم لوگ۔ اپنے فیصلے کرنے لگے ہو۔" عتیق صاحب بگڑے۔

"یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" بہرام کہہ کر اٹھ گیا۔

"اور میرا بھی۔" انوشہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

سب حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

وہ دونوں لان میں سیڑھیوں پر ایک ساتھ بیٹھ کر ایک دوسرے سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے تسلی دے رہے تھے کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم بے فکر رہنا۔ مجیب کچھ دن رہ کر چلے گئے تھے' یہ کہہ کر انوشہ کے لیے کوئی اور اچھا رشتہ دیکھیں اور کردیں۔

وہ پھر سے اپنے معمولات کی طرف لوٹ آئی تھی۔

اب اس کا دل پوری طرح پڑھائی اور کہانیوں میں لگا ہوا تھا۔ بہرام کو عتیق نے دھمکی دی تھی کہ اگر کلثوم نہیں تو کوئی نہیں۔ اور پھپھی روزانہ چکر لگا رہی تھیں کہ بہرام ان کی بیٹی سے شادی کرلے۔ ماں نے بھی گھوڑے دوڑانا شروع کردیے تھے کہ بہرام ان کی کسی بھانجی بھتیجی پر رضامند ہوجائے۔ بہرام کی مگر ایک ہی رٹ تھی کہ وہ صرف کلثوم سے شادی کرے گا۔

بہرام کی خوشی اور اٹل یقین نے گھر والوں کے ارادوں کو کچھ کملا دیا تھا۔ عتیق صاحب نے اسے بلا کر خوب برا بھلا کہا تھا۔ اور اس کے بعد کلثوم کے گھر کا پتا مانگ لیا تھا۔ وہ لوگ رشتہ لے کر کلثوم کے گھر گئے تھے۔ انہوں نے وقت مانگا تھا۔

✡ ✡ ✡

قلب عباس ایک بے چین اور بے ترتیب چلنے والا' آوارہ قسم کا نوجوان کم' بلکہ بکھرا ہوا بے راہ مسافر زیادہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ قلب عباس جس سے پہلی بار اس کی ملاقات اپنی ماں منیرہ کے گھر ہی ہوئی تھی۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوا اور آتے ہی جیسے ہوا کے تیز تیز جھکڑ چلنے لگے ہوں۔ اس کا لہجہ الجھا ہوا' شدید دکھی اور اضطراب لیے ہوئے تھا۔ وہ بغیر کسی لحاظ کے بولتا ہی جا رہا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

منیرہ کچھ ہراساں ہو کر اسے اوپر سیڑھیوں کی طرف لے گئی۔ وہ مڑ مڑ کر اس لڑکے کا انتشار دیکھ رہی تھی۔

"یہ پاگل ہے۔۔۔ یہ لڑکا پاگل ہے انو! دھیان مت دو۔ مت دیکھو مڑ کر اسے 'یہ پاگل ہے۔" کمرے تک آتے ہوئے کوئی دو تین بار منیرہ نے اس سے کہا تھا۔

عرشی کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔ وہ اس کے اوپر دھاڑ رہی تھی۔ عزیز صاحب چلا رہے تھے اس پر۔ وہ اس آواز کی شدت سے جھڑتے کرب اور احتجاج کو محسوس کر رہی تھی۔ منیرہ نے اسے اندر کر کے دروازہ بند کر لیا تھا۔ آواز قدرے کم آ رہی تھی۔

"یہ لڑکا بہت بے حیا ہے۔ میں جب سے آئی ہوں اس کی بدتمیزیاں دیکھ رہی ہوں۔ تم یہاں آؤ تو کبھی بھول کر بھی اس کے منہ مت لگنا' سمجھیں۔ بلکہ میں چاہتی ہوں' ان دنوں تم یہاں ذرا کم کم آؤ۔" یہ اچھا انداز تھا۔

"جی۔۔۔ میں اب۔۔۔ کم کم آؤں گی۔"

"اچھا ہے۔ ہم فون پر تو روز ہی بات کرتے ہیں۔"

وہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اب روزانہ کہاں کرتے ہیں۔

"تم۔۔۔ اپنا خیال تو رکھتی ہو نا انو؟" وہ اس کا دھیان آوازوں سے ہٹانا چاہ رہی تھیں۔

"دیکھو انو میری جان' میں نے تمہیں اس لیے کم کم آنے کا کہا ہے کہ اگر عباس آ کر شور مچا دے تو عزیز کو بلاوجہ شرمندگی ہوتی ہے کسی مہمان کی موجودگی میں۔"

لفظ مہمان پر وہ چونکی پر ظاہر نہ کیا۔ "ہاں ٹھیک ہی تو کہتی ہیں میں یہاں مہمان ہی تو ہوں۔" وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ "آپ ڈسٹرب ہوتی ہیں میرے آنے سے۔" مگر پوچھنا ضروری نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اگر وہ خوش ہیں تو وہ انہیں کیوں احساس دلائے۔ شور ذرا تھما تو وہ ان سے اجازت لے کر نیچے آ گئی۔

منیرہ نے لمبی سانس بھری۔ اس کے ساتھ کمرے کے دروازے تک آئیں پیار کیا۔ خیال رکھنے کو کہا۔ سب ویسا تھا۔ پھر ان کے عجلت بھرے انداز میں کچھ تبدیلی کیوں محسوس ہو رہی تھی۔ دل' جو ان کی محبت سے لبریز تھا' وہ خالی ہو رہا تھا۔ وہ بس ان کی باتیں سن کر نکل آئی۔

قلب عباس بیرون گیٹ کے پاس کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ تھیں۔ چہرے پر بڑھی ہوئی شیو میں اٹکے آنسو بہہ رہے تھے۔ اسے غالباً" دھکے دے کر نکالا گیا تھا۔ انوشہ ایک لمحے کے لیے رکی تھی۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس ایک لمحہ دیکھا تھا۔ کیسا درد تھا۔

اسے اس اجنبی شخص پہ لمحے بھر کے لیے رحم آیا تو تھا۔ کیسے عجیب لوگ ہیں۔ بیٹی کے شوہر کو کس بے دردی سے ذلیل کیا ہے۔ وہ بس ایک جملہ بڑبڑا رہا تھا۔

"میں طلاق نہیں دوں گا۔ میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔ ساری عمر نہیں دوں گا۔"

وہ پریشان سی نکل آئی تھی۔ دھیان بار بار پیچھے جا رہا تھا۔ اس نے رکشہ روکا۔ سوار ہو گئی۔ دوبارہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا ہانپتا ہوا دکھائی دیا۔

اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور رستے بدلتے ہوئے منظر کو دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا ہے۔ بہرام؟ تم منہ لٹکائے کیوں بیٹھے ہو۔ کلثوم سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟"

"نہیں۔۔۔" وہ سیڑھیوں پہ کتابیں گود میں رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ اسی وقت وہ کمرے سے آئی تھی چینج کر کے اپنی کتابیں لے کر۔

"پھر کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں تم بتاؤ تمہاری امی کیسی تھیں؟"

"وہ ٹھیک تھیں۔۔۔ وہ خوش ہیں بہرام۔۔۔ وہ بہت خوش ہیں۔"

"وہ اگر خوش ہیں تو پھر تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔۔۔"

"جب تم زیادہ اداکاری کرتی ہو خوش دکھائی دینے کی تب ہی تم افسردہ ہوتی ہو انوشہ۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"شاید میں غلط افسردہ ہوں بہرام۔۔۔"

"دیکھو وہ ماں تھیں۔ وہ خیال رکھتی تھیں' پیار کرتی تھیں۔ مگر ماں کی اپنی بھی تو زندگی ہوتی ہے نا بہرام کیا ہوا جو اب وہ باقاعدگی کے ساتھ میسج نہیں کر پاتیں۔ وہ خوش ہیں۔ سب باتوں کے ساتھ اس خیال کو تولوں تو ان کی خوشی جیت جاتی ہے۔

بس وہ خوش رہیں۔ ان کا بھی تو خوشیوں پر حق ہے نا۔" اسی وقت اس کے باپ کی کال آئی تھی۔

"کیسی ہو؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"کب سے کال کر رہا ہوں۔ گھر پہ نہیں تھیں۔۔۔ کہاں تھیں تم؟"

"آپ کو پتا چلا ہو گا کہ میں کہاں تھی۔"

"بڑا تیر مار لیا تمہاری ماں نے دوسری شادی کر کے۔"

"وہی کیا جو آپ نے کیا۔"

"میری بات الگ ہے۔ میں مجبور تھا۔"

"وہ بھی مجبور تھیں بابا۔"

"تم اب بحث کرنے لگی ہو میرے ساتھ۔"

"ساری زندگی سنا ہے میں نے۔"

"پتا ہے۔ بہر حال زیادہ مت جایا کرو وہاں۔"

"اب نہیں جاؤں گی۔ بے فکر رہیے۔"

"کیوں؟ تمہاری ماں نے کچھ کہا ہے تم سے؟"

"نہیں۔۔۔ بس میں چاہتی ہوں وہ وہاں خوش رہیں۔"

"وہ یہاں خوش نہیں تھی کیا؟ کس چیز کی کمی تھی اسے اس گھر میں بتاؤ؟"

"محبت کی۔ کاش آپ میری ماں سے محبت کر لیتے تو وہ نہیں جاتیں۔۔۔ نہ آپ انہیں چھوڑتے۔ نہ وہ مجھے چھوڑتیں۔"

وہ چپ ہو گئے۔ "زندگی کے لیے اور بھی کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ یہ صرف کتابی باتیں ہوتی ہیں۔ ایک عمر تک جچتی ہیں۔"

"محبت بھی زندگی کی ضرورت ہے۔"

"تمہاری ماں نے بھی تو مجھ سے محبت نہیں کی۔"

"وہ آپ کو لکھ کر دیتیں کیا۔ اتنے سال ساتھ آپ کے ساتھ رہیں۔" پھر اتنے سال آپ کا انتظار بھی کیا۔۔۔ یہاں تک کہ آپ کو واپسی کے لیے مجبور بھی کر دیا مگر آپ۔۔۔"

"میں مجبور تھا انو۔"

"یہ سب کہنا کتنا آسان لگتا ہے۔ مگر یقین نہیں آتا سن کر۔"

"تم مجھ پر ذرا یقین نہیں رکھتیں انو۔۔۔"

"آپ کو اس کی کیا پرواہ بابا! آپ کے پاس آپ کی فیملی ہے۔ امی بھی اب خوش ہیں۔ اکیلی تو میں ہوں۔" اس نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

اسے پتا تھا' اس سب کے نتیجے میں ایک بار پھر شادی کی تلوار لٹکانے کا فیصلہ ہو گا۔

اس نے بہر حال سہولت سے چچا کو کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ تعلیم مکمل نہیں کرتی تب تک وہ شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔

☆ ☆ ☆

اس کی نانو کی طبیعت خراب تھی۔ خالہ نے اسے فون کر کے بلایا تھا۔ منیرہ کو کئی فون کیے مگر ان کا نمبر بند جا رہا تھا اور گھر کے نمبر سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اسے خالہ نے بھیجا کہ جاؤ منیرہ کو لے آؤ اور جب وہ وہاں پہنچی تو ان کے گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا البتہ سامنے سے قلب عباس آتا ہوا نظر آیا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس کے چلنے میں تھوڑا لنگ تھا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے دیکھا اس کے پیر پر پٹی بندھی تھی۔ یہ اس دن والی چوٹ کا اثر تھا۔ اس بات کو کچھ دن ہی تو ہوئے تھے۔

"یہ لوگ کدھر گئے ہیں؟"

"بھاگ گئے۔۔۔" وہ استہزائیہ ہنسا اور پھر بتانے لگا۔

"بڈھا ہنی مون پر گیا ہے۔" اسے سخت ناگوار گزرا تھا یہ جملہ۔

"ساتھ بیٹی کو بھی لے گیا۔" تو سارا غصہ اسی بات کا ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ان لوگوں سے کوئی رابطہ ہو تو بتائیے گا امی کو' نانو کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ لوٹیں تو آ کر ان سے مل لیں۔"

"ان کا رابطہ مجھ سے نہیں ہوتا۔ اور اب آپ سے بھی دشوار ہے۔ بھول جائیں ماں کو' جیسے لوگوں سے ان کا واسطہ پڑا ہے۔ ویسے ہی...."

"آپ بہت تلخ بولتے ہیں۔" وہ ناگواری سے آگے بڑھ گئی۔

"سچ کا ذائقہ ہی ایسا ہوتا ہے۔"

"یہ سچ کا نہیں آپ کی زبان کا ذائقہ ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ جو بچپن سے کانوں میں انڈیلا گیا' وہ ہی اگل رہا ہوں اب۔ آگے ٹائر جلائے ہیں لوگ ' ہنگامہ ہو رہا ہے سڑک بند ہو گئی ہے۔ آپ کو دوسرے راستے سے جانا چاہیے بی بی۔"

"میں نہیں جانتی دوسرا روٹ۔" وہ فکر مند ہو گئی۔

"آپ کے چہرے پر پریشانی بہت جلدی آ جاتی ہے ۔ جو محسوس کرتی ہیں وہ چہرے پر لکھا ہوتا ہے۔"

مجھے چہرے کے تاثرات کو واقعی کنٹرول کرنا نہیں آتا....) اس نے سوچا' تب ہی تو بہرام بھی فوراً" جان لیتا ہے۔ اب بہرام تو جان لے مگر کوئی اور....

"میں دکھا دیتا ہوں راستہ آپ کو...."

"آپ کو چلنے میں تکلیف ہو رہی ہے۔ رہنے دیں میں خود ہی راستہ ڈھونڈ لوں گی۔"

"راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے کبھی کبھار دیر ہو جاتی ہے۔ ہر گلی کے نکڑ تک جا کر واپس پلٹنا پڑتا ہے۔ دیواریں منہ چڑاتی ہیں۔ سائن بورڈ ہنسی اڑاتے ہیں۔ آپ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ آگے بڑھنے کی خواہش دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔"

وہ حیران ہو گئی ان جملوں پر۔ "آپ جملے چُراتے ہیں؟"

"یعنی کہ آپ بھی؟" وہ رکا۔

"میں نہیں چُراتی جملے۔"

"مطلب کہ آپ بھی پڑھتی ہیں۔"

"کیا؟... ہاں کتابیں.... وہ تو پڑھتی ہوں۔"

"نہیں نہیں.... میں ان رسالوں کی بات کر رہا ہوں جو ماہناموں کی صورت نکلتے ہیں۔ وہی جن میں خواتین لکھتی ہیں اور مرد حضرات...." وہ کہتے ہوئے رکا۔

"جی... اور مرد حضرات؟"

"میں نے بھی لکھا ہے وہاں.... نام بدل کر۔" اس نے جملہ مکمل کیا۔

"چیٹ کیا؟"

"ہاں...." وہ ہنسا۔

"بُری بات ہے۔ کس نام سے لکھا؟"

"میں کیوں بتاؤں' آپ خود پہچانیں...."

"بہت کم پہچان پاتی ہوں ایسی چیزوں کو۔"

"اچھا... تب ہی یہ جملے پڑھے تھے اور یاد بھی تھے۔"

"اب اپنے جملے تو کسی کو بھی یاد ہو سکتے ہیں۔"

"اپنے جملے؟ مطلب آپ بھی؟"

"ہاں مگر آپ کی طرح جنس بدل کر نہیں۔ اپنے اصل نام اور شناخت سے۔"

"واہ جی... تو انوشہ... آپ ہیں۔ جنہیں میں مسلسل پڑھتا ہوں اور بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔"

"جملے بھی اڑاتے ہیں۔"

"نہیں اڑاتا نہیں' یاد رکھتا ہوں۔"

"اور وقت آنے پر کسی کے بھی سامنے مثال کے طور پر ایسے پیش کر دیتے ہیں جیسے واقعتاً" یہ جملے آپ پہ اُترے تھے۔"

"وہ ہنسا" ایسا بھی نہیں ہے۔ پہلی بار ایسا کیا تھا اور پکڑا گیا۔ لوگ ساری عمر چوری کرتے ہیں اور پکڑے نہیں جاتے۔ جیسے کہ عرشی کا باپ ' امی کا بھائی' آپ کی امی کا شوہر' کرتا ہے۔" اس نے خود ہی مثال دی۔

"بہت بری بات ہے.... آپ آئے دن ان پر برستے ہیں۔"

"اور بھی بہت کچھ کہا ہو گا آپ کی امی نے' آپ کو بتاتے ہوئے۔"

"ان کا کوئی قصور نہیں جو دیکھا انہوں نے' وہ بتا دیا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"آپ میرے ساتھ مزید چند منٹ کا بھی سفر طے نہیں کر سکتیں؟"

"آپ پیدل چل کر میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس کے لیے میں ممنون ہوں مگر معذرت ہے میری طرف سے۔" اس نے رکشہ روکا اور اس میں سوار ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

پورا دن اس کی نانو اسپتال میں ایڈمٹ رہیں۔ وہ اپنی ماں کے متعلق سوچتے ہوئے بار بار ان کا نمبر ٹرائی کرتی رہی تھی۔

کیا تھا جو وہ جاتے ہوئے بس بتا جاتیں۔

وہ اتنی لاپرواہ نہیں تھیں... کیا ہو گیا ہے انہیں۔ فون پر ہی بات ہو جاتی تو ان کی تسلی ہو جاتی۔ ماں نے آخری بار بڑی بیٹی کو دیکھا۔ نواسی کو دیکھا۔ بیٹے کو دیکھا اور چھوٹی بیٹی کو آخری بار دیکھنے کی حسرت لیے چلی گئیں۔

اس نے سوچا' وہ ماں سے ملے گی تو بہت برا بھلا کہے گی' ان پر بگڑے گی۔ انہیں بتائے گی کہ ان کی ماں ان کو دیکھنے کی حسرت لیے چلی گئیں دنیا سے۔ اور وہ اسی دنیا میں رہ کر بھی رابطوں سے منقطع رہیں۔ انہوں نے لاپروائی کی انتہا کر دی۔

"... قدر خوش فہم انسان ہیں آپ۔ اور رشتہ داری کو توڑنے دیجیے میں رکھ رہی ہوں فون۔"

"سنو سنو' بات سنو... ایک آخری بات بھی سن لو۔ دیکھو' میں نے ایک بہت ضروری کام سے تمہیں فون کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں تم میری کہانی لکھو۔"

"اور میں آپ کی کہانی بھلا کیوں اور کس لیے لکھوں۔"

"اس لیے کہ میں خود اپنی کہانی نہیں لکھ پاتا۔"

"تو میں کیا کروں؟"

"تم کس قدر خود غرض' نہیں بلکہ بے غرض رائٹر ہو ایک رائٹر تو کہانی لینے کے لیے ہر وقت' ہر دم تیار رہتا ہے۔

ایک رائٹر کو لوگوں کے تاثرات دیکھ کر ان کی کہانیاں سمجھنے کا اس حد تک تجسس ہوتا ہے۔ اور تم ایک بنی بنائی کہانی لینے سے انکار کر رہی ہو۔"

"مجھے دلچسپی نہیں ہے کہانیاں لینے سے۔"

"اسی لیے تو تمہارا ذہن کمزور ہے۔ بہت جلدی ختم ہو جاؤ گی تم' دیکھنا۔"

"مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

"تمہیں علم نہیں ہے۔ اس لیے قدر نہیں ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ڈرو اس دن سے جب تم دل سے کہانی لکھنا چاہو گی اور تمہارے پاس الفاظ نہیں ہوں گے اور تم کہانی لکھنے کے لیے جی جان سے تڑپو گی تب مجھے پتا ہے تم پہلی بار مجھے فون کرو گی اور یہ کہو گی کہ میں کہانی لکھنا چاہتی ہوں اور تب تم یقین کرو اگر زندہ رہا۔ تو میں تمہیں کہانی لکھنا ضرور سکھاؤں گا۔

دوسری صورت میں تم اپنی بے بسی پر ضرور رونا اور اس پل کو کوسنا جب تم نے میرا اپنی طرف بڑھتا ہوا دوستی کا ہاتھ ٹھکرا دیا تھا۔"

"اب فون رکھوں۔" وہ بے زاری سے گویا ہوئی مگر اس کے الفاظ بہت اندر تک اتر گئے تھے۔

"اور ہاں جب فون رکھنا چاہو تو پوچھا مت کرو بغیر بتائے رکھ دیا کرو۔ اور ہاں...." ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا کہ دوسری طرف فون کھٹاک سے رکھ دیا گیا۔ وہ زوردار قہقہہ مار کر ہنسا اور دوسری طرف وہ عجیب مخمصے میں پھنس گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اس نے کہا ہے میں آگے چل کر کہانی نہیں لکھ پاؤں گی۔"

"اس نے 'کس نے؟" بہرام اپنے موٹر سائیکل کے پرزے صاف کر رہا تھا۔

"وہ 'قلب عباس۔"

"یہ کون بلا ہے؟" یہ نام وہ پہلی بار سن رہا تھا۔

"امی کے شوہر کی بیٹی کے شوہر ہیں۔"

"ہیں...." وہ اس طرح کے تعارف پر ہنس دیا۔

"بڑا ہی قریبی تعلق ہے یہ تو۔"

"تم بھی بہرام.... میرا بھلا اس سے کیا تعلق۔ ویسے گھر میں سب اس بے چارے سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اور تمہیں اس لیے اس سے ہمدردی ہے؟"

"مجھے اس سے ہمدردی نہیں ہے بہرام۔ اس نے اپنا امیج خود خراب کیا ہے۔ وہ بات کرتے ہوئے تقریباً "چلاتا ہے' دھاڑتا ہے۔"

"ہوئی ہو گی کوئی زیادتی اس کے ساتھ ایسی.... تم نے اسے چلاتے ہوئے دیکھا؟"

"ہاں دیکھا ہے۔ آخری بار اس دن جب میں امی سے ملنے گئی تھی تو وہ نیچے آ کر بہت چلایا تھا۔ امی خوف زدہ ہو کر مجھے اپنے کمرے میں لے گئی تھیں اور تب ہی کہا تھا انہوں نے کہ اب تم کم آیا کرو۔"

"انہوں نے ایسا کہا تھا۔" وہ چونکا۔

"ہاں اور اسی کی وجہ سے کہا تھا۔"

"ان کو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وجہ جو بھی ہوتی۔"

"کہنا تو نہیں چاہیے تھا۔ پر اب کہہ دیا تو کیا کریں۔ ایسا بہت کچھ ہوتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔"

"جیسا کہ؟" وہ پرزے صاف کر چکا تھا۔

"جیسا کہ بابا کا باہر جانا اور پھر وہاں جا کر بیٹھنا اور امی کے بلانے پر نہ آنا۔ ان کا دوسری شادی کرنا اور بس پھر بہت کچھ ہوتا چلا گیا مگر ہم کیا کر سکتے ہیں بہرام.... ویسے اگر تمہارے بس میں ہوتا تو تم پتا ہے کیا نہ کرتے؟"

"کیا؟" وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔ کبھی کبھار وہ کتنی معصوم معلوم ہوتی تھی۔

"اگر تمہارے بس میں ہوتا تو تم کلثوم سے محبت نہیں کرتے۔" وہ پہلے مسکرایا۔ پھر سوچنے لگا۔

"نہیں' میرے بس میں ہوتا تو میں اپنے اندر سے اس کے حصول کی خواہش نکال پھینکتا۔"

"تم پاگل ہو بہرام۔ محبت کرتے ہو اور حصول کی خواہش نہیں تو پھر کیا فائدہ محبت کا بہرام۔"

وہ موٹر بائیک کے پرزے جوڑ رہا تھا۔ کاش کہ دل کے پرزے جوڑ پاتا۔ یہ اس نے سوچا تھا۔

"حصول کی خواہش سفر کراتی ہے۔ محبت نہیں پھر یہ تھکا دیتی ہے۔" وہ چہرے سے بھی تھکا ہوا لگ رہا تھا' لہجے سے بھی اور چلنے سے بھی۔

"کاش تم کلثوم سے محبت نہ کرتے بہرام۔ وہ افسردہ تھی۔

"اگر ایسا نہ کرتا تو میں کیا کرتا انوشہ؟"

"کیا محبت اتنی اثر انگیز ہے بہرام؟"

"محبت اس سے کہیں زیادہ اثر انگیز ہوتی ہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انوشہ۔"

"مجھے کیوں پتا نہیں لگتا۔ میں شاید اسی وجہ سے ابھی تک کھل کر محبت کی کہانی نہیں لکھ پائی۔ مجھے لگتا ہے محبت بری ہے، بہرام! یہ شادی کے رشتے کی طرح ہے۔ کرو تو بھی پچھتاؤ اور نہ کرو تو بھی پچھتاؤ۔"

"تم بھی کبھار کافی ٹھیک ٹھاک باتیں کر لیتی ہو۔"

"ویسے اس نے کہا تھا میں اس کی کہانی لکھوں۔"

"اس نے کہا..... وہ کہتا ہے..... ایسے مت بولا کرو انو! کسی کے لیے بھی 'نام لیا کرو۔"

"اس نے مجھ سے کہا کہ میں ایک دن کہانی لکھنا بھول جاؤں گی۔"

"پھر اس نے۔" وہ جھلا کر میلے کپڑے سے گریس بھرے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ یہ اب چل پائے گی۔ جس طرح کا پوسٹ مارٹم تم نے اس بائیک کا کیا ہے۔ لکھ لو کہ یہ اب نہیں چلے گی۔ میرا تو مشورہ ہے کہ اسے اونے پونے بیچ دو۔"

"تم میرے حق میں کبھی اچھی بات بھی کر لیا کرو انو کی بچی!"

"مجھے میری بات کا جواب دو، بہرام کیا کبھی ایسا ہو گا؟"

"نہیں، اس نے ڈرایا ہے یقین مت کرو۔"

"یقین کر لینے سے کیا یہ نہیں ہو گا۔"

"میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ یقین کسی بھی چیز کے شر سے لڑتا ہے اور اسے کمزور کر کے چھوڑتا ہے۔"

"اور جب یقین غلط بات پر ہو تو؟"

"پھر وہ یقین نہیں خوش گمانی ہوتی ہے۔"

"مجھے بس یہ بتاؤ کہ ایسا تو نہیں ہو گا کہ میں کہانی لکھنا بھول جاؤں گی؟"

"کیا تمہیں اس سے فرق پڑے گا؟"

"شاید پڑے گا۔"

"جب تمہیں یقین ہو جائے کہ پڑے گا' اس دن میں تمہیں اس سوال کا جواب کہیں سے بھی لا دوں گا۔"

"بس میں یہ نہیں چاہتی بہرام کہ مجھے مجبور ہو کر اسے فون کرنا پڑے۔ اور اس سے کہنا پڑے کہ مجھے کہانی لکھنا سکھاؤ۔"

وہ اسے جھنجلا کر دیکھنے لگا۔ "اپنی کہانیوں کی خود حفاظت کرو۔ انہیں تھامے رکھو پھر ایسا نہیں ہو گا۔"

"یہ میں کس طرح کروں، بہرام؟"

"اپنی کہانیوں سے پیار کرو۔"

"جس چیز سے پیار کیا جائے 'وہ رہ جاتی ہے آپ کے پاس؟"

"اور اگر خود نہ رہے تو اپنا اثاثہ چھوڑ جاتی ہے۔"

"یہ جملہ مجھے اچھا لگا ہے، بہرام۔ میں یہ لکھ لوں کسی کہانی میں؟"

"بے شک لکھ لو۔" وہ مسکرایا۔

"اب میں بھی جملے چرایا کروں گی اس کی طرح۔"

"بس، بہت ہو گیا! ایک دن میں بہت بار تم نے اس اجنبی کا ذکر کیا ہے۔ اب برا لگ رہا ہے۔"

"آخر تم ہو ناں مرد۔" وہ ہنسی۔

"وہ تو ہوں..." موٹر بائیک واقعی اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی "اسے شاپ پر لے جانا پڑے گا۔" بڑبڑایا۔

"یہ تب بھی نہیں چلے گی۔ تھک گئی ہے بچاری تم سے یہ۔"

اور بہرام نے نجانے کیوں یہ جملہ پکڑ لیا اور رات کو کلثوم سے کہا کہ "تم تھک گئی ہو نا مجھ سے۔" اس نے کہا "ہاں تھک گئی ہوں۔" وہ دھک سے رہ گیا۔

اور ان دونوں کے درمیان یہ پہلا جھگڑا ہوا تھا۔ دل ان جانے خوف سے لرزاں تھا۔

✲ ✲ ✲

ہر روز رات سونے سے پہلے' اس کی پہلے عادت تھی اب وہ شعوری طور پر لکھنے لگی۔

آنکھیں کئی طرح کے خواب بن لیتیں..... اور قلم اس کے ساتھ رہنے لگا دوست بن کر۔ پہلا بہرام اور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دوسرا قلم.... مگر ایک واقعہ بدستور رہا کہ اس کی تمام کہانیاں ادھورے صفحات میں پھڑپھڑانے لگیں۔ اور وہ الجھ گئی کہ ساری کہانیاں ادھوری کیوں رہ جاتی ہیں۔

ان ہی دنوں اس کی ماں کی واپسی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے بلایا تھا۔ وہ بہت خوش تھیں۔ اس نے جاکر بتانا چاہا تھا فوراً" ہی.... مگر وہ پہلے انہیں سننا چاہتی تھی۔ جب انہوں نے فون خراب ہو جانے' پرانی سم بند ہو جانے اچانک پروگرام بن جانے کے ساتھ کئی قصے شروع کردیے۔

اور جب وہ کہہ کر ذرا سوچ میں ڈوبیں تو اس نے بتایا۔

"امی نانو کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"

وہ چپ ہو گئیں۔ پہلے حیران پھر پریشان۔ "کب؟" لہجہ دھیما تھا۔

"جب آپ کا نمبر بند تھا۔ میں آپ کو لینے آئی تھی مگر آپ نہیں تھیں۔ دو ماہ ہو گئے۔"

وہ اپنے ہاتھوں کو گھورنے لگیں۔ یکدم خاموش سی۔

"وہ تو ٹھیک تھیں.... پھر اچانک کیا ہو گیا انہیں؟"

"آپ کو ان کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ اگر نہیں تو آپ مل کر جاتیں۔ وہ آپ کو دیکھنے کے لیے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

اس کی ماں اسے یکدم بوڑھی سی لگنے لگی۔ چہرہ بجھا' آنکھیں بھری۔ تاثر میں یاسیت' آواز گھٹی سی۔

"مجھے پتا نہیں تھا۔"

"مل کر جانے میں کیا قباحت تھی؟"

"تم تو مجھ سے ایسے سوال کر رہی ہو انو! جیسے میں نے جان بوجھ کر ان سے ملنے سے گریز کیا ہو۔"

وہ بے دلی سے اٹھی۔ "میں چلتی ہوں۔ بہرام کو میسج کر دیا ہے۔ وہ نکل چکا ہے۔"

"تم بیٹھو انو...."

"آپ کو اب وہاں جانا چاہیے.... خالہ بہت اداس ہیں۔ کاش ان کے لیے بھی کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر آپ ان کی شادی کرا دیتیں.... آج وہ اکیلی ہیں۔"

"اسے خود.... وہ خود نہیں کرنا چاہ رہی تھی انو۔"

"جو بھی ہے.... آپ ان کے پاس جاتیں۔" وہ بجھی بجھی سی وہاں سے نکل آئی۔ اس بار اس نے گیٹ کی طرف دیکھا پھر ساتھ والے مکان کو.... وہ نہیں تھا۔ یہ حرکت لاشعوری تھی۔

اور اوپر کھڑکی میں کھڑے ہو کر اس نے دیکھا تھا اور مسکرایا تھا۔

غیر ارادی طور پر اس کی نگاہ اٹھی اوپر.... اور عباس کو دیکھا پھر فوراً" سر نفی میں ہلایا تھا۔

وہ سڑک پر کھڑی تھی جب بہرام اسے لینے پہنچا۔

بہرام اور کلثوم کی لڑائی کا باب کھل گیا تھا۔ اس جیسا بے چین جیسے پورے جہاں میں نہ تھا۔ نہ پڑھائی میں دل لگتا نہ کسی اور کام میں۔

"تمہارا لاسٹ ایئر ہے بہرام دل سے پڑھو۔" پر دل نامی چیز نے اسے جادو کے منتر پڑھائے ہوئے تھے۔

"بڑے غلط وقت میں محبت کی ہے تم نے۔ کم از کم یونیورسٹی کے چار سال نکال کر کرتے تو اچھا تھا۔"

"یہ کبھی بس میں نہیں ہوتی ہم بتاؤ کیا وہ مان جائے گی؟"

"دیکھو بہرام یہ تم لوگوں کا تیسرا جھگڑا ہے۔ تیسرا مطلب آخری۔"

"تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو انوشہ۔"

"دیکھو اگر تم چاہتے ہو کہ اب چوتھی بار ایسا نہ ہو تو اسے اب موقع مت دینا۔ لڑے تو لڑائی کا جواب لڑائی سے مت دینا۔ دیکھو محبت میں کسی کو ہرانا مقصود نہیں ہوتا۔"

"میں تو دل ہار چکا ہوں۔ اب اور کیا ہاروں۔"

"اگر دل ہار چکے ہو تو پھر لڑائی کیسی۔"

"مجھے لگتا ہے وہ اب کی بار نہیں پلٹے گی انوشہ۔"

"وہ دو بار پلٹی ہے۔ تیسری بار تم اسے آواز دو۔"

"اس سے معذرت کروں؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں کر لو۔" وہ کرسی سے اٹھی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"میرا فون بج رہا ہے۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"بچا اس وقت تو نہیں کرتے فون؟"
"نہیں عباس نے کیا ہوگا۔"
"تم کچھ زیادہ باتیں کرنے نہیں لگ گئیں اس سے۔ اب خدا کے لیے پچھلے سال والی داستان مت دہرانا یہ کہہ کر اس نے میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ جب مجھ پر یہ دن آیا کہ میں کہانی لکھنا بھول گئی تب اس نے مجھے کہانی لکھنا سکھائی 'مانو کوئی اندھیرے میں جگنو پکڑ لاتا ہے وغیرہ۔" لٹھ مار انداز میں کہہ کر اٹھا اپنا فون اٹھایا۔ نمبر ملایا۔ کلثوم کا نمبر بند جا رہا تھا۔ وہ باہر نکل گیا۔
"اس وقت کدھر جا رہے ہو بہرام؟"
"ابھی وہ جاگ رہی ہوگی۔"
"اس کے گھر؟ نہیں نہیں 'یہ وقت نہیں ہے شریفوں کے گھر جانے کا۔"
"اس کے کمرے کی بالکنی کھلی ہوتی ہے۔"
"تو پھر؟"
میں بس اسے ایک نظر دیکھوں گا یا پھر وہ مجھے دیکھ لے گی اور مجھے پتا ہے اس کا غصہ کافور ہو جائے گا۔"
"محبت میں انسان بنو... بیٹھو ادھر 'کل جا کر مل لینا۔"

"دن دیہاڑے؟"
"ہاں کیوں 'دل ہے تو کر کے دکھاؤ۔ چوری چھپے کچھ بھی کرنا مناسب نہیں ہوتا۔"
اور تم جو چوری چھپے دوستانے بڑھا رہی ہو وہ؟"
"دیکھو دوستانے نہیں... دوستی 'بس ایک۔ وہ بہت اچھا انسان ہے بہرام۔"
"وہ تمہارے پرانے زمانے کی پھٹی جلدوں والی پرانی کتابیں بھیج دیتا ہے۔ اچھا تو ہوگا نا۔ اس کے علاوہ تمہیں تاریخ کے قصے سناتا ہے نئے پرانے معلوماتی مضامین کھول کر بیٹھتا ہے۔ تم بس اس کی باتوں سے متاثر ہو... اس کی چالاکی اور شاطرانہ مزاجی سے بے خبر۔"
"وہ بہت حساس ہے۔ نفسیات سمجھتا ہے۔"
"یہ لو 'ایک اور خوبی کھلی۔ نفسیات دان ہے تب ہی تو تمہیں قابو میں کیا ہوا ہے۔"
"سوچ سمجھ کر بولا کرو بہرام... ایک اچھی دوستی کو آخر معاشرہ غلط نگاہ سے کیوں دیکھتا ہے۔"
"معاشرہ کہاں... ابھی تو بات مجھ تک ہے۔ معاشرے تک پہنچی تو تعلق کی شکل بگڑ جائے گی۔"
"توبہ ہے بہرام... تھکا دیتے ہو۔ چلو... خیالوں میں اپنی محبوبہ سے گفتگو کرو اور عیش کرو۔"
"اور تم جا رہی ہو اس سے باتیں کرنے؟"
"نہیں بس اس کی کہانی سننے... تمہیں پتا ہے بہرام... وہ میرے کہنے پر اپنی بیوی کو چھوڑ رہا ہے۔ طلاق دے رہا ہے۔"
"تم کسی کے گھر بربادی کی خبر فخر سے سنا رہی ہو مجھے؛"

"یہ سب وہ لوگ خود چاہتے تھے بہرام کہ وہ عرشی کو چھوڑ دے مگر اس نے نچا کر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ عرشی کو چھوڑ دو۔ اسی میں بھلائی ہے۔ وہ خلع کا نوٹس بھی بھجوا سکتی ہے۔"
"خیر ایک کیس اس نے بھی ان پر کر رکھا تھا جو لٹکا ہوا ہے۔ اب تم اس سے یہ مت کہنا کہ اپنی ماں کی جائداد سے بھی ہاتھ اٹھا لو۔"
"میں اسے ایسا کیوں کہوں گی بہرام۔"
دیکھو انو دوستی تک رہو... زیادہ انوالو ہونے کی ضرورت نہیں ہے کسی کے معاملے میں۔ پھر تمہاری ماں اس شخص کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ یہ یاد رکھنا۔"
"ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو بہرام بس وہ بات نہ کرے تو خیریت پوچھ لیتی ہوں۔ کرتا ہے تو اچھا لگتا ہے۔ اس کے پاس نجانے کہاں سے خزانہ آ گیا ہے معلومات کا' مجھے ہر روز ایک کہانی مل جاتی ہے۔"
"انوشہ کہانیاں لکھنا تمہارے لیے صرف تفریح تھا۔"
"ہاں مگر جب تعریفی خطوط آتے تھے تو تمہیں بھی خوشی ہوتی تھی... اچھا لگتا تھا۔"
"لگتا تھا... مگر کہانی کو زندگی جتنی اہمیت مت دو۔ اپنی زندگی پر توجہ دو... یہ سوچو' تمہیں آگے کیا کرنا ہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

۔شادی بھی کرنی ہے۔ گھر بھی بسانا ہے ابھی لاسٹ ایئر ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال پھر نہ چچا انتظار کریں گے اور نہ ہی ابو کوئی بھی لڑکا دیکھ لینا ہے ... اور شہنائیاں بج جانی ہیں۔"

"کوئی بھی لڑکا...؟" اس فکر نے آلیا۔ "کوئی بھی لڑکا بہرام؟"

"ہاں کوئی بھی لڑکا... اب تمہارا جو ذہنی معیار ہو وہ تم خود سوچو اور سوچ کر بتا دو۔" یہ بات اس نے جان بوجھ کر چھیڑی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"آج بات مت کرو۔ ایک دن خود کے لیے بھی رکھا کرو۔"

"تم کو اگر میں یہ کہوں تو؟"

"میں تو دعویدار ہوں... تم ہو کیا؟"

"تمہاری اور تمہاری محبت کی ایسی کی تیسی۔" وہ جھلا کر اٹھی اور باہر چلی گئی۔ وہ اس کی بات پر مسکرا بھی نہ سکا۔ کل اسے قلب عباس سے ملنا تھا۔

✡ ✡ ✡

"تم انوشہ کو فون کرتے ہو؟" وہ کڑے تیوروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"تمہیں اس نے تو قطعی نہیں بھیجا ہوگا۔"

"تم اسے فون کیوں کرتے ہو؟" وہ دروازے پر کھڑے ہو کر سخت لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے... ہم اچھے دوست ہیں۔"

"بکومت۔" اس نے عباس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

"میرا گریبان چھوڑو... تم میرے دروازے پہ کھڑے ہو کر ایسی حرکت کر رہے ہو؟"

"چلانا چاہتے ہو تو چلاؤ۔ یہاں کوئی تمہاری پکار سن کر نہیں آئے گا۔ عادی ہو چکے ہوں گے سب تمہارے ڈراموں کے۔"

"کتنا کچھ جان چکے ہو چھوڑو اندر آجاؤ۔" اس نے تقریباً دھکیلتے ہوئے گریبان چھوڑا اور اندر آگیا۔

"بیٹھو اور یہ پانی پیو۔" اس سے کہتے ہوئے اس نے گلاس میں پانی نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہاں میں پانی پینے نہیں آیا۔" بہرام کا لہجہ سخت تھا۔

"پی لو... تیز دھوپ میں آئے ہو۔ ٹھنڈے ہو جاؤ تو بات کرتے ہیں۔" اس نے گلاس بہرام کے سامنے رکھتے ہوئے تحمل سے کہا بہرام نے دو گھونٹ میں پانی کا گلاس ختم کیا اور اسے دوبارہ ناگواری سے گھورنے لگا۔ وہ اپنی کرسی لے کر میز کی دوسری جانب عین بہرام کے سامنے آبیٹھا۔

"اب بولو؟"

"انوشہ کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"میری بات کاٹنا مت تم۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولنے لگا۔ "میں نے اسے پہلی بار عرشی کے گھر ہی دیکھا۔ عرشی کو تم جانتے ہو گے... میری سابقہ بیوی۔ میرے ماموں کی بیٹی... اکلوتی نخریلی، مغرور اور بدتمیز۔ اس سے زیادہ مناسب الفاظ نہیں ہیں میرے پاس اس کے لیے۔"

"میں تمہاری داستانیں سننے نہیں آیا ہوں۔ مجھے میرے سوال کا جواب دو۔"

"میں نے کہا نہیں تھا۔ میری بات مت کاٹنا ورنہ تم کیسے میرے احساس کو سمجھ پاؤ گے۔"

"مجھے تمہارے احساس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تمہیں مجھ سے بھی یقیناً نہیں ہوگی مگر اس کے باوجود تمہیں آنا پڑا ہے۔ تو کم از کم میری بات تو پوری ہونے دو۔"

"ٹھیک ہے کہو۔" پانی کا دوسرا گلاس اس نے خود اپنے لیے بھرا تھا۔

"دیکھو... میں جب پیدا ہوا... میں بدنصیب تھا باپ مر گیا۔"

"میری بات سنو۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"مجھے تمہاری کہانی نہیں سننی... وہ یقیناً" میری بھولی بھالی کزن سن چکی ہوگی۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ انوشہ کے ساتھ تمہارا کیا مسئلہ ہے۔ کیا گیم کھیل رہے ہو تم؟"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ٹھیک ہے تم میری کہانی مت سنو۔۔۔ میں بس تمہیں وہاں سے بتاتا ہوں کہ انوشہ جب اپنی امی کو لینے آئی اور اسے میں ملا رستے میں اور مجھ پر باتوں باتوں میں یہ کھلا کہ وہی وہ انوشہ مجیب رحمان ہے جسے میں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔

میں نے اس سے کہا کہ جب تم کہانی لکھنا بھول جاؤ گی تو مجھے فون کرو گی پھر دوبارہ میں نے اسے بک شاپ پر دیکھا تھا۔ تب کتابوں کی کلیکشن کرنے میں میں نے اس کی مدد کی تھی۔ کئی دن بعد اس کا فون آیا کہ اسے کہانی لکھنی ہے۔ مگر وہ لکھ نہیں پا رہی۔ اس دن بس تھوڑی دیر اس نے مجھ سے بات کی تھی اور پھر مجھے بتایا کہ وہ لکھنے لگی ہے۔"

"کیا بات تھی وہ؟"

"بہت ساری ٹوٹی پھوٹی بے معنی باتیں۔ بس بات ہوتی گئی جو مجھے مختصر لگی۔ اس کے بعد بھی وہ مجھے کال کر لیتی اور کبھی میں اسے۔"

"وہ تمہیں فون کیوں کرتی تھی۔"

"اس نے تاریخ کے کسی واقعے کو کلیئر کرنا ہوتا تھا۔ کسی واقعے کا حوالہ اور پس منظر پوچھنا ہوتا تھا۔ مجھے نہیں بھی یاد ہوتا تو فوراً کتابوں سے دیکھ کر بتا دیتا تھا۔"

اس کے پاس علم کا فقدان ہے اس کے باوجود بھی وہ باکمال لکھتی ہے۔ مجھے بس یہ فکر تھی کہ لاعلمی کی بنیاد پر وہ کہیں فکشن سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔

اور میں نے کئی بار تصور میں سوچا تھا کہ یہ رائٹر اگر میرے سامنے آ گیا تو میں اس سے یہ بات ضرور کہوں گا۔ دیکھو جدید دور میں بھی وہ انٹرنیٹ کی دنیا سے دور فون کے رابطوں سے پرے۔۔۔ کاغذی احساس تک محدود تھی۔۔۔ جو ایک دن اچانک بات کرتے کرتے میرے سامنے آ گئی۔ کیا میرے لیے یہ بات غیر اہم ہوتی؟"

"ٹھیک ہے یہاں تک درست تھا۔ آگے بولو۔"

"دیکھو ظاہر ہے مجھے شوق اٹھا کہ میں دوبارہ اپنے پسندیدہ مصنف بلکہ مصنفہ سے بات کروں۔" پھر میں نے اسے فون کیا۔۔۔ اس نے مجھے ڈانٹ دیا۔ مجھے لگا اسے بس اچھی کمپنی چاہیے۔ ہم مزاج دوست۔"

"اور تم نے اس سب سے خوب فائدہ اٹھایا۔"

"دیکھو' دو ہم خیال افراد اگر ایک دوسرے کے احساسات سمجھتے ہیں۔ بات چیت کر کے ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہیں۔ تو اس میں کیا برائی ہے؟"

"شاید تم سمجھنا نہیں چاہ رہے یا پھر میں ہی تمہیں اپنی بات سمجھانے میں ناکام رہا ہوں۔ دیکھو' وہ ایک لڑکی ہے۔ تم اس کی زندگی میں آنے والے ایک اجنبی پہلے مرد ہو۔ تم نے اپنی خواہش کے پیچھے جو کیا سو کیا۔ یہ تک نہ سوچا کہ تم اسے بات کرنے کا عادی بنا رہے ہو۔

وہ ہر ایک بات تم سے پوچھنے لگی ہے۔۔۔ ٹھیک ہے تمہاری تسلی ہو گئی۔ مگر کل اس کی شادی بھی ہو گی۔ اگر وہ آدمی ایسا نہ ہوا اگر اسے وہ توجہ نہ ملی تو کیا اس کی زندگی میں مسائل نہ ہوں گے مگر معصوم لڑکی کے لیے جو تم نے دلفریبی کا جال بچھایا ہے اس کا نتیجہ کون بھگتے گا۔۔۔ تم یا وہ؟" اس کا لہجہ قدرے دھیما اور پریشان کن ہو چکا تھا۔

"کبھی کبھار دل جو چاہتا ہے اس کا نتیجہ انسان سوچتا نہیں ہے۔۔۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ میں اپنی پسندیدہ مصنفہ کا پسندیدہ دوست بن سکتا ہوں۔ یہ سب ان جانے میں ہی ہو گیا۔"

"غلط کہتے ہو تم۔۔۔ یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے تم نے۔ اگر تمہیں کوئی دوست ہی درکار تھا دکھڑے رونے کے لیے تو اس کے لیے بھی تمہیں کئی لوگ مل جاتے جن پر تم اپنی معلومات کی دھاک بٹھا سکتے۔"

"تم نے تو مجھے ہر روپ میں کمینہ ثابت کر دکھانے کی پوری کوشش کر دی ہے۔ بہرام۔"

"میں نے تمہارے سامنے صرف آئینہ رکھا ہے۔"

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم دراصل یہاں آئے کس لیے ہو؟" مجھے ڈرا دھمکا کر اس کی زندگی سے نکالنے۔ اسے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

فون نہ کرنے کا کہنے' حتیٰ کہ اسے بھول جانے کا کہنے۔" اس نے کہتے ہوئے میز پر زور سے دونوں ہتھیلیاں دے ماریں۔

بال بے ترتیب تھے اس کے' شیو بڑھی ہوئی' آنکھیں تھکی ہوئی سرخ اور شرٹ کے اوپری دونوں بٹن ٹوٹے ہوئے تھے۔ اس کے گھر کا بھی اس جیسا ہی حال تھا۔

ان دونوں میں سے ہر کوئی دوسرے کے حق میں نرم ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ اور ایک دوسرے کو ناگواری سے برداشت کر رہے تھے۔ اس سب کی ایک وجہ تھی۔ اور وہ تھی انوشہ......

"تم نے اسے یہاں تک تو پہنچا دیا ہے' دھکیل دیا ہے' یہاں تک کہ وہ تمہارے فون کا انتظار کرتی ہے۔ بات نہیں ہوتی تو تمہیں مس کرتی ہے۔ بات بے بات تمہارا ذکر لے آتی ہے۔"

وہ کِھل اٹھا' بہرام کی بات سن کر۔ اب وہ چاہ رہا تھا کہ وہ بیٹھا رہے' چاہے غصے اور ناگواری سے اس طرح کی باتیں کرتا رہے اور وہ مزے سے سنتا رہے اور اس کا یقین مزید پختہ ہوتا رہے۔ اس نے بہرام کو یہ نہیں بتایا کہ یہ سب سنتے ہوئے وہ کتنا مسحور ہو رہا ہے۔ اور یہ تو بتا ہی نہیں سکتا تھا کہ پہلی بار وہ کسی کے لیے اتنا اہم اور خاص ہوا تھا۔

"تم نے مجھے مجرم ثابت کرنے کے لیے کیا کچھ کہہ دیا ہے۔ بھلا پروفیشنل کولیگز کا آپس میں رابطہ تو رواج بھی ہے' ضرورت بھی۔ تم نے کس قدر گھناؤنا کر دیا ہے مجھے۔"

"تم اپنے اندر جھانکو' کیا یہ سب درست نہیں ہے۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ یہ سب لاشعوری طور پر ہوا ہے۔ تم کیوں مجھے مورد الزام ٹھہرا رہے ہو۔ اگر جان بوجھ کر بھی..... تو کیا تم کلثوم کے پیچھے مارے مارے نہیں پھر رہے تھے۔"

"ہاں پھر رہا تھا' مگر صدق دل سے..... شادی کرنے کی نیت سے' سچائی سے' کم از کم باتوں سے الو بنا کر چھوڑ دینے کے ارادے سے ہرگز نہیں۔" بہرام تھکے ہوئے انداز میں بیٹھا تھا۔

"تو تم کیا کہنا چاہتے ہو..... بتاؤ..... کیا وہ مجھ سے شادی کرے گی۔ کیا تم لوگ' اس کے چچا' ابا..... ایک ناکام شادی شدہ آدمی کو اپنی بیٹی دیں گے' جو بے روزگار بھی ہو۔ جسے اس کی ماں کی جائیداد نہ مل رہی ہو۔ جس کے پاس زندگی گزارنے کے لیے سرمایہ نہ ہو۔ جو دوستوں کی دکانوں پر مانگے کی کتابیں پڑھتا ہے اور چن چن کر بک شاپ کے مالکوں کو دوست بناتا ہے۔ جس کا گزارہ کھانے کے بغیر ہو سکتا ہے' پر کتاب کے بغیر ہرگز نہیں۔ جو دھکے کھا کر' چار لڑکوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنا خرچا پورا کرتا ہو..... بس دو وقت کی روٹی' کرائے کے چند ٹکے اور ادھار لی ہوئی کتابیں۔" بہرام نے اسے کھل کر بولنے دیا۔

"تو پھر بتاؤ..... میں کس منہ سے اسے پرپوز کرتا۔"

"تو پھر اب ثابت کرو' نوکری نہیں ملتی تو کوئی کام دھندا ڈھونڈو..... ملے تب بھی..... نہ ملے تب بھی۔ رشتہ لے کر آؤ..... اور اپنے آپ کو منوانے کی کوشش کرو۔ اور اگر نہیں کر سکتے تو انوشہ کی زندگی سے نکل جاؤ۔"

ساری گفتگو ان چند جملوں میں آ کر سما گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ سن کر ہی ششدر رہ گئی تھی۔ "یہ تم نے کیا کر دیا بہرام! ہماری دوستی تھی' مگر اس طرح کی نہیں تھی۔ اب وہ کیا سوچے گا میرے بارے میں' تمہارے بارے میں..... ہم سب کے بارے میں؟"

"وہ اس وقت صرف اپنے بارے میں سوچ رہا ہو گا۔ اس میں تو اتنی بھی ہمت نہیں ہے کہ وہ تمہاری خاطر آ کر دست سوال دراز کرے' صرف یہ کہ ریلیشن کو ایک نام دے۔ اس نے تو تمہیں اندھے کنویں میں رکھا ہے جیسے....."

"اس نے کوئی ایسا دعوا نہیں کیا' نہ ہی میں نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سوچا ہے۔ بہرام! جب سوچا ہی نہیں ہے تو پھر تعلق کی کیا بات بنتی ہے۔"

"ٹھیک ہے' ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں کوئی اور قابل رشتہ لے کر تا ہوں..... ابو سے بات کرتا ہوں۔ تم اب انکار کر کے تو دیکھو۔"

"بہرام..... جذباتی مت بنو..... دیکھو شادی کوئی کھیل نہیں ہے۔"

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟ کس قسم کا بندہ چاہیے تمہیں۔ صرف وہ خوبی بتاؤ جو تمہیں سب سے اول درکار ہو اور وہ خامی بتا دو جس کے ساتھ سمجھوتا کرنا تمہارے بس کی بات نہ ہو۔ میں کوشش کروں گا ایسا بندہ ڈھونڈوں جو ان دونوں شرائط پر پورا اترتا ہو۔"

"تمہیں آخر میری شادی کی اتنی جلدی کیا ہے؟"

وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جلدی کہاں..... ابھی سے تلاش کروں گا' پھر شادی ہوتے ہوتے سال دو سال تو ہو ہی جاتے ہیں۔"

وہ اسے بے بسی سے دیکھنے لگی۔

"ایک آدمی جو ایک لڑکی کو تیزی سے اپنا گرویدہ بنا رہا ہے۔ وہ صرف وقت گزاری اور دل لگی تک کیوں محدود ہو۔ اور کیا مضائقہ ہے کہ وہ رشتہ لائے' اور ایک بار ٹرائی کرے۔ پھر نصیب کی بات' رشتہ بننے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی۔ اور تب تک مناسب سمجھو تو اپنا سیل فون مجھے دے دو۔"

وہ ہنس پڑی اس کی سنجیدگی پر۔ "تم تو بالکل میرے ابا بن گئے ہو بہرام۔"

اس نے بیڈ کی سائڈ ٹیبل کی دراز سے فون نکالا اور اسے دے دیا۔ "یہ لو..... یہ واقعی میرے پاس رہے گا تو میں اسے ٹیکسٹ بلکہ اسے آف کر دینا۔" اس نے مسکرا کر فون بند کیا اور اسی کی الماری میں رکھ کر چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔

"میں خود نہیں چاہتا کہ تمہارا فون اپنے پاس رکھوں اور تمہارے ٹیکسٹ چوری چوری پڑھوں۔" کہتے ہوئے ہنس پڑا۔

"تم میرے ٹیکسٹ بے شک پڑھ لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

اور رات میں وہ چابی اس کے سرہانے رکھ گیا تھا۔ وہ صرف اسے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ کچھ دن تک اس سے رابطہ نہ کرے۔ اپنے آپ کو روکے اور یہ کچھ دن اس نے کلثوم کو کوئی ٹیکسٹ نہیں کیا تھا۔ البتہ جا کر اس کے گھر کچھ کھانے پینے کی چیزیں دے آیا تھا۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اس سے کترا رہا ہے۔ وہ محبتوں کو نبھانے کا عادی تھا۔ اور وفا کا حامی تھا اور اسی لیے اس نے انوشہ کو حالات پرکھنے کے لیے تیار کرنا چاہا تھا کہ وہ اصل جان لے..... اور یہ خود بھی.....

☼ ☼ ☼

اس دن اس نے کچھ بہتر کپڑے نکالے۔ نہا کر آیا' بالوں میں کنگھی پھیری جو کندھوں تک آتے تھے۔ میرے بال اس بار اس سے بس تھوڑے ہی کم ہوں گے۔ سوچتے ہوئے ہنس دیا۔ موٹر سائیکل کب سے خراب تھی اس نے سائیکل کے پہیے میں ہوا بھری اور بیٹھ گیا۔ سائیکل جب اس کے گھر کے سامنے رکی تو وہ پسینے میں تربتر تھا۔ اس نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ پہلا سامنا بہرام سے ہوا' اسے اندر آنے کا کہہ کر۔ اور لاؤنج میں بٹھا کر خود باہر نکل گیا تھا۔

"مجھے تو قطعی پسند نہیں آیا۔ عجیب لاپروا سا لڑکا ہے۔ ایسے لڑکے کبھی گھر نہیں بنا پاتے۔" عتیق چچا لاؤنج سے نکلتے ہی بڑبڑائے..... آدھی ملاقات کر کے دلبرداشتہ ہو کر وہ بڑے مطمئن انداز میں باہر نکلا تھا۔ انوشہ نے اسے کھڑکی سے جاتے ہوئے دیکھا۔

کیا اسے ذرا پروا نہیں ہے۔ اگر میرے گھر والوں نے انکار کر دیا۔ کیا اسے دکھ بھی نہیں ہو گا۔ ہونا تو چاہیے۔ آخر انکار ہو ہی کیوں کہ دکھ ہو۔ وہ خود سے بھی الجھتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد بہرام کمرے میں آیا۔ وہ بھی مطمئن تھا۔

"تمہیں کیا لگ رہا ہے بہرام؟"

"کس کے بارے میں؟"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"چچا انکار کردیں گے۔"

"اتنی آسانی سے نہیں۔ پہلے وہ تم سے پوچھیں گے۔"

"اور میں کیا کہوں؟"

"جو تمہارا دل چاہے' وہ کہہ دینا۔"

اور رات کو ایسا ہی ہوا تھا۔ چچا نے بلا کر اپنے پاس بٹھایا۔ اور پوچھا' اب وہ ان کے سامنے کیا کہتی۔

"جو آپ کو بہتر لگے۔"

"اگر میں نے انکار کر دیا؟" وہ چپ ہو گئی۔

"مجھے وہ لڑکا تمہارے قابل نہیں لگا۔ بہرحال تم اگر خوش ہو تو..." وہ کچھ لمحے کے لیے چپ ہو گئے۔

"اپنی ماں سے بات کر لو اور اپنے باپ سے..."

"آپ کر لیں... دونوں سے..."

"مطلب... کہ... تم واقعی خوش ہو۔" وہ بے یقین سے تھے۔

"میں مطمئن ہوں۔" وہ کہہ کر اٹھی تھی۔

"میں جاؤں چچا ابا۔"

"ہاں جاؤ' سنو' بچے!" وہ جاتے ہوئے رکی۔

"ادھر آؤ۔" وہ پاس آئی۔ چچا اٹھے اسے اپنے شانے سے لگایا۔ اس کا سر تھپتھپایا۔

"اگر ایسا ہے تو اللہ کرے تمہارا اطمینان قائم رہے۔"

اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ اس لمحے وہ کچھ کہہ نہیں پائی۔

"جاؤ... سو جاؤ۔ اور پریشان مت ہونا۔" یہ وہی چچا تھے اس کے جو بہرام کی پسندیدگی پر روٹھے رہے تھے' خائف تھے۔ اس سے بات نہیں کرتے تھے۔ گھر سے نکال دیا تھا۔ اس نے سوچا تھا اب کی بار بیٹی کا معاملہ ہے۔ وہ تو زمین آسمان ہلا دیں گے۔ اتنی آسانی سے کیسے مان گئے۔

بہرام نے اسے اس کا فون دے دیا۔ مگر اندر سے وہ بہت ناخوش تھا۔ چچی اسے دیکھ کر بڑبڑائی تھیں۔ دادی نے بہت رنجیدگی سے بات کی تھی۔ ابا نے بات کو پہلے ناگواری سے سنا' پھر کہہ دیا تمہاری مرضی' زندگی تمہیں گزارنی ہے' نا کہ مجھے... سب طے ہو جائے تو بتانا۔ اس کی ماں نے اسے نانو کے گھر بلا کر خوب آؤ بھگت کی۔

"تمہیں پتا ہے وہ عرشی کا سابقہ شوہر ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"پڑنا چاہیے... وہ ایک لڑکی کو چھوڑ چکا ہے۔"

"اس سے چھڑوایا گیا ہے' وہ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔"

"اس لیے بیٹا! کہ وہ اس قابل نہیں ہے۔ وہ ایک گھر نہیں چلا سکتا۔ اس نے عرشی کی زندگی جہنم بنا دی تھی۔ تم نے دیکھا تو تھا آئے دن گھر پر آ کر کیسے چیختا تھا۔"

"یہ آپ نے دیکھا ہے نا امی۔ زیادتی کیا اس کے ساتھ نہیں ہوئی۔ اس کی ماں کو کبھی اس کا حق نہیں ملا۔ ساری جائیداد بھائی لے گیا۔ شوہر مر گیا۔ اکلوتا بیٹا اس مقام تک پہنچ نہیں سکا۔ ماں مر گئی۔ اب کیا شادی کے بعد بھی وہ اپنے حق کے لیے نہیں لڑتا۔ وہ عرشی کا حصہ نہیں' اپنا حصہ مانگ رہا تھا' جو آپ کے شوہر نے دبا رکھا تھا۔"

انہوں نے کھینچ کر ایک تھپڑ رسید کر دیا اسے۔ یہ ہوش و حواس میں آنے کے بعد لگنے والا پہلا تھپڑ تھا۔

"تمیز کہاں چلی گئی تمہاری۔"

"مطلب کہ تم اس سے مسلسل رابطے میں رہی ہو۔" وہ بہت دکھ سے دیکھنے لگیں۔

اور اس کا دکھ اپنی جگہ تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ خالہ نے اسے زبردستی روکا کچھ دیر کے لیے۔ وہ کچھ کھائے پیے بغیر ہی گھر لوٹ گئی۔

اگلے دن اس کی خالہ نے اسے فون کر کے بتایا کہ عزیز صاحب نے منیرہ کو دھمکی دی ہے کہ اگر وہ بیٹی کی شادی عباس سے کریں گی تو وہ انہیں چھوڑ دیں گے۔ وہ سن کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"یا اللہ! نکاح کا رشتہ اتنا کچا ہوتا ہے کیا؟" وہ ایسا کیسے چاہ سکتی تھی کہ اس کی ماں کا بنا بنایا گھر دوبارہ اجڑ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جائے۔

اس نے چچا سے جاکر کہہ دیا کہ انکار کردیں۔ انہوں نے چند لمحے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر بہت پیار سے کہا۔

"مجھے پتا تھا تم بہت سمجھ دار ہو۔ عقل کا فیصلہ کروگی۔ میری بیٹی کے لیے ان شاء اللہ بہت اچھا رشتہ آئے گا۔ جو اس کے قابل ہوگا۔" وہ بس مسکرا سکی۔ دل تو خالی تھا۔

اس نے فون آن کیا۔ سارا دن گزر گیا۔ عباس کا کوئی میسج نہ تھا۔ کوئی کال نہ تھی۔ اس نے رات کو خود کال کی۔

"ہیلو۔ عباس!"

"ہوں۔۔۔ کیسی ہو؟"

"تم کیسے ہو؟"

"ویسا ہی جیسا تھا اور وہیں جہاں پر تھا۔"

"چچا کی کال آئی تھی تمہیں؟"

"ہاں آئی تھی۔"

"انہوں نے انکار کردیا؟"

"تم نے انکار کردیا انوشہ؟"

"انہوں نے یہ کہا تم سے؟"

"نہیں' کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان کا اعتماد بتا رہا تھا کہ انکار انہوں نے چاہا اور تم نے کردیا۔"

"تمہیں دکھ ہے عباس؟" وہ سننا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی وہ اس سے لڑے' جھگڑے' وجہ دریافت کرے۔

"کیا تم مجھ سے وجہ نہیں پوچھو گے؟"

"میں تم سے وضاحت مانگنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔"

"کیا تم مجھے یاد نہیں کروگے عباس۔" کہنا چاہتی تھی۔ (کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے تھے۔) مگر کہہ نہ سکی۔

"کیا تم خوش رہوگے۔"

"میں ایک عرصے سے خوشی کے بغیر زندگی گزار رہا ہوں اور عادی ہوں۔"

"تم میری دوستی کے عادی نہیں ہوئے تھے؟"

"تم یہ باتیں کرکے کس کو تکلیف دینا چاہتی ہو انوشہ۔ مجھے یا خود کو۔"

"دونوں کو۔۔۔"

وہ ہنس پڑا اس بات پر۔۔۔ "اچھا وجہ بتاؤ تم نے انکار کیوں کیا۔"

"پریشانی میں آکر" (چاہتے ہوئے بھی کہہ نہ سکی پریشر میں آکر۔) وہ پھر ہنس پڑا۔

"وہ بہرام ہے نا۔۔۔ تمہارا کزن۔۔۔ بہت وفا ہے اس کے اندر' تم اس سے شادی کرسکتی ہو۔"

"تم نے یہ کیسے کہا عباس۔ وہ میرا کزن ہے' دوست ہے' بھائیوں جیسا ہے۔ ضروری نہیں کہ زندگی میں جو آپ کو عزیز ہو' آپ اس سے شادی بھی کرنا چاہیں۔"

"تم نے ٹھیک کہا انوشہ۔۔۔ اور تمہارا اور میرا رشتہ شاید ایسا ہی ہے۔"

"ہم بہت اچھے دوست ہیں عباس۔"

"ہاں۔۔۔ بہت اچھے دوست' ہمدرد' ساتھی۔"

"کیا ہم اسی طرح بات چیت کرتے رہیں گے عباس۔"

"نہیں انوشہ۔۔۔"

"مگر کیوں؟"

"تمہارے کزن نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ رشتہ نہ ہوا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ میرا مطلب ہے ہم بات نہیں کریں گے۔"

وہ چونک گئی۔ "تو تم مجھے چھوڑ رہے ہو؟ تم مجھے چھوڑ سکتے ہو؟"

"تمہارا کزن بہت دور اندیش ہے۔ اگر تمہیں زیادہ تکلیف نہ ہو انوشہ۔۔۔ تو سمجھ لینا بہرام نے تمہیں زیادہ آگے جانے سے بچالیا ہے۔ اور اگر تکلیف ہو تو سمجھنا میں نے تمہیں تکلیف دی تھی۔"

"میں ایسا نہیں سمجھ سکتی عباس۔"

"تم صرف ایسا سمجھنا نہیں چاہتیں انوشہ۔۔۔ ورنہ حقیقت یہ ہی ہے' میں فون رکھتا ہوں۔"

"تم اپنا نمبر بند نہیں کروگے؟"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"اس ضد کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہرحال ٹھیک ہے' جب تک یہاں ہوں بات کرلیں گے۔"

"میں فون کروں گی تو اٹھاؤ گے نا۔"

"تم فون کروگی تو اٹھاؤں گا۔"

"بات کرو گے۔"

"بات کروں گا۔"

"خوش رہو گے۔" فون کھٹ سے بند ہوا تھا۔

تو تم خوش نہیں رہو گے۔ پتا نہیں زندگی میں کیا ایسا ہوتا ہے جو خوشی کو قریب آنے نہیں دیتا۔ اور دل ہر احساس سے عاری ہو جاتا ہے۔ اس نے فون رکھا۔

آج بہرام نہیں آیا تھا۔ وہ خود اس کے کمرے میں چلی گئی۔

"باہر چل کر بیٹھو۔" وہ خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اور سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اسی جگہ۔

"بولو...." کہنے لگا۔

"کیا بولوں۔" پوچھنے لگی۔

"جو بھی.... محسوس کررہی ہو۔"

"دکھ بھی محسوس نہیں ہورہا بہرام۔ ایسا لگتا ہے جیسے آدھے رستے سے لوٹ آئی ہوں۔"

"اگر مزید آگے جاتیں۔"

"تو شاید آج طوفان برپا ہوتا۔"

"میں نے بہت غلط کیا نا انو' تمہارے ساتھ۔"

"تم نے مجھے آواز دے کر ٹھیک کیا بہرام۔"

"مگر تم آج بہت اداس ہو انو۔"

"میں تو ایک عرصے سے اداس رہی ہوں۔ جب بابا گئے تب سے' جب بابا نے دوسری شادی کرلی تب سے' جب امی کو چھوڑ دیا تب سے' جب امی میری زندگی سے نکل گئیں تب سے' اور جب اس سے نئی نئی دوستی ہوئی تھی تب۔"

"تب.... وقتی طور پر۔ مگر میرا اس کے ساتھ کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ کبھی کوئی تکرار نہیں۔ نہ کوئی اصرار.... جیسے محبت نہیں تھی۔ باقی سب تھا۔ احساس' ہمدردی' فکر' اپنائیت۔ محبت ان سب میں کہاں پر ہوتی ہے.... بہرام؟"

"کبھی ان سب کے اندر.... کبھی ان سب سے باہر' مگر یہ خصوصیات بھی محبت کی ہیں۔"

"کیا محبت کا پہلا اصول حصول ہے۔"

"محبت کا اصول اعتماد ہے' سچائی ہے' اور جانے کیا۔ ان میں سے پہلا کون سا ہے' نہیں جانتا۔"

"ہم یہ کیوں چاہتے ہیں کہ کوئی خواہ مخواہ ہم سے محبت کرے' ہم اس سے کریں۔ اور پھر ایک ساتھ زندگی گزرے۔ زندگی ایسے بھی تو گزر جاتی ہے۔ ہم زندگی کو بلاوجہ خوب صورت کیوں بنانا چاہتے ہیں۔ بہرام بتاؤ نا۔"

"پتا نہیں انو۔"

"اور اس کی سزا بھی تو بھگتتے ہیں۔"

"بہرحال یہ محبت نہیں تھی انو۔"

"میں ڈر گئی ہوں بہرام۔"

"میں خود کو قصوروار محسوس کررہا ہوں انو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے دکھ ہوا ہے یا میرے حق میں بہتر ہوا ہے۔ وہ مجھ سے لڑا بھی نہیں بہرام۔ اسے زیادہ دکھ بھی نہ تھا۔ مطلب کہ ہم غلط تھے۔ میرے اندازے غلط تھے۔ میں اس کی زندگی میں اتنی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔"

"ہوسکتا ہے' کسی اور کی زندگی میں تمہاری بہت اہمیت ہو؟"

"اب اس کی مجھے کوئی چاہ بھی نہیں ہے۔"

"جاکر سوجاؤ انو۔"

"ٹھیک ہے' میں سوجاتی ہوں۔" وہ جاکر کمرے میں لیٹ گئی۔

صبح سویرے اس کے باپ کا فون آیا۔ "تم نے اچھا کیا۔ مجھے تم پر فخر ہے بیٹا۔ وہ رشتہ نامناسب تھا۔ ہم تمہارے لیے کوئی اچھا رشتہ دیکھیں گے۔"

"آپ کیسے ہیں؟ آپ کی فیملی کیسی ہے۔" وہ چپ رہ گئے۔

"ٹھیک ہوں۔"

"آپ کے بچے کیسے ہیں۔"

"وہ تمہارے بہن' بھائی ہیں بیٹا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"میں اکیلی اولاد ہوں اپنی ماں کی۔ میرا کوئی بہن' بھائی نہیں ہے۔"

"تم جب ان سے ملوگی تو....."

"میں کیوں ان سے ملوں گی۔"

"ہم سب اس ہفتے پاکستان آرہے ہیں۔" وہ سب اماں جی سے ملنا چاہتے ہیں۔ سب سے ہم سے.... میں تمہاری باتیں کرتا رہتا ہوں ان کے ساتھ۔"

"مت کیا کریں۔ ضرورت نہیں اس کی۔"

"تم مجھے کب معاف کروگی انو۔"

"آپ سب کچھ کرلیتے..... بس میری ماں کو نہ چھوڑتے۔"

"وہ خوش نہیں تھی میرے ساتھ۔"

"آپ نے کبھی کوشش ہی نہیں کی انہیں خوش رکھنے کی۔"

"پھر وہی شکایت.... انو....." پیچھے سے کوئی بچہ آیا تھا جس نے انہیں بابا کہہ کر بلایا تھا۔ "تم اپنے بھائی سے بات کروگی انو۔"

"مجھے دیر ہورہی ہے بابا.... اللہ حافظ۔" اس نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

✲ ✲ ✲

اس نے اپنی ماں کو فون کرکے بتایا کہ اس نے انکار کردیا ہے' وہ خوش ہوگئیں۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔

بہرام آیا' "کیا کررہی ہو۔"

"بہرام۔" اس کا لہجہ بے بس تھا۔ "میں اس سے محبت نہیں کرتی تھی۔ مگر تب بھی میں اتنی اداس کیوں ہوں بہرام۔" بتاؤ میں کیا کروں؟

"آؤ کہانی لکھتے ہیں انو۔" اس کی آنکھیں بے وجہ ہی نم تھیں۔

"مجھے راجہ رانیوں کی کہانی نہیں لکھنی بہرام۔ مجھے رونا ہے۔" بہرام بغیر کسی وجہ کے آنکھیں نم ہوگئیں۔ لہجہ بھاری' اس نے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"بہرام! یہ اداسی میری جان لے لے گی۔"

"انو....." وہ کچھ کہہ نہیں پایا۔

"مجھے اب کبھی کہانی لکھنے کامت کہنا۔" یہ کہتے ہوئے رودی۔

✲ ✲ ✲

"مجھے نہیں پتا کہ قیامت کیا ہوتی ہے۔ مجھ پر کچھ الگ نہیں بیتا انوشہ۔ میں جو کہ احساس محرومی کا بچپن سے ہی شکار تھا۔ میرے حالات تم سے چھپے تو نہیں ہیں۔ ہاں' مگر یہ حقیقت ہے کہ پتا نہیں کب سے میرے اندر یہ خواہش ابھری کہ اکلوتا ہونے کے ناتے بعض بچوں کی طرح میں غیر معمولی اہمیت پاؤں۔ ابا کے بعد امی نے میرا جانے کیوں ضرورت سے زیادہ لاڈ نہ اٹھایا۔ بلکہ میرے کانوں میں ہمیشہ زندگی کی تلخیاں انڈیلتی رہیں' میں سوچتا تھا' میں بڑا ہوجاؤں گا تو دکھ اپنی موت آپ مرجائیں گے۔ مگر جب بڑا ہوا تو ماں چھوڑ گئی۔

ماموں نے سر پہ کیوں ہاتھ رکھا۔ نوکری کیوں دلا دی۔ میں نہیں جانتا تھا۔ جب انہوں نے کہا میری بیٹی سے شادی کرلو اور میں نے ذہنی طور پر تسلیم کرلیا کہ مجھے عرشی کے ساتھ اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنی ہے اور میں نے یہ کیا بھی۔ پہلی رات سے توقع کے مطابق وہ اکھڑی اکھڑی تھی۔ اس کے پاس میرے لیے سب کچھ تھا۔ سوائے محبت اور عزت کے۔ میرے دل کی یہ خواہش کہ کوئی مجھے چاہے۔ مزید دب گئی۔ اسے میری کتابوں سے لے کر نظریات' سوچیں' معمولات سب سے چڑ تھی۔ ہماری ذرا نہیں بنتی تھی۔ ہمارے چھوٹے بڑے جھگڑوں کی شکایت ماموں تک پہنچتی تھی اور اس کا سارا بھگتان مجھے بھگتنا پڑتا تھا۔ میں بچہ نہیں تھا کہ ڈانٹ کھا کر چپ رہ جاتا۔

میں نے سوچ لیا کہ جو برا ہے اس کے ساتھ برا کرنا ہے۔ جو حصہ تھا' جائیداد صرف ماموں کو ملی' اس کا سارا فائدہ اس کے علاوہ زمین تھی' جس کا حصہ انہوں نے امی کو نہیں دیا تھا۔ میرے دل میں ماموں کے لیے غصہ بھر گیا۔ یہ چھوٹا سا دو کمروں کا گھر جو نانا نے بنوایا تھا امی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کے لیے۔ داماد کو گھر داماد بنا کر بٹھادیا۔ اس دو کمروں کے گھر سے وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو زندگی کی سہولیات دے رہے تھے۔

مجھے ماموں پر غصہ تھا۔ عرشی کی بدتمیزیاں بڑھتی جارہی تھیں۔ میں دن بہ دن بددماغ ہوتا جارہا تھا۔ ماموں نے بیٹی کا دماغ آسمان پر پہنچایا ہوا تھا۔ وہ مجھے جوتی کی نوک پر رکھنا چاہتی تھی۔ بالآخر میرے ماموں پر' مجھ پر' اور عرشی پر ہمارے رشتے کی حقیقت کھل گئی۔ وہ گھر چھوڑ گئی۔ میں ماموں سے امی کے حصے کی زمین مانگنے لگا۔ انہوں نے مجھے نوکری سے نکلوادیا۔ میں نے بھی ہر طرح سے 'بدتمیزی کرکے' چیخ چلا کر۔ ان کا سکون تباہ کیے رکھا۔

ماموں کے خلاف کیس کیا' مگر جاب کے بعد وکیل کو فیس نہ دے سکا۔ ہمارے ہاں عدالتیں مہینوں ہیئرنگ کرواکے معاملہ خراب کردیتی ہیں۔ مجھے پتا تھا نتیجہ دیر سے نکلے گا۔ میرے ماموں کا پیسہ کام کررہا تھا۔ انہوں نے نانا کی زمین بیچ کر 'کھاتے بدلوا کر چینجنگ کرلی تھی۔ تب بھی انہیں مجھ سے کچھ کچھ ڈر تھا۔ مگر میرے حالات میرے لیے مشکل ہوتے چلے گئے۔ ان ہی دنوں ماموں کی شادی ہوئی۔ اور اس بہانے میری تم سے ملاقات ہوگئی اور بڑی جلدی میں نے جانا کہ دنیا میں معصومیت بھی ہے اور انسانیت بھی اور پھر کون نہیں چاہے گا کہ اسے سمجھا جائے۔ اسے سنا جائے۔ اسے چاہا جائے اور اس میں 'میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ بغیر تمہارا سوچے سمجھے۔ بغیر تمہارے لیے سوچے۔ بس ایک اچھا وقت گزر رہا تھا۔ میں قدرے مطمئن ہوگیا تھا۔ شعوری طور پر تمہارے قریب آنے کی کوشش نے میرے لاشعور کو بھی متاثر کیا تھا۔

انو! میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم ہار گئیں۔ تم نے تو کھیل کو اچھا کرنا چاہا تھا۔ میرا ہی قصور تھا کہ میں ہی کھیل سے بھاگ گیا۔

اب تمہیں جواب مل گیا ہوگا کہ میں لڑا کیوں نہیں۔ میں نے تم سے شکایتیں کیوں نہیں کیں۔ میں تم پر چلایا کیوں نہیں۔ اب تمہیں پتا لگ گیا نا۔

صرف اور صرف اس لیے کہ میں بے وفا نکلا اور یہ شاید میری سرشت میں شامل تھا۔ میں بے وفا پیدا ہوا تھا یا پھر میں بے وفا بن گیا یا پھر مجھ میں وفا نبھانے جتنی ہمت نہ رہی یا پھر قدر۔ شاید میں تم سے فرار حاصل کرکے زندگی کو کھیلنا چاہتا ہوں یا پھر مزید جھیلنا۔

اپنی کہانی میں لکھنا ایک برا ہیرو جو بیچ راستے سے بھاگ جاتا ہے۔ چھوڑ جاتا ہے۔ ہمیشہ کی طرح کہانی کا برا انجام کرنا اور اپنے قارئین کو بتانا کہ یہی حقیقت ہوتی ہے۔

صرف تمہارا (جو بن نہ سکا)

اس نے پوری ای میل ایک سانس میں پڑھ ڈالی تھی۔

"بہرام! جب مدیرہ کا فون آیا تھا کہ میں کہانیوں کے انجام بدل دوں۔ اور میں نے انہیں وہ کہانی بھجوائی تھی' جب مجھے دشواری ہورہی تھی کہانی لکھنے میں اور میں نے اسے فون کرکے کہانی سمجھانے کو کہا تھا اور اس نے مجھے سکھایا تھا لکھنا۔ تب اس کی کہانی کا انجام میں نے ڈارک کردیا تھا۔

اور وہی کہانی مدیرہ نے مجھے واپس کی تھی یہ کہہ کر کہ اس کا انجام بدل دو۔ اور تمہیں پتا ہے نا۔۔۔ یاد ہے میں نے قلم توڑ دیا تھا۔" وہ اسے بغور سن رہا تھا۔

"میں نے اپنا قلم جوڑ لیا ہے بہرام! میں اب اس کہانی کا انجام بدلنا چاہتی ہوں۔ کیا میں ایسا کروں؟"

"ہاں۔ تم ایسا ضرور کرو۔"

"اس کے باوجود بھی کہ حقیقت 'تلخ' ہوتی ہے؟"

"ہاں اس کے باوجود بھی کہ حقیقت 'تلخ' ہوتی ہے۔"

"اس کے باوجود بھی کہ کہانی جھوٹ نہیں ہوتی؟"

"ہاں اس کے باوجود بھی کہ کہانی واقعات سے کشید کی جاتی ہے اور وہ سچ ہوتی ہے۔" وہ اس کے سامنے آبیٹھا۔

"اس کے باوجود بھی میں کسی کے دل میں امید کا جھوٹا دیا جلادوں؟"

"ہاں اس کے باوجود بھی تم کسی کو جگنو دکھادو۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسا کر کے میں اپنی قارئین کو دھوکا دوں گی۔"

"ہاں انوشہ! یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر کوئی یہ دھوکا کھانا ہی چاہتا ہے۔"

"صرف اس لیے کہ میری کہانیاں تواتر کے ساتھ چھپتی رہیں؟"

"نہیں انو... صرف اس لیے کہ تمہیں قرار آجائے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کہانی بدل دوں گی۔"

"میں اب خود کو بدلنے کی کوشش کروں گی بہرام۔"

بہرام کو پتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں کوئی نمی نہیں ہے' مگر دل پوری طرح پسپا ہے۔

☆ ☆ ☆

اس نے بہرام کو مایوس دیکھا۔ وہ اسے کچھ نہیں بتا رہا تھا۔ اسے اس کی چچی نے کس لاپروائی سے بتایا کہ اب اترے گا بہرام کے عشق کا بھوت۔ کیونکہ کلثوم کی منگنی ہو رہی ہے تو حالات جیت گئے۔ بہرام ہار گیا۔ اسے کلثوم نے ہرا دیا۔ ابھی تو وہ کہانی لکھ آئی تھی کہ بہرام اور کلثوم مل جاتے ہیں' مگر حقیقت کیوں بری ہوتی ہے۔

"تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گی۔ نہ فون کرو گی۔ نہ ملنے جاؤ گی۔" بہرام نے اس سے وعدہ لینا چاہا۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکی۔ کہانی اٹھائی لفافے میں ڈالی۔

"میں اسے پوسٹ کرنے جا رہی ہوں بہرام۔"

اس نے لفافہ لیا اور نکل آئی۔ کلثوم کے مہندی لگ رہی تھی۔ وہ اس کے پاس پہنچی۔ کمرے میں بمشکل اس کی ماں سے نظر بچا کر' کلثوم کی دوست کی مدد سے آئی تھی۔

"تم کیوں آئی ہو انوشہ۔"

"تم سے کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔"

"اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔" افسردہ تو وہ بھی تھی۔

"کیا آسائشیں اور خواہشیں انسان کے دل کی دشمن ہوتی ہیں۔ دیکھو' ضروریات تو وہ بھی پوری کر سکتا تھا تمہاری۔"

"انوشہ پلیز... اس کے متعلق کچھ بھی نہیں۔"

"کلثوم! اس دنیا میں وفا سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہوتا۔ ایک وفا ہی ہے جس کا احساس ہمیں سمجھوتا' قربانی اور انتظار کراتا ہے۔ اگر محبت سے وفا نکال لیں تو کچھ نہیں بچتا۔ مجھے کسی نے کہا تھا' رفاقت ہی اصل محبت ہے' مگر میں کہتی ہوں کہ رفاقت میں اگر وفا نہ ہو تو وہ نہیں چل پاتی۔ کلثوم تم نے تو صرف محبت کی تھی۔ وفا تو بہرام کر رہا تھا تم سے۔ تم نے کیوں ایسا کیا کلثوم... اس کا انتظار..."

"کب سے کر رہی ہوں انوشہ... کب سے' مگر حالات بہتر نہیں ہوئے... اب تھک گئی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کلثوم کہ تمہارے حصے کا رزق اس کے پاس تمہارے بعد ہی آئے۔ ہو سکتا ہے وہ آسائشیں' وہ سہولتیں تمہارا نصیب ہوں اور اگر ہوں گی تو وہ تمہیں کہیں بھی ملیں گی۔ اس کے لیے بہرام کو چھوڑنا ضروری تھا کیا؟"

"میں نے بہرام کو نہیں اپنے آپ کو چھوڑا ہے انوشہ! اپنے دل کو چھوڑا ہے۔" ہلکے رنگ کے دوپٹے میں۔ زرد چہرہ' سرخ آنکھیں' پشت پر بکھرے بال۔ اپنے حال سے بے حال۔ میک اپ سے عاری چہرہ۔ پاؤں میں چاندی کی پازیب' چال میں اداسی۔ اور لہجہ بے حال۔ یہ تھی بہرام کی کلثوم جواب کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔

"تم ایسا کیسے کر سکتی ہو کلثوم۔ دنیا کے پیچھے دل کو تباہ مت کرو۔ ان سے پوچھو جن کو وفا نہیں ملتی۔ اس کی ناقدری مت کرو کلثوم! وہ ایک دنیا سے ٹکر لیے کھڑا ہے۔ تم تو اسے مت توڑو۔ وہ خود سے تھک جائے گا... زندگی سے تھک جائے گا۔ اس کا محبت سے یقین اٹھ جائے گا۔ اور تمہارا دل آسائشوں سے اچاٹ ہو جائے گا۔ اتنا بڑا خلا کون بھر پائے گا' کیسے خوشی مل پائے گی۔ ایسا مت کرو کلثوم! اگر وہ کم ہمت ہوتا تو اور بات تھی۔ اگر وہ پیچھے ہٹ جاتا تو تم بھی ہٹ جاتیں۔ اگر وہ باوفا نہ ہوتا تو میں یہاں کبھی نہ آتی۔" اس ایک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جملے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی۔

کلثوم کی ماں نے اسے دیکھ کر دل پر ہاتھ رکھا۔ انوشا بھرے پرے گھر سے چلی گئی۔ کہانی پوسٹ کردی۔ اور جب وہ گھر واپس آئی تو بہرام کمرے میں نہیں تھا۔ مگر اس کا ریکارڈ بج رہا تھا۔ وہ دروازے میں رک گئی۔

بہرام بالکونی میں کھڑا تھا۔ اس نے ریلنگ پر سر جھکایا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح دم جس گھڑی
پھول کی پنکھڑی
اوس کا آئینہ
جگمگانے لگا
ایک بھنورا وہیں
دیکھ کر ہر کہیں
شاخ کی اوٹ سے
سر اٹھانے لگا
پھول بھنورا تلاطم ہے
ٹھہراؤ ہے
جو بھی کچھ ہے
محبت کا پھیلاؤ ہے
تیرے میرے ابد کا کنارہ ہے یہ
استعارہ ہے یہ
پیار کا گھاؤ ہے
روپ کا داؤ ہے
جو بھی کچھ ہے
محبت کا پھیلاؤ ہے

کچھ بھی آسانی سے نہیں ہوا تھا۔ بہت بڑا تماشا ہوا تھا۔ وہ سب گھر والوں کو زبردستی منا کر لے گئی۔ کلثوم کے گھر والوں نے بہت احتجاج کیا مگر کلثوم نے ہاں کہہ کر ہواؤں کا رخ پھیر دیا۔ وہ جو احساس پہلے ہی تھا دل کے اندر اسے پختہ انوشہ نے کیا تھا۔ اور نتیجتاً" وہ منگنی والے دن بہرام کے نام والی فائل پر دستخط کر رہی تھی۔ انوشہ کو جیسے جہاں مل گیا تھا۔ بہرام کے چہرے کی لوٹتی مسکراہٹ۔ اور کلثوم کا اطمینان، گھر والوں کا سکون دیدنی تھا۔ مجیب رحمان اسے دور سے دیکھتے رہے۔ ولیمے کی شام اسے دیکھا۔ وہ سوچ رہے تھے۔ کاش اس جگہ وہ خود ہوتی۔ وہ حقیقتاً" پریشان ہو گئے تھے اس کے لیے۔

سب اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔

انہوں نے اس شہر میں اپنی سابقہ بیوی کو بھی دیکھا۔ وہ یقین نہیں کرنا چاہ رہے تھے کہ یہ وہی ہے۔ خوشی انسان کو بدل دیتی ہے۔

انہوں نے سوچا' چلو اچھا ہے وہ اپنی زندگی بنا گئی۔ میں بھی تو مطمئن ہوں اپنی زندگی میں' بہرام کی بھی شادی ہوئی۔

ان سب میں سب کے درمیان مسکرا کر اعتدال کے ساتھ رہنے والی' ان کی اپنی بیٹی انوشہ کہانیاں لکھ کر جینے والی۔ بس جی لینے والی۔

اب تو اس کی پڑھائی بھی ختم ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو' یہ فون نہیں ہے جو میری گفتگو کے دوران تم بند کردو اور یہ بھی نہیں کہ تمہیں اس وقت کوئی کام ہوگا۔ اس لیے بیٹھو اور مجھ سے بات کرو" وہ ناچار بیٹھ گئی ان کے ساتھ۔

"تم نے یہ سب کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ بہرام کے ساتھ تمہاری شادی زیادہ مناسب رہے گی۔ تم لوگ خوش رہتے بہت۔"

"ہم ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی خوش ہیں بابا۔ اچھے دوست ہیں' یہ کافی ہے۔ میرے خیال سے یہ موضوع اب بے کار ہے۔ آپ کچھ اور بات کریں۔"

"کوئی رشتہ دیکھوں؟"

"نہیں بابا... فی الحال نہیں۔"

"میرا دل بیٹھا جا رہا ہے انو۔ یقین مانو میں نے شادی کرلی' تم سب سے دور رہا۔ بظاہر ٹھیک مگر اندر کا اطمینان نہیں مل پایا ابھی تک۔ تم پلیز کوئی آسانی کرو۔ اپنے لیے گنجائش نکالو بیٹے۔ اگر تم اس لڑکے کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ساتھ خوش تھیں تو میں پھر جا کر بات کروں۔

"نہیں بابا۔ اب نہیں۔"

"مگر تم کسی اور کو بھی تو قبول نہیں کر پا رہیں۔"

"مجھے وقت دیں آپ۔"

"تاکہ تم مزید پریشان رہو۔ دیکھو اب بہرام اپنی بیوی کے ساتھ ہوگا۔ باقی سب اپنی اپنی لائف میں مصروف ہیں۔ تمہاری ماں نے اپنا گھر بسا لیا۔ میں نے شادی کرلی۔ مجھے لوٹنا بھی ہے۔ میں تمہیں ایسے کیسے یہاں چھوڑ دوں۔ مجھے اب زیادہ فکر رہے گی تمہاری۔"

"میں ابھی شاید زندگی سے مزید کچھ سیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اکتا جاؤ گی انو۔ کسی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ یا پھر ایسا کرو۔ میرے ساتھ چلو۔ ملک بدلے گا' علاقہ بدلے گا۔ تو موڈ بھی بدل جائے گا۔"

"آپ بہرام اور اس کی بیوی کو لے جائیں۔ وہ انجوائے کریں گے۔ بلکہ کوشش کریں کہ اگر بہرام کو وہیں کوئی کام مل جائے تو اچھا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ کلثوم کو یا تو ساتھ لے جائے گا یا پھر جلد ہی بلا لے گا۔ جو محبت کرتے ہیں' وہ چھوڑتے نہیں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم سب کے لیے اچھا سوچتی ہو اور یہ بھی اچھی بات ہے کہ حالات نے تمہارے ذہن پر الٹا اثر کیا ہے' تمہیں مزید صلح جو بنا دیا ہے مگر مجھے اب صرف اور صرف تمہاری فکر ہے۔ بہرام کرلے گا اپنے لیے کچھ نہ کچھ' فی الحال اسے کچھ دن انجوائے کرنے دیا جائے۔ یہی تو دن ہوتے ہیں۔ میں نے بھی یہ دن بہت انجوائے کیے تھے۔ شروع کے دو سال ہمارے بہت اچھے گزرے۔ دوسرے سال تم پیدا ہوئیں.... مجھے لگتا تھا جیسے میں نیا پیدا ہوا ہوں۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ زندگی کتنی حسین تھی۔ جب تمہیں پہلی بار ہم دونوں اسکول داخل کرانے گئے۔ سارا دن تمہاری ماں روئی تھی۔ تم تین سال کی تھیں۔ انہیں پتا تھا تم بہت روؤ گی۔ اور یہی ہوا تھا۔ ہم چھٹی سے پہلے پہنچ گئے تھے تمہیں لینے اور تم نے واقعی رو رو کر آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ تب سیل فون اتنے عام نہ تھے۔ میرے پاس اپنا فون تک نہ تھا کہ وہ مجھے بچی کے رونے کی اطلاع کرتے۔ اس کے فوراً بعد میں نے گھر میں فون لگوادیا۔ بہت لاڈوں سے پالا تھا ہم نے تمہیں۔" وہ دیکھ رہی تھی ان کی آنکھوں میں پانی تھا۔

"پھر بگاڑ کیوں آگیا بابا۔ بہت سارے مرد کمانے جاتے ہیں باہر بہت سوں کے گھر نہیں ٹوٹتے۔ ہمارا کیوں ٹوٹا؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ لاپروائی میری ہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا۔ دراصل جو یہاں سے غیر ملکی جاتے ہیں۔ وہ وہاں جا کر زیادہ محنت کرتے ہیں۔ میں دہرا ہوا جاتا تھا۔ منیرہ کہتی تھی لوٹ آؤ۔ مجھے لگتا تھا وہ میری قدر نہیں کرتی۔ مگر شاید یہ بھی سچ تھا کہ میں نے اس کی ناقدری کی۔ شاید واقعی مجھے اس سے اتنی محبت نہ تھی۔ جتنی وہ ڈیزرو کرتی تھی۔ جتنا حق اس کا میرے اوپر بنتا تھا۔ بس سب کچھ بگڑتا چلا گیا۔ مگر میں چاہتا ہوں انو.... تم خوش رہو۔ میں نہیں چاہتا میں تمہاری کہیں بھی شادی کروادوں اور تم خوشی حاصل نہ کرپاؤ۔"

"جسے پہلی بار سوچا جائے.... وہ زندگی میں کہیں رہ جاتا ہے میں فی الحال آزاد رہنا چاہتی ہوں بابا۔"

"تم سوچ لو انو.... تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

"میں کسی کی وجہ سے زندگی کو گھن نہیں لگا سکتی بابا۔ میں اپنے لیے کچھ کرلوں۔ جب مجھے محسوس ہوا میں یہاں الجھ رہی ہوں۔ وعدہ رہا' فوراً" آپ کے پاس آجاؤں گی۔"

"تم اپنا خیال رکھنے کا وعدہ کرو گی۔"

وہ ہنس پڑی۔

"انو.... تم مجھے بہت عزیز ہو۔" انہوں نے اسے ساتھ لپٹالیا۔

کتنے عرصے بعد شکایات کا پردہ ہٹا تھا۔ اس نے دل میں کوئی احساس پایا۔ اطمینان کا۔

☼ ☼ ☼

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسے ماں نے ملنے کے لیے بلایا تھا۔

"بہرام کی شادی کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے امی۔" اسے پتا تھا وہ بھی اس پر افسوس کریں گی۔

"تمہاری شادی پر تو بات کر سکتے ہیں نا؟"

"بالکل کریں۔" وہ بے دلی سے مسکرائی۔

"دیکھو بیٹا۔ تمہارے قابل نہیں تھا وہ۔"

"پلیز امی!" اس نے ٹوکا۔ "وہ معاملہ کب کا ختم ہے۔ اس کے متعلق نہیں۔"

"تم شاید مجھ سے خفا تھیں۔ میں نے سوچا تمہیں..."

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو مجھے وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے امی۔ رہنے دیں بس۔ جو ہوا سو ہوا۔ آپ بتائیں... آپ خوش ہیں نا؟ اپنے گھر میں۔"

عجیب بات تھی۔ جوان بیٹی ماں سے پوچھ رہی تھی کہ آپ خوش ہیں نا اپنے گھر میں۔ پھر یہ کہ وہ آپ کا خیال تو رکھتے ہیں نا' وغیرہ وہ تھوڑی شرمندگی محسوس کرنے لگیں۔ یہ بتاتے ہوئے کہ میں نے علاج کرایا ہے اپنا۔ اب انچاس سال کی عمر میں میں ماں بننے والی ہوں۔"

"واقعی؟"

"ہاں..." وہ یہ سب نظر چرا کر بتا رہی تھیں۔

"پتا نہیں تمہیں کیسا محسوس ہوگا۔ لوگوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ..."

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی امی۔ میرے لوگوں کے ساتھ بہت کم واسطے ہیں۔ آپ خوش ہیں' یہ کافی ہے۔"

"تمہارے بابا چلے گئے واپس؟"

"جی۔"

"خوش ہوں گے وہ۔"

"پریشان تھے میری وجہ سے۔"

"تمہیں انہوں نے ساتھ چلنے کو نہیں کہا انو؟"

"بہت کہا امی۔ چلے جانا چاہیے تھا نا تمہیں۔"

"دیکھوں گی... ابھی کچھ وقت یہاں رہنا چاہتی ہوں۔ دادی بہت بیمار رہنے لگی ہیں۔ چچی اکیلے گھر کو سنبھال نہیں پاتیں۔ کلثوم اور بہرام ہنی مون سے واپس آئیں تو میں سنجیدگی سے جاب کی طرف توجہ دوں گی۔ ویسے پبلک سروس کمیشن کا ٹیسٹ ہے دو ہفتے بعد' آپ دعا کیجئے گا۔"

"اللہ تمہیں کامیابی عطا کرے۔ مگر اپنا گھر بساؤ انو۔ اس سے زیادہ اور کیا خوشی اہم ہوگی۔"

"ہوم' دیکھیں گے۔ اس بات پر بھی سوچیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ چلیں میں گھر چھوڑ دوں آپ کو۔"

"تم کسی کی گاڑی لے کر آئی ہو انو؟"

"عتیق چچا کی ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے نکلوائی ہے۔ مجھ سے کہہ رہے تھے نئی کا خیال کرنا۔ کہیں مار کر نہ آنا۔ ویسے یہ محض ان کا ڈر ہے' ورنہ میری ڈرائیونگ پہلے سے زیادہ اچھی ہو گئی ہے۔"

"تم بہت بہادر ہو انو یا پھر بننے کی کوشش کرتی ہو۔" وہ مسکرا دی۔

"یہ بتاؤ تمہاری کہانیاں کہاں تک پہنچیں۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"تھک کر سو گئی ہیں... میں نے بھی سوچا' ریسٹ کرلیں۔ نیند مکمل ہو گئی تو اٹھا دوں گی۔"

"آپ آئس کریم کھائیں گی امی؟"

"تم کھلا دو گی تو کھا لوں گی۔" وہ اسے بہت پیار سے دیکھ رہی تھیں۔

"پتا نہیں کس نیکی کا صلہ ہے۔ تم اتنی اچھی بنتی جا رہی ہو انو۔ بس اس سب میں اپنا ضرور سوچنا۔"

"میں آئس کریم کھلانے لے جا رہی ہوں۔ اچھی تو ہوں گی۔" کہتے ہوئے وہ ہنس پڑی۔ گاڑی آئس کریم پارلر کے سامنے روکی۔

"تمہاری ڈرائیونگ واقعی بہت زبردست ہو گئی ہے۔"

"آج کل تو مجھے ہر کسی سے اپنی خوبیاں ہی خوبیاں سننے کو مل رہی ہیں۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اچھا بننا یا پھر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مسکراتے رہنا یا پھر مطمئن رہنا۔" یہ اس نے سوچا تھا۔ اگلے کئی دنوں تک وہ انہیں مسلسل کال کرتی رہی ـ باقاعدگی سے میسج کرتی رہی۔ خیال رکھتی رہی۔ دوبار ملنے گئی۔

ایک بار بھی اس کا سامنا عباس سے نہیں ہوا۔ امی نے باتوں باتوں میں بتایا کہ "وہ گھر بیچ کر چلا گیا ہے۔ کہاں؟ کسی کو نہیں پتا۔ عزیز سے میں نے کئی بار کہا ہے کہ اسے اس کا حصہ دے دیں۔ وہ بھی اپنی ضد کے پکے ہیں۔ مگر مجھے اندازہ ہے وہ دے دیں گے۔ مجھے اگر وہ نہیں ملا تو اس سے کہوں گی کہ آکر تمیز کے ساتھ بات کرلے۔" اس نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔۔۔ وہ اب اس کے بارے میں کچھ کہہ کر کیا کرلیتی۔

✡ ✡ ✡

"تم کہاں کھوئی ہوئی ہو؟ میں کب سے کھڑی ہوں۔"

"کب۔ کب آئیں تم؟" اسے دیکھتے ہوئے بینچ سے اٹھی۔

"کافی دیر ہوگئی۔ بیس منٹ سے اوپر۔"

"اور اتنی دیر سے تم کیا کررہی تھیں۔ مجھے بتایا نہیں۔" وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دی۔

"اگر ذرا ٹھہر جاؤ تو میں ایک دو کش لے لوں۔" وہ بینچ پر بیٹھ گئی۔ انوشہ بے زاری سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"تم نے بتایا نہیں زرمینہ۔ انٹرویو کیسا رہا میرا؟"

وہ زرمینہ تھی جو اس کے ساتھ پچھلے سال سے اسی چینل پر کام کررہی تھی۔ وہ نیوز ڈپارٹمنٹ میں تھی۔ اور انوشہ اسکرپٹ ڈپارٹمنٹ میں تھی۔ اس کی اپنے ڈپارٹمنٹ میں کسی سے اتنی دوستی نہ تھی جتنی نیوز کی زرمینہ حسن کے ساتھ ہم آہنگی تھی۔

"مجھے پتا تھا کہ تم یہ پوچھوگی۔ انٹرویو بہت اچھا تھا باوجود اس کے کہ میں تم سے بہت سارے خیالات کی وجہ سے متفق نہیں ہوں۔"

"تم خیال کے ساتھ زیادہ سفر کرتی ہو۔"

اور مجھے دیکھو میرا کیا خیالوں نے ستیاناس نہیں کیا؟" اس کے چہرے پر درد کی پرچھائیاں تھیں۔

پہلی بار میں انوشہ نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اور آہستہ آہستہ وہ ایک دوسرے کے قریب آگئی تھیں۔

"میں تو سوچ سوچ کر آدھی نفسیاتی بن گئی ہوں انوشہ!" اس کے لہجے سے یاسیت ٹپکنے لگی تو اس نے سگریٹ سلگایا۔

"بڑا عجیب لگتا ہے ایک عورت کا سگریٹ پھونکنا کش لگانا۔" انوشہ روز ہی یہ کہتی تھی۔ اور اسے یہ بھی پتا تھا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ زرمینہ ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے اس کے جملے سے محظوظ ہوئی۔

"اتنا مت سوچا کرو انوشہ۔۔۔ اب یہ مت کہنا کہ سوچوں نہ تو لکھوں کیسے۔" یہ جو نت نئے تجربے بچوں کے لیے تفریحی ٹیلی پلے اور قسط وار سوپ کی دلچسپ بڑھتی ہوئی کہانی کیسے موڑ لے گی۔

"مگر میں تمہیں کہتی ہوں اس کے علاوہ مت سوچو۔ اپنے لیے سوچو۔ اپنے خلاف مت سوچو۔"

"تم فکر بہت کرتی ہو انوشہ۔۔۔ دیکھو خیال ہمارے اوپر سے گزر کر جاتے ہیں۔ جیسے برسات برستی رہے ایسے ہی یہ بھی برستے ہیں۔ کبھی کبھار بہت دور لے جاتے ہیں۔ جہاں پر حقیقت کی کوئی دنیا نہیں ہوتی۔ وہاں تک۔۔۔ تیز تیز بھگاتے ہوئے۔ ہم پیچھے ہوتے ہیں۔۔۔ یہ وہاں پہنچ جاتے ہیں، جہاں پر ہم پہنچنا چاہیں۔" وہ زرمینہ تھی۔ انوشہ کے جملے استعمال کررہی تھی۔ وہ بھی اسی پر۔

"تمہیں بھی جملے چرانے کی عادت پڑگئی ہے زرمینہ۔" انوشہ مسکرادی۔

"اور بھلا کس کو تھی؟"

"اسے چھوڑو تم ٹرین بھگانے کی بات کرو۔"

"دیکھو انوشہ! عمر کے چونتیسویں برس میں بھی اگر تم کسی اس کا انتظار کررہی ہو تو یہ بھکاوا ہوگا۔" سارا زور لفظ "اس" پر تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ہاں۔۔۔ تم ٹھیک کہتی ہو زرمینہ۔۔۔ مگر مجھے کسی کا انتظار نہیں ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"میں گاڑی میں تمہارا انتظار کررہی ہوں۔" وہ پارکنگ کی طرف بڑھ گئی۔

کاش تم ٹھیک عمر میں شادی کرچکی ہوتیں تو آج یہ حال نہ ہوتا۔ لڑکی کی عمر اگر تیس سے اوپر چلی جائے اور وہ تب تک کنواری ہو تو پھر مشکل سے اس کی سوئی اٹکتی ہے۔" وہ گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں تو کہتی ہوں ایک ڈھکوسلہ قسم کی شادی بھی فریب ہی ہوتی ہے۔ بس شادی ہوگئی۔ ایک عدد ڈائن نما ساس ملی ایک نکھٹو شوہر ملا۔ اور بے قدری بیٹی۔ جو ہر وقت باپ کے سائے میں رہنا پسند کرتی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے عورت ایک چکی ہے جو پستی ہی رہے گی مگر کوئی قدر نہیں کرے گا اس کی۔"

"شکر کرو زرمینہ کہ تمہاری بیٹی احساس محرومی کا شکار نہیں ہے۔ باپ کا سایہ۔ ماں کی محبت۔"

"ویسے ذرا الٹا سسٹم ہے پر چلے گا۔"

"مجھے ہاسٹل پہنچادو زرمینہ! اس سے پہلے کہ چوکیدار مین گیٹ بند کردے۔"

"ویسے تم نے چھٹی لی ہے ہفتے کی۔ اس کی وجہ جان سکتی ہوں؟" زرمینہ بھی جی جان سے اکتائی ہوئی تھی۔

"ہاں یار۔۔۔ چچا چچی اور بہرام یاد کررہے ہیں۔ بہرام کی بیٹی بہت مس کررہی ہے۔ اس نے تو لمبی لسٹ لکھوائی ہے چیزوں کی۔ پھپھو یہ لانا' پھپھو وہ لانا۔ تھیلا بھر بھر کر لانا۔"

زرمینہ ہنسی۔۔۔ "اچھا ہے۔ ویسے وہ لوگ تمہارے لیے نہیں سوچتے؟"

"ہر بار بہرام اور کلثوم اصرار کرتے ہیں۔ مگر میں تھک گئی ہوں سوچتی ہوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کچھ عرصے کے لیے بابا کے پاس اٹلی چلی جاؤں۔ وہ بھی کئی بار کہہ چکے ہیں۔ ویسے اس بار سب سے مل لوں تو یہی ارادہ ہے۔ بشرطیکہ باس چھٹی دے دیں۔"

"مشکل ہے تمہاری چھٹی کا منظور ہونا۔"

"دیکھو اب تو ہر جگہ کئی کئی اسکرپٹ رائٹر آگئے ہیں۔ حالات دیکھ کر لگتا ہے آج کل ہر کوئی لکھنے کے کام پر لگا ہوا ہے۔"

"تب ہی تو کہانی کا معیار گرا ہے۔"

"نہیں زرمینہ۔۔۔ بس ہم اپنے کاموں میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔"

"خیر تمہارے جیسے سرپھرے تو ہیں نا؟"

"وہ ہیں تب ہی تو کام چلتا ہے۔"

"ویسے کام کے لیے سب ہی محنت کرتے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

اگلی صبح پہلی فرصت میں وہ لاہور پہنچی تھی۔ یہاں آکر اسے سکون مل جاتا تھا۔ ماں سے ملی۔۔۔ جو اپنے ننھے بیٹے کے ساتھ خوش تھیں۔ بہرام اور کلثوم اپنی جنت میں آباد تھے۔ عتیق چچا اسے پہلے سے بہت کمزور سے لگے۔ اس نے انہیں بمشکل اپنے ساتھ چلنے کے لیے راضی کرلیا تھا۔ یہ چار سال کیسے گزرے تھے۔ اسے لمحے لمحے کا احساس تھا۔ جاب ڈھونڈنے کی لگن اور کام۔ وہ نہ آفس ورک میں ٹک سکی۔۔۔ نہ اسکول میں۔ گورنمنٹ کی جاب اس سے بھاگتی رہی۔ اس دوران شادی کے لیے اس سے بہت کہا گیا مگر اس رشتے کے لیے اسے لگتا تھا اس کے دل کے دروازے بند ہوچکے ہیں۔

"زندگی کی پلاننگ چار سال سے بڑھ کر نہیں کی جاتی چار سال کے بعد حالات ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔" یہ اس نے سوچا تھا۔

پچھلے دو سالوں سے وہ ایک ٹی وی چینل کے ساتھ بطور اسکرپٹ رائٹر اور ایڈیٹر کے کام کررہی تھی۔ اس دوران وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائی تھی۔ اسے اپنے حصے کا کام پوری توجہ سے کرنے کی عادت تھی۔ سب کچھ ٹھیک جارہا تھا۔ اس نے سوچا ایک بار کہ اب اس شخص سے ملے اور اسے بتائے کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ وقت کیسے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ جیسے ان چار سالوں میں بہت بدلاؤ آیا۔ سوائے اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کے دل کے۔

"یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ جو سوچیں وہ ہو جائے۔ مگر جب کوئی خواہش شدت اختیار کر جائے تو کچھ ایسا ہو بھی سکتا ہے' جو آپ نے کہیں دل کے بہت اندر چاہا ہو۔ جسے ٹوٹ کر مانگا ہو۔ اور جسے حاصل کرنے کی ہمت نہ ہو۔ اگر وہ کہیں آپ کے سامنے اتفاقاً" آکھڑا ہو۔" وہ پورے تین منٹ اس کی بکواس سنتی رہی پھر خاموشی سے پلٹ گئی۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ "بیٹھو تاکہ ہم بات کر سکیں۔۔۔ حالانکہ میں جانتا ہوں یہاں سردی ہے۔" اس نے کندھوں تک آتے ہوئے بال پونی میں باندھے ہوئے تھے۔ چہرے پر تازہ شیو کی ہوئی تھی۔ باقی سب ویسا ہی تھا۔ وقت اس پر اثر انداز نہیں ہوا تھا۔

چار سال انسان کے اوپر سے پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کی طرح سے گزر جاتے ہیں۔ اور پتا بھی نہیں چلتا۔

"میں تمہارے قابل نہیں تھا انوشہ۔۔۔ اس لیے میں ہار گیا۔"

وہ اس کے کہنے پر بیٹھی نہیں مگر اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔

اسے یہ دوسرا ہفتہ تھا اٹلی میں۔ اس وقت شام کی ٹھنڈ میں وہ باہر ٹہلنے کے لیے نکلی تھی۔ اور پھر چائے کے خیال سے ادھر آنکلی۔ اس کے باپ نے اسے تنبیہہ کی تھی کہ کسی کو ساتھ لے جاؤ تم راستوں سے آشنا نہیں ہو۔ مگر اسے اجنبی رستوں کو کھوجنے میں مزا آتا تھا۔ اور کبھی کبھار اجنبی راستوں پر چلتے ہوئے ہم کہیں ایسی جگہ جا پہنچتے ہیں۔ جہاں ہمیں ہمارا ہی سراغ مل جاتا ہے۔ اسے پتا تھا جب انسان کہیں انجانی سڑک پر جاتا ہے تو شاید اس کی کسی درخت کے ٹوٹے ہوئے پتے سے ہی ملاقات ہو جاتی ہے۔

"مجھے کچھ کہہ لینے دو انوشہ۔۔۔" وہ قلب عباس۔۔۔ اسے اسی کیفے میں ملا تھا۔ وہ یہاں سوا تین سال سے کام کر رہا تھا۔ اور اسے پتا ہی نہ تھا۔ قسمت اسے اب یہاں کھینچ کر لائی تھی۔

"میں نے سوچا تھا میں جی لوں گا۔۔۔ تمہارے کتابوں کے' کہانیوں کے بغیر۔۔۔ جیسے پہلے ابا' پھر اماں کے بغیر۔ مگر تمہارے بغیر جینے میں کچھ نہ تھا۔ پھر مجھے یہاں کام مل گیا۔ شروع شروع میں ایک دوست یہاں پاکستانی جیولری بیچتا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ ٹھیلا لگانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ آنے کے لیے مجھے گھر بیچنا پڑا۔ مجھے کتابیں نکالنی پڑیں وہاں سے۔۔۔ کچھ اونے پونے بک گئیں' کچھ لائبریری کو دے دیں۔۔۔ سب پر تمہارا نام لکھ کر تمہاری طرف سے دے دیں۔"

انوشہ کو یاد آیا پربھات لائبریری سے اسے شکریے کی کال کیوں آئی تھی۔

"پھر میں یہاں چلا آیا۔۔۔ اور شاید اسی زمین پر میرا روزگار لکھا ہوا تھا۔ میں نے چار سال اسٹیبل ہونے کے لیے لگائے۔ اب بھی میں کسی قابل نہیں ہوں۔ مگر دیکھو' تمہارے سامنے ہوں۔ ادھورا۔۔۔ اور ناقابل بھروسہ۔۔۔ ہمیشہ سے ہی۔"

"تم نے کبھی اعتبار ہی نہیں کیا عباس۔۔۔ ورنہ میں تمہیں بتا دیتی' میرے پاس تمہارے سب سوالوں کے جواب تھے۔ میں نے اتنے عرصے میں تمہیں نہیں مانگا۔ مگر تمہیں ذہن سے بھی نہ نکال سکی۔ زندگی کی کشمکش نے بہت دوڑایا۔ مگر رشتوں کا جو حسن ہوتا ہے اس کی خاصیت الگ ہے۔ تم نے تو بات تک نہ کی۔ لڑے تک نہیں۔ مقابلہ تک نہیں کیا۔۔۔ کوئی تم سا بھی بے ہمت ہوتا ہے کیا؟ محبت اور وفا کا تو اٹوٹ سنگم ہوتا ہے عباس۔"

"میں تمہارے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ محبت نے تو مجھے بعد میں آلیا۔۔۔ جب میں ہارا' تب وہ ہنسی۔ جب میں چیخا۔ جب میں رویا۔ تمہیں چھوڑنے کے بعد تب مجھے احساس ہوا کہ مجھے تم سے محبت تھی پر یہ سچ ہے کہ میں بے وفا ہوں۔ مجھ میں نباہ کی صلاحیت کم تھی۔ بلکہ سرے سے تھی ہی نہیں۔"

"تمہارے اندر مجھے کھونے کا ڈر بھی نہیں تھا کیا؟"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مجھے اصل میں ادراک ہی نہ تھا۔ جب ہوا تو۔۔۔ سب ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔"

"اب کیا ہے۔ کچھ نہیں۔۔۔ اتنا وقت پیچھے چھوڑ آئے۔ اتنے وقت میں دل مرجاتا ہے قلب عباس۔ چار سالوں کو لمحوں کے حساب سے گنو گے تو تھک جاؤ گے۔"

"چار سالوں کو لمحوں کے حساب سے سوچا ہے۔ اور تھک گیا ہوں' انوشہ۔۔۔ اب تمہارا ساتھ چاہیے۔"

اگر میں یہاں نہ آتی۔ تو تم یہ لن ترانی کسے سناتے؟

"میں پاکستان آنے والا تھا۔"

"بکومت۔۔۔" وہ دھاڑ کر اٹھی۔

"رکو تو سہی انو۔۔۔"

وہ اسے کڑے تیوروں سے گھورنے لگی۔ "پاکستان آنا۔۔۔ پھر دیکھیں گے۔"

کچھ ہی دن میں اس کی واپسی تھی۔ اور یہ اسے پتا تھا کہ نہ وہ اس سڑک پر جائے گی اور نہ ہی وہ اس کا پیچھا کرے گا۔ اس کے برعکس۔ وہ اس کے گھر پہنچ گیا تھا' رشتہ لینے کے لیے۔ اس بار وہ اس کے باپ کے سامنے بیٹھا تھا۔ عتیق چچا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجیب کو اشارہ کیا کہ اسے ہاں کہہ دو۔ مجیب صاحب نے اسے کل منگنی کی انگوٹھی لانے کو کہا تھا۔

اس کے بعد وہ اندر کمرے میں انوشہ کے پاس آئے تھے اور اسے بتایا تھا کہ وہ قلب عباس کو ہاں کہہ آئے ہیں۔ اس کا یہاں چھوٹا سا گھر ہے۔ کام ہے۔ وہ قدرے بہتر ہو کر آیا ہے۔ اب اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔"

وہ کچھ کہے بغیر سنتی رہی۔ کوئی احساس کیوں نہ تھا؟ کوئی خوشی کیوں نہ تھی۔ کوئی ہل چل بھی نہیں۔ عباس کا کچھ دیر بعد فون آیا۔ وہ پوچھ رہا تھا "تمہیں سب کیسا لگ رہا ہے۔ تم خوش ہونا۔ دیکھو۔۔۔ ہم اکٹھے زندگی کی شروعات کرنے جارہے ہیں۔ کیا تم مجھے روزانہ ایک کہانی سناؤ گی؟ وعدہ میں تمہیں روزانہ ایک نظم سناؤں گا اور ہم بہت سی باتیں کریں گے۔ اور پھر تم وہ سب شکایتیں کہہ دینا' جو تم نے اتنے سالوں سے سنبھال کر رکھی ہیں۔"

اگلے دن منگنی کے ساتھ نکاح تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ پاکستان آرہے تھے۔ اور اس بار انہیں ویلکم کرنے کے لیے بہرام اور کلثوم کے ساتھ زرمینہ بھی موجود تھی۔

"کب سے تمہیں کہہ رہا تھا' چچا کے پاس چلی جاؤ۔۔۔ یہ شادی کب سے تمہارے انتظار میں رکی ہوئی تھی۔" بہرام نے اس کا سامان گاڑی میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا انوشہ۔" کلثوم نے اسے ساتھ لگالیا۔

زرمینہ نے آنکھ ماری۔ "اب پوچھوں گی میں تم سے۔ جملے چرانے والا کون ہے۔ پھر چھپانا۔" وہ مسکرائی۔ عباس مسکرایا۔

زندگی کبھی کبھار واقعی حیران کردیتی ہے۔ اسے جیسے سب کچھ ابھی تک جاگتی آنکھوں کا خواب لگ رہا تھا۔

وہ کرسی پر اپنے کاغذات لیے بیٹھی کوئی کہانی ایڈٹ کررہی تھی۔ اور صبح کا تازہ اخبار نظر بچا کر اسے دیکھ لیتا تھا۔ قلب عباس نے اپنی شیلف میں سلیقے سے رکھی ہوئی کتابوں کو گنا۔

"یہ اب بھی کم ہیں۔ عنقریب میں تمہیں اتنی کتابیں جمع کرکے دکھاؤں گا۔ جتنی میرے پاس پہلے موجود تھیں۔"

"اب کی بار تمہارے فلسفے مجھ پر اثر انداز ہونے والے نہیں۔ نہ میں تمہاری بے ہودہ نظموں سے متاثر ہونے والی ہوں۔"

"میری نظمیں تمہیں بے ہودہ لگنے لگی ہیں۔ اب میں سمجھا محبوبہ جب بیوی بنتی ہے تو اکھڑنے کیوں لگتی ہے۔"

وہ کپ میں چائے انڈیل کر توسٹ کا ٹکڑا چبا کر روکھے انداز میں کہتے ہوئے خود بھی روکھا ہوگیا۔ گھڑی نے گھنٹے پر سوئی ماری تو گھنٹی بجی اور وہ اٹھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گئی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اور مزید ہوئی تو پروڈیوسر خودکشی کرلے گا۔" اس نے اپنا بیگ اٹھایا۔ کاغذ فائل میں رکھے اور چائے کا کپ اٹھا کر بس دو تین گھونٹ لیے۔

"جاؤ... اللہ کی امان میں مگر سن لو 'لنچ پر پہنچ جانا وقت پر ورنہ میں کسی اور کے ساتھ ڈیٹ پر چلا جاؤں گا۔" اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر قدرے بلند آواز میں کہا تھا تاکہ وہ سن لے۔

"مجھے پتا ہے اس شہر میں مجھ جیسی بدذوق کوئی نہ ہو گی۔" وہ زور سے کہتی ہوئی نکل گئی۔

"صرف بدذوق نہیں۔ کم عقل اور سٹھیائی ہوئی بھی۔" وہ ہنس کر اندر آیا۔

عجیب مسئلہ ہے اس کا۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی مجال ہے جو کبھی اظہار محبت کرلے۔ ویسے یہ بھی ایک چھوٹی سی بیماری ہی ہے۔ اور ہاں 'بے وجہ کی انا۔ اس نے اپنی نئی ترتیب شدہ کتاب میں نفسیاتی مکالے میں دو چار لائنوں کا اضافہ کیا۔

محبت کرنا... کرتے ہی رہنا... اور اس کے باوجود بھی منہ سے کوئی اظہار نہیں... سب کچھ جتانے 'سمجھانے احساس دلانے تک ہی محدود۔ محبت کی نفسیات بھی عجیب ہے۔

وہ کہتی ہے "اب کہنے کی کیا ضرورت۔"

اسے کیا کہوں... کتنی پاگل ہے۔ تو روزانہ فون سوتے وقت اپنے سرہانے رکھتی ہے۔ صبح آنکھ کھلنے کے بعد کھول کر میرا میسج دیکھتی ہے۔ مسکراتی ہے۔ ایک نظر مجھ پر ڈالتی ہے۔ اور میرے بال بگاڑ کر کہتی ہے کہ جانتی ہوں۔ ناٹک کر رہے ہو۔ اصل میں تم جاگ رہے ہو۔ میں آنکھ مار کر ہنستا ہوں۔

اور وہ ہاتھ چھڑا کر بستر سے نیچے اتر کر رفوچکر ہو جاتی ہے۔

مگر کیا میں محسوس نہیں کرتا جب وہ پودوں کو پانی دیتے ہوئے بھی بے دھیانی میں کئی بار کھڑکی کی طرف دیکھتی ہے۔ کیا اسے یہ نہیں پتا کہ کھڑکی کے عین سامنے اخبار پھیلائے اس کی طرف دھیان کیے میں ہی بیٹھا ہوں۔

کیا اسے یہ نہیں پتا۔ کہ یہ بھی محبت ہے۔ اور جب وہ میری ہر اک چھوٹی بڑی چیز۔ ٹائی سے لے کر کف لنکس تک سنبھال کر رکھتی ہے۔

دوپہر میں تھکی ہوئی آنے کے باوجود بھی روٹیاں اپنے ہاتھوں سے ڈالتی ہے میرے لیے۔ تو کیا میں نہیں جانتا انوشہ عباس کہ تم اپنے شوہر سے کتنی محبت کرتی ہو۔ چاہے تم دن میں سو بار نہ کہو۔ پر تم نے کبھی جو چپکے سے کہا ہو گا۔ میں نے سن لیا۔ تمہارا اور میرا رشتہ ایک خوب صورت کہانی کے دو کرداروں جیسا۔

میں ایک نئی نظم لکھنے لگا ہوں۔ اور جو میں تمہیں ہرگز نہیں سنانے والا۔" اس نے شرارت سے اسے ٹیکسٹ کیا تھا۔

پتا تھا جواب آئے گا "ڈونٹ ڈسٹرب" اور وہ جواب میں کہے گا "دفع ہو جاؤ" اور اس کے بیچ میں بھی ہونٹوں پر مسکراہٹ رہے گی۔ اور وہ جب گھر آئے گا۔ اور وہ کام سے لوٹے گی اور روٹیاں ڈالے گی۔ یہ سلاد کاٹ لے گا۔ سالن بنانے میں مدد کرے گا۔ اور دونوں کھانے کی میز پر ایک دوسرے کی طرف بے ساختہ دیکھ کر سوالیہ نظروں سے کہیں گے۔

"کیا؟"

بولے گا "کچھ نہیں" کندھے اچکا کر۔ وہ اس کی ناک کھینچ لے گا۔ اور وہ اس کا کان مروڑے گی۔ کھانا وہیں رہ جائے گا۔ جملہ بازی شروع ہو جائے گی۔ وہ جان بوجھ کر ہارے گا۔ وہ جان بوجھ کر ہرائے گی۔ دونوں ہنسیں گے۔

اور محبت کھڑکی سے جھانکتے ہوئے مسکرائے گی۔ پودے آپس میں اشارے کریں گے اور ایک نئی کہانی ذہن میں جنم لے گی۔

وہی ایک شہزادہ اور ایک شہزادی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عفت سحر طاہر

خوشبو کا سفر

موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہوجانے کی وجہ سے مہر ماہ کا رابطہ نمیر سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ وقار آفندی اور زرنگار آفندی کی محبت اور آفندیز کی بے حسی کے بارے میں سوچتی رہ جاتی ہے۔

وہ موحد کے آفس میں رابطہ کرکے اس سے ملنے کا کہتی ہے وہ گھر آکر بات کرنے کا کہتا ہے۔ وہ اس کے آفس پہنچ کر اس کے سامنے نمیر کی داستان سن کر اس سے ہمدردی محسوس کرنے کا کہتی ہے۔ موحد کہتا ہے کہ اس کی پوری کہانی سن کر فیصلہ کرنا کہ وہ کس چیز کا حق دار ہے۔ سزا یا معافی۔

ملاحہ نئے ڈرائیور کو دیکھ کر پریشان ہوجاتی ہے۔ اور کبیر کے لیے اس کے دل میں شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔ کبیر اسے کالج سے واپسی پر لینے آتا ہے اور اپنے گھر لے جاکر اسے اپنی ماں بہنوں سے ملواتا ہے۔ نمیر فون پر مہر ماہ کو اپنی ادھوری کہانی سناتا ہے۔ آغا جان مہر ماہ سے بات کرتے ہیں۔ اور نمیر سے نکاح قائم رکھنے پر اسے سخت سست سناتے ہیں۔ وہ نمیر کی حمایت کرتی ہے تو وہ اس سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ مہر ماہ فون پر نمیر سے کہتی ہے کہ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ ہامی بھر لیتا ہے۔ ملاحہ، موحد سے مدد مانگتی ہے۔ وہ اس کے لیے کوئی رشتہ لاتا ہے۔ ملاحہ ناراض ہوجاتی ہے۔

مہر ماہ، نمیر آفندی سے ملنے کبیر کے ساتھ جاتی ہے اور اسے باہر انتظار کرنے کا کہہ کر ریسٹورنٹ کے اندر چلی جاتی ہے پہلے سے بک کی ہوئی ٹیبل پر اس کا انتظار کرتی ہے۔ کہ اچانک ایک آواز پر چونک جاتی ہے۔

اکیسویں قسط

مرے روگ کا نہ ملال کر مرے چارہ گر
میں بڑا ہوا اسے پال کر مرے چارہ گر
سب ہی درد چن مرے جسم سے، کسی اسم سے
مرا انگ انگ بحال کر، مرے چارہ گر
یہ بدن کے عارضی گھاؤ ہیں، انہیں چھوڑ دے
مرے زخم دل کا خیال کر، مرے چارہ گر
فقط ایک قطرہء اشک میرا علاج ہے
مجھے مبتلائے ملال کر، مرے چارہ گر
میں جہان درد میں کھو گیا، تجھے کیا ملا
مجھے امتحان میں ڈال کر، مرے چارہ گر
مجھے اپنے زخم کی خود بھی کوئی خبر نہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سو نہ مجھ سے کوئی سوال کر، مرے چارہ گر
ترا حال دیکھ کے روئے گا، ترا چارہ گر
مرا دل نہ دیکھ نکال کر، مرے چارہ گر
(شہزاد نیر)

مہر ماہ ساکت سی اس کا آئی ڈی کارڈ بے جان انگلیوں کی گرفت میں تھامے بیٹھی تھی۔ ویٹر ٹرے میں انار کے فریش جوس کے دو گلاس لیے چلا آیا۔

"ابھی اور کچھ نہیں چاہیے جب تک میں خود آرڈر کے لیے نہ بلاؤں۔" وہ ویٹر کو تادیب کر رہا تھا۔

"اوکے سر!" وہ مؤدبانہ سر ہلا کر چلا گیا۔

"تم نے پوچھا تھا' کیا میں موحد اور اس کی فیملی کو جانتا ہوں۔۔۔۔"

وہ سرد گلاس کو ہاتھ میں گھماتا بہت نارمل سے انداز میں گویا ہوا جیسے یہ روٹین کی عام سی طے شدہ ملاقات ہو۔ اور مہر ماہ پر تازہ تازہ کوئی پہاڑ نہ ٹوٹ پڑا ہو۔

"ہاں۔۔۔ بہت اچھی طرح' بہت قریب سے۔"

وہ رک کر مہر ماہ کو دیکھنے لگا جس کی رنگت سفید پڑ چکی تھی۔

"میرا اس کہانی کو سنانے کا مطلب تمہاری ہمدردی حاصل کرنا قطعاً نہیں ہے مہر ماہ! بات صرف اتنی سی ہے کہ منصف کے سامنے دونوں فریقین کے گناہ و ثواب ہونے چاہئیں۔" ذرا سا رک کر جیسے اس نے کہانی کا سرا پکڑنے کی کوشش کی۔

"میری ماں ہاسپٹل میں تھیں۔ تایا جان نے ابھی ہمیں ڈھونڈنا شروع نہیں کیا تھا۔ وہ خود اپنی فیملی کے لیے سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا ڈھونڈنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ تب تک میں اپنی ماں کو تکلیف کی شدت سے تڑپ تڑپ کر بے حال ہوتے دیکھ کر ان کے مر جانے کے خوف میں مبتلا ہو چکا تھا پھر ایک دن میں آخری کوشش کے طور پر دوبارہ آفندی ہاؤس گیا۔ میرا باپ بنا علاج کے مر گیا تو ہم ماں بیٹا زمانے کی ٹھوکروں میں آ گئے تھے لیکن میں اپنی ماں کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ ایک نوعمر یتیم بچے کے لیے اس کی ماں کیا ہوتی ہے' یہ صرف وہی جان سکتا ہے جو اس کرب سے گزرا ہو مگر گیٹ سے اندر جانا ہی اس بچے کے لیے ایک پہاڑ بن گیا۔ مسلے ہوئے ناکافی گرم کپڑے اور دھول میں اٹے جوتے پہنے' سردی اور کمزوری کے باعث کپکپاتے ایک نوعمر لڑکے کو چوکیدار کسی طور اندر جانے کی اجازت نہیں دینے والا تھا اور ویسے بھی ابھی چار دن پہلے ہی تو اسے اس کی ماں کے ساتھ اس گھر سے نکالا گیا تھا۔ جب گھر والوں نے رشتہ ہونے کے باوجود دھکے دینے سے گریز نہیں کیا تھا تو ایک تنخواہ دار ملازم کو اس سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی۔ پھر بھی اس نے اندر جا کر مالکوں سے کہا تھا کہ بھوکا پیاسا صبح سے باہر بیٹھ کر روتا ہوا یہ لڑکا سردی کی شدت سے مر مرا کر کہیں ہمارے ہی سر نہ چڑھ جائے۔ تب شاید اس پر ترس کھا کر اسے اندر طلب کر لیا گیا۔"

نمیر مدھم مگر شدت آمیز لہجے میں کہتے رکا جیسے شدید کرب کے گرداب میں چک پھیریاں کھاتا اسی زمانے میں لوٹ گیا ہو اور اب اس تمام منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے درد سے بوجھل انداز میں بتا رہا تھا۔

"وہ دروازہ کھول کر ماربل کے ٹھنڈے اور سخت (بالکل آفندیز جیسے) فرش پر ڈرے ڈرے قدم اٹھاتا کوریڈور میں داخل ہوا۔ طویل کوریڈور کے اخیر میں ٹی وی لاؤنج آیا تو نیم تاریکی سے ایک دم آنکھیں چندھیا دینے والی روشنی میں آ کر ساکت سا ہو گیا۔ مگر ساکت ہونے کی واحد وجہ یہ دمکتی ہوئی روشنی ہی نہ تھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بلکہ سامنے صوفے پر فرعون بنی بیٹھی نفرت انگیز تیز نظروں سے اسے دیکھتی صدیقہ بیگم بھی تھیں۔ نمیر کی کپکپی اور بڑھی۔

نفرت انگیز نظروں کی سردی کو اس نے موسم کی سردی سے بڑھ کر پایا۔ وہ ان کی منتقمانہ نظروں کے آگے اپنی تمام ممکنہ التجائیں بھولنے لگا جو وہ یاد کر کے آیا تھا اور باہر بیٹھ کر دل ہی دل میں دہراتا بھی رہا تھا۔

"کیا بات ہے' اس دن کی بے عزتی بھولے نہیں تم لوگ۔ کیوں تنگ کر رہے ہو چوکیدار کو؟" وہ بہت حقارت بھری مخنتی سے بولیں۔

ایک چودہ سال کے بچے نے زندگی میں ابھی رویے ہی کتنے برتے تھے۔ باپ کے بعد ماں کی بےلوث اور بے انتہا محبت دیکھی تھی یا پھر فاران اور ثمرہ کی رحم دلی۔۔۔ لیکن ان آفندیز نے اسے نفرت بھری نگاہوں کی ایک نئی قسم سے روشناس کروا دیا تھا۔

"میری امی بہت بیمار ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ ان کا آپریشن کرنا ہے۔" اس نے ہمت کر کے روانکھے لہجے میں کہا۔ صدیقہ کو اس ننھے فتنے سے نفرت محسوس ہوئی۔ اس کی ماں ہی تھی جس کی زلفوں کا اسیر ہو کر وقار آفندی نے ان کی بہن کو ٹھکرایا تھا۔ اور اب یہ سنپولیا پیدا کر دیا وارث کے نام پر۔ ایک وہ ثمرہ کیا کم تھی جو بیٹے کی ماں بن کر ان کے سینے پر مونگ دل رہی تھی۔

"مرنے دو اسے...... دھرتی کا بوجھ کچھ تو کم ہوگا۔" وہ سفاکی سے بولیں تو نمیر کے جسم کو صدمے اور خوف سے جھٹکا لگا۔

"ابھی تم بچے ہو۔ آج تم جس ماں کے لیے یہاں بھیک مانگنے آئے ہونا' کل جب شعور آئے گا تو اس کا بیٹا ہونے پر تم شرم محسوس کرو گے اس لیے مرنے دو اسے۔"

وہ ان کی ظالمانہ باتیں سن کر رونے لگا۔

"ڈاکٹر پیسے مانگ رہا ہے آنٹی! امی کا آپریشن ہونا ہے۔"

"پھر وہی بات!" وہ دانت پیس کر بولیں' بس نہ چلتا تھا کہ اسے جھنجھوڑ ڈالتیں۔ شاید ہاتھ گندے ہو جانے کا خیال مانع تھا ورنہ تو وہ کچھ کم کرنے والوں میں سے نہ تھیں۔

"طوائف ہے تمہاری ماں۔۔۔ طوائف سمجھتے ہونا۔۔؟ کوٹھے والی۔ ناچنے گانے والی۔ ایک بے عزت گندی عورت۔"

ایک چودہ سالہ بچے کے سامنے اس کی ماں کے بارے میں اس طرح کی تشریح کرنا سفاکی کی انتہا تھی۔ وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔

"ہر بچے کے لیے ماں کا مطلب صرف ماں ہی ہوا کرتا ہے۔۔۔ طوائف ہونا یا شریف زادی ہونا تو قسمت کے کھیل ہیں۔ لیکن اس روز مجھے اچھی طرح بتایا گیا کہ میری ماں کیا ہے۔۔۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں ان نفرت انگیز نظروں سے بڑھ کر کسی اور شے کو سرد نہیں پایا مہر ماہ! اور وہ تمہاری ماں کی نظریں تھیں وہ ان کا آگ برساتا لہجہ تھا جس نے زندگی کے باقی پندرہ سال مجھے سکون کی نیند سونے نہیں دیا۔ آفندی ہاؤس سے دھکے دے کر نکالے جانے والی اس سرد تند و تیز بارش کی رات کے بعد تمہاری ماں سے ملنا میرے لیے ایک نائٹ میئر (خوفناک خواب) بن گیا جو آج بھی مجھے چین سے سونے نہیں دیتا۔۔۔ مجھے وہ خواب ہر رات ڈراتے ہیں۔ وہ الفاظ دل کو تڑپاتے ہیں جنھوں نے ایک ماں کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کی۔ اس روز میری کوئی مدد نہیں کی گئی ہاں دو باتیں ضرور سمجھائی گئیں۔ پہلی یہ کہ میری ماں ایک طوائف ہے اور دوسری یہ کہ طوائف کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ تم جانتی ہونا کہ اپنی ماں سے ہر بچہ کتنی محبت کرتا ہے' چاہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ اچھی ہو یا بری۔۔۔ ماں اور باپ ہر بچے کا آئیڈیل ہوا کرتے ہیں لیکن اس روز لفظوں کے ہتھوڑوں سے ان آئیڈیلز کو توڑنے کی کوشش کی گئی میرے باپ نے خود جا کر میری پیدائش کا اندراج کروایا تھا مگر اس روز مجھے۔۔۔ ایک چودہ سال کے بچے کو بتایا گیا کہ اس کی ولدیت ہی مشکوک ہے یعنی کہ وہ وقار آفندی کا خون ہی نہیں۔"

اس کی آواز آنسوؤں کے بوجھ سے بوجھل ہو کر رکی یا تھک کر۔ مہر ماہ کو اندازہ نہیں ہوا۔ اس کی رنگت تو اپنی ماں کی شقی القلبی کے بارے میں سن کر بدل گئی تھی۔ وہ نمیر کو منہ پھاڑ کر جھوٹا کہہ دیتی اگر نمیرا اور زرنگار کے بارے میں آفندی ہاؤس میں وقتاً فوقتاً یہی سب باتیں ان کو نہ بتائی گئی ہوتیں۔

"میں نہیں جانتا کہ میں درست کر رہا ہوں یا غلط لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ میں آفندیز جیسا ظالم نہیں بن سکا۔ میں نے زمانے کی ٹھوکریں کھائیں اور تہیہ کر لیا کہ آفندی ہاؤس کو الٹ پلٹ کر رکھ دوں گا۔ اس بیچ تم میرے بدلے کا نشانہ بن گئیں۔ میں اپنے اس اقدام پر شرمندہ ہوں لیکن میں جواب دہ ہوں تو صرف تمہارے سامنے۔ تم جو بھی سزا چاہے دے لو۔"

مہر ماہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور ذہن ایک جامدسی کیفیت میں بس اس کا نم آلود لہجہ سن رہا تھا۔ وہ خود کو کسی اور ہی ماحول میں پا رہی تھی۔۔۔ سر جھکائے' ہاتھوں پر نظریں جمائے وہ نمیر آفندی کے بجائے اپنی مظلومیت' خود سے ہونے والی زیادتی کے بارے میں سوچنے کی مسلسل کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس شخص پر قطعاً ترس نہیں کھانا چاہتی تھی جو اس کی زندگی میں زبردستی داخل ہو کر اس کی خوشیاں نگل گیا تھا۔

"کس کس جرم پر معاف کروں تمہیں نمیر آفندی! میری آنکھوں کا پہلا خواب اجاڑنے پر۔ میری زندگی کو ایک امتحان بنانے پر یا پھر تمہاری دغابازی پر۔۔۔ ناقابل معافی ہو تم۔" وہ پھپھک کر رو دی۔ نمیر نے لب بھینچے۔ وہ جو مہر ماہ کے سامنے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہنے کے ارادے سے آیا تھا۔ اس سے اگلے لمحے مزید کچھ کہے بنا اٹھا اور مہر ماہ کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی لمبے ڈگ بھرتا اس سے دور ہوتا چلا گیا۔

مہر ماہ نے اسے پکارنے کو لب کھولے۔ لیکن اسے پکار نہ سکی۔۔۔ اس کی خوشیوں کا دشمن۔۔۔ اس کے خواب اجاڑنے کا سزاوار۔ کیوں پکارتی وہ اسے۔ اب تو دیکھ لیا اسے۔ جان لی اس کی اصلیت۔ اب تو فیصلے کا کلی اختیار خود مہر ماہ کے پاس تھا۔ کاؤنٹر پر رک کر اس نے یقیناً پے منٹ کی تھی اور شیشے کا دروازہ دھکیلتا ریسٹورنٹ سے باہر نکل گیا۔ مہر ماہ ساکت نظروں اور خالی الذہن کیفیت میں اسے جاتا دیکھتی رہی۔ ہتھیلیوں سے چہرہ صاف کرتے ہوئے مضطربانہ ادھر ادھر دیکھا۔ نمیر کا آئی ڈی کارڈ بھی غائب تھا۔۔۔ مہر ماہ کا دماغ بھک سے اڑا۔ نمیر آفندی کے "ہونے" کا ایک ہی ثبوت تھا۔ وہ بھی غائب ہوا۔ نہ جانے کب باتوں کے دوران اس نے آئی ڈی کارڈ واپس لیا تھا۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔ درحقیقت اس کا کھل کر رونے کو جی چاہ رہا تھا دنیا اس طرح بے وقوف بنایا کرتی ہے۔ اس طرح پیٹھ پر وار کیا جاتا ہے۔ اس طرح پیروں تلے سے زمین نکالی جاتی ہے۔ نمیر آفندی سے مل کر اسے پتا چلا تھا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ نمیر کا جوس والا گلاس آدھا خالی وہیں دھرا تھا مہر ماہ نے اپنے گلاس میں موجود یخ جوس دو تین گھونٹوں میں ختم کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا بیگ شانے پر ڈالنے لگی تھی کہ اسی وقت کوئی مہرو کے پاس آکر کھڑا ہوا تھا۔ وہ پلٹی اور ٹھٹک گئی۔ وہ کبیر تھا۔

"فارغ ہو گئی ہیں آپ تو چلیں۔" کبیر مودبانہ بولا تو مہر ماہ نے جلتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم بھی بتا دو۔ تمہارا کتنا حصہ ہے اس سارے کھیل میں؟" اس قدر تلخ لہجے میں پوچھے گئے سوال کو سمجھے بنا کبیر دم بخود ہوا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"جی۔۔۔۔؟" اس کے استفہامیہ انداز میں کچھ اس قدر تحیر تھا کہ مہر ماہ چونک کر حواس میں لوٹی۔ جلدی سے شال چہرے کے گرد کھینچ کر گویا شکست وریخت کے نشانات چھپانے کی کوشش کی۔

" کچھ نہیں کبیر خان! چلو۔" وہ گھسٹتے قدموں کے ساتھ کبیر کے پیچھے چل پڑی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔

☆☆☆

"بڑی اچھی قسمت ہے ملاحہ کی بھابی! آج کل پڑھائی کے دوران ہی لڑکی کا رشتہ آجانا خوش قسمتی ہی ہے۔" سائرہ چچی کو دل ہی دل میں چاہے جلن محسوس ہوئی ہو مگر اوپر سے وہ بڑے رشک آمیز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"میری بچیوں میں کون سا کوئی کمی ہے سائرہ! گھر بیٹھے رشتے طے ہو رہے ہیں۔ ورنہ تو لڑکیوں کو گھروں میں بیٹھے بال سفید کرتے دیکھا ہے میں نے۔" تائی جان کے لب و لہجے میں عاجزی والی کوئی بات نہ تھی۔ ایسا تفاخرانہ انداز جیسے یہ خدائی کام نہ ہوں۔ بلکہ ان کا چٹکی بجاتے ہی ہو جانے والا کام ہو۔

"ملاحہ سے ضرور پوچھ لیجیے گا بھابی!" ثمرہ ابھی آکر بیٹھی تھیں۔ ناصحانہ انداز میں کہا تو صدیقہ بیگم نے نگاہ غلط انداز ان پر ڈالی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ میری اولاد بہت فرماں بردار ہے ثمرہ! ان سے تو تب پوچھوں' جب ان کا ارادہ مجھ سے الگ ہو۔" تیکھے لہجے میں کہا تو ثمرہ خاموش سی ہو گئیں۔

"پرسوں آرہے ہیں پھر لڑکے والے نا؟" سائرہ چچی نے اشتیاق دکھایا۔

"ہاں۔۔۔ کہا تو ہے موحد نے اب دیکھو" تائی جان مسکرا دیں۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچی تو حالت کچھ اس قدر دگر گوں تھی کہ کسی کا بھی سامنا نہ ہی ہوتا تو اچھا تھا۔ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ سب کچھ تباہ و برباد کر دے۔۔۔ آغا جان کے پاس جائے اور انہیں ان کے دشمن کا پتا دے انہیں بتائے کہ نمیر آفندی کوئی خیالی کردار نہیں بلکہ واقعی وجود رکھتا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی آنسوؤں نے روانی پکڑ لی وہ کسی کا سامنا نہ ہونے کی دعا کرتی اپنے کمرے تک آئی تھی۔ اور پھر بس۔۔۔؟ تھک کر بستر پر ڈھے سی گئی۔ صبح والی بشاش سی مہر ماہ کی جگہ پھوٹ پھوٹ کر روتی وہ ہاری ہوئی شکستہ سی مہر ماہ تھی۔ ایک نرم سا لمس اس کے سر پر آکر ٹھہر سا گیا تو وہ ٹھٹک گئی۔

اب تو آنسو صاف کرنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

" کیوں رو رہی ہو؟" زرنگار ہمدردی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ نرم اور محبت آمیز لہجہ۔ مہر ماہ نے اپنے دل کو ٹٹولا لیکن وہاں نمیر کی ماں ہونے کے ناتے زرنگار کے لیے نفرت کو ابھی بھی ابھرتے نہ پایا۔ اس داستان کا سب سے مظلوم اور بے بس کردار تو یہی تھیں۔ ان سے کیسے نفرت کر پاتی بھلا۔

"بس۔۔۔ ایسے ہی۔ کسی نے تنگ کیا ہے آنٹی" وہ بھرائے لہجے میں کہتی آنکھیں پونچھنے لگی۔

" دنیا تو تنگ کرتی ہی ہے بیٹا! لیکن جبر پر صبر کرنا ہی کمال ہوا کرتا ہے" وہ نرمی سے بولیں۔

" میں زرنگار وقار نہیں بن سکتی آنٹی! مجھے ان دھوکوں' ان بدنما جھوٹی باتوں اور زندگی کی کمیوں پر صبر کرنا نہیں آتا۔"

"زندگی کی کمیوں پر صبر کرنا آجائے تو قدرت بے تحاشا نوازا کرتی ہے بچے!"

" آپ کو پتا ہے' آپ کے بیٹے نے تنگ کیا ہے مجھے۔ میری زندگی کی خوشیاں ختم کر ڈالی ہیں" مہر ماہ کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دل غم سے پھٹنے کو تھا۔ اندر ایک غبار تھا جو بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سو پھٹ پڑی۔ زرنگار خاموش نظروں سے اسے دیکھتی سن رہی تھیں۔

"مہر! کیا ہوا۔۔۔؟" ثمرہ نے اندر داخل ہوتے شاید اسے درشتی سے بولتے سن لیا تھا تادیبی لہجے میں کہتی اندر آئیں تو جلتی نظروں سے انہیں دیکھتی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آیئے۔ آپ بھی اس خوشی میں شامل ہو جایئے آنٹی! آپ سے بڑا تو اور کوئی ہمدرد نہیں اس گھر میں میرا۔ امی صحیح کہتی ہیں جو آپ کے جتنا قریب ہوتا ہے وہ اتنا ہی بڑا دھوکا دیتا ہے۔" اس قدر جلا کٹا اور بے رخی لیے انداز۔ ثمرہ دم بخود رہ گئیں۔

"مہر بیٹا۔۔۔!" انہوں نے کہنا چاہا لیکن وہ تڑپ کر ان کی بات کاٹ گئی۔

"بس کر دیں آنٹی! آپ کی اصل ہمدردیاں تو نمیر کے لیے ہیں مجھے تو آپ نے صرف دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ مل کر آئی ہوں میں اس سے۔ پتا چل گیا ہے مجھے آپ کی موحد کی اور نمیر آفندی کی سچائی کا۔" اس نے آخر میں دانت پیسے۔

"زندگی برباد کر دی میری آپ سب نے مل کر۔ اور سب سے بڑا ہمدرد یہاں کون ہے میرا۔۔۔ آپ اور آپ کا لاڈلا؟" رو رو کر اس کی آنکھیں لال ہو گئی تھیں مگر دکھ تھا کہ کم ہونے میں ہی نہیں آتا تھا۔

"آدھا سچ سن کر آئی ہو مہر ماہ! باقی کا میں بتاتی ہوں پھر دفعہ بھی نافذ کر دینا ہم سب پر۔" ثمرہ کا تحمل قابل دید تھا۔ مہر ماہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ تو گویا ابھی کچھ اور پردے اٹھنے باقی تھے؟

☆☆☆

کبیر سے رابطہ نہ ہونا ان دنوں ملاحہ کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا ہوا تھا وہ مسلسل کال کر کر کے تھک گئی مگر اس کے دونوں نمبر بند آ رہے تھے۔ آغا جان الگ غصے میں تھے۔ اس روز مہر ماہ کو گھر پہنچانے کے بعد سے وہ غائب ہوا تو کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔

"آ جائے گا آغا جان۔۔ زرخرید تھوڑی ہے ہمارا جو بنا اجازت کہیں جا نہیں سکتا۔" ناشتے کے دوران آج آغا جان کو روکھے لہجے میں جواب دیتا موحد بہت عرصے کے بعد پھر سے ویسا ہی پرانا موحد لگا جو یہاں آنے کے بعد شروع شروع میں لگا کرتا تھا۔ اکھڑ اور بدتمیز۔ سب کے ساتھ آغا جان بھی متحیر ہوئے۔

"زرخرید ہی سمجھو اس کے آباؤ اجداد ہمارے ہاں رہن رکھے ہوئے ہیں برخوردار!" کھنکھار کر خود کو پر اعتماد کرتے ہوئے آغا جان نے بہت زعم سے کہا۔ ملاحہ کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔ ناشتا زہر لگ رہا تھا۔

"یہ وہ دور نہیں ہے آغا جان! جب انسانوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا۔ کبیر اور اس کے والد صاحب آپ کی اور آپ کے خاندان کی جتنی خدمت بنا کسی صلے کے کر چکے ہیں۔ اس کے بدلے میں ان کا سارا قرض سود سمیت ادا ہو چکا ہے۔" وہ شانے اچکا کر اس قدر طمانیت سے کہہ رہا تھا کہ آغا جان کو یقین نہ آیا یہ وہی موحد تھا جو پچھلے کئی ماہ سے ان کی ہاں میں ہاں ملا کر ان کا اعتماد جیت چکا تھا۔

"تم ابھی بچے ہو میری جان۔۔۔ ان معاملات کو نہیں سمجھتے۔" انہوں نے بات ختم کر دی تھی۔ "تم ذرا اس کی فائل نکال کر بھیجو میرے پاس۔ میں دیکھتا ہوں اس کا کیا کرنا ہے۔"

"وہ۔۔۔ وہ فائل تو میں اسے کب کی واپس کر چکا ہوں آغا جان!" وہ ناشتا ختم کر کے اب نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا پرسکون انداز میں ان کو دیکھ رہا تھا۔ آغا جان کو جھٹکا لگا۔ سہیل آفندی نے جتاتے انداز میں باپ کی طرف دیکھا۔ مگر وہ موحد کی طرف متوجہ تھے جو اب آفس جانے کے لیے اٹھ چکا تھا۔ سب ہی کو موحد

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کی خودسری اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"تم نے مجھ سے پوچھے بغیر یہ فیصلہ کیسے کیا موحد؟" آغا جان بمشکل غصہ دبا پائے تھے۔

"بزنس چلا رہا ہوں آغا جان! اور ایک بزنس مین کو اپنے فیصلے خود کرنے کی عادت ہونی چاہیے۔ اب میں ہر کام آپ سے پوچھ پوچھ کر تو نہیں کروں گا نا!" وہ زیر لب مسکرا رہا تھا مگر آغا جان اور ان کے بیٹوں کو بہت کچھ کھٹکا۔۔۔ لیکن شاید اب بہت دیر ہو چکی تھی۔۔۔ شاید۔۔۔

وہ آفس کے لیے نکل گیا ثمرہ کی موجودگی کے باعث میز پر خاموشی تھی لیکن ہر ایک کے دل میں اندر ہی اندر غبار بھر رہا تھا۔ آغا جان کے دماغ میں مسلسل بے چینی کی سی صورت حال بھر گئی تھی۔

☆☆☆

وہ دروازہ کھٹکھٹا کر مہر ماہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کمبل میں منہ چھپائے لیٹی تھی۔

"آپی۔۔۔" ملاحہ نے آہستہ سے پکارا تو اس نے قدرے توقف کے بعد چہرے پر سے کمبل اُتارا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے۔ ناشتے کے لیے بھی نہیں آئیں۔۔؟" اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر ملاحہ نے تشویش سے پوچھا تو وہ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہوں بس ایسے ہی۔" وہ بمشکل مسکرائی ورنہ کل سے تو جیسے دل ہی مردہ ہو رہا تھا۔ حالات نے ایک دم سے ایسی کروٹ بدلی تھی کہ وہ چکرا کر رہ گئی۔ نمیر کی کہانی اپنی جگہ مگر ثمرہ کے انکشافات نے تو اس کی روح کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اسے کل سے سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ اسے اپنے گھر والوں سے نفرت کرنی چاہیے یا ثمرہ اور نمیر کی فیملی سے ہمدردی۔؟؟؟

"ہوں۔۔۔" ملاحہ سورتوں کی کتاب کھول کر پڑھتی زرنگار کو دیکھنے لگی۔ ہلکے آسمانی رنگ کی گلابی کڑھائی والی شال اوڑھے وہ پرسکون سی تھی جیسے دنیا سے کوئی غرض ہی نہ ہو۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا ملاحہ۔۔۔؟" وہ بہن کی خاموشی اور سکون میں چھپا اضطراب واضح طور پر پہچان گئی تھی۔ ملاحہ نے بلاوجہ انگلیاں چٹخائیں۔

"ہاں آپی۔۔! لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کہاں سے شروع کروں اپنی پریشانی۔" وہ یک لخت پر مردہ نظر آنے لگی۔ مہر ماہ بے ساختہ ٹیک چھوڑ کر مستعد ہو بیٹھی۔

"کیا ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ۔"

"وہ۔۔ میرا ایک پروپوزل آ رہا ہے آج۔" وہ الجھی ہوئی سی بولی۔

"ہاں۔۔ امی نے بتایا تھا مجھے۔"

"آپی بس آپ امی کو منع کر دیں۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔" ملاحہ نظر جھکا کر بولی تو مہر ماہ مسکرا دی۔

"شادی نہیں کرنا چاہتیں یا" یہاں "شادی نہیں کرنا چاہتیں؟" ملاحہ دھک سے رہ گئی فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ مہر ماہ کو مسکراتا دیکھ کر اس کا تھوڑا سا حوصلہ بلند ہوا۔

"جو بھی سمجھ لیں۔"

"سیدھی بات بتاؤ ملی! اگر کہیں اور ارادہ ہے تو اسے کہو۔ پروپوزل بھیجے پھر ہم دیکھ لیں گے۔"

"امی نے بھی یہی کہا ہے۔ لیکن میرا اس سے رابطہ ہی نہیں ہو پا رہا۔" اس نے بات کے اختتام پر لب کاٹا۔ مہر ماہ کھٹک سی گئی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"دھوکا تو نہیں دے رہا تمہیں عین وقت پر رابطہ ختم کر کے۔"

"نہیں آپی! وہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ بس تم موحد بھائی کو سمجھا دو۔ یہ پروپوزل انہی کے توسط سے آیا ہے۔" ملاحہ نے تیقن سے کہتے ہوئے اس سے التجا بھی کی تو وہ اچھل ہی پڑی۔

"موحد۔۔۔ موحد لایا ہے پروپوزل؟ امی ابو کو پتا ہے اس بات کا؟"

"کیا؟" ملاحہ سمجھی نہیں۔

"یہی کہ یہ پروپوزل موحد لایا ہے؟" مہر ماہ اپنی ساری پریشانی اور ٹینشن بھول کر کمبل ہٹا کر پھرتی سے چپلیں پہن رہی تھی۔

"ہاں۔ انہوں نے ہی تو بتایا ہے کہ آج وہ لوگ آرہے ہیں۔"

"امی بھی کمال کرتی ہیں اور آغا جان کی ذہانت کہاں چلی گئی ہے۔ ایک بندہ جو عمر کے چودہ سال باہر گزار کر حال ہی میں یہاں آیا ہے اور یہاں آتے ہی اس کے ایسے اچھے تعلقات اور جان پہچان ہوگئی کہ اس نے رشتے ہی کروانے شروع کر دیے۔"

وہ تیز لہجے میں بولی تو ملاحہ خائف سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب جا کہاں رہی ہیں آپی؟"

"آغا جان کے پاس جاؤں گی۔۔۔ اور ان سے پوچھوں گی کہ انہوں نے سارے اختیارات موحد آفندی کے سپرد کیوں کر دیے ہیں" وہ تلخی سے بولی اور ملاحہ کی آواز کو نظر انداز کرتی تیز قدموں سے چلتی آغا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ملاحہ دھک دھک کرتا دل تھام کر وہیں ڈھے سی گئی۔

☆☆☆

آغا جان خود بھی موحد کی طرف سے پریشان تھے ایسے میں مہر ماہ کا اعتراض۔

"آپ لوگوں سے زیادہ کسی کو کیا جانتا ہوگا وہ آغا جان!" مہر ماہ خفا سی تھی تنفس تیز اور پرشکن پیشانی۔

"خیر۔۔۔ اتنا بڑا بزنس دنوں میں سنبھال چکا ہے کافی زیادہ لوگوں کو اچھی طرح جان چکا ہے اس ایک سال میں۔" انہوں نے صبح والی ناراضی کے باوجود لاڈلے پوتے کی سائیڈ لی تو مہر ماہ ساکت رہ گئی۔ ایک لمحے کو تو دل چاہا کہ ثمرہ اور موحد آفندی کی اصلیت ابھی کے ابھی آغا جان کو بتا دے اور یہ بھی کہ اب یہ بزنس پتا نہیں ان کو واپس ملنے بھی والا تھا یا نہیں۔

"ملاحہ سے تو پوچھ لیتے آغا جان!" مہر ماہ نے ذہن سے سب کچھ جھٹکتے ہوئے دبے لفظوں میں کہا تو وہ زور سے چونکے پھر دفعتاً ان کی آنکھوں میں غیض اتر آیا۔

"بااااس۔۔۔" ہاتھ اٹھا کر وہ گرجے تھے۔ مہر ماہ جو دل مضبوط کیے وہاں تک پہنچی تھی تھرا گئی۔

"تمہاری مرتبہ سب تجربے کر کے دیکھ لیے ہیں ہم نے۔ جب قسمت کا لکھا ہی ہونا ہے تو پھر ماں باپ کا کہا کیوں نہ مانا جائے۔" وہ تپ کر کہہ رہے تھے۔

"لیکن آغا جان! ہمیں تو بچوں کی خوشی دیکھنی چاہیے۔" مہر ماہ نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

"اگر اس کا کہیں اور ارادہ ہے بھی تو اسے صاف لفظوں میں بتا دو کہ اب کی بار ایک ہی بار فیصلہ ہوگا۔ اور وہ آغا ذوالفقار کا فیصلہ ہوگا۔" وہ تنفر سے بولے تو مہر ماہ اندر سے کھول کر رہ گئی۔

"موحد سے اچھا اور کوئی نہیں سوچ سکتا تم سب کے لیے۔ اس لیے چپ کر کے موقع کا انتظار کرو۔ اور میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے ماں باپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوا مگر تم ہمیشہ کی طرح زبان لڑانے چلی آئی ہو۔ ابھی تک تم نے نصیحت نہیں پکڑی۔" وہ اسے جھاڑ رہے تھے۔ لہجہ تضحیک آمیز تھا مہر ماہ نے اپنے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کان تپتے محسوس کیے۔تو بات کہیں کی کہیں نکلنے لگی۔

"جو کچھ میرے ساتھ ہوا' اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا آغا جان! بڑوں کا بویا مجھے کاٹنا پڑا ہے بس۔آپ لوگ تب وقار چچا کی فیملی کو قبول کر لیتے تو آج وہ ہمارے لیے بدنما داغ نہ بنتا۔مجھ سے تو اس نے آپ لوگوں کے کیے کا بدلہ لیا ہے۔"

"بکواس بند کرو مہر! اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ تلملا اٹھے۔بھلا کس کی اتنی ہمت ہوئی تھی آج تک کہ انہیں آئینہ دیکھنے کا مشورہ ہی دے سکتا اور اس کل کی بچی کی اتنی ہمت کہ آئینہ لا کران کے سامنے ہی رکھ دیا تھا۔

"گلہ تو مجھے امی سے بھی بہت ہے آغا جان! انہوں نے جتنا زہر چودہ سال پہلے اس بچے کے دل میں بھر دیا تھا۔آج وہ وہی زہر اگل رہا ہے تو اس سے کیا گلہ؟ اور آج مجھے اپنی زندگی کی بربادی کا شکوہ اس سے نہیں آپ سب سے ہے۔"

وہ اپنے نفع ونقصان کا خیال کیے بنا پھٹ پڑی تھی۔آغا جان کا چہرہ خطرناک حد تک لال ہو گیا۔ان کی اونچی آوازیں سن کر تائی جان لشتم پشتم ان کے کمرے میں چلی آئیں اور وہاں مہر ماہ کو آغا جان کے روبرو کھڑے دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔مہر ماہ کے انداز ہی سے ہٹیلا پن جھلک رہا تھا۔انہیں معاملے کی سنگینی کا لمحہ بھر میں ہی اندازہ ہو گیا۔

"اسے لے جاؤ یہاں سے صدیقہ! اور اس کے دماغ کا علاج کرواؤ جا کر۔آج وہ پلاّ اسے بے قصور لگ رہا ہے۔کل کو اس کے ساتھ رخصتی بھی مانگے گی۔" انہوں نے نمیر کو گالی دی تھی اور انداز اس قدر تحقیر سے بھرا تھا کہ الامان الحفیظ۔مہر ماہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"بس کر دیں آغا جان ۔۔۔ خدا کے لیے۔" خود پر قابو پاتے ہوئے بھی وہ سسکی روک نہ پائی تو ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"پاگل تو نہیں ہو گئیں مہرو! چلو یہاں سے۔پھر کوئی دورہ پڑ گیا ہے تمہیں" تائی جان تو متحیر سی تھیں۔

"بددعاؤں کی زد میں ہے یہ گھرانا امی! کتنا معصوم دل دُکھایا تھا آپ نے کبھی یاد تو کرتی ہوں گی آپ۔نمیر نامی اس بچے کو جسے آپ نے ۔۔۔ (انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)۔امی آپ نے بتایا کہ وہ ایک طوائف کا بیٹا ہے اور یہ بھی کہ طوائف کسے کہتے ہیں" وہ سُن سی کھڑی رہ گئیں۔آغا جان اپنے بال نوچنے کو ہو گئے۔

"اور آغا جان بنا تصدیق کے ۔۔۔ آپ نے اسے ناجائز تصور کر لیا۔۔۔ کسی پاک باز عورت پر بہتان لگانے کی سزا کیا ہے اسلام میں یہ تو جانتے ہی ہوں گے آپ لوگ"۔

"دفع ہو جاؤ ۔۔۔ نکل جاؤ یہاں سے۔" آغا جان کا ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا صدیقہ بیگم اسے گھسیٹ کر ان کے کمرے سے باہر لے گئیں۔

"بات تو کرنے دیں مجھے امی! کیسے ظالم لوگ بستے ہیں اس گھر میں۔ایک طوائف نے عزت کی زندگی کو اختیار کرنا چاہا تو آپ سب کو ناگوار کیوں گزرا۔صرف ایک باعزت چھت ہی تو مانگی تھی اس نے۔اور کیا قصور تھا اس کا؟" وہ چیختی چلاتی ان کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔انہوں نے اسے لاؤنج کے صوفے پر پٹخا۔اس کا دوپٹہ پیروں میں رل رہا تھا۔تائی جان کا چہرہ غم و غصے سے سرخ ہو گیا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو اور کس سے سنا ہے یہ سب؟"

"اپنے شوہر کے منہ سے سنا ہے یہ سب امی!" ان کی آنکھوں میں نظریں گاڑ کر بے باکانہ نڈر انداز میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کہتی وہ گویا ان کا کلیجہ ہی تو چبا گئی۔

"آپ نے ایک گھر تباہ کر دیا امی! اجاڑ دیا" ان کا ہاتھ بے اختیار اٹھ گیا اور مہر ماہ کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔ اس کا چہرہ ایک جھٹکے سے مڑا تو پیشانی صوفے کی لکڑی سے بری طرح ٹکرا گئی۔ انہوں نے اس کا چہرہ جبڑے سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا اور درشتی سے بولیں۔

"مجھے سختی پر مجبور مت کرو مہرو! پہلے ہی بہت کچھ سہہ لیا ہے تمہاری وجہ سے اس خاندان نے۔ اب اس بے غیرت رزیل سے ہمدردی کر کے مزید داغ لگاؤ گی باپ کی عزت کو" انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ پرے دھکیلا غیض و غضب کے مارے ان کے چہرے کے عضلات بگڑ چکے تھے۔ انسان یونہی غصے میں اندھا ہو کر جانور بن کر دوسروں کے ساتھ زیادتی کر جاتا ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا۔

"ہمدردی اسی سے کی جاتی ہے جو قابل ہمدردی ہوا کرتا ہے امی! اپنی سگی اولاد کے ساتھ آپ کا یہ سلوک ہے تو زرنگار اور اس کے بیٹے کو تو یقیناً سنگ سار ہی کیا ہوگا آپ نے۔ بہت ظالم اور بے حس ہیں آپ لوگ" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ دروازے میں کھڑی ملاحہ لبوں پر ہاتھ رکھے اس ظالمانہ کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ تیزی سے آگے بڑھی اور صدیقہ بیگم کے پھر سے اٹھتے ہاتھ کو تھام لیا۔

"خدا کے لیے امی! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟؟" وہ متحیر تھی۔

"اس خبیث کو سمجھاؤ جس کے سر پر اس ناجائز آدمی کا جادو چڑھ رہا ہے۔ اور اس کی ماں کو تو میں آج کے آج نکلواتی ہوں اس گھر سے" ان کے منہ سے کف چھوٹ رہا تھا۔ یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ سب بکواس

مہرو کے منہ سے سن رہی ہیں۔

"ایک طوائف کے بیٹے سے ہمدردی ہو رہی ہے اسے۔ کہاں ہم اور کہاں وہ۔ ارے موری کی اینٹ محل میں لگا لیتے کیا"

"اٹھو آپی! اپنے گھر چلو۔ یہاں تو انسان بستے ہی نہیں" بڑبڑاتے ہوئے اس نے مہر ماہ کی پیشانی پر پڑے نیل پر اپنا دوپٹہ دوہرا کر کے رکھتے ہوئے اسے زبردستی وہاں سے اٹھایا اور لے کر ان کے پورشن میں چلی گئی۔ صدیقہ بیگم وہیں صوفے پر ڈھے گئیں۔ درحقیقت وہ اندر سے ہل کر رہ گئی تھیں برسوں پہلے کا کرم لوٹ کر ان کے پاس چلا آیا تھا۔ ملاحہ کا دل اسے دیکھ کر دکھ رہا تھا اور وہ بے حس بنی بیٹھی تھی۔

"میری وجہ سے تم کیوں لڑیں سب سے آپی!" اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ مہر ماہ نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہاں لڑے بنا حق نہیں ملتا ملی۔۔۔۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ آفندی ہاؤس میں کس قدر ظالم لوگ بستے ہیں اور اس گھر کی بنیادوں میں کس کس کے ارمانوں کا لہو ڈالا گیا ہے کتنی سسکیاں اور بین لپٹے ہوئے ہیں ان در و دیوار کے ساتھ۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔ اور آج حق بات کی تو یہ صلہ ملا تو اندازہ کرو وقار چچا اور زرنگار آنٹی کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا ہوگا۔ میر آفندی نام کا آتش فشاں یونہی تو وجود میں نہیں آ گیا ہوگا نا" وہ تھک کر رکی۔ پھر گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں موحد سے بات کروں گی وہی ہے اس سارے فساد کی جڑ۔"

"کب آپی۔۔۔ کل شام کو وہ لوگ آ رہے ہیں" وہ رونے کو تھی۔

"دیکھتی ہوں میں۔ تم پریشان مت ہو" مہر ماہ نے لاڈلی بہن کو تسلی دی۔ محبت کا نہ ملنا زندگی کو ویران کر دیا کرتا ہے اور وہ اس ویرانی سے اپنی بہن کو بچانا چاہتی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آغا جان نے زمین کی خریداری کے سلسلے میں چیک موحد کے پاس بھیجا جو ری جیکٹ ہو کر واپس آ گیا۔انہیں دھکا سا لگا۔

"یہ۔۔۔ یہی کہتا تھا میں آغا جان! مجھے اس کی آنکھوں کی چمک کوئی اور ہی کہانی سناتی ہے۔" سہیل آفندی چمک کر بولے۔تو اس بار مبین صاحب کو بھی گلہ ہوا (وہ بھی کون سا داماد بن کر کوئی نفع پہنچا رہا تھا)

"آپ ذرا سے بیمار ہوئے تو پاور آف اٹارنی اسے دے دی۔اس کے سائن کے بنا کوئی چیک کیش نہیں ہوسکتا آغا جان! مجھے لگتا ہے ہم سب اپنے پیروں پر خود ہی کلہاڑی مار چکے ہیں" ازراہِ ادب ان کے نام کی جگہ ہم سب کا لفظ لگایا۔انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"فون لاؤ میں ابھی بات کرتا ہوں اس سے یہ کیا بے وقوفی بلکہ بے ادبی کی ہے اس نے؟" سہیل آفندی نے جلدی سے اپنے موبائل پر کال ملا کر انہیں تھما دیا۔جلد ہی وہ لائن پر تھا۔

"یہ کیا چکر ہے برخوردار! میں نے چیک بھیجا تھا اس پر سائن نہیں کیے تم نے۔" وہ بارعب مگر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولے انہیں یقین تھا کہ ان کے بیٹے موحد آفندی کے متعلق غلط سوچ رہے تھے۔

"جی۔۔۔ بالکل آغا جان۔کیونکہ اصول ہر کسی کے لیے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔آپ نے چیک کے ساتھ ڈیٹیل نہیں بھجوائی کہ کس مد میں رقم نکلوانی ہے آپ نے؟" وہ مسکراتے لہجے میں کہتا ان کے اعصاب کو جھٹکا لگا گیا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟" وہ دفعتاً غرآئے۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ میں نے بالکل صحیح اصول بنایا ہے اور یہ کہ بزنس کو میں جیسے چاہے چلا سکتا ہوں" وہ سادگی سے ان کی بات ان کو یاد دلا رہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سامنے کون ہے یہ بھی تو دیکھنا چاہیے نا۔" ان کا بی پی ذرا نارمل ہوا۔

"جی جی۔۔۔ آپ ڈیٹیل بھجوا دیں چیک کے ساتھ پھر میں سائن کر دیتا ہوں۔" اس نے کسی مصروف بزنس مین کی طرح خود ہی بات ختم فرض کر کے اللہ حافظ کہہ کر کال بند کر دی تو لمحہ بھر کو وہ موبائل تھامے کان کو لگائے رہ گئے۔دونوں بھائی ان کے تاثرات ہی سے بہت کچھ بھانپ رہے تھے۔انہوں نے موبائل سہیل کی طرف بڑھا دیا۔

"آغا جان! اعتبار ایک حد تک ہی کرنا چاہیے کسی کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا دانش مندی نہیں ہے۔موحد جب یہاں آیا تو ہم سب سے متنفر تھا اب بھی اس کے دل میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔آپ کیسے بھول گئے کہ کبیر کی جائیداد کی فائل آپ سے بنا پوچھے وہ اسے واپس کر چکا ہے۔"

"اس طرح تو اس کی ہمت بڑھتی جائے گی آغا جان! اسے روکنا ہوگا یہیں پر اور پوری طاقت کے ساتھ۔" مبین صاحب نے مشورہ دیا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگے موحد سے محبت اپنی جگہ لیکن دھوکا دہی کو وہ کسی طور معاف نہیں کرنے والے تھے۔

☆☆☆

وہ ابھی شوز اتار کر سیدھا ہی ہوا تھا جب دھاڑ سے دروازہ کھول کر مہر ماہ اندر چلی آئی۔وہ خاموشی سے اس کے باغیانہ تیور دیکھتا رہا۔

"یہ کیا ڈرامہ شروع کیا ہے تم نے۔۔۔؟ کون سا رشتہ لائے ہو میری بہن کے لیے؟ کیسا بہترین لڑکا؟ نمیر آفندی ہی ہوگا کوئی؟ ؟" خون خوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مہر ماہ نے گویا برسٹ ہی مار دیا تھا۔وہ گہری سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"مجھ پر تو ترس نہیں آیا اس ڈرامے کو کھیلتے ہوئے براہ مہربانی میری بہن کی زندگی میں زہر مت گھولو۔" وہ سرد مہری سے بولی۔

"میں نے اس سے وعدہ کیا تھا اس کا ساتھ دوں گا۔ اور ساتھ دینا یہی ہوتا ہے کہ آپ کسی کے لیے اچھا فیصلہ کر دیں۔" وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا مہر ماہ کو طیش آیا تو آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام کر جھنجھوڑ ڈالا

"شرم تو نہیں آتی نا تمہیں۔۔۔ دھوکے باز۔۔۔ دعوا کرتے رہے مجھ سے دوستی کا اور نبھائی نمیر آفندی کے ساتھ۔؟۔" وہ چپ سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر بات بدل دی۔

"تم بے فکر رہو مہر! ملاحہ کے لیے میں بہت اچھا فیصلہ کروں گا۔"

"اس کے والدین الحمدللہ حیات ہیں اس کا برا بھلا سمجھ سکتے ہیں تم ہوتے کون ہو اس کی زندگی کا اس قدر اہم فیصلہ کرنے والے۔"

"یہ کیا ہوا ہے؟" موحد کی نظر اس کی پیشانی کی چوٹ پر اب پڑی تھی۔ متفکر ہو کر پوچھا تو وہ تلخی سے بولی۔

"ابھی تو شروعات ہے تماشا دیکھو تم بھی کہ کب سنگسار کیا جاتا ہے مجھے۔"

"تم اس معاملے میں مت پڑو مہر! جن کا مسئلہ ہے انہیں نمٹانے دو۔" وہ دانتوں پر دانت جما کر بولا مہر ماہ نے تنفر سے سر جھٹکا۔ "میرا تو جرم ہی بہت بڑا ہے نمیر آفندی کے نکاح میں ہوں نا۔ آدھے پتھر تو میرے نام کے بھی ہوں گے۔" ضبط کرتے ہوئے بھی اس کی آواز بھر آ گئی تو موحد کا خود پر سے قابو اٹھنے لگا۔

"مہر۔۔۔"

"بس کر دو ہمدردی کا یہ ڈھونگ۔۔۔ بس۔" وہ رو دی۔

"تم تو موحد آفندی تھے تمہارے سینے میں تو نمیر کا دل نہیں تھا پھر تم نے نمیر کا ساتھ کیوں دیا۔ اور اگر اس کا ساتھ دینا ہی تھا تو میرے اتنے اچھے دوست کیوں بنے۔؟ میں نے اپنی ہر بات ہر مسئلہ تمہارے ساتھ شیئر کیا اور تم۔۔۔ تم میری بے بسی کا تماشا دیکھتے رہے۔"

"مہر ماہ۔۔۔ پلیز!" وہ خود کو پتھر بنا رہا تھا مگر یہ واحد لڑکی تھی۔ جس کے سامنے اس کا دل موم کی طرح پگھلا جاتا تھا۔

"جو خود دکھا ہوا ہو وہ دوسروں کو دکھنے سے بچایا کرتا ہے سب کو دکھی نہیں کر دیتا۔ اور تم۔۔۔ تم نے موحد ہو کر بھی نمیر کا ساتھ دیا اس کا بدلہ چکایا۔"

"میں شرمندہ ہوں مہر!"

"ہاہ۔۔۔ تمہاری شرمندگی میری زندگی کے سارے خواب میرے حسین پل لوٹا سکتی ہے تو جاؤ چین کی نیند سو جاؤ جا کر۔" وہ تلخ ہوئی۔

"یہاں بیٹھو میں دوا لگا دیتا ہوں چوٹ پر۔" موحد کی نظر بھٹک بھٹک کر اس کی چوٹ پر جاتی تھی۔

"لعنت بھیجتی ہوں میں ایسی ہمدردی پر۔۔۔ ایک چھوٹی سی چوٹ تمہیں دکھائی دے رہی ہے میرے دل پر، میری روح پر جو چوٹ لگی ہے وہ دکھائی نہیں دیتی تمہیں۔" وہ غرائی تھی۔ موحد نے دو انگلیوں سے اپنی پیشانی کو مضطربانہ چھوا۔

"تم ان لوگوں کو منع کر دو ملاحہ کے پروپوزل کے لیے۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

"نہیں۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔" وہ قطعیت سے بولا۔ مہر ماہ متاسفانہ اسے دیکھتی رہی۔

"نمیر نے تو بدلہ لینے کے لیے ہمیں برباد کرنے کی قسم کھائی ہے۔ تم تو اس دوستی کی لاج رکھ لو جو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہمارے درمیان تھی موحد آفندی!" چبا کر اس کا نام لیا تو وہ جتاتے ہوئے بولا۔
"موحد آفندی نے بھی دربدری کے چودہ سال کاٹے ہیں مہر ماہ آفندی! تم لوگوں کو بس اپنے ہی زخم دکھائی دیتے ہیں۔"
"جس کا گھر جل جائے وہ دوسروں کا گھر نہیں جلادیا کرتا۔"
"لیکن اگر کسی کا گھر جان بوجھ کر جلایا جائے تو پھر آنکھ کے بدلے آنکھ اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ کا قانون چلتا ہے محترمہ!" وہ بھی اپنے حصار میں بند ہونے لگا۔
"چہ خوب۔۔۔ویری ویل ڈن۔" وہ استہزائیہ مسکرائی۔
"اچھی طرح کھل رہے ہو تم۔۔۔جائیداد پر تو ویسے ہی قبضہ کر چکے ہو اب بتاؤ گھر سے کب نکال رہے ہو سب کو؟"
"شٹ اپ۔۔۔" وہ بھڑکا۔
"اب ظاہر ہے کسی کو عطیہ کرنے کے لیے تو یہ قبضہ نہیں کر رہے ہو گے تم۔" اس کا طنز برقرار تھا۔۔
"میرے خیال میں تم یہاں سے چلی جاؤ تو یہ تمہارے ہی نہیں میرے بھی حق میں بہتر ہوگا۔ تم اپنا مطمع نظر اچھی طرح مجھ تک پہنچا چکی ہو۔" وہ بہت تحمل سے بولا۔

"سچ کا سامنا کرنا ہمیشہ مشکل ہوا کرتا ہے نا۔۔۔ مجھے دیکھو برباد ہو کر بھی جی رہی ہوں۔ اپنا مقدمہ خود لڑ رہی ہوں کسی اور کی زندگی تباہ نہیں کر رہی۔" مہر ماہ کا لہجہ کڑوا تھا۔
"ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں مہر ماہ! میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔" وہ اطمینان کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ دل کی اتھل پتھل کو چہرے پر لانا خود کو بے مول کرنے کے مترادف تھا سو اس بیوقوف لڑکی سے مزید ہمدردی عبث تھی۔
"تو پھر تم بھی دیکھنا میں بھی وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔"
"اوکے ایز یو وش۔۔۔ دروازہ ادھر ہے باہر جانے کے لیے۔" تحمل سے کہہ کر موحد نے مؤدبانہ عرض کیا تو وہ دانت پیستی واپس پلٹی جاتے ہوئے دھڑام سے دروازہ بند بھی کیا تو وہ متاسفانہ سانس بھر کر رہ گیا۔

☆☆☆

آپ مجھ سے وعدہ کر چکی ہیں کہ دوسرے پرپوزل پر بھی غور کریں گی۔" ملاحہ نے ہمت کر کے تائی جان کو یاد کروایا وہ اچھی طرح کبیر کی گمشدگی سے واقف تھیں طمانیت سے بولیں۔
"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ ان لوگوں کے سامنے تمیز اور سلیقے سے جاؤ پھر دوسرا پرپوزل بھی دیکھ لیں گے۔" انہوں نے اسے پچکارا تو ملاحہ کے دل میں ٹھنڈک سی اتر گئی شام کو وہ لوگ ملاحہ کو دیکھنے آرہے تھے موحد سے تو وہ اچھی طرح خفا تھی وہ دوپہر کو ہی آفس سے آگیا تو ملاحہ اسے دیکھ کر کتراکر اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔
"ادھر آؤ۔۔۔" وہ سنجیدگی سے کہتا لاؤنج کی طرف بڑھا۔ تو ناچار ملاحہ کو اس کی تقلید کرنا پڑی۔ وہ خفا خفا سی اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا پھولا ہوا چہرہ دیکھ کر موحد بے ساختہ مسکرا دیا۔
"تیاری ہو گئی ساری۔۔۔؟"
"ہاں ہو گئی۔۔۔ قربانی ہے نا آج میری۔" وہ چیخ کر بولی۔
"اللہ نہ کرے۔ تم کیا سمجھتی ہو بھائی بہنوں کے لیے غلط سوچتے ہیں کیا؟" وہ سنجیدہ تھا۔
"جب بھائیوں کو بہنوں کے دل کی خبر ہی نہ ہو تو وہ کیا صحیح کر سکتے ہیں بھلا۔" وہ بحث پر اتری۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ہوسکتا ہے اس سے بھی زیادہ اچھا سوچا ہو۔" موحد ہلکے سے مسکرایا۔
"آپ نے میرا ساتھ دینا تھا لیکن آپ بھی آغا جان بنتے جارہے ہیں۔" وہ ناراض تھی۔
"ہاہ۔۔ آغا جان۔۔؟ اللہ بچائے مجھے اس قدر سنگ دل بننے سے۔" وہ مضحکہ خیز انداز میں بولا۔
"آپی کو دیکھا ہے آپ نے۔ دل ٹوٹنے کا درد کیا ہوتا ہے۔۔ محبت سے بچھڑ جانا کس قدر قیامت خیز ہے کوئی ان سے پوچھے جو بنا غلطی کی سزا بھگت رہی ہیں۔" ملاحہ کو رونا آ گیا کل مہرماہ کے ساتھ ماں کی بدسلوکی نے اس کو ہرٹ کیا تھا۔ موحد مضطربانہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوگا ملاحہ۔۔ میرا یقین کرو۔ اگر تم اس پروپوزل سے مطمئن نہ ہوئیں تو صاف انکار کر دینا۔" ملاحہ نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بہت ہمت مجتمع کرتے ہوئے بڑا سرسری لہجہ بنا کر پوچھ ہی لیا۔
"کبیر کہاں گیا ہے؟"
"پتا نہیں۔۔" موحد نے شانے اچکائے "میں نے آغا جان کے پاس اس کی زمینوں کے رہن رکھے کاغذات واپس کر دیئے تھے۔ گھر بھی یہیں کہیں لے لیا ہے اس نے۔ ہوسکتا ہے اب اس کی بہنیں اس کی شادی کی تیاریاں کر رہی ہوں۔" وہ اپنی دھن میں مگن بتا رہا تھا۔ ملاحہ کا دل مٹھی میں آ گیا۔
"خیر۔۔ اتنا احسان فراموش تو نہیں لگتا کہ اپنی شادی کی خبر بھی نہ دیتا آغا جان کو۔" ملاحہ نے بدقت مسکرا کر کہا۔ تو وہ طنزیہ بولا۔
"آغا جان نے کون سے پھول کھلا رکھے تھے اس کی زندگی میں۔" پھر قدرے توقف سے انکشاف کیا۔
"اور تمہیں پتا ہے ایک بار آغا جان کی اسٹڈی میں کوئی آدمی گھس گیا تھا لیکن اس نے کچھ چرایا نہیں صرف تلاشی لی تھی۔" وہ رکا جیسے ملاحہ کو یاد کرنے کا وقت دیا ہو۔
"ہاں یاد ہے مجھے اچھی طرح۔۔۔ کسی کو بھی پتا نہیں چلا تھا اس آدمی کا۔" ملاحہ نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس بات کو یاد دلانے کا بھلا یہ کیا وقت تھا۔
"مگر مجھے پتا چل گیا تھا۔۔ جب وہ میرے آفس میں گھسا تھا" موحد مسکرایا۔ ملاحہ بے تحاشا چونکی بے یقینی سے اسے دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈرامائی انداز میں بولا۔
"دونوں مرتبہ وہ کبیر تھا ملاحہ۔۔۔"
"جھوٹ۔۔۔" ملاحہ جذباتی ہو کر اونچی آواز میں بولی۔ "اسے کیا ضرورت تھی تلاشیاں لینے کی۔" وہ موحد کی الزام تراشی پر ناراض تھی۔
"وہ یہی کاغذات ڈھونڈ رہا تھا۔ جس روز اپنی پراپرٹی کے پیپرز اسے ملتے وہ یہاں سے چلا جاتا۔" ملاحہ اس انکشاف پر دم بخود رہ گئی وہ اطمینان سے گویا ہوا۔
"اور میں نے اسے وہ پیپرز لوٹا دیے۔ آغا جان کے ظلم کا شکار کوئی بندہ تو سکون کی زندگی گزارے نا۔" ملاحہ کی تو جیسے قوت گویائی ہی کھو گئی۔ چند لمحے اس کی طرف سے جواب کا انتظار کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

وہ تائی جان کا سوٹ درزی سے لے کر نکلی تو شام ہونے والی تھی۔ ملاحہ کو اس کے ساتھ ہی آنا تھا لیکن

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تائی جان نہیں مانیں مہمان کسی بھی وقت آسکتے تھے اور ایسے میں ملاحہ کا گھر پر ہونا بہت ضروری تھا۔ مہرماہ تو کسی سے ملنا ہی نہیں چاہتی تھی اس لیے دانستہ بازار چلی آئی۔ بلاوجہ اپنے دو سوٹ اور ایک چپل خریدی تائی جان کا سوٹ بھی درزی سے لے لیا اور اب ونڈو شاپنگ کر رہی تھی۔۔۔ اور اب کتنی ہی دیر سے اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے بائیں طرف بلیو جینز والا شخص مسلسل اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ یعنی ہر دوکان پر یہ دو ٹانگیں ساتھ دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے اب کی بار اس نے پلٹتے ہوئے اچٹتی نظر اس شخص پر ڈالی تو ناگواری اس کی رگوں میں دوڑ گئی۔ اس کے انداز میں ناگواری دیکھنے کے باوجود وہ دلفریب انداز میں مسکرا دیا۔

"نمیر وقار آفندی۔۔۔ نام تو جانتی ہی ہو تم۔" مہرماہ کو تپ چڑھی۔۔۔ وہ اسے اگنور کرتی اگلی دوکان کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا ہوا۔۔ پیسے نہیں ہیں شاپنگ کے لیے چیزیں دیکھ دیکھ کر گزارا کر رہی ہو۔" وہ جلدی سے اس کا ہم قدم ہوا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔۔ میرا دماغ اتنا خراب مت کرنا کہ میں شور مچا کر مار پڑوا دوں لوگوں سے۔" مہرماہ کڑوے لہجے میں بولی تو وہ جیسے محظوظ ہو کر ہنسا۔

"بے فکر رہو۔۔۔ میں نکاح نامہ جیب میں رکھ کر لایا ہوں۔" وہ جیب تھپتھپا کر بولا۔ تو مہرماہ سنجیدہ ہو گئی۔

"وہ نکاح نامہ میرے حوالے کر دو نمیر! کورٹ میں ثبوت پیش کر کے خلع لینے میں آسانی ہو جائے گی میرے لیے۔"

"خلع، طلاق کچھ بھی نہیں مسز نمیر آفندی! تمہیں جتنا تنگ کرنا تھا کر لیا۔ اب بس اور نہیں"

"افسوس۔۔۔ اب میں تمہاری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا۔۔۔ پہلے تو بہت اشتیاق تھا تمہیں نمیر سے ملنے اور اسے دیکھنے کا۔"

"ملنے اور تھپڑ مارنے کا۔" مہرماہ نے تلخی سے تصحیح کی۔

"تو اس روز ریسٹورنٹ میں ملی تھیں مار لیتیں تھپڑ۔۔۔ اب یہاں بھیڑ میں تو اجازت نہیں دے سکتا۔ بھائی لوگوں کو تو یوں بھی موقع چاہیے ہوتا ہے اپنی ایفی شنسی (مستعدی) دکھانے کا۔" وہ اس کے ساتھ چلتا اسی کے انداز میں دکانوں کے ڈسپلے میں رکھی چیزوں کو دیکھتا جواب دے رہا تھا۔

"اب تم جاتے ہو یا میں اپنی مدد کے لیے کسی پولیس والے کو بلواؤں" وہ سختی سے بولی۔

"شوہر ہوں میں تمہا۔۔۔ " وہ کہنے لگا تھا جب تپتی پیشانی کے ساتھ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"شٹ اپ۔۔۔ اس رشتے کا حوالہ دینے کے قابل نہیں ہو تم۔" وہ خفیف سا ہوا۔

"تو بتاؤ کیا کروں۔۔ شام کو آغا جان کے سامنے پیش ہو کر باضابطہ رخصتی مانگ لوں تمہاری؟" وہ چیلنجنگ انداز میں بولا۔

"کوئی تماشا مت لگانا نمیر۔۔۔ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں مگر ایک انسانی جان کو جاتے نہیں دیکھ سکتی میں۔" وہ اسے ٹوک گئی۔ نمیر بے ساختہ ہنسا۔

"کیا انسان دوست طبیعت پائی ہے تم نے۔۔۔ واہ۔۔" وہ متاثر ہوا۔ مہرماہ اسے نظر انداز کیے اب ادھر ادھر نظر دوڑاتی رکشہ ڈھونڈ رہی تھی۔

"میں ڈراپ کر دیتا ہوں تمہاری میری منزل الگ تو نہیں۔" وہ آفر کر رہا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"بھول ہے تمہاری نمیر آفندی۔۔۔تم میری منزل کا راستہ بھی نہیں ہو۔" اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ پتا نہیں یہ شخص اب اس سے کیا چاہتا تھا۔ زندگی برباد کرنے کے بعد بھی سکون نہیں تھا اسے۔ وہ رکشہ رکتے ہی اندر بیٹھ گئی۔ وہ جھک کر ڈرائیور کو کرایہ ادا کرتے ہوئے گھر کا ایڈریس بتا رہا تھا۔ رکشہ چلا تو اس نے ایک اچٹتی مگر گہری نگاہ مہرماہ پر ڈالی۔ اس نے چہرہ نقاب میں کر رکھا تھا نظر لمحہ بھر کو نمیر آفندی کی نگاہ سے ٹکرائی اور رکشہ تیزی سے آگے بڑھ گیا نمیر نے دھواں اڑاتے رکشے کو کچھ دیر دیکھا پھر وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے فٹ پاتھ پر سر جھکائے چلنے لگا۔

سب ہی درد چن مرے جسم سے، کسی اسم سے

مرا انگ انگ بحال کر، مرے چارہ گر

یہ بدن کے عارضی گھاؤ ہیں، انہیں چھوڑ دے

مرے زخم دل کا خیال کر، مرے چارہ گر"

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی اور ذہن الجھن زدہ۔

☆☆☆

ملاحہ کو پورا یقین تھا کہ آنے والے ضروری نہیں کہ گھر والوں کو پسند آجائیں۔ مگر جب وہ لوگ آئے تو جہاں تائی جان انگشت بدنداں ہوئیں وہیں سائرہ چچی کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ مہرماہ تنے ہوئے تاثرات لیے شنیل کے فیروزی اور میرون پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس خوب صورت مگر بہت سرد سی لگ رہی تھی۔ اس کی ناراضی کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ یہ رشتہ ملاحہ کی مرضی کے خلاف آیا تھا اور موحد آفندی کے توسط سے آیا تھا۔ ملاحہ کمرے سے نکلنے کو تیار نہ تھی ان لوگوں کی گاڑی آکر پورچ میں رکی اور لڑکے کی بہنیں اور دو ملازمائیں اتریں۔ ملازماؤں کے ہاتھوں میں خوب صورت ریشمیں کپڑوں سے ڈھکے شگن کے تھال تھے۔ ناراض ہونے کے باوجود باقی سب کی طرح مہرو بھی ان کے ادب آداب سے بہت متاثر ہوئی۔ مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ تائی جان ان سے تحائف کے تکلف کی بات کر رہی تھیں جب مہرماہ ملاحہ کو لے کر اندر داخل ہوئی۔

"یہ تو صرف شگن ہے اور ہمارے گھرانے کی روایت آنٹی! ورنہ ہماری ہونے والی بھابی تو سونے میں تولنے کے قابل ہیں ماشاءاللہ۔" ملاحہ کی جھکی پلکوں کو دیکھتے ہوئے چھوٹی بہن بہت محبت سے بولی اور ملازماؤں کو اشارہ کیا۔ دونوں تھالوں پر سے کپڑے سرکے تو سائرہ چچی کا دم آنکھوں میں آگیا۔ ایک تھال میں جگر جگر کرتے کامدانی جوڑے کے ساتھ سونے کا بھاری جڑاؤ سیٹ اور دوسرے میں شگن کے روپے۔۔۔سوسو کے نوٹوں کی دس گڈیاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ لاکھ روپیہ ہاتھ پہ دھرنے چلی آئی تھیں وہ ملاحہ کے۔ تائی جان کا سر تفاخر سے بلند ہوا۔ جبکہ مہرماہ کا دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔

ظاہری چکا چوند اگر گھر والوں کی آنکھیں خیرہ کر دیتی تو اس کی بہن کا دل مردہ ہو جانے والا تھا۔ اور ملاحہ کا دل ایک ہی شخص کو پکار رہا تھا جو اس وقت اس سے کوسوں دور اپنی شادی کی تیاریوں میں بخوشی مگن تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سلویٰ سیف اللہ بٹ

سنہری دھوپ

دعا کی والدہ کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور سوتیلے بھائی حماد کے ساتھ رہتی ہے۔ دعا کے دو ماموں، ریاض احمد جن کی بیوی رابعہ احمد ہیں اور الیاس احمد جن کی بیوی مریم ہے۔ رابعہ احمد کے کہنے پر ریاض احمد دعا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ سوتیلے بھائی کے ساتھ رہنے کا اب جواز نہیں ہے۔

ریاض احمد کے دو بیٹے عمیر اور عمر ہیں اور ایک بیٹی نوال ہے۔ عمیر بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے جس نے باپ کے ساتھ مل کر ان کا کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ جبکہ عمر ایک بگڑا ہوا ضدی اور خود سر نوجوان ہے۔

الیاس احمد اپنے بڑے بھائی ریاض احمد کے برابر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ آنے جانے کے لیے درمیان میں دروازہ ہے۔ ان کی بیوی مریم ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ بیوی کی جائیداد ہتھیانے کی کوشش میں ہیں۔ مریم کا ایک بھائی ایکسڈنٹ میں معذور ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی مرجاتی ہے وہ ذہنی طور پر بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج شادی تجویز کرتے ہیں۔

مکمل ناول

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انعم اور احسن ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اولاد کی کمی ان کی زندگی میں ہے۔ انعم کے شک کرنے پر احسن اپنا ٹیسٹ کرواتا ہے۔ انعم بہت پریشان ہے' احسن اسے تسلی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بار بار پریشان ہونے پر ناراض ہو کر اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹ پازیٹو آتی ہیں' وہ بالکل نارمل ہوتا ہے۔ انعم کا نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ کمی اس میں ہوتی ہے۔

الیاس احمد بنیادی طور پر لالچی آدمی ہے۔ اسے رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اکھڑا اکھڑا رہتا ہے اور اپنے بھتیجے عمیر کو بھی باپ بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

عمیر اور دعا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رابعہ احمد یہ پسند نہیں کرتیں۔ عمیر اور نوال دونوں بہن بھائی دعا کو اس کی ماں کے غم سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض احمد کو بہن اور بھانجی سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ عمر کو دعا ایک آنکھ نہیں بھاتی' وہ اسے ہر وقت ذلیل کرتا رہتا ہے۔

دعا کو دیکھ کر الیاس احمد کا لالچی ذہن مختلف منصوبے بنانے لگتا ہے۔

الیاس احمد' عمر کے کہنے پر اس کے والد سے اس کے علیحدہ بزنس کی سفارش کرتے ہیں' جسے ریاض احمد سختی سے رد کر دیتے ہیں۔ عمر اُن سے مزید برگشتہ ہو جاتا ہے۔

تبریز ملک اپنے معذور بھائی کی شادی اور مریم کو ان کا حصہ دے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ میں رہائش پذیر ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر الیاس احمد ایک شاطرانہ منصوبہ بناتا ہے۔ اور عمر کو اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ عمر کا رویہ دعا کے ساتھ انتہائی دوستانہ ہو جاتا ہے۔ رابعہ احمد بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں' کیونکہ انہیں مریم نے مشورہ دیا ہوتا ہے کہ عمر اور دعا کی شادی ہو گئی تو باپ' بیٹے کے درمیان فاصلے کم ہو جائیں گے۔

ریاض احمد' عمر اور دعا کی باہم پسندیدگی کو جانتے ہیں۔ اور ان کی شادی کا عندیہ دیتے ہیں' مگر رابعہ' دعا کا عمر سے شادی سے گریز اور بار بار عمر اور دعا کے اچھے تعلقات کو جتاتی رہتی ہیں۔ دعا کے رویے سے عمر کھٹک جاتا ہے۔

رابعہ احمد کی کوششوں سے عمر اور دعا کا تعلق سب کی نظر میں آجاتا ہے۔ ریاض احمد کو کھیل سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ وہ عمر کو اسلام آباد برانچ کا چارج دے دیتے ہیں۔

عمیر کو دعا کا شادی سے انکار اور عمر سے تعلق کا رویہ الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ دعا بھی ممانی کی نیت کا فتور سمجھ جاتی ہے' مگر کم ہمتی اور کوئی اور ٹھکانا نہ ہونے کے سبب خاموش رہتی ہے۔

منصوبے کے مطابق الیاس احمد بیمار ہو کر ریاض احمد کے گھر جاتے ہیں جہاں دعا' عمر کے کمرے سے برآمد ہوتی ہے۔ عمر گناہ کا اعتراف کرتا ہے۔ رابعہ کو اس سارے ڈرامے کے باوجود دعا کی پاک دامنی پر یقین ہوتا ہے' وہ عمر کو ڈانٹتی ہیں۔ ریاض احمد صدمے سے بیمار ہو کر اسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ اور دعا کو الیاس احمد اپنے گھر لے آتے ہیں' جہاں مریم اسے خوب لعن طعن کرتی ہے۔ دعا اپنی پاک دامنی ثابت نہیں کر پاتی' اس کے باوجود عمیر کا دل اسے قصوروار نہیں مانتا۔

الیاس احمد' مریم کے معذور بھائی کے لیے دعا کا نام پیش کرتے ہیں۔

الیاس احمد اپنی لچھے دار باتوں سے مریم اور رابعہ احمد کو دعا کی آصف سے شادی پر راضی کر لیتے ہیں۔ ریاض احمد اور نوال کے کہنے پر عمیر' دعا کو اس کی شادی سے ایک روز قبل الیاس کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے اور اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر اس کے سوتیلے بھائی کے دروازے پر چھوڑ آتا ہے۔

اس کا سوتیلا بھائی ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ دعا گھر فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ عمر نے عمیر کو گولی مار دی ہے۔ نوکرانی اسے کہیں اور جانے کا مشورہ دیتی ہے۔ بہت بری حالت میں دعا اپنی دوست انعم کے گھر پہنچ جاتی ہے اور اسے اپنے حالات بتاتی ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دعا کے متعلق رابعہ کے اصل خیالات اور عمر کے کرتوت جان کر ریاض احمد ان سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ آصف خودکشی کرلیتا ہے۔
انعم' دعا کو اپنے گھر میں پناہ دے دیتی ہے۔ انعم کی ساس کینیڈا سے ملنے آتی ہیں۔ انہیں یہ بات پسند نہیں آتی۔ وہ انعم اور دعا کا موازنہ کرتی ہیں۔ یہ بات دعا کو الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ وہ انعم کو اس کی بے اولادی کا احساس دلاتی ہیں۔ عمیر قاتلانہ حملے میں بچ جاتا ہے۔ ریاض احمد' عمیر اور نوال کی بے رخی' رابعہ احمد کو اپنی غلطیاں سوچنے پر مجبور کردیتی ہے۔
عمر نشے کی حالت میں ماں سے بھی بدتمیزی کرتا ہے اور الیاس احمد سے بھی پیسوں کا تقاضا کرتا ہے اور سارا سچ مریم کے سامنے اگل دیتا ہے۔ دونوں کا جھگڑا ہوجاتا ہے اور عمر' الیاس احمد پر فائر کھول دیتا ہے۔ عمیر' الیاس احمد کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مریم' عمیر کو عمر اور الیاس احمد کے گٹھ جوڑ اور سازش کا بتاتی ہے۔ عمر کو پولیس پکڑ کرلے جاتی ہے۔ تھانے میں اس پر تشدد ہوتا ہے۔ عمیر اور ریاض احمد تھانے جاتے ہیں جہاں سے رہائی پانے کی خاطر عمر انہیں سچ سچ بتا دیتا ہے۔
تبریز احمد' مریم کو اس کے حصے کی جائیداد دے کر بیرون ملک چلے جاتے ہیں۔ مریم کو ان کی بے رخی بہت کھلتی ہے۔ وہ الیاس احمد سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ الیاس احمد اپنی جگہ شرمندہ ہوتا ہے۔
احسن اپنی ماں اور بیوی کو ہر ممکن روکنے کی کوشش کرتا ہے مگر ناکام رہتا ہے۔ اس کی دعا سے شادی ہوجاتی ہے۔ وہ دعا کو اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے دعا اس نئے رشتے سے خوش ہے۔ جبکہ انعم متضاد کیفیات کا شکار ہے۔
رابعہ احمد کو عمر بہت یاد آتا ہے۔ وہ عمیر سے معافی مانگتی ہیں۔ عمیر نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کی ہر خطا کو معاف کردیتا ہے۔

نویں قسط

دعا بہت اچھا اور سلیقے سے پکاتی تھی۔ کھانا بنانا ہر چیز ناپ تول کے استعمال کرنا اور رزق کی قدر کرنا اس نے اپنی ماں سے سیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت تھا۔ اس نے کبھی بازاری پیکٹ یا مسالہ جات کا استعمال نہیں کیا تھا۔ جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی' انعم نے کچن کی ذمہ داری اسے سونپ کے خود کو اس واحد مصروفیت سے بھی آزاد کرلیا تھا۔ احسن کو بھی دعا کے ہاتھ کا پکا پسند تھا۔

"کیا بنا رہی ہو دعا؟" وہ کاؤنٹر کی طرف منہ کیے کھڑی تھی' جب اس نے اپنے پیچھے انعم کی آواز سنی۔

"تمہارے اور احسن کے لیے بریک فاسٹ، اگر کچھ خاص کھانے کا دل ہے تو بتادو۔" دعا انڈا پھینٹتے پلٹی۔

"تم ہٹو، میں ناشتہ بنالیتی ہوں۔" وہ آگے بڑھی۔

"نو پرابلم انو! ذرا سا تو کام ہے، تم ٹیبل پہ جا کے بیٹھو۔" اس کے ہونٹوں پر دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔ وہ سمجھی کہ انعم اس کے نئے دلہناپے کے خیال سے اسے کام کرنے سے منع کررہی ہے۔
تب ہی مرکزی دروازہ کھول کے احسن بھی اندر داخل ہوا۔ اس کا رخ بھی کچن کی طرف تھا کیونکہ اس کا آج پراٹھا کھانے کا موڈ تھا۔ پھر اسے دعا سے بھی بات کرنا تھی کیونکہ اس وقت صرف وہی کچن میں ہوتی تھی۔

"پلیز نو آرگومنٹ دعا! آج سے بریک فاسٹ میں بنایا کروں گی۔ شام سے لے کے رات ڈنر تک کی رسپانسبلٹی تمہاری، احسن رات بھی مجھ سے گلہ کررہے تھے کہ میں نے کتنے روز گزرے انہیں اپنے ہاتھ کا پکا کچھ نہیں کھلایا۔"
سنجیدگی سے وجہ بتاتے ہوئے اس نے ہونق بنی دعا کے ہاتھ سے انڈے والا پیالہ اور بیٹر پکڑلیا۔
کچن کے باہر کھڑا احسن، انعم کا جھوٹ' اس کی حرکات اور دعا کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ کچھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ایسا ہی حال اس کا بھی تھا۔ اس نے تھوک نگل کے خود پر قابو پایا۔

"انو یار! تم یہاں گھسی ہو، میں تمہیں ادھر ڈھونڈ رہا ہوں۔ مجھے آفس کے لیے تیار کروا دو، یو نو ویل، مجھے خود سے کچھ بھی نہیں ملتا، پھر کہو گی کہ ساری وارڈ روب کا ستیاناس کر دیا۔"

وہ بڑے انجان پن سے بولتا کچن میں داخل ہوا، وہ اسے یہاں سے ٹالنا چاہتا تھا۔

"میں نے آپ کی ضرورت کی ہر چیز نکال کر بیڈ پر دھر دی ہے، آپ کو کچھ بھی ڈھونڈنے یا ستیاناس کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، پندرہ منٹ میں ریڈی ہو کے ٹیبل تک آ جائیں۔" وہ خود کو اتنا مصروف ظاہر کر رہی تھی کہ مڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

"تم یہاں اسٹیچو بنی کیوں کھڑی ہو؟"

وہ بھی اتنی آسانی سے ٹلنے والا نہیں تھا۔ دعا کی چند منٹ پہلے ہوئی دل آزاری کا خیال دامن گیر تھا۔ اس کی حساس طبیعت کو اس معصوم لڑکی کی رونی صورت برداشت نہیں ہو رہی تھی' اس لیے بڑے عام سے لہجے میں یونہی پوچھ لیا۔

"نن...... نہیں تو بس یونہی۔ ہم باتیں کر رہے تھے۔" سوال دعا سے تھا اور جواب دینے والی انعم تھی۔

احسن حیرت زدہ رہ گیا۔

"اب نکلیں بھی، آفس سے لیٹ ہونے کا ارادہ ہے۔" بڑے لاڈ سے احسن کو پکڑ کے باہر کی طرف دھکیلا۔

"اور تم اپنے بیڈ روم میں جاؤ دعا! میں احسن کو آفس بھیج کے، تمہارا ناشتہ وہیں بھجواتی ہوں۔" وہ پھر سے کاؤنٹر کی طرف رخ موڑے آملیٹ فرائی کرنے لگی۔

دعا کی کل والی شوخی نے جو زخم لگایا تھا۔ وہ ابھی بھی تازہ تھا۔ حالانکہ وہ احسن کو رات بھی اپنے پاس روک کے کسی حد تک بدلہ لے چکی تھی۔

احسن ابھی بھی کچن سے باہر کھڑا تھا۔ دعا تیزی سے اس کے پاس سے گزر گئی، شاید وہ اپنے آنسو چھپا رہی تھی یا اسے وہم ہوا تھا۔

احسن کیا کر سکتا تھا۔ فی الحال چپ رہنے کے سوا انعم اپنی پلاننگ پہ بہت مسرور تھی۔ اس کا احسن پر پہلا حق تھا' پیدائشی بھی اور شرعی بھی۔

☆☆☆

احسن آفس سے واپس آیا تو' انعم بالکل تیار تھی۔ دعا کو وہ اس کے آنے سے پندرہ منٹ قبل کچن میں دس کام سونپ کے، مصروف کر چکی تھی۔ باتوں کے دوران ہی اس نے ملازمہ کو آواز دے کے چائے کمرے میں ہی منگوالی تھی۔ احسن کو حیرت ہوئی کیوں کہ چائے ہمیشہ لان یا لاؤنج میں ہی پی جاتی تھی۔ چائے اور لوازمات سے انصاف کرنے کے بعد، وہ گھر سے باہر جانے کے لیے پر تول رہا تھا کہ اس نے نیا شوشہ چھوڑ دیا۔

"میرا دل شادی کی پکچرز دیکھنے کو چاہ رہا ہے۔"

کھانے میں ابھی ٹائم تھا' وہ نہیں چاہتی تھی کہ احسن لاؤنج میں جا کر بیٹھے یا کام کرتی دعا اس کی نظروں میں آئے۔

"ایسا کرو، دعا کو بھی بلا لو، مووی لگاتے ہیں، سب مل کر انجوائے کریں گے، بائی دا وے وہ ہے کہاں؟ میں جب سے آیا ہوں' وہ نظر نہیں آئی۔" اس نے بڑا نارمل سا لہجہ اختیار کیا۔ تاکہ اسے کچھ خاص محسوس نہ ہو۔

"میں آپ کی اور اپنی شادی کی تصویریں دیکھنے کی بات کر رہی ہوں، ہماری پرائیویسی میں دعا کا کیا کام؟ ویسے بھی وہ کچن میں مصروف ہے۔" اس نے رکھائی سے اطلاع دی اس کے۔ ماتھے پر لاتعداد بل تھے۔

"نو پرابلم' وہ ہمارے بیڈ روم میں نہیں آ سکتی لیکن ہم تو لاؤنج میں جا سکتے ہیں پھر تو پرائیویسی متاثر نہیں ہوگی اور کچن ملازمہ کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔"

اس کا موڈ بھی یکدم سنجیدہ ہو گیا۔ جواباً اس کے ماتھے پر بھی بل ابھرے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

یہ رشتہ اس کی ضد اور زور زبردستی کرنے پر جڑا تھا۔ ابھی وہ اس رشتے اور نئے تعلق کو محسوس بھی نہیں کر پایا تھا کہ وہ دراڑ بھی ڈالنے لگی تھی۔

"اگر میری کمپنی آپ کو بور کر رہی ہے تو پلیز گو۔" اس کے تیور خاصے بگڑ گئے تھے۔ وہ اس کے پاس سے اٹھ کے الماری کی نچلے دراز کھول کے کھنگالنے لگی۔

اب وہ صرف اس کا "احسن" نہیں رہا تھا۔ انعم جان بوجھ کر لاپروائی برت رہی تھی جبکہ وہ اپنی تقسیم قبول کر چکا تھا۔ انصاف کا ترازو بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اب وہ غلط اور ناجائز بات پر انعم کو منانے والا نہیں تھا۔

"میں اسٹڈی میں جا رہا ہوں، کھانا لگ جائے تو مجھے میسج بھیج دینا۔"

وہ خاصی سنجیدگی اختیار کیے خاموشی سے اٹھ گیا۔

انعم نے حیرت اور دکھ سے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا کیونکہ وہ اس سے معذرت کی توقع کر رہی تھی۔

☆☆☆

ملازمہ نے اسٹڈی میں احسن کو کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ انعم کمرے سے باہر نہیں آئی۔ اس کا موڈ خراب تھا' اسے احسن پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ اسے احسن کے بدلتے تیور اور بگڑا مزاج بہت کچھ باور کروا رہے تھے۔ انعم اپنی سوچ کے مطابق سارا قصور دعا کے کھاتے میں ہی ڈال رہی تھی۔ اور حیران بھی تھی۔ جو احسن نکاح سے آخری منٹ قبل بھی اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھا' اب وہ کس طرح اس کی کمپنی سے جان چھڑا کے دعا کے ساتھ وقت بتانا چاہتا تھا۔ وہ اتنی جلدی احسن کا کنٹرول اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

جبکہ احسن کا خیال تھا کہ دو چار دن کی دلہن کا اس کے فارغ وقت پر زیادہ حق ہے لیکن انعم کی قنوطی طبیعت کے پیش نظر اپنی اس سوچ میں ترمیم کرتے ہوئے وہ چاہتا تھا کہ وہ تینوں ایک جگہ، ایک ساتھ تو بیٹھ سکتے ہیں۔ انعم تو اتنی گنجائش نکالنے کے لیے بھی تیار نہیں تھی حالانکہ اس رشتے کے جڑنے سے قبل وہ دعا کو لحہ بھر کے لیے بھی ۔۔۔ تنہا نہیں چھوڑتی تھی۔ ان کی شامیں عموماً ساتھ ہی گزرتی تھیں۔

انعم نے ٹیبل تک آنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ اپنے اندر اٹھتے ابال کو بمشکل دباتا کمرے میں گیا۔

"انعم! آؤ کھانا کھائیں۔" اس نے بہت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

"تم جاؤ، میں نے اپنی ٹرے بیڈ روم میں منگوالی ہے۔" وہ بلاوجہ اپنے سلجھے بالوں کو سنوارنے لگی۔ احسن کی آمد نے اس کا دل شاد کر دیا تھا۔

"کیوں......؟" اس کی رگیں تن گئیں۔

"کیونکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس نے مبالغہ آرائی سے کام لیا۔

اس نے لمبا سانس خارج کرتے ہوئے ملازمہ کو بیڈ روم میں دونوں کا کھانا لگانے کی ہدایت کی۔

انعم کا سیروں خون بڑھ گیا۔ بظاہر اس نے خود کو نارمل اور پرسکون رکھا۔

احسن کے جبڑے کھنچے اور لب خاموش تھے۔

پہلی بار ان کے بیچ کھانا بغیر گفتگو کے کھایا گیا تھا۔ وہ اسے خاموش رہ کے اپنی ناپسندیدگی اور اس کی ناانصافی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو ناممکن تھا۔

☆☆☆

وہ ریوالونگ چیئر کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے پڑا تھا۔ صبح سے اس کے سر میں ہلکا سا درد تھا۔ ساری مصروفیت ترک کر کے، دو کپ چائے ٹیبلٹ کے ساتھ پی چکا تھا۔ لیکن سر درد میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس کے ماتھے پر تکلیف سے بل پڑ گئے۔

اس نے جھنجلا کے بغیر نمبر دیکھے موبائل کان سے لگا لیا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''ہیلو......!'' اس کا انداز جارحانہ تھا۔
''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے احسن، مجھے تمہارے متعلق بہت برے برے خیالات تنگ کر رہے ہیں۔''
دل آرا اس کی آواز سنتے ہی شروع ہو گئیں۔ ان کا لہجہ انتہائی فکر مندانہ تھا۔ انہوں نے یقیناً برا خواب دیکھا تھا۔
احسن اس آواز پہ سیدھا ہوا۔ بازو ٹیبل کی سطح پر رکھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس سے ہزاروں میل دور بیٹھی ماں کے دل کو اس کی پریشانی سے راہ ہے۔ وہ حیرت میں غرق ہو کے ابھرا۔
''احسن......احسن آر یو بیٹر، کچھ تو بولو۔'' ماں کی بے تابی عروج پر تھی۔ وہ اس کی آواز سنے بغیر ہی سب جان گئی تھیں۔
''ماما جان...... ماما جان۔'' اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ وہ ان سے کیا کہے، کیا بتائے اور کیا چھپائے۔ عقل ماؤف تھی۔
''پلیز ماما جان! یہ آپ نے کیا کر دیا۔ اپنے بیٹے کے ساتھ اتنا بڑا ظلم، میں منع کرتا رہا۔'' اس نے بمشکل اپنی سسکی روکی۔
''کیا ہوا احسن! تم اتنے ہرٹ کیوں ہو؟ کوئی آفیشل پرابلم ہے یا انعم نے گڑبڑ کر دی ہے۔''
ماں کا دم گھٹ گیا، لاڈلا سپوت خود سے اتنی دور تکلیف میں مبتلا' برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
''وہ سب گڑبڑ کر رہی ہے ماما جان، میں نے سینکڑوں بار منع کیا تھا کہ اتنا بڑا اسٹیپ صرف انعم کی جذباتیت میں آ کر مت لیں، تب آپ کو صرف اپنا اسٹیٹس، وراثت، جائیداد اور نجانے کس کس چیز کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اب سب کچھ تلپٹ کر کے، آپ وہاں جا کے بیٹھ گئی ہیں، یہاں مجھے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ مجھے انعم سے بے حد محبت ہے لیکن میں اسے اپنی محبت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانے دوں گا۔''
وہ اپنے اندر کی بھڑاس نکالنے کو بے تاب' ایک دم سے شروع ہو گیا۔ اتنے دنوں کے غم و غصے کو نکاس کا رستہ مل گیا تھا۔
''ہوا کیا ہے؟ یہ تو بتاؤ۔'' وہ اس خوفناک گفتگو سے جھنجلا گئیں۔
''انعم نے مجھے کمرے میں قید اور خود تک محدود کر رکھا ہے۔ وہ مجھے لمحہ بھر کو خود سے الگ نہیں کرتی ماما! میں فیڈ اپ ہو گیا ہوں۔'' وہ واقعی زچ آ چکا تھا۔
''شام کو آفس سے لوٹنے کے بعد بمشکل چند گھنٹے ہوتے ہیں تمہارے اور انعم کے بیچ، اسے نرمی سے ہینڈل کر لیا کرو، رات کو پھر تم دعا کو وقت دیتے ہو، ابھی نئی نئی......''
''میں رات کو بھی انعم کے ساتھ ہی ہوتا ہوں ماما جی، وہ رات کو بھی اٹھ اٹھ کے میری پہرے داری کرتی ہے۔ اتنی بے اعتباری، ایسی بدسلوکی، جو سوچیں اب اسے ڈس رہی ہیں، یہ چند دن قبل سوچ لیتی یا پھر میرے سمجھانے پہ عقل پکڑ لیتی لیکن اب تو۔''
احسن بغیر سانس لیے بولے چلے جا رہا تھا، اس کے اندر بہت سا غبار جمع تھا۔
''بی کوائٹ احسن، مجھے مزید کچھ نہیں سننا۔ میں مانتی ہوں انعم نے اپنی نادانی میں غلط حرکات کی ہیں لیکن تمہاری تو ٹون ہی بدل گئی ہے۔ بہرحال میں اسے سمجھا دوں گی۔ تمہیں بھی اتنا اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس رشتے کو قبول کر لے گی، شوہر کو شیئر کرنا کسی بھی عورت کے لیے اتنا آسان نہیں ہوتا، تم تو پھر اس کی محبت ہو۔''
دل آرا نے اپنی سنا کر کال منقطع کر دی۔ احسن موبائل کان سے ہٹا کے دیکھتا رہ گیا۔
وہ جانتا تھا کہ انعم اس دنیا میں صرف دل آرا کی بات بلا چوں و چراں تسلیم کر لیتی ہے وہ ضرور اسے سمجھائیں گی۔

☆☆☆

دعا نے صبح کے وقت بیڈروم سے باہر آنا چھوڑ دیا تھا۔ شام میں کچن کی ذمے داری خاموشی سے نبھا دیتی۔ انعم، احسن کو رخصت کر کے اس کا ناشتہ بھی کمرے میں ہی بھجوا دیتی۔ دعا کا دل انعم کی طرف

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے بہت برا ہوا تھا۔ اسے اتنی جلدی بدلحاظی یا بے مروّتی کی توقع نہیں تھی۔

ساڑھے گیارہ بجے وہ سو کے اٹھی تو منہ ہاتھ دھو کے سیدھی لاؤنج میں آ گئی۔ تب ہی اسے یاد آیا۔

”میں نے دعا کو بریک فاسٹ نہیں بھیجا۔“ وہ ماتھے پر ہاتھ مار کے بڑبڑائی۔

”ناہید...... ناہید......“ اس نے ملازمہ کو آواز دی۔ وہ کچن میں برتن دھوتی نل بند کر کے فوراً آ گئی۔

”جی بیگم صاحبہ......“ وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھ رہی تھی۔

”دعا نے ناشتہ کر لیا۔“ اس نے سارے بال سمیٹ کے کیچر میں جکڑتے ہوئے استفسار کیا۔

”نہیں جی، وہ صبح سے اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلیں۔“

”یہ لڑکی بھی نا......“

اس نے نفی میں سر جھٹکا اور کچن میں جانے لگی۔ جلدی سے اس کے لیے ناشتے کی ٹرے تیار کی۔ بغیر دستک دیے وہ اس کے کمرے میں حاضر تھی۔

”دعا...... سو رہی ہو دعا......“

وہ منہ پر تکیہ رکھے لیٹی تھی۔ ”نہیں تو...... بس یونہی لیٹی ہوئی ہوں۔“ وہ تکیہ پرے پھینک کے اٹھ بیٹھی۔

”سوری یار! میں تمہارا بریک فاسٹ لانا بھول گئی۔ اب یاد آیا تو فوراً دوڑی چلی آئی، تم بھی اتنی بدتمیز ہو کہ خود سے اٹھ کے کچھ کھایا پیا نہیں۔“

وہ خود بھی آلتی پالتی مار کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ لہجہ اور انداز انتہائی دوستانہ تھا۔ دعا کا دل ہی جل گیا۔ کتنی معصوم بن رہی تھی وہ۔

”تم نے خود ہی تو مجھے کچن میں آنے سے منع کیا تھا۔ شاید تم بھول گئی ہو۔“ اس نے بڑے آرام سے جتایا۔

”وہ تو میں نے احسن کی موجودگی میں، کچن میں آنے سے منع کیا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں، تم سارے گھر میں آرام سے گھوم پھر سکتی ہو۔ ایٹ

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اُردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو/ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری/ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

لیسٹ یہ گھر اب جتنا میرا ہے اتنا تمہارا بھی ہے، مگر یاد رکھنا صرف گھر۔"

دعا حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ دھمکا رہی تھی یا ڈرا رہی تھی، یا یہ اس کا حکم تھا۔ وہ فرق نہ کر پائی کیونکہ اس کا لہجہ نارمل تھا۔ اس لیے وہ اس پابندی کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔

"جلدی سے شروع ہو جاؤ، بھوک ہڑتال یا سوچ و بچار کا ظلم، اپنی ننھی سی جان پر مت کرو۔ یہ میرا تمہارے ساتھ دوسرا ناشتہ ہے۔"

انعم نے ایک آنکھ دباتے ہوئے سلائس اٹھالیا۔

اسے چند منٹ قبل زوروں کی بھوک لگی تھی جو اس کی ذو معنی گفتگو نے اڑادی تھی۔ لیکن اس کی ذات سے جڑی سینکڑوں مجبوریوں میں سے ایک مجبوری یہ بھی تھی کہ وہ انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے خاموشی سے سلائس اٹھالیا۔

"جلدی سے فنش کر کے، دو اسٹرانگ سے کنگ سائزنگ چائے کے بنا کے لے آؤ۔ جب سے تمہارے ہاتھ کا ذائقہ منہ کو لگا ہے، اپنے ہاتھ کی چائے پینے کو قطعاً دل نہیں چاہتا۔"

جتنی تیزی سے وہ کھا رہی تھی اتنی ہی تیز اس کی زبان بھی چل رہی تھی اور دعا سوائے اثبات میں سر ہلاتے رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

بظاہر سب ٹھیک تھا۔ مریم خاموشی سے الیاس احمد کے سارے کام پہلے سے بہتر اور وقت پر سرانجام دیتی۔ اس کی ہر ضرورت اور فرمائش ایک پکار پہ پوری ہو جاتی۔ بچوں کے ٹیوٹر کو ہٹا کے، وہ خود انہیں ٹیوشن دینے لگی تھی۔ فارغ وقت ان کے ساتھ گزارتی، الیاس احمد کو بہت ادب و آداب کے ساتھ مخاطب کرتی۔ وہ گھریلو امور خصوصاً کچن میں بھی مکمل دلچسپی لینے لگی تھی۔

اس سب کے باوجود بہت کچھ غلط بھی تھا۔ وہ خود سے شاذ و نادر ہی الیاس احمد کو مخاطب کرتی۔ کبھی تو دو دو دن گزر جاتے۔ وہ اس کی پوچھی گئی بات کا جواب بھی، بس ہوں ہاں میں دینے پر ہی اکتفا کرتی۔ اس کی سوچ بھی عجیب سی ہو گئی تھی۔ وہ کبھی خود کو گنہگار کہتی، کبھی شوہر کو۔

الیاس احمد کا دل چاہتا کہ وہ خوب زور و شور سے واویلا کرے۔ چیزیں اٹھا اٹھا کے زمین پہ مارے، مریم پہ چیخ و پکار کرے، اس کا سر پھاڑ دے تاکہ اسے الیاس احمد کے اندر کے غبار کا بھی اندازہ ہو، وہ چند لمحے کو ہی سہی، رک کے شوہر کی بات سنے، اسے صفائی کا موقع دے۔

الیاس احمد کا آفس میں بھی دل نہیں لگتا تھا۔

ذہن ہر وقت متضاد سوچوں میں الجھا رہتا۔

یہی وجہ تھی کہ اسے بزنس میں بھی نقصان ہو رہا تھا مگر اسے پروا نہیں رہی تھی۔ یہ ساری صورت حال اس کے جیل میں گزارے دنوں سے بھی زیادہ اذیت ناک تھی۔

☆☆☆

انعم اپنے بیڈروم میں بڑے انہماک سے مووی دیکھنے میں مگن تھی کہ اس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اس نے موبائل اٹھایا، اسکائپ پر دل آرا تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے، مووی بند کی۔

"السلام علیکم ماما جان! کیسی ہیں آپ؟ میں ابھی آپ کو ہی کال کرنے کا سوچ رہی تھی۔"

ان کی کال نے اسے خوشی سے دوچار کر دیا تھا۔

اکثر ہی دل آرا اس کے دل کے بھید سے راہ پا جاتی تھیں۔

"وعلیکم السلام، میں بالکل ٹھیک ہوں انو، تم سناؤ دعا کیسی ہے؟ میری اس سے بھی بات کرواؤ ناں۔"

انہوں نے حال احوال کے بعد بڑے رسان سے اس کا ذکر کیا۔

"میں اور دعا بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ یہ بتائیں پاپا جی کیسے ہیں۔" وہ ماں کی آواز سن کر بہت پرجوش ہو رہی تھی لیکن دعا کے ذکر سے کترا گئی۔

"وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں، عنقریب پاکستان آنے کا پلان کر رہے ہیں۔" انہوں نے خوش خبری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سنائی۔

"سچ ماما جی! پاپا جی بھی پاکستان آئیں گے۔"

اس کی خوشی سے چیخ نکل گئی۔

"بالکل آئیں گے اور تم بتاؤ، دعا کدھر ہے، کیا کر رہی ہے۔" وہ پھر سے مطلب پہ آ گئیں۔

"ابھی تھوڑی دیر قبل، ہم دونوں نے اکٹھے ناشتہ کیا ہے۔ شاید وہ بھی اپنے روم میں ہے۔" انعم نے مسکرا کے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"ماشاء اللہ، اللہ تم دونوں کو نظر بد سے بچائے، اسی طرح سلوک و اتفاق سے رہنا۔" انہوں نے دل سے دعا دی۔

"نو ٹینشن ماما جی، ہمارے بیچ کبھی کوئی غلط فہمی، بدگمانی یا جھگڑا کری ایٹ نہیں ہوگا۔" اس نے پُرزور طریقے سے یقین دہانی کروا کے انہیں مطمئن کیا۔

"اچھا سنو، دعا اور احسن کو بھی تھوڑی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیا کرو۔ اچھا ہے ناں کہ ان دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہو جائے، آخری وقت تک وہ دونوں راضی نہیں تھے۔" دل آرا نے بڑے عام اور نرم لہجے میں یوں بات مکمل کی گویا ناک پر سے مکھی اڑائی ہو۔

"کیا مطلب......؟" انعم کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اسے بے وقوف بنانا آسان نہیں تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ تعلق ان دونوں کی رضا مندی سے نہیں جڑا۔ ہم نے اپنی ضرورت کے تحت انہیں فورس کیا۔ میں نہیں چاہتی کہ ان کے رشتے کے بیچ شک کا بیج پڑے یا وہ دونوں اس بندھن کو بوجھ محسوس کریں۔ اب یہ تم پہ ڈیپنڈ کرتا ہے کہ تم ان دونوں کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے نزدیک آنے کا موقع دو۔ آخراب اس کا بھی تو احسن پر حق بنتا ہے ناں۔"

وہ جتنے شیریں لہجے میں اس کے کھاتے میں بات ڈال رہی تھیں اتنی آسانی سے یہ سب ہونے والا نہیں تھا۔

"ماما جان...... مجھے واش روم جانا ہے، بعد میں بات ہوگی، خدا حافظ۔" اس نے مزید کچھ سنے بغیر کال کاٹ دی۔

دل آرا اس کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ جو بات اس کی ناپسندیدہ ہوتی یا اس پر مسلط کر دی جاتی تو وہ ایسا ہی ردعمل دکھاتی تھی۔

☆☆☆

دل آرا کی بات سننے کے بعد، انعم کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا۔ وہ اوندھے منہ کشن پر منہ رکھے لیٹی رہی۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ دل آرا کی گفتگو نے اسے خاصا پریشان کر دیا تھا۔ کوئی بہت ہی خاص بات وہ عام سے لہجے میں بھی کہہ دیتیں تب بھی انعم کا اس پر عمل کرنا لازمی ہو جاتا تھا، ان کی غیر معمولی بات بھی اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

وہ کشن دور پھینک کے اٹھ بیٹھی۔

"آخراب اس کا بھی تو احسن پر حق بنتا ہے ناں۔" اس کے ذہن میں بار باران کا یہی جملہ گونجتا تھا، جو اس کی ذہنی خلیجان میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔

"انہوں نے مجھ سے یہ کیوں کہا، کیا احسن نے شکایت کی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اندازے لگانے لگی۔

"نہیں......" اس کے دل نے پُرزور نفی کی۔

"ماما نے کبھی احسن کو آفس میں کال نہیں کی۔" اس نے اپنی اس سوچ کو بھی رد کر دیا۔

"تو پھر احسن......" احسن کی پچھلے اتنے برسوں کی عادت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا دل اس منطق پر راضی نہیں تھا۔

دعا کے پاس رابطے کا ذریعہ نہیں تھا نہ ہی وہ اتنی بااعتماد تھی۔ جھنجلا کے اس نے زور سے سر کو جھٹکا۔ اس الجھن کا کوئی بھی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

"بہرحال جو بھی ہے۔ تم میرے احسن کے لیے کبھی بھی امپورٹنٹ نہیں ہو سکتیں دعا۔" وہ دانت کچکچا رہی تھی۔ اس کا آخری غصہ دعا پر ہی نکل رہا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

☆☆☆

شام کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے اس نے چائے بنا کے ملازمہ کے ہاتھ انعم کو بھجوا دی۔ وہ دن بھر میں چار، پانچ بار چائے، ضرور پیتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ملازمہ کپ لیے واپس آ گئی۔

''چھوٹی بی بی! بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں چائے نہیں پینی۔'' ملازمہ نے کپ سلیب پر رکھ دیا۔

''کیوں، کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اس کی؟'' دعا فکر مند ہوئی۔

''پتا نہیں جی، انہوں نے دوپہر کو لنچ بھی نہیں کیا، کچھ ناراض ناراض سی لگ رہی ہیں بیگم صاحبہ۔'' ملازمہ نے اپنا اندازہ بیان کیا۔

''کیا وہ تیار بھی نہیں ہوئی۔'' روز احسن کے آنے سے قبل وہ فریش ہو کے میک اپ ضرور کرتی تھی۔ ملازمہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم کباب کا مسالا بنا دو، میں انعم کو دیکھتی ہوں۔'' وہ سنک میں ہاتھ دھونے لگی۔

احسن کے آنے میں آدھا گھنٹہ تھا۔ اس نے نہا کر کپڑے بدلے اور انعم کی طرف آ گئی۔ وہ بیزار سی شکل بنائے بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا انو...... ایسے کیوں بیٹھی ہو، تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ اپنی پریشانی چھپا نہ پائی۔

''سب ٹھیک ہے۔'' اس نے بے رخی سے جواب دیا۔

''لیکن تمہارا چہرہ کچھ ہونے کی چغلی کھا رہا ہے۔''

''میں نے کہا ناں کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' اب کے اس نے بغور اس کے صاف ستھرے حلیے کو دیکھا۔ بری کا جوڑا پہن رکھا تھا مگر چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔

''تو پھر تم کل والے کپڑوں میں کیوں ہو، احسن کے آنے میں بہت کم ٹائم ہے، اٹھو جلدی سے فریش ہو جاؤ۔'' دعا نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''پلیز میرا ہاتھ چھوڑو۔ تم بہت اچھی لگ رہی ہو، تم ہی انہیں اٹینڈ کرنا، بہت خوش ہوں گے وہ۔''

اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ''ساری شام کچن میں کام کرنا تھا پھر اتنا مہنگا جوڑا پہننے کی کیا ضرورت تھی۔''

''تم اتنا روڈ کیوں ہوتی جا رہی ہو انو۔'' اسے انعم کے طنز سے دلی تکلیف ہوئی تھی۔

''کیونکہ میرے ساتھ بہت کچھ غلط ہو رہا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھ اٹھائے درشتی سے بولی۔

بہت زور کا کچوکا لگا، دعا کا دل کٹ کے رہ گیا۔ وہ مزید کچھ بھی کہے یا سنے بغیر باہر آ گئی۔ انعم نے زور سے نفی میں سر جھٹکا اسے پروا نہیں تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ گاڑی کا ہارن بجا۔ دعا کے قدم رک گئے۔ اس نے مڑ کر گلاس وال سے باہر دیکھا۔

گاڑی روش پہ دوڑتی ہوئی پورچ کی طرف بڑھ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن ذرا سی تیز ہوئی۔ اس نے انعم کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور تیز تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھی۔

اس نے مرکزی دروازہ کھولنا چاہا' باہر سے احسن کا ہاتھ بھی دروازہ کھولنے پر زور لگا رہا تھا۔ دروازہ کھل گیا۔ ان کے بیچ کا تمام فاصلہ ختم ہو گیا۔ احسن اسے اپنے اتنے قریب پا کے چند لمحے نظریں نہ ہٹا پایا۔ اس کے کوٹ سے اٹھتی بھینی سی خوشبو نے اس کی سانسیں جامد کر دی تھیں۔

''اوں ہوں......'' احسن کھنکھارا۔

''شاید تم باہر جا رہی تھیں۔'' وہ آگے سے ہٹا۔

''نہیں...... میں آپ کے لیے دروازہ کھولنے لگی تھی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے بتا دیا۔

''اچھا......'' احسن نے دلچسپی سے اسے دیکھا اور آگے چلنے لگا۔

''یہ خیال تمہیں کل کیوں نہیں آیا۔'' اب وہ اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھا۔

''آپ کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جس کا مجھے خیال رکھنا پڑتا ہے۔'' اس نے ذو معنی سچائی کہہ دی۔

''بیٹھیں، میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ احسن اس کا اشارہ سمجھ گیا اور عقل مندی بھی۔ وہ کوٹ اور ٹائی اتار کے، پھیل کے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''یہ لیں پانی۔'' اس نے گلاس آگے بڑھایا۔

''آؤ بیٹھو۔'' احسن نے ابرو سے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انعم کے مزاج کے پیش نظر وہ اس کے برابر بیٹھنے کی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ جگہ صرف اس کے لیے مخصوص تھی۔ وہ ساتھ والے صوفے کی طرف بڑھی۔

''میں نے تمہیں اپنے برابر میں بیٹھنے کو کہا ہے، بالکل ویسے ہی حق کے ساتھ جیسے انو بیٹھتی ہے۔'' وہ اس کا گریز جتلاتے ہوئے، پانی پینے لگا۔

''لیکن میں انعم نہیں ہوں اور اگر اس نے مجھے اپنی جگہ لیتے دیکھ لیا تو وہ بہت ناراض ہوگی۔'' اس نے صاف الفاظ میں اپنا ڈر بتا دیا۔

''وہ آج بیڈ روم سے باہر نہیں آئے گی۔'' احسن نے اطمینان سے کہا۔

''آپ کو کیسے پتا؟'' وہ حیران ہوئی۔ یہی بتانے کے لیے تو وہ یہاں بیٹھی تھی اور اسے سب معلوم تھا۔

''کیا آپ لوگوں کے درمیان جھگڑا ہوا ہے؟'' اس نے اندازہ لگایا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ ماما نے میری کمپلین پہ اس کے کان کھینچے ہیں۔'' اس نے بتاتے ہوئے احتیاطاً آواز آہستہ رکھی۔

''کیسی کمپلین؟'' دعا نے بھی بند دروازے کو دیکھا۔

''یہی کہ وہ مجھے میری نئی نویلی بیوی سے دور رکھتی ہے اور چھوٹی بیگم صاحبہ سج سنور کے، میرے انتظار میں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔'' احسن نے مسکراہٹ دبائی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟'' دعا کو شرم آ گئی۔ ''میں...... میں بھلا کیوں؟'' اس کے منہ میں الفاظ گڈ مڈ ہو گئے۔

''دیکھو دعا! ہماری شادی ماما اور انعم کی مکمل رضامندی سے ہوئی ہے۔ میں نے بچپن سے لے کر آج تک انعم کو محبت ہی محبت دی ہے، میں اسی محبت کے ساتھ ساری زندگی گزار دیتا۔ اگر وہ مجھے مجبور نہ کرتی۔ میں نے بے شک شادی اس کے فورس کرنے پر کر لی ہے مگر اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں تم سے محبت نہیں کروں گا یا ہماری انڈر اسٹینڈنگ نہیں تو میں تم سے غفلت برتوں۔

محبت نہیں ہے تو ہو جائے گی لیکن اس سب سے پہلے تم میری ذمہ داری ہو، میں جس طرح کا سلوک انعم کے ساتھ رکھتا ہوں تم بھی بالکل ویسے ہی سلوک کی مستحق ہو۔ مجھے تمہارا، تمہاری فیلنگز اور ضرورتوں سب کا خیال رکھنا ہے اور یہ باتیں انعم کی سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ میں نے زبردستی شادی کرائی ہے۔ اب میں اس کے اشاروں کے مطابق تمہارے ساتھ چلوں، لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کرنے والا۔ میں تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا۔''

وہ بول رہا تھا اور دعا کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ یہ شخص اس کے حق کے لیے اپنی محبت سے لڑ رہا تھا۔ وہ اسے محبت، مان، تحفظ اور حقوق دینے کا صرف وعدہ نہیں بلکہ عملاً ایسا کر رہا تھا۔ اس سب کا وعدہ اور بھی بہت سے رشتوں نے کیا تھا۔ دعا کا دل اس کے حرف حرف میں ڈوب رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''یہ کیا؟ تم رونے لگیں۔'' احسن کو بے وجہ کے آنسوؤں پر حیرت ہوئی۔

''یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔'' اس نے گال صاف کیے۔

''لیکن احسن! اتنی جلد بازی اچھی نہیں، آئی تھنک ہمیں انعم کو ٹائم دینا ہوگا۔ اسے یہ یقین دلانا بہت ضروری ہے کہ میں احسن کو اس سے نہیں چھین رہی، آپ کو بھی اسے مان سونپنا ہے کہ آپ اس سے ہمیشہ محبت کرتے رہیں گے اور اس کے حقوق مجھ سے زیادہ ہوں گے۔ اگر آپ کو یہ ناانصافی لگتی ہے تو مجھے بخوشی قبول ہے۔ کیونکہ میں اپنی دوست کو ان چھوٹی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اور معمولی باتوں کی وجہ سے کھونا نہیں چاہتی۔
میرے لیے آپ کا خلوص، ہمدردی، اس گھر کا تحفظ اور آپ کا نام ہی کافی ہے۔ ان سب چیزوں کے لیے میں ہمیشہ آپ کی ممنون رہوں گی۔ پلیز اتنی اصول پسندی کا بھی مظاہرہ مت کریں۔ انعم کو محبت سے ہینڈل کیا جا سکتا ہے۔ وہ خود ہی آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔"

دعا ایسی ہی تھی۔ وہ انعم کی فطرت سے واقف تھی وہ غصے کی تیز لیکن دل کی بری نہیں تھی۔ وہ اس کے احساسات کو غلط نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس کا ردعمل غیر فطری نہیں تھا۔

"اسے بھی ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے تھا دعا! وہ مجھے کیوں تمہارا مجرم بنا رہی ہے۔" احسن جھلا گیا۔

"آپ اسے مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ وہ غیر مستقل مزاج اور جلد باز ہے۔ بعد میں احساس ہونے پر، اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کھلے دل سے کر لیتی ہے۔ رہی بات آپ کے گلٹ کی تو مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں، میں آپ کی زندگی اجیرن نہیں بلکہ اس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے لائی گئی ہوں۔" دعا بولتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ اسے مزید بحث نہیں کرنی تھی۔

"میں آپ کے لیے چائے کا انتظام کرتی ہوں' آپ جائیں اور بہت محبت سے انعم کو منا کے باہر لائیں۔ ساری شام اس کے ساتھ گزاریں۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کا محبت بھرا مان اتنی جلدی ٹوٹ جائے۔"

وہ اسے آخری مشورہ دے کے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ احسن کا ذہن بہت سی سوچوں میں الجھتا گیا۔

☆☆☆

احسن کے پوچھنے پر انعم نے سر درد کا بہانہ گھڑ لیا۔ دل آرا کی فون کال کا ذکر وہ گول کر گئی۔ احسن نے انعم کو زبردستی تیار کروایا، دونوں لان میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس نے ہر ممکن کوشش کر کے اپنا موڈ خوشگوار رکھا۔

دعا نے ملازمہ کو چائے کے لوازمات دے کر بھیج دیا۔ جان بوجھ کر رات کا کھانا بھی اپنے بیڈ روم میں ہی کھا لیا۔ وہ ان کے بیچ آنے سے گریز برت رہی تھی۔ انعم بہت خوش تھی۔ احسن سب دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔

"یار! اب گرما گرم کافی کا مگ بنا کر بیڈ روم میں لے آؤ، میں بہت تھک چکا ہوں، جلدی سوؤں گا۔" احسن نے ہلکی سی انگڑائی لی۔
کھانے کے بعد، انعم کی فرمائش پر وہ واک کر رہے تھے۔

"وہ...... احسن ...... آپ ایسا کریں کہ آج آج دعا کے پاس ......سو جائیں۔" اس نے بڑے دل سے حوصلہ کر کے کہا۔ اس تبدیلی پر احسن کا دل بلیوں اچھلا۔

"نو پرابلم، اگر تم پریشان ہو گی تو میں نہیں جاؤں گا۔ میں تمہیں اداس نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے جان بوجھ کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا وہ اچھی طرح اس کا مزاج جانتا تھا۔

"نہیں ......نہیں اٹس اوکے، میں بالکل اداس نہیں ہوں، وہ بھی آپ کا ویٹ کرتی ہو گی، آپ جائیں میں کافی بھجواتی ہوں۔" انعم پھیکا سا مسکرا دی۔

"پلیز ڈونٹ مائنڈ' اگر تم خود کافی بناؤ گی تو ٹھیک ہے ورنہ میں دعا سے کہہ دیتا ہوں۔" اس نے بڑی معصومیت دکھائی۔ یوں بھی اس کا دل دعا کے ہاتھ کی بنی کافی پینے کو چاہ رہا تھا۔

"نو ٹینشن، مجھے پتا ہے کہ دعا مجھ سے اچھی کافی بنا لیتی ہے، جائیں۔"

انعم اپنی کیفیات چھپانے کے لیے خود ہی جلدی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ خود پر ضبط کرنا بہت مشکل تھا۔ احسن نے لمبا سانس خارج کیا، وہ کیا کر سکتا تھا۔

☆☆☆

احسن نے بغیر دستک دیے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دعا زیرو پاور کی روشنی کیے، منہ پر بازو رکھے سو رہی تھی۔ وہ احتیاط سے بغیر شور کے دروازہ بند کر کے،

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس کے قریب آ گیا۔ نرمی سے اس کا بازو چھو کے چہرے سے ہٹایا۔ ہلکی نیلی روشنی میں سادہ سا بے ریا چہرہ بہت معصوم اور پاکیزہ لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی، ہونٹوں پر بے اختیار دھیمی سی مسکان ابھری۔

"دعا......" اس نے کان کے قریب سرگوشی کی۔

نیند میں پہلے لمس کی قربت، پھر چاہت بھری پکار اس کی بھنویں سمٹ گئیں۔

"دعا......!" اس دوبارہ کی پکار پر پٹ سے آنکھیں کھل گئیں جو نیند کے خمار اور حیرت سے بھری تھیں۔

"احسن آپ......" اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"جی میں، تم میرا ویٹ کیے بغیر ہی سو گئیں۔" وہ بیڈ پر قریب ہی بیٹھ گیا۔

"میرا خیال تھا، آپ نہیں آئیں گے۔" اس نے وجہ بتائی۔

"نہیں، اب چند دن اس کی طبیعت اعتدال پہ رہے گی، وہ ہمارے بیچ رکاوٹ نہیں بننے والی۔" احسن نے مسکراتے ہوئے پیشن گوئی کی۔

"پلیز! اسے رکاوٹ تو مت کہیے، وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔" دعا کو واقعی اس کا کہنا ایسا برا لگا تھا۔

"بہت سوفٹ کارنر ہے اپنی فرینڈ کے لیے اور وہ جو زیادتی کر رہی ہے ہمیں ایک دوسرے سے دور رکھ کے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"ایک ہی گھر میں تو ہیں پھر دوری کیسی، انعم نادان ہے لیکن میں کم ظرف اور بے وقوف نہیں ہوں کہ چھوٹی اور معمولی باتوں پر بدظن ہو جاؤں۔" دعا اٹھ بیٹھی۔

"اچھی اور مثبت سوچ رکھنے والی نیک فطرت عورت! خود کو اتنا بھی عاجز مت بناؤ کہ دوسرے تمہاری نیک دلی کو بے وقوفی گردانیں۔"

احسن نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ اس پر تہ در تہ دعا کی سوچ کے در وا ہو رہے تھے۔

"اچھا چھوڑیں، کافی لی ہے آپ نے۔" وہ سر جھٹکتی اٹھ گئی۔

"نہیں' کافی میں تمہارے ہاتھ کی پیوں گا، جلدی سے بنا کے لے آؤ، تب تک میں شاور لے لوں۔"

وہ پیروں میں چپل اڑسنے لگا، دعا بھی اثبات میں سر ہلاتی اٹھ گئی۔

☆☆☆

الیاس احمد وکیل کے آفس میں بیٹھا عمر کے کیس پر بات کر رہا تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اسے ضرور رہا کروائے گا۔ ریاض احمد اس عمل پہ ناراض ہوئے تو منّت وسماجت کر کے ان سے معافی مانگ لے گا، ایک اور آخری معافی۔

رابعہ احمد کے ممتا بھرے آنسو اور تڑپ اس معافی پر بھاری تھے۔

شاید وہ در پردہ اپنا گھر، اور ٹوٹا ہوا رشتہ بچانے کی سعی کر رہا تھا۔ مریم کے دل میں پہلے جیسا مقام حاصل کرنے کے لیے کچھ تو مداوا کرنا تھا۔ رشتوں کو جوڑنے کی آخری کوشش۔

☆☆☆

احسن جاگنگ کر کے لوٹا تو کچن خالی تھا۔ ملازمہ رات کے برتن دھو رہی تھی۔

"انو کدھر ہے؟" وہ فریج میں سے پانی کی بوتل نکالنے لگا۔

"وہ تو کچن میں آئیں ہی نہیں۔" ملازمہ نے جواب دیا۔

اس نے آدھا گلاس پانی کا بھر کے، بوتل فریج میں رکھی اور قریبی اسٹول پہ بیٹھ کے پانی پینے لگا۔

"رات تک تو اس کا موڈ بالکل ٹھیک تھا۔" وہ سوچتا ہوا اس کے بیڈروم میں آیا۔

اس کے کپڑے اور ضرورت کی اشیاء اس کی وارڈروب میں تھے۔ انعم گہری نیند میں تھی۔

"انو......" اس نے اس کے بازو کو نرمی سے ہلایا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''انو جان ......'' اس نے چہرے پر بکھرے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا۔

''اوں ...... ہوں۔'' اس نے ہلکا سا کسمسا کے خمار آلود آنکھیں بمشکل کھولیں۔

''اٹھ جاؤ یار، بریک فاسٹ اور کپڑے دو ورنہ میں آفس سے لیٹ ہو جاؤں گا۔'' اس نے پھر سے انعم کا گال تھپتھپایا۔

''پلیز احسن! مجھے سونے دیں، دعا سے کہیے وہ ناشتہ بنا دے گی۔'' کہتے ہوئے اس نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

''اپنی وارڈ روب اور ساری ضروری اشیاء اسی کے بیڈروم میں شفٹ کر لیں، کافی کو آپریٹو ہے وہ۔'' وہ رخ موڑے مشورہ دے رہی تھی۔ لہجہ کسی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

''بٹ انو......''

''پلیز جائیں احسن ! مجھے ڈسٹرب مت کریں۔'' اس نے چھوٹا کشن اٹھا کے منہ پہ رکھ لیا۔

احسن حیرت سے اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔ شادی کے بعد وہ ہمیشہ اس کا ناشتہ اور آفس کی تیاری میں مدد کیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ لباس بھی اس کی پسند اور مرضی کا پہنتا۔ آج اسے صاف انکار کرتے ہوئے خود دعا کے سپرد کر رہی تھی یہ ناراضی کا نیا طریقہ تھا۔

اس نے خود کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

وہ گیارہ بجے سو کر اٹھی، اپنی پسند کا بھرپور ناشتہ لیا اور چائے کا مگ لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ ساتھ ہی اخبار پر نگاہ ڈالتی جا رہی تھی۔

تب ہی لینڈ لائن فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ملازمہ کو آواز دی۔

''ناہید فون اٹھاؤ......'' ناہید ڈسٹر رکھ کے فوراً اٹھ گئی۔

''ہیلو...... السلام علیکم...... جی کون؟''

''جی بڑی بیگم صاحب، کیسی ہیں آپ؟'' ناہید بڑی فرماں برداری سے حال احوال پوچھنے لگی۔ انعم کے کان کھڑے ہو گئے۔

''جی...... جی ابھی بلاتی ہوں۔'' ناہید فون ہولڈ پہ رکھ کے، دوسری طرف مڑ گئی۔ انعم کا ذہن لمحے کے ہزارویں حصے میں کھٹک گیا۔

''ناہید......'' انعم نے آہستہ سے آواز دی۔

''جی بی بی جی......'' وہ واپس مڑی۔

''کس کا فون ہے؟'' اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔

''جی دل آرا بیگم صاحبہ کا، وہ دعا بی بی سے بات کرنا چاہ رہی ہیں، میں ان کو بلانے جا رہی ہوں۔'' ناہید بتا کے مڑ گئی۔

''اچھا سنو......'' انعم نے اس کے بڑھتے قدم روک لیے۔

''جی......'' وہ پلٹی۔

''ان سے کہہ دو کہ وہ سو رہی ہے۔'' اس نے تھوک نگل کے، آنکھیں چُراتے ہوئے جھوٹ گھڑا۔

ناہید حیرت زدہ رہ گئی وہ ان کی خاندانی ملازمہ تھی۔ آٹھ سال کی تھی جب گاؤں والی حویلی میں آئی تھی۔ انعم کو اسی نے کھلایا اور پلایا تھا۔ وہ کبھی بھی اپنی ماں سے جھوٹ نہیں بولتی تھی۔ انعم، ناہید کی نظروں سے بچنے کے لیے جان بوجھ کر اخبار پر جھک گئی۔

☆☆☆

رابعہ احمد کچن سمیت کے دودھ کا گلاس لیے آئیں تو ریاض احمد لیٹ چکے تھے۔

''یہ لیں دودھ......'' وہ ان کے پاس آ بیٹھیں۔ ان سے بیٹھنا محال تھا۔ رابعہ احمد نے ان کی کمر میں بازو ڈال کے سہارا دیا۔

''آرام سے۔'' رابعہ احمد نے گلاس انہیں تھمایا۔

''آپ تو واقعی بوڑھے ہو گئے ہیں ریاض۔'' وہ مسکرا دیں۔

''میری اولاد نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے، میری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کمر توڑ دی ہے جوان بیٹے نے، باہر لوگ عجیب و غریب باتیں اور طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں۔ وہ کوئی کاروبار میں غبن یا چوری کے الزام میں جیل نہیں گیا، اس نے جو نقب اپنے گھر میں لگائی تھی اس کی بھنک باہر بھی کئی لوگوں کو پڑ چکی ہے۔" انہوں نے اپنی تکلیف کی وجہ بتائی۔

"میں نے کبھی کسی کا غلط یا برا نہیں چاہا تھا، شاید ہماری قسمت میں ہی یہ بدنامی لکھی تھی۔ ورنہ میں نے کب آپ کے خون کے رشتوں کے ساتھ برا رویہ رکھا۔"

انہوں نے اپنی صفائی پیش کی۔ اتنا عرصہ ان کی برہمی اور ناراضی بھگتنے کے بعد، ان کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ ان کے اعصاب ڈھے گئے تھے۔

"میرا خیال ہے ہم سب کو، ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکنا چاہیے، اسے یہاں تک پہنچانے میں سب نے کردار ادا کیا، سب نے اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔" ریاض احمد نے انصاف پسندی کا مظاہرہ کیا۔ انہیں اپنی خاموشی کا بھی دکھ تھا۔

"اللہ ہم سب کو معاف کرے۔" رابعہ احمد نے زیرِ لب معافی طلب کی۔

"اس بچی کو صبر دے، جہاں بھی رہے خوش رہے۔" ریاض احمد نے بھی سچے دل سے دعا دی۔

ان کے دل کو اب صبر آنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ کچن میں آئی تو ناہید چاول صاف کر رہی تھی۔

"احسن! صبح ناشتہ کر کے گئے تھے۔" اس نے سرسری سا پوچھا حالانکہ اسے پتا تھا کہ جواب کیا ہوگا۔

"نہیں جی، آپ لوگ سو رہی تھیں، میں نے انہیں روکا بھی تھا لیکن وہ نہیں رکے، بڑے خراب موڈ میں تھے۔" ناہید نے تفصیل بتائی۔

انعم کے دل کو تقویت ملی کہ احسن کو اس کی پروا ہے۔ اسی لیے اس نے صبح اتنا ڈراما کیا تھا۔ وہ اسی طرح کی حرکات کر رہی تھی کہ حالات خود بخود اس کے حق میں موافق ہو جائیں۔ اسے خود سے کچھ بھی کر کے، برا نہ بننا پڑے۔

وہ بغیر دستک دیے سیدھی دعا کے سر پر جا پہنچی۔ وہ واش روم سے ہاتھ خشک کرتی باہر آ رہی تھی۔ دعا کو اس کی یہ حرکت ہمیشہ نازیبا لگتی تھی، لیکن اب کی بار بھی وہ خاموش ہی رہی۔

"رات احسن کس کے پاس تھے؟" وہ سینے پر بازو لپیٹ کے سنجیدگی سے استفسار کر رہی تھی۔

"میرے...... میرے پاس اور تمہاری اجازت سے آئے تھے۔" دعا کو اس کے تاثرات سے کھٹکا ہوا۔ اسے لگا کہ وہ اس سے جھگڑا کرنے آئی ہے۔

"تو پھر ان کے ناشتے اور آفس بھیجنے کی ذمہ داری کس کی تھی۔" دوسرا سوال مزید تیکھا تھا۔

"تم نے خود ہی تو منع کیا کہ احسن کو......" دعا نے اسے یاد دلانے کی ناکام کوشش کی، اسے بیچ میں ٹوک دیا گیا۔

"وہ کل کی بات تھی، میں آج کا پوچھ رہی ہوں۔" وہ انتہائی تلخ تھی۔ اس کے تاثرات زہریلے تھے۔

"سوری انعم! مجھے نہیں......"

"واٹ سوری، وہ بھوکا چلا گیا، پہلی بار میں نے تمہاری وجہ سے ذرا سی لاپروائی کیا برتی، میرا احسن بھوکا ہی رہ گیا اور تم معصوم شکل بنائے معذرت کر رہی ہو۔" وہ بات پھر سے کاٹتے ہوئے حلق کے بل چیخ پڑی۔

رات بھر اس نے کروٹ بدلتے گزاری تھی۔ اس کا غصہ اتنی جلدی ختم ہونے والا نہیں تھا۔

دعا حق دق رہ گئی۔ اس نے پہلی بار انعم کو یوں چلاتے دیکھا تھا، اسے انعم کے الفاظ اور لہجے پہ ہتک محسوس ہوئی۔

"اگر تم جاگ رہی تھیں تو ناشتہ بنا دیتیں۔" وہ اپنے دفاع کے لیے محض یہی کہہ پائی۔

"جسٹ شٹ اپ' رات تم اس کے ساتھ بسر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کرو، صبح سویرے اٹھ کے خدمتیں میں کروں۔'' وہ غصے میں اچھے برے کی تمیز بھول چکی تھی۔ اس قدر ذاتیات پر دعا کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''اتنی گھٹیا بات......پلیز انعم چلی جاؤ......چلی جاؤ یہاں سے۔''

اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اس کے کان تک تپ گئے۔ وہ خود کو کچھ غلط بولنے سے بمشکل روک پا رہی تھی۔

''ہاؤ ڈیئر یو، تم مجھے اس کمرے سے یعنی میرے ہی گھر سے جانے کا کہہ رہی ہو۔ تمہاری اتنی جرات۔'' وہ مزید زور سے چلائی۔

''بس انعم بس......مزید کچھ مت کہنا......'' دعا روتی ہوئی تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

''مائی فٹ......'' انعم نے نخوت سے پاؤں زور سے زمین پر مارا۔

☆☆☆

رابعہ احمد کب سے کچن میں مصروف تھیں۔ آج عمر کا برتھ ڈے تھا، وہ ہمیشہ اس کی سالگرہ پر اپنے ہاتھ سے کیک بناتی تھیں۔

آج بھی اس کے لیے کیک بنایا گیا تھا۔ ان کا دل بہت اداس تھا۔ وہ بار بار کہیں کھو جاتیں۔ ان کا دھیان کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ عمیر اور ریاض احمد ٹاک شو دیکھ رہے تھے۔ نوال کے امتحانات ہو رہے تھے۔ وہ اول جلول حلیے میں ماں کے سر پر کھڑی تھی۔

''ماما جان! میرے کٹلس اور چائے ابھی تک نہیں آئی۔'' اس کا مزاج برہم تھا۔

''کب کہا تھا؟'' انہیں واقعی یاد نہیں آیا تھا۔

''کیا مطلب؟ آدھا گھنٹہ پہلے، میرے تو پڑھ پڑھ کے سر میں درد ہو رہا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ ٹیبلٹ، چائے اور کٹلس لاتی ہوں، کب سے آپ کا ویٹ کر رہی ہوں۔'' نوال نے منہ بسورا۔

''سوری بیٹیا، میرے ذہن سے نکل گیا، صرف دس منٹ مزید، تم اپنے پاپا کے پاس بیٹھو نا۔'' رابعہ احمد نے خود کو دل میں کوستے ہوئے اسے محبت سے پچکارا۔

''مجھے نہیں بیٹھنا کسی کے بھی پاس، نہ ہی کچھ کھانا ہے۔ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔''

وہ اپنی کنپٹی دباتی، ناراض صورت لیے مڑ گئی۔

عمیر کا دھیان ان کی گفتگو کی طرف تھا۔ نوال کے جانے کے بعد، وہ بھی اپنا سر پکڑ کر چیئر پہ ڈھے گئیں۔ عمیر ماں کو پریشان دیکھ کے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''ماما جان! طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' اس نے ان کے کندھوں پر ہاتھ دھرا۔

''نہیں......ہاں ٹھیک ہوں میں۔'' انہوں نے سر اٹھایا، چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔

''بالکل ٹھیک نہیں ہے آپ، کچن میں اتنی دیر سے کھڑی کیا بنا رہی تھیں۔ ملازمہ چھٹی پر ہے۔'' اس نے فکرمندی سے کئی ایک سوال کر ڈالے۔

''ملازمہ یہیں پر ہے، ابھی آجاتی ہے۔ میں......کیک بنا رہی تھی۔''

جو چیز سب سے چھپا کے رکھی تھی، وہ عمیر سے شیئر کر لی۔

''کیک......'' عمیر نے دہرایا۔ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''عمر کے لیے کیک......! اس کی برتھ ڈے کا؟'' اسے فوراً یاد آ گیا۔ رابعہ احمد اثبات میں سر ہلا کے رہ گئیں۔

''اچھا چلیں اٹھیں، آئیں ریسٹ کریں۔'' اس نے ماں کو سہارا دے کے اٹھایا۔

وہ ان کی خستہ حالت کی وجہ جان گیا تھا۔ آج عمر کی سالگرہ تھی۔ وہ انہیں بہت یاد آرہا ہوگا۔

''نہیں۔ میں نوال کو ناراض نہیں کر سکتی، تم جاؤ اسے مناؤ، میں چائے اور کٹلس لاتی ہوں۔'' وہ کوکنگ رینج کی طرف بڑھیں۔

''لیکن ماما جان آپ کی طبیعت......؟'' اس نے روکنا چاہا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے، اب میں اپنی بیٹی کو ناراض نہیں کر سکتی، اس کے ایگزام ہو رہے ہیں، وہ اسٹریس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

لے گی، تم جاؤ۔" اس کا دل ماں کی ممتا پر بھیگ گیا۔ جی چاہا ماں کے سارے دکھ اپنی انگلیوں کی پوروں پہ چُن لے۔

☆☆☆

یہ دعا کی نصیحتوں کا ہی اثر تھا کہ احسن شام تک سب بھول کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس کا موڈ بھی خوش گوار تھا۔ دعا رات کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ انعم کمرہ بند تھی۔ دعا رو دھو کے خود کو حوصلے کی تھپکی دے کے، پھر سے روزمرہ کے معمول میں جُت گئی۔ وہ انعم کی ذہنی کیفیت کو سمجھتی تھی لیکن آج اس کا ردعمل بہت شدید اور تکلیف دہ تھا۔

احسن بریف کیس اور کوٹ لاؤنج کے صوفے پہ رکھ کے سیدھا کچن میں آ گیا۔

"السلام علیکم......!" دعا نے سلام میں پہل کی۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو؟" احسن نے نرمی سے اس کے گال کو چھوا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ سنائیں دن کیسا گزرا۔" دعا پوچھتے ہوئے، فریج میں سے پانی نکالنے لگی۔

اسے شک تھا کہ انعم نے احسن کو آفس کال کر کے ضرور سب کچھ بتایا ہوگا۔ نجانے اس کا ردعمل کیا ہو، لیکن اس کا ہشاش بشاش چہرہ بتا تا تھا کہ ایسا کچھ بھی نہیں۔ اس نے بھی سکون کا سانس لیا۔

"دبس ٹھیک، کام کا بردن زیادہ تھا۔ خیر تم بتاؤ، کیا بنا رہی ہو۔" وہ بیٹھ کے پانی پینے لگا۔

"آپ چائے کے ساتھ کیا لیں گے۔" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"اسٹرانگ سی کافی ود کوکونٹ بسکٹ اور یہ پرنسپل صاحبہ کدھر ہیں۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"کون، انو؟" دعا کی ہنسی نکل گئی۔

"اسی کا پوچھ رہا ہوں، آج پھر غائب ہے۔ مزاج ٹھکانے پر ہیں ناں۔" اس نے شرارت سے آنکھ دبا کر اس کا تذکرہ کیا۔

"مزاج کافی گرم ہے آپ جلدی سے تشریف لے جائیں۔" اس نے خود سے کچھ بتانے سے گریز برتا۔

"تم بھی ناں۔" احسن نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

"چائے ذرا جلدی بھجوا دینا۔" وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

انعم اسے کھڑکی میں سے آتا دیکھ چکی تھی۔ جان بوجھ کر منظر پہ نہیں آئی تھی۔ وہ نوٹ کر رہی تھی کہ وہ اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کے، دعا کی طرف لپکا تھا۔ ورنہ وہ روزانہ اس وقت اس کے انتظار میں لاؤنج یا پھر لان میں ہی براجمان ہوتی تھی۔

"ہیلو، کیسی ہو انعم؟" اس نے آتے ہی معمول کا سوال کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتی کھڑکی سے ہٹ کے، صوفے کی طرف بڑھی۔

"ٹھیک لگ تو نہیں رہیں۔" اس نے لمحے بھر میں اس کی حالت اور اتری ہوئی صورت بھانپ لی۔ اور اس کے قریب آ بیٹھا تو وہ رخ پھیر گئی۔

وہ اس کی نظر شناسی سے واقف تھی۔ وہ سینکڑوں میل دور رہ کے انعم کی آواز سے ہی اس کے دل کا حال جان لیتا تھا۔

"یہ کپڑے تم نے کل سے چڑھا رکھے ہیں، بالوں میں شاید صبح سے برش پھیرنے کی زحمت ہی نہیں کی گئی۔" احسن نے بازو پکڑ کے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"آپ کو کیا پروا، ابھی آپ اپنی خوب صورت، تر و تازہ، نئے جوڑے میں ملبوس بیگم سے مل کر آ رہے ہیں، یہ یقیناً اس کی قربت کا اثر ہے کہ میں بری لگ رہی ہوں۔" اس نے الفاظ چبا چبا کے ادا کیے۔

احسن نے نفی میں سر ہلایا، اسے انعم کی سوچ پر حیرت ہوئی۔ اس کا لہجہ اور الفاظ اخلاق سے عاری تھے۔

"تم اتنا فضول کیوں سوچتی ہو، اس نے تمہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

منع کیا ہے۔تم بھی تیار ہو جاؤ، یا تم اس پہ ڈیپنڈ کرتی ہو، بلکہ مجھے تو ہر وقت فکر لگی رہتی ہے کہ مجھ سے تمہاری دل آزاری نہ ہو۔تم خود ہی مجھ......"

اس نے احسن کو بیچ میں ٹوکتے ہوئے رونا شروع کردیا۔

"تمہیں میری سوچ فضول لگنے لگی ہے۔ اور تمہاری وہ دعا، اس نے آج میرے ساتھ کتنی بدتمیزی کی ہے۔ مجھے گھٹیا اور اپنے کمرے سے نکل جانے کو کہا۔بس یہی امپورٹنس ہے میری، تم دونوں کے لیے میری اس گھر......"

"واٹ...... دعا نے ...... یہ سب کہا...... آئی کانٹ بلیو۔"

وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے، نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"میں جھوٹ بول رہی ہوں ، الزام لگا رہی ہوں اس معصوم پر، آئی نو ویل! احسن وہ یہ سب کچھ تمہاری شہہ پر کررہی ہے۔تم دونوں مجھے اپنی زندگی سے نکالنے کے لیے اب اس طرح ذلیل کرو گے، کیا اب یہ میرا گھر نہیں رہا۔" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے، ہچکیوں سے رونے لگی۔

وہ ابھی تک بے یقینی کی حالت میں سب سن رہا تھا۔انعم کے رونے نے اس کے حواس کو جھنجوڑ کے رکھ دیا۔تو کیا دعا ڈبل گیم کھیل رہی تھی۔

"فار گاڈ سیک! تم تو چپ کرو۔" وہ چلاّ اٹھا۔

"دعا......دعا۔" اس نے زور سے آواز لگائی۔

"جج...... جی۔" اگلے پل وہ دوڑتی ہوئی ، پھولی سانس لیے حاضر تھی۔

"تم نے انعم کے ساتھ بدتمیزی کی ۔اسے گھٹیا کہا اور کمرے سے بھی نکالا۔" اس کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

وہ دعا کے لیے دل میں کتنے اچھے جذبات رکھتا تھا۔اس کی سوچ کو سراہتا اسے دعا کی سمجھداری پر اعتماد تھا۔

"میں ......میں نے اسے پہلے ......" دعا کے منہ سے الفاظ نکلنا مشکل تھے۔اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔اگر اسے معلوم ہوتا کہ کمرہ بند انعم، احسن کے آنے پر مرچ مسالا لگا کے اسے بھڑکا دے گی تو وہ بھی خود کو ذہنی طور پر تیار رکھتی لیکن اس کی سوچ اتنی آگے نہیں جاسکتی تھی کیونکہ وہ دوسرے مقام پر کھڑی تھی۔پہلا مقام انعم کا تھا۔

"میں نے جو پوچھا ہے، اس کا جواب صرف ہاں یا ناں میں دو......" احسن زور سے دہاڑا۔اسے بدتمیزی کرنے والوں سے نفرت تھی۔

دعا نے اپنی دوست کو بہت تکلیف اور آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا، اس کے چہرے پر سکون اتر آیا تھا۔

"ہا......ہاں۔" دعا نے سر جھکالیا۔

"واٹ نان سینس دعا...... میں تو تمہیں بہت ہمبل اور کوآپریٹو سمجھا تھا لیکن تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے' شکر ہے کہ مجھے جلد ہی وہ رخ بھی نظر آگیا۔"

اسے انعم نے بدگمان کردیا تھا۔وہ اسی کی زبان بول رہا تھا۔دعا کا سر سینے سے جالگا، اس کا سارا جسم کپکپا رہا تھا۔وہ ایک بار پھر کٹہرے میں کھڑی تھی۔

"پلیز احسن، بس کریں۔اتنے ہائپر مت ہوں ابھی آفس سے تھکے ہوئے لوٹے ہیں۔ جانے دیں۔" انعم کو بہت جلد معاملے کی نزاکت کا خیال آگیا۔

"تم چپ رہو۔" احسن نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔"معافی مانگو دعا، انعم سے۔"

اس نے دعا کی سماعت پر دھماکا کیا۔انعم کے اتنے روز کے زخمی دل پر مرہم آ لگا۔

"تم نے سنا نہیں دعا......!" وہ زور سے گرجا۔

دعا نے التجائیہ نظروں سے شوہر کو دیکھا۔تب پہلی نظر احسن کی بھی اس کے چہرے پر پڑی، اس کا دل کانپا۔

"کیا کچھ غلط ہے۔" لمحہ بھر کو سوچ ابھری۔

"سوری انعم ......" دعا کے الفاظ ہوا میں گونجے۔وہ الٹے قدموں باہر کو دوڑی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انعم نے سکون کا سانس لیا، احسن کا سارا غصہ اور جوش ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ ان التجا کرتی آنکھوں میں اور بھی بہت کچھ تھا، جو وہ ٹھیک سے پڑھ نہ سکا۔ جان نہ سکا۔

☆☆☆

رات کا کھانا ٹیبل پر لگاتی رابعہ احمد، اپنے اعصاب کو بہت مشکل سے سنبھالے ہوئے تھیں۔

عمیر کا دھیان بار بار ماں کی پژمردہ حالت پر جاٹکتا۔

''بیٹھ جائیں ماما جان، باقی ملازمہ دیکھ لے گی۔'' اس سے رہا نہ گیا تو ٹوک دیا۔

''نہیں تم لوگ ڈنر کرو، میں اپنے بیڈروم میں جا رہی ہوں۔'' انہوں نے اپنا ماتھا مسلا۔

''کیا ہوا رابعہ، آر یو آل رائٹ۔'' ریاض احمد نے ڈونگہ رکھتے ہوئے استفسار کیا۔

تب ہی لاؤنج کا دروازہ کھول کے، کوئی الیاس احمد کے ساتھ داخل ہوا۔

''بس یونہی سر ذرا بھاری ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر ریسٹ کر کے بہتر فیل کروں گی۔'' انہوں نے بہانہ گھڑا۔

''ماما جان، آپ جائیں، میں جمیلہ آپا کے ساتھ، کچن سمیٹ دوں گی۔'' نوال نے ماں کا کام بٹانا چاہا۔ اسے تھوڑی دیر قبل کی گئی بدتمیزی کا مداوا کرنا تھا۔

''نہیں، تم اپنے پیپر کی تیاری کرو، میں تھوڑی دیر بعد سب دیکھ لوں گی۔''

وہ نوال کو منع کر کے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گئیں۔

''ماما......'' اس پکار پہ ان کے بڑھتے قدم رک گئے۔ بہت شناسائی تھی اس آواز سے، وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھیں۔

ریاض احمد کا نوالہ ہاتھ سے چھوٹ کے پلیٹ میں جا گرا۔ وہ دیکھے بغیر بتا سکتے تھے کہ آنے والا کون ہے؟

نوال اور عمیر کی نظروں کے سامنے حیرت انگیز انکشاف کھڑا تھا۔ رابعہ احمد نے دل پر پتھر رکھ کے اگلا قدم اٹھایا۔ آج تو یوں بھی وہ ہر جگہ نظر آ رہا تھا، اب آواز کا دھوکا!!

''ماما......'' اب کے پکار کی تڑپ، بڑھتے قدموں کی زنجیر بنی۔

''عمر......'' رابعہ احمد کا خود پر ضبط نہ رہا۔ ان کا سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ وہ روتی ہوئی پلٹیں۔ اپنے سامنے عمر کو مجسم دیکھ کر حیرت کا بت بن گئیں۔ وہ لمحہ بہ لمحہ ان کے قریب آتا گیا۔ الیاس احمد وہیں کھڑا رہ گیا باقی سب اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے۔

وہ ممتا کو چھونے کے قریب تھا۔ اس تڑپ کو ٹھنڈا کرنے والا تھا۔ جو ہاتھ ہمیشہ دعا کے لیے اٹھے تھے انہیں بوسہ دینا تھا۔ وہ سینہ جو اس کے لیے کشادہ اور محبت بھرا تھا اس پہ سر رکھنا تھا۔

''نہیں......عمر تم نہیں۔'' وہ بڑبڑاتی رہ گئیں۔

اس نے بازو وا کر کے، ماں کو خود میں بھینچ لیا۔

''میں ہوں ماں، تمہارا عمر، تمہارا نافرمان اور بدتمیز بیٹا۔'' وہ ماں کے گلے لگا رو رہا تھا۔

''نہیں......نہیں عمر، میرے بیٹے، میری جان، تم کہاں چلے گئے تھے؟ اپنی ماں کو چھوڑ کے، تمہیں مجھ پر ذرا رحم نہ آیا، میں کتنی تنہا ہو گئی تھی۔'' انہیں اس کی موجودگی پر یقین آ گیا وہ دل کھول کے رو رہی تھیں۔

''پلیز عمر! ماما جان کی طبیعت آل ریڈی خراب ہے، انہیں مزید مت رلاؤ۔'' عمیر نے عمر کا بازو پکڑ کے انہیں ایک دوسرے سے الگ کیا۔

''میرا بیٹا، میری جان......'' انہوں نے زور سے عمر کا ہاتھ تھام لیا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے دل میں چھپا لیں۔

''بھائی جان......'' وہ بے اختیار عمیر کے گلے لگ گیا۔ عمیر اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ وہ حیران کھڑا رہا۔

عمیر سے الگ ہو کے اس نے باپ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے من من بھر کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بھاری ہوئے قدم اٹھاتا باپ کی طرف بڑھا۔ اس کا سر شرم سے جھکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ معافی کے لیے باندھ دیے۔

"میں اس قدر شرمندہ ہوں کہ معافی کے لیے میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی۔" وہ رونے لگا۔ الیاس احمد نے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ریاض احمد نے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

"بھائی جان! معاف کر دیں، میں نے بہت عرصے بعد اپنے باپ جیسے بھائی سے کچھ مانگا ہے۔ اس کے لیے نہ سہی میرے لیے، میری بات کا مان رکھ لیں۔" الیاس احمد نے التجا کی۔ رابعہ احمد نے شوہر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"پلیز ریاض صاحب......" ان کی آنکھیں بھی ایک ہی سفارش کر رہی تھیں۔ وہ خود خاموش، سر جھکائے، ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

"جاؤ عمر......! میں نے اپنی بیٹی کے صدقے تمہیں معاف کیا۔" یہ الفاظ بہت مشکل سے ادا ہوئے۔ یہ معافی بہت برداشت کے بعد دی گئی۔

ریاض احمد بے دلی سے وہاں سے نکل گئے۔ الیاس احمد نے اس کا کندھا تھپکا۔ عمر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے رو دیا۔

☆☆☆

دعا کھانے کے لیے ٹیبل تک نہیں آئی۔ ملازمہ کھانا ٹرے میں لے گئی وہ بھی واپس آ گئی۔ احسن نے کھانا کھایا اور انعم کے بیڈروم میں آ گیا اسے ذرا پروا نہیں تھی۔ اسے دعا پر شدید غصہ آ رہا تھا ابھی اس نئے رشتے کا رنگ اتنا سر چڑھ کے نہیں بولا تھا کہ وہ انعم کی آنکھوں میں آنسو برداشت کر جاتا۔

انعم اس کی رگوں میں لہو بن کر دوڑتی تھی۔ ایک محبت کے علاوہ ان دونوں کے اور بھی بہت سے رشتے تھے۔ ایک رشتہ سچ کا بھی تھا جو انعم تو بھلا چکی تھی۔ احسن کا یقین پختہ تھا کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ دعا کی فطرت سے آگاہی کے لیے ابھی عرصہ درکار تھا۔

"پلیز احسن! آپ اتنے ہائپر مت ہوں، اس نے مجھ سے سوری کر لی ہے۔ اب یہ سب تو ہوتا رہے گا، مجھے برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ میں زیادہ ہی ایموشنل ہو گئی تھی۔" وہ انتہائی دل گرفتی سے بولی۔

وہ ایسی نہیں تھی لیکن چند دنوں میں ہی ایسی بن گئی تھی۔ نہ ہی اس کی ایسے ماحول میں پرورش ہوئی تھی۔ اب تو گھر کا ماحول بدل گیا تھا۔ تیسرے فرد کا اضافہ۔

"ایکسکیوزمی مس انعم! آپ خود کو زیادہ انڈر اسٹیمیٹ مت کریں۔ اسے اپنے خاندان کی ویلیوز سمجھائیں۔ رہی بات برداشت کی تو وہ تم دونوں کو سیکھ لینی چاہیے۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسی ایک کی وجہ سے، میں دوسری کے ساتھ ناانصافی کروں، میرے لیے تم دونوں ہی برابر ہو۔"

وہ اپنے حساب کا پکا تھا۔ یہی انصاف پسندی انعم کو کھٹکتی تھی۔ وہ دعا کو اپنی برابری کے درجے پر فائز نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"میرا اس سے ایک درجہ زیادہ ہے کیونکہ میں آپ کی محبت بھی تو ہوں۔" وہ بڑی محبت سے اس کے سینے سے جا لگی۔

"محبت تو اس سے بھی ہو ہی جائے گی۔" وہ طنزیہ مسکرایا۔

"مجھ جتنی......" اس نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑیں۔

"اوں ہوں......" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "کچھ اس سے اور بہت زیادہ اس بچے سے، جو وہ ہمیں دے گی۔"

وہ اتنا کچا نہیں تھا کہ انعم کی تقسیم میں آ جاتا۔ اس کا اپنا حساب کتاب تھا۔ "کچھ" کا لفظ بھی اس نے مبالغہ آرائی کے طور پر استعمال کیا تھا۔

"ہوں......" وہ مبہم سا کہہ سکی۔ اس کی نگاہوں میں الجھن پڑھی جا سکتی تھی۔

"تو پھر ہو گئیں ناں تم دونوں برابر۔" اس نے سر کے نیچے تکیہ درست کیا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''آپ پلیز اس کے پاس چلے جائیں، وہ آپ کا ویٹ کررہی ہوگی۔''

انعم کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا۔ وہ اس سے تھوڑا پرے کھسکی۔

''اس کا ذکر نہ کرو۔ اگر اسے پہلی بار غلط روپے کا احساس نہ دلایا گیا تو وہ اگلی بار اس سے زیادہ بدتمیزی بھی کرسکتی ہے۔''

تب ہی احسن کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔ انعم نے موبائل اٹھایا۔ دل آرا کا نمبر تھا۔

''السلام علیکم ماما جان!'' اس نے گلا کھنکھارتے ہوئے سلام جھاڑا۔

احسن بھی سیدھا ہوا۔ اسے اپنی شامت یقینی لگی۔

''وعلیکم السلام انو جان کیسی ہو؟ کیا کررہی تھیں؟''

دل آرا بھی احسن کے موبائل پہ اس کی آواز سن کے چونک گئیں کیونکہ ان کے اندازے کے مطابق اسے دعا کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے دعا سے ہی بات کرنے کے لیے کال کی تھی۔

''ٹھیک ہوں، بس یونہی میں اور احسن باتیں کر رہے تھے۔'' اس نے تھوک نگلا۔

''ایسی کون سی خاص باتیں ہیں، جو شام سے ختم ہی نہیں ہوئیں، دعا تو ویٹ کرتی ہوئی سوگئی ہوگی۔''

دل آرا نے سنجیدگی کے ساتھ ذومعنی الفاظ میں صاف جتلا دیا۔

''احسن سے بات کرلیں۔'' اسے ماں کی طرف داری بری لگی تھی۔

''السلام علیکم ماما جان، کیسی ہیں آپ؟'' اب اس کے کان کھینچے جانے تھے۔

''وعلیکم السلام، میں ٹھیک ہوں لیکن تمہاری طبیعت شاید ٹھیک نہیں جو تم میری حکم عدولی کررہے ہو۔'' دل آرا کو غصہ آ گیا۔

''جی میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے بن کر پوچھا۔

''تمہیں اس وقت دعا کے پاس ہونا چاہیے، وہ تمہاری نئی نویلی بیوی ہے۔'' وہ سختی سے ٹریک بدل گئیں۔

''یو ڈونٹ نو ماما جان، اس نے انعم کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔ اسے گھٹیا کہا اور کمرے سے نکال دیا۔ میں اس سے اتنی بداخلاقی ایکسپیکٹ نہیں کررہا تھا۔''

اس کا غصہ پھر سے عود کر آیا۔ البتہ انعم کو لینے کے دینے پڑنے والے تھے۔

''تو تم سزا کے طور پر اس کے پاس نہیں جاؤ گے، اس سے بات چیت بند کردو گے؛ وہ دونوں فرینڈز ہیں یہ ان کا پرابلم ہے کہ وہ......''

''مجھے نیند آرہی ہے ماما جان......'' اس نے ماں کا وعظ سننے کے بجائے موبائل انعم کی گود میں پھینک دیا۔

''کیا ہوگیا ہے اس لڑکے کو؟'' دل آرا کی آواز میں جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

''آپ جانتی تو ہیں ان کے غصے کو، فی الحال کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں، میں نے خود بہت سمجھایا ہے۔'' وہ بہت سوچ کے الفاظ چُن رہی تھی۔

احسن نے چڑ کر تکیہ کانوں پہ رکھ لیا۔ وہ ایک ہی جملے کی تکرار سے اکتا گیا تھا۔

''تم دونوں کا جھگڑا کیوں ہوا تھا؟'' اب انہیں معاملے کی تہ تک پہنچنا تھا۔

انعم احسن کا ہاتھ تھپک کے کمرے سے باہر آ گئی۔ یہی مناسب تھا۔ اب وہ انہیں آرام سے اپنی مرضی کے مطابق کہانی سنا سکتی تھی۔ احسن اپنی جذباتیت میں گھٹیا اور کمرے سے نکل جانے کا سن کر ہی بھڑک گیا تھا۔ دعا نے یہ کیوں کہا، یہ جاننے کی کوشش نہیں کی، جبکہ دل آرا جذباتی اور جلد باز نہیں تھیں۔

انعم نے جھوٹ کی آمیزش کرکے، خود کو محفوظ کرنا تھا۔

☆☆☆

وہ رات دعا نے انگاروں پہ لوٹتے گزاری تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسے بہت سی تکلیفیں ملی تھیں۔ ہر تکلیف پہلی سے زیادہ بھاری ہوتی۔ احسن اس کا شوہر، جسے دعا پر، اس نے زبردستی، اپنی رضا سے مسلط کیا تھا۔ لیکن دعا نے اس رشتے کو اللہ کو حاضر و ناظر جان کے قبول کر لیا، ہر رشتہ دھوکا دے چکا تھا۔ اب ایک چھت اور محفوظ سائبان کے لیے یہی رستہ بچتا تھا۔ یہی سوچ کر احسن سے شادی کے لیے ہاں کر دی تھی کہ در در کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جائے گی۔ اس نے احسن سے کوئی توقع وابستہ نہیں کی تھی۔ اس کے نام سے جڑ گئی تھی، سر پر چھت تھی، یہی کافی تھا۔ وہ اپنا ماضی بھلا کے اس کے ہمراہ زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

انعم کو وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ وہ ضدی اور سر چڑھی ہے اس کی متلون مزاجی اسے ڈراتی تھی۔ لیکن احسن ایک باشعور، عقل مند، زیرک بزنس مین، اتنی کم فہمی کا مظاہرہ کر گیا تھا۔ وہ اس کا بھی شوہر تھا۔ اس کی بھی عزت نفس کا رکھوالا۔ اس پل تو وہ صرف انعم کا محبوب لگ رہا تھا جو اپنی محبت کی خاطر، کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ اسے احسن کے رویے نے ششدر کر دیا تھا۔ اس کی انا اور عزت نفس دو کوڑی کی رہ گئی تھی۔ دل بہت بار ٹوٹا تھا لیکن جو تکلیف آج اس کے دل کو ہوئی تھی وہ بہت گہری تھی۔

وہ اس کو بہت مختلف سمجھی تھی، اس کا خیال تھا کہ وہ اس کی اچھائی کی بنا پر انعم کا ہر برا رویہ برداشت کر جائے گی۔

"دعا......دعا......"

اس کے کانوں میں محبت بھری سرگوشی گونجی، اس نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔

"مجھے تمہارا، تمہاری فیلنگز اور ضرورتوں کا خیال رکھنا ہے۔" ایک اور جملہ ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا آیا۔

اس کے رونے میں مزید تیزی آ گئی۔

"نہیں احسن نہیں، بہت برا کیا آپ نے۔" وہ زار و زار رو دی۔

"اب تم میری ذمہ داری ہو۔" ایک مان بھرا بھروسا۔

"معافی مانگو دعا انعم سے۔"

اس جملے کی چبھن پورے جسم میں ہو رہی تھی۔ اس کی ذات کی کرچیاں بکھر گئیں۔ وہ اسے علیحدگی میں برا بھلا کہہ لیتا لیکن یوں انعم کے سامنے ذلیل نہ کرتا۔ اس نے اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔ ان تلخ اور خوشگوار آوازوں سے بچنے کے لیے۔

☆☆☆

وہ لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب اس کے موبائل کی بیل بجی، اس نے اسکرین دیکھی، دل آرا کا نمبر تھا۔ اس کا ذہن کھٹک گیا لیکن وہ انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کی ماں تھیں ان کا احترام ہر حال میں لازم تھا۔

"السلام علیکم! ماما جان۔" اس نے بڑے پرسکون موڈ میں کرسی سے ٹیک لگائی۔

"وعلیکم السلام، احسن میں تو سمجھی تھی کہ اتنا بڑا بزنس چلانے والا بندہ بہت جینئس اور کول ڈاؤن پرسنالٹی کا ہوگا۔ اسی لیے تم سے بہت سی توقعات تھیں لیکن تم نے تو پہلے ہی اسٹیپ پہ بے وقوفی کر کے مجھے حیران کر دیا ہے۔"

دل آرا اس کی آواز سنتے ہی شروع ہو گئیں۔

رات انعم سے ساری کہانی سننے کے بعد، انہیں بڑی مشکل سے نیند آئی تھی۔

"کیا کیا ہے میں نے؟" اس نے ٹھوڑی پر انگلی پھیری۔

"کل تم نے اتنا بڑا تماشا کری ایٹ کیا، دعا پر چیخے چلائے، اسے برا بھلا کہا۔ انعم سے معافی منگوائی، کیا یہ سب عقل مندی کے زمرے میں آتا ہے۔" وہ اچھی خاصی ناراض تھیں۔

"وہ یہ سب ڈیزرو کرتی تھی ماما۔" اس نے اپنا موقف بتایا۔

"وہ کیا ڈیزرو کرتی ہے اور کیا نہیں، اس سب پہ غور کرنے کے بعد ہی، میں نے اسے تمہارے لیے منتخب کیا تھا۔ اگر اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دونوں اس کے ساتھ زیادتی کرو۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسے عتاب کا نشانہ بناؤ۔" انہوں نے بھی شاید انصاف پسندی کا ٹھیکہ لے لیا تھا۔

"میں اتنا چیپ نہیں سوچتا لیکن ماما! اس نے انعم کے ساتھ بدتمیزی......"

"انعم نے کہا اور تم نے مان لیا، کیا دعا کو بھی اپنی صفائی دینے کا حق نہیں تھا۔ صرف گھٹیا اور کمرے سے نکل جانے کے جملے نے تمہارا ٹمپر لوز کر دیا۔ اس جملے کے پیچھے یقیناً کوئی ریزن تو ہوگا ناں۔ جو دعا نے اتنی بدزبانی کی۔ انعم تو پہلے ہی بہت خود مختار ہے۔ اب اس کی طرف داری کر کے، دعا کو نیچا دکھا کے تم نے مزید اس لڑکی کے لیے مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔" دل آرا کا تجزیہ بالکل درست تھا۔

احسن کی بولتی بند ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے غصے کی دھند چھٹ رہی تھی۔

"وہ دونوں تمہاری بیویاں ہیں۔ ان کے بیچ انصاف کرنا سیکھو، ان دونوں کا تم پر برابر حق ہے۔ انعم کو صرف محبوبہ ہونے کی وجہ سے ترجیح مت دو۔ کل کو جب دعا تمہارے بچے کی ماں بن گئی تو پھر اس کی ترجیحات کی لسٹ بہت لمبی ہوگی۔ تب انعم کیا کرلے گی۔ تم اس بیوقوف لڑکی کو سمجھانے کے بجائے اس کا ساتھ دے رہے ہو۔

میری ایک بات کان کھول کے سن لو احسن! آئندہ سے تم ان دونوں کے جھگڑے میں نہیں پڑو گے۔ اگر انہیں ایک دوسرے سے کوئی پرابلم ہے تو وہ مجھ سے شیئر کریں۔ تم اس گھریلو جھگڑے سے دور رہو اور دوسری بات' میں جلد از جلد تمہارے باپ بننے کی خوش خبری سننا چاہتی ہوں اور تم لوگ الٹا مجھے بیڈ نیوز سنا کے، میرا بی پی ہائی کر رہے ہو، تم صرف اپنے کام پہ توجہ دو۔ ان دونوں کو میں خود ہی ہینڈل کرلوں گی۔"

دل آرا کے الفاظ اور لہجہ دونوں سخت تھے۔ وہ جو بڑے پرسکون موڈ میں بیٹھا تھا۔ اب خاصا ڈسٹرب ہو گیا۔ وہ تو کل سے خود کو حق پر سمجھ رہا تھا۔

"سوری ماما جان۔" وہ منمنایا۔

"سوری مجھ سے نہیں، دعا سے کرو۔ اللہ حافظ۔" دل آرا نے ٹھک سے فون بند کر دیا۔ وہ موبائل کان سے ہٹا کے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

وہ دوبارہ نیند پوری کر کے، دن چڑھے کمرے سے نکلی تو پہلے کچن میں آئی۔ ناہید برتن دھو رہی تھی۔

"دعا نے ناشتہ کیا؟" وہ چوکھٹ میں رکی۔

"جی نہیں رات کا کھانا بھی نہیں کھایا، صبح احسن صاحب سختی سے تاکید کر کے گئے تھے کہ ناشتہ کروا دینا، میں دو دفعہ گئی ہوں لیکن انہوں نے منع کر دیا۔"

ناہید نے ٹونٹی بند کر کے تفصیل بتائی۔

انعم بڑا حوصلہ کرتی ہوئی دعا کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اسے یقین تھا کہ ــــ احسن اپنی نرم دلی کے ہاتھوں مجبور ہو کر واپسی پر ضرور اسے کھانے کے لیے منانے جائے گا۔ یہی وہ چاہتی نہیں تھی کہ احسن کے منانے پر اس کا ٹوٹا دل پھر سے جڑ جائے یا وہ اس ہمدردی کا کوئی خوب صورت سا مطلب نکالے۔ پھر اسے احسن کے سامنے سرخرو بھی تو رہنا تھا۔

"دعا......دعا۔" وہ بغیر دستک دیے داخل ہوئی۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ کا بٹن دبایا۔ سارا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ دعا کراؤن سے ٹیک لگائے گپ چپ بیٹھی تھی۔ اس کے بال بکھرے اور چہرہ سوجن زدہ تھا۔

"دعا......کیا ہوا؟ ایسے کیوں بیٹھی ہو۔" وہ اس کی حالت زار پر واقعی تڑپ گئی۔ دعا ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"دعا......" اس نے کندھا پکڑ کے ہلایا۔

"کوئی کام تھا تمہیں انعم......؟" اس نے بغیر دیکھے بھاری آواز میں پوچھا۔

"تم روئی ہو۔" یہ پوچھتے ہوئے اسے خاصی شرمندگی ہوئی۔

"تم کیوں آئی ہو؟"

اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

"کیا تم واقعی چاہتی ہو کہ میں تمہارے بیڈ روم میں نہ آؤں۔" اس کا دوبارہ پوچھنا انعم کو برا لگا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''نہیں، بلکہ میں جان گئی ہوں کہ اب ہمارا تعلق صرف مطلب تک محدود ہو کے رہ گیا ہے۔'' دعا کی نظریں ابھی بھی دیوار پہ جمی تھیں۔

''ہم بہت اچھی فرینڈز ہیں دعا۔'' انعم کو لگا کہ وہ شاید بھول گئی ہے۔

''اس دوستی کا حق تم کل ادا کر چکی ہو۔'' دعا نے صاف کہہ دیا۔ انعم کو اس سے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔

''پلیز دعا، آئی ایم ریئلی سوری، میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی تھی، بس احسن بہت ہائپر ہو گئے تھے، یو ڈونٹ نو وہ میرے لیے بہت پوزیسیو ہیں، ان سے میرا رونا اور تکلیف بالکل برداشت نہیں ہوتی اسی لیے انہوں نے اتنا براری ایکٹ کیا۔'' انعم نے بے دلی سے معافی مانگنے کے ساتھ، اپنی اہمیت بھی جتادی۔

''مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں، شکوہ تو اپنی قسمت سے ہے جس نے مجھے مطلب پرست اور سنگ دل لوگوں کے حوالے کر دیا جانے ایسا کون سا گناہ ہو گیا ہے جس کی سزا وقتاً فوقتاً ملتی رہتی ہے۔'' وہ اپنے نصیب سے شکوہ کناں، خود کو کوس رہی تھی۔

انعم کو تپ بہت چڑھی لیکن اس نے خود پر ضبط رکھا۔ ''اب تم خود ترسی کا شکار ہو رہی ہو دعا! احسن نے تمہاری زبان سے، اپنی فیملی کے لیے ایسے القابات سن لیے تو بہت بری طرح پیش آئیں گے، پھر تم یہ ایڈمٹ کر لو کہ میں اس کی پہلی بیوی اور محبت ہوں۔ تمہیں مجھ سے بدتمیزی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ اب تم نصیب کو دوش دینے کے بجائے، اپنی غلطی کا اعتراف کر لو۔'' انعم نے اسے دھمکانے کے ساتھ ساتھ ڈھٹائی کا بھی مظاہرہ کیا۔

''یعنی مجھے اپنے دفاع میں جواب دینے کا بھی حق نہیں، کوئی میری ذاتیات میں گھس آئے اور میں خاموش رہوں۔'' دعا بھی بھڑک گئی۔

''انسان کو اپنے لیے اسٹینڈ، اپنی پوزیشن اور بیک گراؤنڈ دیکھ کے لینا چاہیے، تم کم از کم یہ تو سوچ لیتیں کہ میں خاندانی بہو ہونے کے ساتھ بیٹی بھی ہوں۔ آئی سویئر مجھے بھی تمہارا لہجہ اور الفاظ بہت برے لگے تھے۔ اگر تم نے مجھ سے معافی مانگ لی تو کیا ہوا؟ میرا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور دل بھی تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ اینڈ یو نو اگر یہ سب ماما جی تک پہنچ جاتا تو پتا نہیں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آتیں۔ بہت برا حال ہوتا تمہارا۔ احسن نے تو پھر رعایت دیتے ہوئے معافی تلافی پہ معاملہ نپٹا دیا ہے۔ دعا جان! تم شاید ٹھیک سے ہماری فیملی کو جان نہیں پائیں۔ یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آئندہ سے محتاط رہنا۔'' انعم بڑے خوب صورت اور مناسب الفاظ میں اس کی ذات کی دھجیاں اڑا رہی تھی۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں، احسن کو کال بھی کرنا ہے ورنہ وہ ناراض ہو جائیں گے۔ یہ چھ، سات گھنٹے انہیں میری آواز سن کے ہی گزارا کرنا پڑتا ہے۔'' وہ مسکرا کے جتلاتی کھڑی ہو گئی۔

''اب یہ دوستی ختم کرنے والی بات اور نہ ہی کچھ اور الٹا سیدھا سوچنا، شاور لو، فریش ہو، میں تمہارے لیے کھانا بھجواتی ہوں۔'' انعم نے اس کا گال تھپکا۔ اسے اپنے فاتح ہونے پر یقین تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' دعا نے سختی سے منع کر دیا۔

''بری بات، ابھی میں نے تمہیں کتنے پیار سے سمجھایا ہے، پھر بھی اگر تمہارا خیال ہے کہ احسن تم سے سوری یا منت سماجت کریں گے تو غلط ہے۔ وہ تم سے شدید ناراض ہو جائیں گے۔ شاباش اٹھو اور فریش ہو جاؤ۔''

انعم ایسے بڑے پیار سے پچکارتی باہر نکل گئی۔ وہ بہت خوش تھی کہ اس نے دعا کو اور بھی بہت کچھ سمجھا دیا ہے۔

☆☆☆

دعا کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ کھانا اس نے کھا لیا تھا۔ انعم نے احسن کے فیورٹ کلر کی ساڑھی زیب تن کی اور خوب دل لگا کے تیار ہوئی۔ آگے سے بالوں کو رول کر کے، اس نے لمبے بالوں کا جوڑا بنا لیا۔ خود پر ڈھیروں خوشبوئیں لگا کے وہ تیار تھی۔ احسن کی توجہ خود پر مرکوز رکھنے کے لیے۔ اس کا خیال تھا کہ دعا نے اس کی گفتگو کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اتنا اثر تو ضرور لیا ہوگا کہ چند دن اس کی طبیعت اعتدال پہ ہی رہے گی، صلح کی گنجائش بھی کم ہی تھی۔

احسن بہت تھکا ہارا لوٹا تھا۔ انعم کو اس قدر فریش دیکھ کے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"یو آر لکنگ سو اسٹائلش ......" اس نے پورچ میں گاڑی سے اُترتے ہی اسے اپنا منتظر پایا۔

"تھینک یو......" انعم نے ادا سے سر کو خم دیا۔

"میں مینٹلی بہت تھک گیا تھا لیکن تمہارے اس روپ نے، مجھے بالکل تروتازہ کر دیا ہے۔" اس نے محبت سے اس کا گال چھوا۔

"مائی پلیژر، میں نے آپ کے کپڑے نکال دیے ہیں، فریش ہو جائیں، میں چائے لگاتی ہوں۔" لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اس نے بریف کیس پکڑا۔

ساری شام احسن اس کے ساتھ رہا۔ اس نے بھول کر بھی دعا کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ان دونوں نے ڈنر کیا اور پھر انعم کی فرمائش پر لانگ ڈرائیو پر چلے گئے۔ اس کا دل خوشی سے باغ باغ تھا۔

"اوہ مائی گاڈ، میں بہت تھک گئی ہوں احسن، آج کی شام، بہت اچھی رہی۔" وہ صوفے پر گرسی گئی۔ اس کے روم روم سے خوشی چھلک رہی تھی۔

"اوکے، تم کافی پی کے اچھی سی نیند لو، میں ذرا دعا کو دیکھ لوں۔"

احسن بیٹھا نہیں تھا۔ وہ انعم کی طرف دیکھے یا سنے بغیر ناک کی سیدھ دعا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

انعم سیدھی ہوئی۔ اس کی کمر کا درد اچانک بڑھ گیا تھا۔ سہانی شام کا انجام ملیا میٹ ہو گیا تھا۔ اسے لگا کہ احسن اس کا دل بہلانے کو یہ سب کر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اس کے لیے دودھ لائیں تو وہ فائلوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔

"یہ لو دودھ پیو عمیر، تمہارے پاپا نے کہہ کر بھیجا تھا کہ اب کام نہیں کرنا۔" انہوں نے اس کے پاس گلاس دھرا۔

"دوسری ٹیبل پہ رکھ دیں ماما جان، میں یہ کام ختم کر کے پی لوں گا۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"میرا بیٹا سارا دن آفس میں بھی سر کھپاتا ہے گھر آ کے پھر سے فائلوں پر جھک جاتا ہے۔" انہوں نے بیٹے کے بال سہلائے۔

"پھر اور کیا کروں، پاپا جان پہ بر ڈن ڈالنا نہیں چاہتا، ان کے اعصاب بہت کمزور ہو گئے ہیں، مجھے اکیلے ہی کرنا پڑتا ہے۔" اس کا ہاتھ ذرا کی ذرا رکا اور پھر تیزی سے چلنے لگا۔

"عمر کی صحت تھوڑی بہتر ہو جائے تو اسے کہوں گی کہ تمہارے ساتھ آفس جایا کرے، تمہیں بھی آسانی ہو جائے گی۔" انہیں یہی مناسب لگا تھا۔

عمیر کا قلم فائل پر گر گیا، اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ رابعہ احمد کی عرصے سے خواہش تھی کہ عمیر کی طرح وہ بھی اپنے باپ کا ہاتھ بٹائے، ان کے کاروبار کو سنبھالے۔

"پلیز ماما جان، آپ بالکل سچ کہہ رہی ہیں، وہ واقعی کافی بدل چکا ہے لیکن وہ ایک آزاد پنچھی ہے اور فطرت بہت مشکل سے بدلتی ہے۔ آپ اسے وہی کرنے دیں جو وہ چاہتا ہے۔ پلیز......"

اس نے منت بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔ وہ واقعی خود سے کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لیے اثبات میں سر ہلا گئیں۔

☆☆☆

اس نے ناب گھما کے دروازہ کھولا۔ وہ صوفے کی ہتھی پر سر رکھے دہری ہوئی بیٹھی تھی۔

"دعا......" اس نے کمرے کے بیچوں بیچ رک کے اسے پکارا۔ وہ سیدھی ہوئی۔ احسن اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

ملگجا لباس، بکھرے بال، سوجن زدہ آنکھیں، زرد چہرہ۔ اس کی حالت پژمردہ تھی۔

"یہ تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" اس کا سکتہ ٹوٹا۔ یہ سوال کرتے ہوئے اسے شرمندگی بھی محسوس ہوئی۔

"کیا ہوا ہے مجھے، بھلی چنگی ہوں، آپ کے ساتھ بہت باعزت اور خوش و خرم زندگی گزار رہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہوں۔'' اس نے گردن اکڑا کے ادھر ادھر ہلائی۔

احسن لاجواب ہوگیا۔

''پلیز اٹھو، نہادھو کے، کپڑے چینج کرو اور بال بناؤ۔'' احسن کو تاسف نے گھیر لیا۔ اگر دل آرا اسے اتنی ابتر حالت میں دیکھ لیتیں تو ان دونوں کی درگت بن جاتی۔

''ہاں واقعی' مجھے نہادھو کے خوب صورت سا جوڑا پہننا چاہیے۔ ہلکا سا میک اپ اور جیولری بھی کیونکہ یہ میرے مجازی خدا کا حکم ہے۔ میں صاف ستھری ہو کے، اس کے پہلو میں آؤں۔'' رورو کے اس کے حواس معطل ہو چکے تھے۔

احسن نے جو کیا تھا سو کیا' انعم کی چند گھنٹے قبل کی گئی تقریر نے اسے مزید ڈسٹرب کر دیا تھا۔

اسے جرح کرنی نہیں آتی تھی لیکن وہ ایم اے اکنامکس گولڈ میڈلسٹ تھی۔ اسے اپنے حق کے لیے بولنا آتا تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہ خاموش رہ کے دربدر ہوئی تھی۔

اس غلطی کا احساس انعم نے ہی اسے بارہا دلایا تھا کہ اس کی خاموشی نے ہی اسے نقصان پہنچایا ہے۔ وہ چاہے چیختی چلاتی ناں، آہستہ آواز میں ہی سہی' اپنے حق اور سچ کے لیے بول سکتی تھی۔ اس رات اسے اپنا دفاع کرنا چاہیے تھا۔

''پلیز دعا......'' احسن کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں۔ دعا اسے خالی آنکھوں سے تکتی رہی، وہ دوسری بار وہی غلطی نہیں دہرانا چاہتی تھی۔

''تم نے کھانا کھایا؟'' احسن نے موضوع بدل دیا۔

''جی میں نے پیٹ بھر کے کھالیا، آپ کے ساتھ والی چیئر پر تو بیٹھی تھی۔ کھانا ہضم کرنے اور ہوا خوری کے لیے لانگ ڈرائیو پہ بھی گئے تھے۔'' اس نے ایک اور نشتر چبھو دیا۔ وہ جھنجلاتا ہوا اس کے قریب آبیٹھا۔

''بے وقوف لڑکی! تم کیوں اپنی پوزیشن کو مزید آکورڈ کر رہی ہو۔ تم خود اچھی طرح سے جانتی ہو کہ انعم غصے کی تیز ہے۔ اگر اس نے کچھ برا بھلا کہہ دیا تھا تو تم برداشت کر لیتیں، اس سے الجھنے کیا کیا ضرورت تھی۔ اگر آج تم نے اس سے معافی مانگی ہے تو کل کو وہ کوئی غلط حرکت کرتی ہے تو اسے بھی تم سے معافی مانگنی ہوگی، بہتر ہے کہ تم دونوں ایک لمٹ میں رہو۔ گھر کا سکون، لڑائی جھگڑا کر کے برباد مت کرو۔''

وہ اپنا موقف اس پر واضح کر رہا تھا۔ اس نے ابھی بھی سچ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''انعم جو مرضی چاہے مجھے کہے، میری عزت نفس کی توہین کرے۔'' وہ پھٹ پڑی۔ اسے صفائی کا موقع نہ ملنے پر دکھ تھا۔

''دیکھو دعا! وہ صرف میری بیوی ہی نہیں محبت بھی ہے۔ وہ اس گھر کی بیٹی بھی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی پوزیشن کافی اسٹرانگ ہے۔ وہ تھوڑی زبان دراز ہے۔ اسے بہت سے وہم بھی لاحق ہیں۔ وہ اتنے ظرف والی نہیں ہے۔ اس نے بہت حوصلہ کر کے اپنے محبوب شوہر میں تمہیں حصے دار بنایا ہے۔ تمہیں تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ پلیز اپنی عقل کا استعمال کرو، تم بہت اچھی ہو۔ کمپرومائز کی عادت ڈالو۔ اسی سے زندگی میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔'' احسن نے اسے بہت تفصیل اور تحمل سے سمجھایا۔

دعا کا دل اس نے تیز دھار آلے سے چیر کے رکھ دیا۔ وہ یہ سب ذومعنی الفاظ میں بھی کہہ سکتا تھا۔ محبت...... محبت...... محبت، صرف انعم کے لیے، احسن کی محبت کی حقدار صرف انعم۔

اس کا دل رکھنے کو نہ سہی اپنے رشتے کا مان رکھ لیتا۔

''چلو اٹھو شاباش' فریش ہولو۔'' لیکچر ختم ہوگیا۔

احسن نے بازو سے پکڑ کے اسے اٹھایا۔

''پلیز' میری ریکویسٹ ہے کہ آپ انعم کے پاس چلے جائیں، میری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

''دعا......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ہیوا نائس ڈے۔''

اس نے مڑ کے، احسن کی آنکھوں میں دیکھا اور واش روم کا دروازہ زور سے بند کر لیا۔

☆☆ (باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سعیہ عمیر

سنہری خواہش

تاریخ کے اہم اور قابل فکر ابواب کو سنہرے حروف میں غالباً اسی لیے لکھا جاتا ہے ۔۔ کہ سنہرا رنگ نہ صرف شان وشوکت کی علامت ہے بلکہ سونا ایک ایسی سودمند دھات ہے جس کی رنگت ماند پڑ جاتی ہے پر ختم نہیں ہوتی۔

چودھری وہاج رئیس کے دل میں بھی ایک سنہری خواہش تب اُبھری جب انہوں نے اپنے چوتھے بیٹے کو پہلی بار گود میں اٹھایا۔ انہیں لگا کہ وہ مکمل ہوگئے ہیں، کیونکہ ان کے گھر کے چاروں کونوں کی حفاظت کرنے سے لے کر ان کے جنازے کو چار کندھے دینے تک کا انتظام ہو چکا تھا۔ چوہدری وہاج رئیس کوئی جدّی پشتی رئیس نہیں تھے۔ لیکن ان کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انداز، رُعب اور ٹھاٹھ باٹھ کسی حاکم سے کم بھی نہ تھا، اس کی وجہ ان کی محکمہ پولیس میں ملازمت تھی جو انہوں نے تمام عمر ایسے رعب اور دبدبے سے کی تھی کہ نسلی جنگجو اور بادشاہت کا پیکر نظر آتے، پھر خدا نے ان کی عظمت کو حقیقت میں چار چاند لگا دیے اور ایک کے بعد ایک اولاد نرینہ ان کی جھولی میں ڈال دی۔

جب کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے انٹینا ٹھیک کرنا ہوتا تو ان چاروں بھائیوں کی ٹولی بھائی چارے کا عملی نمونہ بن جاتی۔ بڑا بھائی شہزاد رئیس انٹینا گھماتا تو ساتھ کھڑا افراز رئیس چھت سے برآمدے تک جانے والے گیس کے پائپ میں سے آواز دے کر ٹی وی کی صورتحال پوچھتا۔ نیچے پائپ کے دوسرے سرے پر کھڑا طلحہ رئیس اوپر کی خبر سن کر ٹی وی کے پاس کھڑے چھوٹے بھائی حمزہ رئیس سے پوچھتا کہ تصویر صحیح ہوئی کہ نہیں، پھر اسی پائپ کے ذریعے پیغام واپس اوپر پہنچا دیتا، چودھری وہاج اور ان کی بیگم تسلیم کو لگتا کہ چاروں محبت کی زنجیر بنے اسی طرح عمر بھر ایک دوسرے سے جڑے رہیں گے اور یہی وہ سنہری خواہش تھی جو چودھری وہاج کے دل میں جب پھولی تو سونے کی قیمت کی طرح آگے اور مزید آگے بڑھتی ہی گئی۔

یہ تو جب بڑی بہو فائزہ بیاہ کر آئی تو چودھری صاحب کو احساس ہوا جس بھائی چارے کو وہ خالص سونا سمجھتے تھے اب اس میں ملاوٹ شروع ہوگئی ہے۔

گھر کے حالات بھی موسموں کی طرح کروٹ بدلنے لگے۔ چند ماہ سکون رہتا پھر اچانک طوفانی بارش کی طرح فائزہ پھٹ پڑتی اور اپنا ایک ایک کام گنوائی جیسے کھڑے کھڑے اجر سمیٹ کر ہی دم لے گی۔ پھر طوفان تھمتا چند ہفتے پھر ہنسی خوشی گزر جاتے۔ فائزہ کا سب سے بڑا شکوہ یہی تھا کہ وہ دیوروں کی چاکری کر رہی ہے اور یہ ایسا مسئلہ تھا جس میں صحیح غلط کا فیصلہ ہو نہیں پاتا۔ چودھری وہاج کو لگا تھا کہ فراز کی شادی کے بعد سال میں چند بار آنے والے طوفانوں پر مستقل بند بندھ جائے گا۔ فراز کی بیوی سعدیہ کافی پڑھی لکھی اور سمجھدار تھی لیکن وہ بھول بیٹھے تھے کہ بحث مباحثہ دانشوروں کا پسندیدہ کھیل ہے۔ اب نئے قسم کے تنازعے جنم لینے لگے۔ بڑی بہو کہتی کھانا ٹی وی کے سامنے ہی کھا لیا جائے تو چھوٹی بضد ہوتی کہ میز پر کھانا سجے۔

ایک خنک سی شام فائزہ نے بچوں کے گیلے کپڑے لاؤنج کے ہیٹر کے سامنے پھیلا دیے اور اتفاقاً سعدیہ کے بہن بہنوئی آ گئے مہمانوں کو دیکھ سب نے جھٹ پٹ لنگوٹ سمیٹ تو لیے مگر انہی نم صوفوں پر جب مہمانوں کو بٹھایا گیا تو سعدیہ کا پارہ اتنا چڑھا کہ چودھری وہاج کو بھی اپنے پلان کے جھول کا احساس ہو گیا۔

''تسلیم بیگم! ہم اب تک جذبات کی نظر سے دیکھ رہے تھے کل جب بہوؤں کی تلخ کلامی سنی تو بے بسی کا صحیح احساس ہوا۔ ہمارے رتبے کو گوارا نہیں تھا کہ کسی ایک کو صحیح یا غلط کہہ کر ثالث ہی بن جائیں''۔ رات کی بے آرامی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ ''چار برتن ہوں تو کھڑکتے تو ہیں''۔ تسلیم نے شوہر کو تسلی دینی چاہی۔

''چار برتن صرف کھڑکتے ہیں لیکن چار بہوئیں ایک ہی چھت کے نیچے ہوں نا تو گھر کے ستون ہل جاتے ہیں''۔ وہ کچھ زیادہ ہی غمگین تھے۔

''غلطی تو ہماری بھی تھی جو دنیا دیکھنے کے بعد بھی یہ سمجھتے رہے کہ بھائیوں کا رشتہ زنجیر کی مانند ہوتا ہے'' تسلیم بھی رات بھر تجزیے کرتی رہی تھی ''جبکہ یہ تو دھاگے ہوتے ہیں ایک بار ٹوٹ جائیں تو دوبارہ جڑ تو جاتے ہیں مگر بدنما گرہیں ہمیشہ بیچ میں رہ جاتی ہیں''۔ تسلیم نے دھیمے الفاظ میں چودھری وہاج کو اپنی ضد چھوڑنے کی تلقین کی مگر یہ ضد نہیں تھی، ارمان تھے اور ارمانوں کو مٹی تلے دفن بھی کر دیں تو بیج کی طرح جڑ پکڑ لیتے ہیں اور درخت بن کر اگ آتے ہیں۔ چوہدری صاحب نہیں چاہتے تھے کہ ان کی حسرتوں کے درخت پر یاس کے پھل لگیں اس لیے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

یوں خاموشی سے بستر پر بیٹھ گئے جیسے سامنے بیٹھا کوئی مصوران کی تصویر بنا رہا ہو اور ذرا سی جنبش سے اس کی عظیم تخلیق خراب ہو سکتی ہو پھر جیسے وہ مراقبے سے نکلے اور انہیں حل مل گیا۔

ریٹائرمنٹ کے پیسے اور کچھ جمع جوڑ اتنی تھی کہ ایک معقول علاقے میں نسبتاً کشادہ پلاٹ لے سکیں۔ چودھری وہاج نے جھٹ زمین خریدی نقشہ بنوایا اور بنیادیں کھدوادیں۔ چار منزلہ وہ ایک ایسا مکان بنوا رہے تھے جس میں ان کے بیٹے ایسے ایک ساتھ رہیں کہ دوسروں کی زندگی میں مخل نہ ہوں' سر پر تاج رکھے انار کی طرح جس کے چار خانوں میں رسیلے دانے رہتے ہیں۔ دیواریں فرق ہوں گی پر چھت تو سانجھی ہوگی۔

یہ منصوبہ بیٹے' بہوؤں سب کو ہی قبول تھا اس لیے گھر میں امن وامان کی ایسی ہوائیں چلنے لگیں جن کا ذکر ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں ہی ملتا ہے۔

☆☆☆

تیسرے بیٹے طلحہ کی بارات چڑھی تو دونوں بھابھیوں نے بہنوں کے فرض نبھائے اور مریم کی ڈولی گھر میں اتری تو بانہیں پھیلا کر سب نے استقبال کیا۔ چاروں بیٹے باپ کے دست وبازو بنے تو نیا بننے والا مکان شان سے زمین سے بلند ہونے لگا۔ گھر کا گیٹ چودھری وہاج نے اپنے پسندیدہ سنہرے رنگ کا بنوایا تھا جس کی کاریگری اور ڈیزائن اتنا حسین تھا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا۔ یوں اس گھر میں آنے سے پہلے ہی اس مکان کا نام سنہری منزل پڑ گیا۔

چودھری وہاج اور تسلیم نے اپنے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ رکھا تھا جس کے سامنے ایک لمبوترا لاؤنج تھا۔ چاروں بیٹوں کے پورشن کا ایک دروازہ باہر کھلتا تھا تو دوسرا اس لاؤنج میں کھلتا تھا۔ ابتدا میں باقاعدگی سے اتوار کا کھانا اس لاؤنج میں کھایا جاتا تھا پھر سارا دن بچے کسی نہ کسی کام سے دادا دادی کے پاس چکر لگاتے رہتے تھے۔

لاؤنج کے ایک کونے میں تسلیم بیگم کی جائے نماز بچھی رہتی اور دوسرے کونے میں ریلوے مسافر خانوں میں پڑی رہنے والی لمبی سے آرام کرسی جیسی کرسی پر لیٹ کر چودھری وہاج کھڑکی سے باہر پوتے پوتیوں کو کھیلتا دیکھتے۔ تیسرے کونے میں ٹی وی اور چوتھے میں فریج تھا۔ غرض دونوں میاں بیوی کی تمام ضرورتیں اس چار دیواری میں پوری ہو رہی تھیں اور پھل پھول رہی تھیں۔

سب سے چھوٹا بیٹا حمزہ بھائیوں کی طرح ہی پڑھائی میں اوسط درجے کا تھا مگر اس کو بڑے خواب دیکھنے کی بیماری تھی دور بجتے' ڈھول اسے ہمیشہ اپنے گھر کی آوازوں سے زیادہ سہانے لگتے تھے۔ ماں باپ یہی سمجھتے کہ بچپنا ہے' ذمہ داری آئے گی تو سمجھ بھی آجائے گی۔ انہوں نے بس اپنا فرض پورا کیا اور کم عمری میں ہی شادی کردی مگر شادی لگام نہیں ہوتی' ہوتا یہ ہے کہ اڑنے کے خواہش مند مرد اپنے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی پری بنائے اڑنے کی تگ ودو میں لگ جاتے ہیں حمزہ چند ماہ بعد ہی باپ کے قدموں میں آبیٹھا تھا۔ ”بہت سنہری موقع ہے ابو! عرب ملک ہے ایک بار قدم جم جائیں تو زندگی سنور جائے گی۔“

بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد وہ ایک نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

”ضرور جاؤ اور خوب ترقی کرو میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔“

”مجھے دعا سے کچھ زیادہ چاہیے۔ مجھے اجازت چاہیے ابو جان میں اپنا حصہ بیچنا چاہتا ہوں۔“

سالوں سے کمایا رعب بھی شاید چار حصوں میں بٹ چکا تھا۔ جو غصہ ہونے کے بجائے وہ دکھ سے بیٹے کا چہرہ دیکھتے رہے ”میں چلا بھی جاؤں تو فیملی کو بلانے میں سالوں لگ جائیں گے۔ اگر اس ملک میں میری اپنی جائیداد ہوگی تو ویزا وغیرہ بہت آسان ہوجائے گا۔“

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

باپ اس بات کیلئے تیار نہ تھا اس لیے ٹس سے مس نہ ہوا۔ کئی دن حمزہ باپ کے قدموں میں بیٹھ بیٹھ کر قائل کرتا رہا پھر اپنے ننھے بچے لا کر باپ کو جذباتی کرنے کی کوشش کی ”میں چاہتا تھا میرے بیٹے ہمیشہ ساتھ رہیں۔“ ہر سوال کے جواب میں ان کی یہی رٹ تھی۔ سب سے بڑے بھائی شہزاد نے معاملے کا حل پیش کیا کہ حمزہ کا حصہ وہ خود خرید لے اور جب حمزہ کچھ جمع جوڑ کر لے تو بھائی سے اپنا حصہ دوبارہ لے۔ اس بات پر چودھری وہاج مان تو گئے مگر یہ احساس کہ دل کا ایک ٹکڑا جدا ہو رہا ہے ختم نہ ہو سکا۔

”کوئی تمام عمر نہیں رہتا دوسرے ملک‘ کچھ سال کما کر واپسی آ ہی جائے گا۔“ تسلیم نے شوہر کو تسلی دی۔ ”لیکن اس کی واپسی کی راہ دیکھتے دیکھتے میری عمر تو گزر ہی جائے گی۔“

بیٹا گیا اور تحائف آنے لگے اب کاغذی اعتبار سے آدھا مکان بڑی بہو فائزہ کا تھا۔ سالوں سے دبی فائزہ اور سعدیہ کے بیچ کی چنگاری پھر سے بھڑکنے لگی۔

”مجھے تو ویسے ہی یہ محلہ اور چھوٹے کمروں والا گھر پسند نہیں تھا بس آپ کی محبت میں گزارا کر رہی تھی لیکن فائزہ بھابھی کی چاکری مجھے ہرگز منظور نہیں۔“ سعدیہ روز رات لمبی لسٹ لیے شوہر کے پاس بیٹھ جاتی۔

”تو تم اپنے راستے جدا رکھو۔“ شوہر بھی بے زار آنے لگا تھا۔

”بچے لان میں کھیلتے ہیں تو فائزہ بھابھی ٹوکتی ہیں کہ ان کی نیند خراب ہوتی ہے حمزہ کے پورشن میں قاری صاحب کو بٹھا کر سبق لے لیا تو ان کا منہ بن گیا۔“ سعدیہ جن لوگوں کی جی حضوری کر سکتی تھی‘ ان میں فائزہ سرے سے آتی ہی نہ تھی۔

”چند سال کی بات ہے پھر میری اتنی حیثیت ہو جائے گی کہ الگ ٹھکانہ کر سکوں۔“

اس بات پر سعدیہ پھٹ پڑی ”تو حمزہ باہر اپنی حیثیت پر گیا ہے اپنا حصہ اس نے بیچا ہے تو ہم کیوں نہیں بیچ سکتے۔“

”یہ میرے باپ کا گھر ہے میں اسے بیچنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔“ وہ گویا غصے سے دہاڑا پر سعدیہ پوری تیاری کے ساتھ آئی تھی۔ اس کے بہنوئی نے نیا کاروبار شروع کیا تھا جو منافع میں جا رہا تھا۔ سعدیہ شوہر کو قائل کرنے لگی کہ اپنا حصہ بیچ کر کاروبار میں ڈال دے۔ پاؤں جمنے تک وہ سعدیہ کی ماں کے گھر رہ سکتے ہیں۔ ہفتوں پلاننگ ہوتی رہی اور جب معاملہ چودھری وہاج تک پہنچا تو انہیں حیرت بھی نہیں ہوئی وہ شاید پہلے ہی ہواؤں میں سازشوں کی بو سونگھ چکے تھے۔

☆☆☆

”جانور بھی چند سال بچوں کو زندگی جینے کے گر سکھا کر آزاد کر دیتے ہیں میں ہی قدرت کا یہ اصول سمجھ نہ سکا۔“ وہاج رئیس نے اپنے دکھی دل کے جذبات پر کوئی پردہ نہیں ڈالا۔

”ہم آپ سے دور نہیں جا رہے بس اپنے بچوں کیلئے بہتر مستقبل کی تلاش کرنے کا حق مانگ رہے ہیں۔“ فراز نے کہا۔

”دریائی بچھڑا بچپن میں ماں کی پیٹھ پر بیٹھ کر دریا میں اترتا ہے اور آہستہ آہستہ تیرنا سیکھتا ہے۔ تم اگر اپنی جمع پونجی کاروبار میں ڈالتے تو مجھے تسلی رہتی لیکن تم میری کمائی بیچ کر کاروبار کرنے جا رہے ہو۔ اس سے لگتا ہے تم اب میری پیٹھ پر بیٹھے ہو اور تیرنا سیکھنے سے پہلے دریا میں اتر رہے ہو جاؤ۔ خدا تمہیں کامیاب کرے۔“ وہ باپ تھے بددعا نہیں دی مگر جو آنسو وہ بنا بہائے اندر ہی اندر خشک کر رہے تھے ان کی تاثیر سے سب کو خوف بھی آ رہا تھا۔

شہزاد اور فائزہ تو معاشی طور پر سب سے مضبوط تھے اور فائزہ تو جس دن سے بیاہی تھی اپنے الگ ٹھکانے کے خواب بُن رہی تھی۔ شہزاد نے حمزہ سے پوچھا کہ وہ اپنا حصہ واپس خریدنے کے قابل ہے۔ جواب نہ میں پا کر اس نے بھائی کا انتظار نہیں کیا اور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دونوں حصے بیچ کر اپنا الگ گھر لے لیا۔

☆☆☆

گھر بکنے کے لیے لکیریں بنیں تو ایک لکیر ماں باپ کے کمرے کے بیچ سے گزری اور وہاں دیوار کھڑی کردی گئی۔ کمرا نہیں کٹا تھا جیسے ماں باپ کا دل تقسیم ہوگیا تھا۔ لاؤنج کا ٹی وی اور فریج والا حصہ بھی بکنے والے حصے میں آیا تھا۔ اب بس طلحہ تھا جو باپ کے پاس تھا مگر اس فرماں بردار اولاد سے باپ کو دھڑکا ہی لگا رہتا تھا کہ کسی دن وہ بھی اپنا حصہ بیچ کر ماں باپ کو سڑک پر نہ لے آئے۔

خوش قسمتی سے طلحہ کے حصے میں کھڑکی والی جگہ تھی جہاں چودھری وہاج کی آرام کرسی رکھی تھی ساتھ ہی تسلیم بیگم نے اپنی جائے نماز بھی بچھالی تھی۔ چودھری وہاج تمام دن اس ہی کرسی پر لیٹے رہتے مگر اب وہ برائے نام ”آرام کرسی“ رہ گئی تھی۔ خواب دیکھے جائیں تو ساتھ ہی ان کے ٹوٹنے کا حوصلہ بھی پیدا کرلینا چاہیے۔ چودھری وہاج سے یہیں غلطی ہوگئی تھی۔ طلحہ اور مریم ہر طرح سے خدمت کرتے وہ اب بھی پوتے پوتیوں میں گھرے رہتے تھے مگر اپنے ارمان ٹوٹنے کی بے سکونی تھی جو دن بہ دن ان کی صحت گرنے لگی تھی۔

اب وہ سوچتے تھے، اپنے بچوں کو سونا بنانے کی کوشش کرکے غلطی کی، انہیں اولاد کو پارس بنانا چاہیے تھا۔ سنہری منزل کے آنگن میں پرائے بچے بڑھتے دیکھ کر جیسے ان کی عمر کچھ مزید کم ہوگئی۔

گھر میں پھر رونق لگی۔ سب بچے، پوتے پوتیاں واپس آئے اور چودھری وہاج رئیس کو کاندھا دے کر لحد میں اتارا۔ پھر شامیانے سمیٹے گئے مسجد سے منگوائی گئی گٹھلیاں واپس بھجوادی گئیں۔ سب اپنے گھروں کو واپس لوٹے مگر فراز اور سعدیہ وہیں رہ گئے۔

”مجھے کہاں تجربہ تھا بزنس کا، شروع میں کافی منافع ہوا تھا۔ میں نے اور پیسے لگا دیے، مجھے پکا یقین ہے کہ سعدیہ کے بہنوئی نے میرا جائز حق نہیں دیا۔ اپنا نقصان میرے پیسے سے پورا کرلیا اور مجھ سے کہا کہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کچھ نہیں بچا۔ اب ایسی صورتحال میں، میں اس کی ماں کے گھر نہیں رہ سکتا۔"

طلحہ کی آمدنی تھوڑی تھی مگر دل بڑا تھا۔ "یہ ابا کا ہی گھر ہے، یہیں رہو، مجھے اعتراض نہیں۔"

"شکریہ ویسے میری نوکری تو قائم ہے، میں جلد الگ گھر کا انتظام کرلوں گا۔" یہ کہتے ہوئے فراز نے دیوار کا وہ کونہ دیکھا جہاں سے کبھی اس کے پورشن کا دروازہ کھلتا تھا اور اب اس کے نصیب کی طرح اس راستے پر بھی اینٹیں چن دی گئی تھی۔

☆☆☆

چودھری وہاج بیٹوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتے تھے اور یہ ارمان ان کے دل کے ساتھ مٹی تلے دفن ہوگیا تھا۔ دور اندیشوں کو لگ رہا تھا کہ اب اس ارمان سے درخت اگ آیا ہے، جس پر پھل بھی لگنے لگا ہے۔

حمزہ ایک کنسٹرکشن کمپنی میں کام کرتا تھا۔ اس کی کمپنی ایک اہم ہوٹل بنا رہی تھی ہوٹل کی عمارت اہم اس لیے تھی کیونکہ وہ اس ملک کی نامور مسجد کے بالکل ساتھ تھی۔ اس ملک میں آنے والے ہر سیاح کے لیے وہ مسجد سرفہرست ہوتی تھی وہاں جا کر وہ مسجد نہیں دیکھی تو سمجھو وہ ملک نہ دیکھا۔ ڈاک ٹکٹ سے لے کر سو روپے کے نوٹ تک وہ مسجد ایسی تھی جیسے ساری ملکی روایات کا نچوڑ ہو۔ تعمیر کے ایک معمول کے دن ایک وزنی کرین بے قابو ہوکر مسجد پر گرگئی۔ مسجد کی ایک دیوار ٹوٹ گئی اور کئی سیاح نیچے آکر ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ یہ خبر عالمی مسئلے کی طرح ابھری۔ لوگوں نے الزام لگایا کہ کمپنی مالک نے ملک دشمن عناصر سے مل کر جان بوجھ کر مسجد کو مسمار کرنے کی کوشش کی ہے کمپنی کے مالکوں تک کا بوریا بستر بندھ گیا تو حمزہ کیا چیز تھا۔ وہ بھی مختصر سا مال اسباب سمیٹ کر سنہری منزل لوٹا، جس کے سنہری گیٹ سے داخل ہونے کا حق بھی اب ان کے پاس نہ تھا۔ وہ سب بغلی چھوٹا گیٹ استعمال کرتے تھے۔

اس کی تعلیمی ڈگریوں اور تجربوں پر دھبہ لگ چکا تھا اس لیے اس نے ایک جنرل اسٹور خرید لیا۔ آمدن اتنی تھی کہ گزارا اچھا ہو رہا تھا مگر اتنی نہیں تھی کہ ایک الگ گھر کا انتظام کرسکے تسلیم بیگم کی اب آرام کرنے کی عمر تھی مگر گھر کچا پکا کچھ بھرا رہتا تھا۔ وہ اس کو رونق گردان کر اس میں خوشی تلاشتیں اور اسی رونق میں اپنے آخری دن گزار کر وہ بھی سنہری منزل اور دنیا سے رخصت ہوئیں۔

چند دن تو سب کو لگا گھر کچھ کشادہ ہوگیا ہے مگر اماں کے چالیسویں پر شہزاد اور فائزہ آئے تو معلوم ہوا وہ بھی رہنے کے لیے آئے ہیں۔ کسی شیخ چلی دوست کے مشورے پر انہوں نے بھی ان دیکھے کاروبار میں سر ڈال دیا تھا جو شہد کی مکھی کے چھتے میں جھانکنے کے مترادف ثابت ہوا۔ کاروبار میں گھر گروی رکھ کر سرمایہ ڈالا۔ بڑی شان سے بیٹے کو یورپ پڑھنے بھیجا اور بیٹی کی بڑے گھر میں منگنی کرڈالی۔

جہاں نوکری کرتے تھے وہاں یہ تاثر ملنے لگا کہ چونکہ وہ کئی سالوں سے ٹائر بنانے والی فیکٹری میں کام کرتے تھے اب کاروبار، جس کا ایک پہلو ٹائر باہر سپلائی کرنا تھا جس پر انہیں سخت لفظوں میں کہہ دیا گیا تھا کہ نوکری کریں یا کاروبار۔ انہوں نے نوکری کو خیر باد کہہ دیا پر کچھ عرصے میں کاروبار کی وقتی چمک بھی ماند پڑ گئی۔ گھر بیچ کر قرض اتارا تو اتنا سرمایہ بچا تھا کہ ایک چھوٹا گھر لے لیں یا بیٹی کو شان سے رخصت کریں تو انہوں نے بیٹی کے مستقبل کا سوچا۔

سنہری منزل سے پہلی ڈولی پوری آب و تاب سے اٹھی۔ بہت عرصے بعد وہاج رئیس کا آشیانہ روشنی اور پھولوں سے یوں سجا کہ سنہرے رنگ میں جگمگا اٹھا پھر زندگی دوبارہ معمول پر آگئی۔

"بھائی جان! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں مگر جس طرح جلد بازی میں آپ نے میرا حصہ بیچا، وہ آخر آپ کے ہی آگے آیا۔" حمزہ زیادہ دن چپ نہ رہ سکا۔

"تمہارا حصہ تم نے خود بیچا تھا۔ جب میں نے بیچا تب وہ میرا تھا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شہزاد کے پاس تو نوکری بھی نہیں تھی اور اس عمر میں دوسری نوکری ملنے کی امید بھی نہ تھی جو بینک میں سرمایہ تھا۔ وہ بیٹے کی پڑھائی پر خرچ ہو رہا تھا۔ اب جیب سے پیسے نہیں نکلتے تھے تو بھائیوں کا لحاظ کم ہوتا جا رہا تھا۔

''میں بطور امانت آپ کو سونپ کر گیا تھا خیانت نہ کی ہوتی تو آج میرے سر پر بھی چھت ہوتی۔''

''تمہارے کام آیا' منہ مانگی رقم دی تاکہ تمہارا مستقبل بن سکے اور تم مجھے ہی آنکھیں دکھا رہے ہو۔''

طلحہ نے قریب سے گزرتے ہوئے یہ بحث سنی تو نگاہیں پھیر کر گزر گیا۔ اب یہ روز کا معمول تھا۔ وہ جتنا کر سکتا تھا' پہلے ہی کر رہا تھا۔ بار بار جھگڑے سلجھا کر وہ ان کا باپ نہیں بن سکتا تھا۔ الگ گھر کا ارمان رکھنے میں چودھری وہاج کے بیٹے برحق تھے۔ مگر باپ کی جمع پونجی کے اس کی زندگی میں ٹکڑے کرنے کے بجائے اگر اپنے بل بوتے پر سب حاصل کرتے تو انہیں راس بھی آتا۔

چودھری وہاج کی یہ خواہش کہ بچے ساتھ رہیں ایسے پوری ہوئی کہ جن کو اسکول کے زمانے میں شرمندہ تعبیر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا بہت اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کیونکہ اب وہ ایک گھر میں ایسے رہتے تھے جیسے ایک دستانے میں چار ہاتھ ڈال دیے ہوں ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں ساتھ رہنا تو لازم تھا ہی مگر لڑائی جھگڑوں سے بھی بچ نہیں پاتے تھے۔ آدھی عمر باپ کی جمع پونجی کے بل پر گزاری اب اپنی اولاد پر نگاہیں تھیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو اور اپنا ٹھکانہ بنا کر انہیں بھی ساتھ لے جائیں اب ان چاروں کے دلوں میں ایک ایک سنہری خواہش کا دیا جل چکا تھا۔

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل
ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ
اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ
کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اُم ایمان قاضی

آؤ الاؤ جلاتے ہیں

پریکٹیکل کی وجہ سے آج ضرورت سے زیادہ دیر ہوگئی تھی۔ تھکاوٹ حد سے سوا تھی، مگر ٹیوشن والے بچوں کے امتحان نزدیک تھے سو ادھر بھی چھٹی کرنا مناسب نہیں تھا۔ صبح ناشتہ کرتے ہوئے اس نے زینب آپی کا اُترا ہوا چہرہ اور سرخ آنکھیں دیکھیں تو پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

ناولٹ

''وجہ تو آپ کے شوہر نامدار یا ساس محترمہ ہی ہیں۔ یہ تو مجھے سو فیصد یقین ہے مگر بات کیا ہے جس نے ایک ہی رات میں خون نچوڑ لیا آپ کا۔'' چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

''کچھ نہیں! تم آرام سے یونیورسٹی جاؤ۔ ایسی باتیں تو اس گھر میں روز کا معمول ہیں۔'' زینب آپی نے اس کے پاس بیٹھی اپنی دونوں بیٹیوں کو دیکھ کر کہا۔

''جس گھر میں ایسی یا ویسی باتیں روز کا معمول ہوں وہاں کے بچے بھی وقت سے پہلے سمجھ دار ہو جاتے ہیں ڈیئر آپی! ان سے کچھ بھی مت چھپائیں بلکہ انہیں حالات سے لڑنے کا' ان کے سامنے بہادری سے تن کر کھڑے ہونے کا حوصلہ دیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بیگ کندھے سے لٹکاتے ہوئے اپنی چادر درست کی۔

''پتا ہے زینب آپی! صبر اور محبت ہر ایک کو رام نہیں کر سکتے۔ ایسا ہوتا تو ہماری ماں عیش کرتی اس گھر پر..... مگر ہوا کیا کہ وہ منوں مٹی اوڑھ کر سو گئی۔ چیخ کر' چلّا کر یا لڑ جھگڑ کر اپنا حق لینا سیکھو ورنہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی اور وقت ہمارے سامنے ایک اور زینب اور شفا کو ان کی صورت لا کھڑا کرے گا۔'' دونوں بھانجیوں کو پیار کرتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی۔

''انسان بھول بھی جائے شفا! وہ ستر ماؤں کے برابر چاہنے والا اپنے بندے کے ساتھ ہونے والی زیادتی کبھی نہیں بھولتا اور وقت آنے پر اسے دوگنا کر کے لوٹاتا ہے..... میں نے اپنا ہر معاملہ اپنے اللہ کے سپرد کیا۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''وقت کس نے دیکھا ہے زینب آپی...... خیر لیٹ ہو رہی ہوں۔ واپس آ کر بات کرتی ہوں۔ اٹھو سونیا! اپنے نکمے چاچو کو بلا کر لاؤ۔ ورنہ پہلا پیریڈ تو گیا میرا۔''

''سامنے تو قدر کی نہیں میری، کم از کم بچوں کے سامنے غیر موجودگی میں ہی عزت سے پکار لیا کرو۔ نکما چاچو حاضر ہے۔ بھابھی! جلدی سے ناشتہ دے دیں ورنہ آپ کی نک چڑھی بہن کے ہاتھوں آج میری خیر نہیں۔'' نکھرا نکھرا سا وہ سامنے تھا۔

''خبردار، خبردار جو تم نے اب ناشتے کا نام بھی لیا۔ صرف بیس منٹ رہ گئے ہیں کلاس شروع ہونے میں...... ناشتا کرنا تھا تو جلدی بھی اٹھ جاتے...... جلدی چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی باہر لے جانے لگی۔ دونوں بچیاں چاچو کی اس حالت پر ہنس دی تھیں۔

''شفا! اسے ناشتہ تو کر لینے دو۔ چچی کو پتہ چلا کہ ہادی ناشتے کے بغیر گیا ہے تو بہت ناراض ہوں گی۔'' زینب توے پر پراٹھا چھوڑ کر بھاگی چلی آئی تھی ان کے پیچھے۔

''اگر ہمت ہے تو روک کر دکھا دیں اپنے پیارے دیور کو......'' اس کے انداز میں ایک محسوس کیا جانے والا چیلنج تھا۔ زینب طویل سانس لے کر رہ گئی کہ واقعی وہ اس کے روکنے کے باوجود بائیک نکالنے لگا تھا۔ یہ تو گھر کا ہر فرد ہی جانتا تھا کہ ہادی کے لیے صرف شفا کی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ وہ اس کی ناراضی سے بچنے کے لیے ایسے ہزار ناشتے قربان کر سکتا تھا۔

☆☆☆

نام تو پتا نہیں کیا تھا اس کا مگر سرخ و سفید چہرے پر نیلی آنکھوں کا امتزاج اتنا بھلا لگا تھا سب کو کہ پہلی بار تو نہ جانے کس نے اسے نیلی کہہ کر پکارا تھا مگر بعد میں — نیلی اتنا مشہور ہوا کہ اصل نام کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ تایا کے دو جڑواں بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک کو تو پیدا ہوتے ہی تائی نے اپنے بے اولاد بھائی کے حوالے کر دیا تھا۔ سو علی ہی اکلوتا بچہ تھا تایا اور تائی کے گھر کا مگر محبتیں اور لاڈ ہر کسی کے حصے میں نہیں آیا کرتے۔ پانچ سال بعد ہی چچا کے گھر نیلی کی آمد نے جہاں علی کے اکلوتے پن کو ختم کیا تھا وہاں نیلی کی اہمیت ہی جدا تھی۔ تایا، تائی بھی ماں، باپ کے برابر ہی اس کے ناز اٹھاتے نہ تھکتے۔ ابا کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی تو تایا کے جگر کا ٹکڑا۔ کبھی کبھی علی اس کی اس قدر اہمیت پر جھنجلا ہی جاتا تھا۔ مگر جان پھر بھی اسی طوطی میں بندھی جس کا نام نیلی تھا۔

گھر والوں کے لاڈ پیار نے اسے بگاڑا تو نہیں تھا مگر کسی حد تک، مغرور ضرور کر دیا تھا۔ بچپن سے لے کر لڑکپن اور لڑکپن سے لے کر جوانی تک منہ سے نکلنے والی ہر فرمائش ایسے پوری ہوئی تھی کہ نیلی کے لیے نہ سننا ناممکن ہو چکا تھا اور مزاج کسی حد تک حاکمانہ...... ان ہی دنوں جب گھر میں ان دونوں کی شادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ نیلی کے ابا، اماں کی حادثاتی وفات نے جہاں نیلی کی دنیا اندھیر کر دی تھی وہاں تایا اور تائی بھی ٹوٹ سے گئے تھے۔

☆☆☆

''ہاں بھئی! ابھی تک باہر نہیں آئے تم لوگ......؟ کیا گھول کر پلا رہی ہیں مسز چیمہ تم لوگوں کو، صبح ناشتہ نہیں کرنے دیا تم نے ظالم لڑکی......! اب آدھے گھنٹے سے کینٹین میں بیٹھا محترمہ کی راہ تک رہا ہوں۔ گرم سموسوں کی خوشبو سے حواس اُڑے اڑے سے ہیں۔

پیٹ میں الگ چوہوں نے کرکٹ کا میلہ سجا رکھا ہے...... اب اگر ملکہ عالیہ کی اجازت ہو تو بندہ کچھ پیٹ پوجا کر لے......؟'' لمبا سا ٹیکسٹ اسے بھیج کر اس نے کرسی سے ٹیک لگا لی۔ وہ دونوں کلاس فیلو تھے اس کا لنگڑا کر چلنا ان کی دوستی کا نقطہ آغاز بنا تھا ورنہ تو وہ اس سے پہلے جانی دشمن تھے ایک دوسرے کے......

اس نے ریاضی کی کاپی میں جہاں ہوم ورک کیا ہوا تھا۔ اسی صفحے پر مری ہوئی چھپکلی رکھ دی تھی۔ ٹیچر نے جیسے ہی کاپی کھولی ایک زوردار چیخ ان کے حلق سے نکلی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھی۔ اس کے بعد ابکائیوں کا ایک طویل سلسلہ چلا تھا۔ ذرا ہوش آنے پر کاپی کی تفتیش کی گئی کہ کس کی تھی' تو شفا کا نام پڑھتے ہی ایک زبردست سی سزا (جو کہ تین گھنٹوں کے لیے بینچ پر کھڑا ہونے کی تھی) نے شفا کو انتہائی شرمندگی سے دوچار کیا تھا۔ یہی نہیں پرنسپل صاحبہ نے الگ کلاس میں آ کر اس قسم کے بے ہودہ مذاق پر اسے جھاڑ پلائی تھی۔ اس دوران ہادی کی آنکھوں کی چمک اور چہرے کی مسکراہٹ نے صاف بتا دیا تھا کہ یہ برسوں والی شرارت کی سزا تھی جو اس نے اس کی ڈرائنگ بک پر انک گرانے پر دی تھی۔

اس دن بنچ پر سزا میں کھڑی شفا نے فیصلہ کیا تھا کہ اس بار وہ ہادی کو ایسا سبق سکھائے گی جو وہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔ اور اس وقت انتقامی منصوبے بناتی شفا نہیں جانتی تھی کہ وہ واقعی اس کو ایسا سبق سکھانے والی تھی جو اسے عمر بھر یاد رہنا تھا اور جس کا موقع اسے بڑی آسانی سے اسی شام مل گیا تھا۔

وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ چھت پر پتنگ اُڑا رہا تھا جب کہ شفا بھی وہیں اپنی گڑیا سے کھیلتی موجود تھی۔ کچھ دیر اس کی پتنگ بازی کو دیکھتے رہنے کے بعد نجانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ بالکل منڈیر کے کنارے کھڑے ہادی سے بھاگ کر آن ٹکرائی، وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور ایک زوردار آواز نکالتا نیچے جا گرا تھا...... دفعتاً کندھے پر زور سے فائل لگنے پر وہ ان یادوں کے سفر سے ایک دم واپس لوٹا تھا۔

''ہاں بھئی! میسج بھیج بھیج کر مجھے خواہ مخواہ کے احساس جرم میں مبتلا کر دیا تم نے...... پریڈ آف ہوتے ہی میں بھاگی چلی آئی ہوں کہ محترم بے ہوش ہی نہ ہو گئے ہوں مگر یہاں تو بالکل تازہ دم شکل دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ ابھی ابھی ہی کھانا تناول فرمایا گیا ہے......'' بیٹھتے ہی اس نے میز بجا کر ساتھ گزرتے لڑکے کو متوجہ کیا جو ساتھ والی میز پر چائے رکھ رہا تھا۔

''اب چونکہ میری ذات پر تم نے صبح کا ناشتا چھوڑ کر ایک بڑا احسان کر ہی دیا ہے تو اب بتاؤ' میری جیب سے کیا کھانا پسند کرو گے۔''

''جہاں تک میرے علم میں ہے تو میں تو صبح اماں سے پٹرول کے پیسے اور کچھ اور روپے لے کر آیا تھا۔ تم نے تو وہ بھی نہیں لیے تو مہربانی کر کے صرف میرے ساتھ شریک ہو جاؤ' یہ ہی بڑی بات ہو گی میرے لیے......'' قطعی انداز میں کہتے ہوئے اس نے لڑکے کو برگر، سموسوں اور چائے کا آرڈر دیا تھا۔

''محترم ہادی صاحب! تمہیں شاید یہ علم نہ ہو کہ اپنی ذات کے لیے کسی دوسرے سے کچھ بھی ہاتھ پھیلا کر مانگنا مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہا...... چاہے وہ روپے ہوں...... محبت یا حق...... میری جن ٹیوشنز کا تم مذاق اُڑاتے ہو...... انہوں نے مجھے اس مانگنے وغیرہ کے چکر سے آزاد کر کے اس احساس سے چھٹکارا دے دیا ہے جو میرے ذہن میں ہوتا تھا کہ میں کسی پر بھی بوجھ ہوں۔ مہینے میں چار بار آرٹیکل لگ جاتا ہے ہفتہ وار میگزین میں تو اس کی پے منٹ سے اچھا خاصا گزارا ہو جاتا ہے میرا...... اس لیے کوئی ترس ورس کھانے کی ضرورت نہیں ہے مجھ پر۔'' اس کے ہی انداز میں کہتے ہوئے اس نے برگر اٹھا کر کھانا شروع کیا۔

''والدین دوسرے یا کسی نہیں ہوتے شفا! بلکہ یہ تو وہ واحد رشتہ ہے جس سے انسان اپنی ضرورت اور فرمائش تو کیا ہر خواہش بیان کر سکتا ہے...... کیونکہ والدین پر اپنی اولاد کی کفالت ایک فرض ہی تو ہے جب تک وہ اپنے پیروں پر کھڑے نہ ہو جائیں...... مجھے اچھا نہیں لگتا جب تم اپنے پیرنٹس سے ایسے غیریت برتتی ہو۔''

''میرے نہیں...... صرف تمہارے، صرف تمہارے والدین ہیں وہ...... تم ہی اپنی ضرورت، فرمائش اور خواہشات پوری کروایا کرو...... اب کیوں اور کیا کے سوالات مت کرنا کیونکہ ایک بار یہ بحث شروع ہو گئی تو مشکل سے ہی ختم ہو گی...... جلدی سے ختم کرو یہ سب...... یا تو بھوک سے مرے جا رہے تھے اور اب چڑیا کی طرح ٹونگ رہے ہو...... میری نیکسٹ کلاس اسٹارٹ ہونے میں دس منٹ رہ گئے ہیں اور آج مجھے ٹیوشن کے لیے چھوڑ دینا...... موسم

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تو ایسے موسم میں کنوینس کا پرابلم ہو جاتا ہے۔" کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے اب وہ بول بھی رہی تھی اور اسائنمنٹ پر بھی نظر دوڑا رہی تھی جس کی جا کر اسے پریزینٹیشن دینی تھی۔

☆☆☆

وقت بڑے سے بڑے دکھ پر بھی دھول ڈال کر اسے بھلانے میں مدد دیتا ہے۔ اگر جو وہ وقت ٹھہر جائے تو ہر دکھ کے بعد انسان کا جینا ہی مشکل ہو جائے۔ قدرت نے ہر چیز کو عین فطرت کے مطابق رکھا ہے۔ تایا، تائی اور علی کے خیال رکھنے پر وہ سنبھل گئی تھی۔ مشکل سے ہی سہی زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ پڑھائی میں اس کی دلچسپی واجبی سی تھی سو ایف اے کے بعد ہی تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا اس نے..... علی کا یونیورسٹی میں آخری سال تھا۔

تایا اور ابا کا لیدر گارمنٹس کا چھوٹا سا کاروبار تھا جس کو تعلیم مکمل کرنے کے بعد علی کو ہی سنبھالنا تھا۔ سو تایا، تائی نے ان دونوں کی شادی کر دی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو پا کر بے حد خوش تھے۔ شادی کے پہلے سال جب سعدی نیلی کی گود میں آیا تھا۔ تایا، تائی محض دو برس ہی جی پائے تھے تمام فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ دونوں حج پر گئے تھے اور مناسک حج کے دوران بھگدڑ مچ جانے کے دوران شہید ہو گئے تھے۔ محبت نچھاور کرنے والے ماں باپ کا دکھ ان دونوں کو خون کے آنسو رلا گیا تھا۔ پھر ہادی کی آمد نے ان کو اس غم سے نکلنے میں مدد دی تھی۔ زندگی ایسے ہی گزر رہی تھی کہ پھر وہ ہو گیا جس کا ان میں سے کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

"صرف تمہاری ضد تھی کہ تمہاری بیٹی کو اپنی بہو بناؤں..... اب مجھے بتاؤ کہ اتنی بیٹیوں کا اچار ڈالے گا میرا بیٹا..... کرن کو میں پسند بھی کر چکی تھی اور رشتہ بھی دے آئی تھی..... مگر صرف تمہاری وجہ سے میں اپنی زبان پر قائم نہ رہ سکی اور عمر بھر کی شرمندگی مول لے لی اپنی کزن کے آگے..... میں کہے دے رہی ہوں کہ اب کی بار اگر بیٹا نہ ہوا تو میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گی..... ویسے بھی وہ بچی بیچاری بھی بیوہ ہو کر ماں کے در پر دوبارہ آن بیٹھی ہے۔" وہ بھری ہی بیٹھی تھیں۔

"بیٹوں یا بیٹیوں کی ماں بننا عورت کے اختیار میں تو نہیں ہوتا تمکنت! آج بیٹیاں ہیں تو بیٹا بھی ہو جائے گا..... اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے..... باقی کس بات کی کمی ہے زینی میں، پڑھی لکھی ہے، خوب صورت بھی اور سلیقہ مند اتنی کہ ہوش سنبھالتے ہی گھر کا سارا انتظام خوش اسلوبی سے سنبھال لیا تھا۔ شادی کے بعد تو مزید ذمہ دار ہو گئی ہے..... ہاں شفا تھوڑی لاپرواہ ہے۔"

"صرف لاپرواہ نہیں..... زبان دراز، بدسلیقہ اور پھوہڑ کہو میاں اپنی صاحبزادی کو..... اور میں نے کب کہا کہ زینب میں وہ تمام خوبیاں نہیں جو تم نے بیان کی ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ جو منحوس بلڈ پریشر کا مرض اس کی جان کو چمٹا ہے تو اس سے بچے کی گروتھ نہیں صحیح ہو پا رہی..... سونیا پانچ برس کی ہو گئی۔ اس کے بعد تین دفعہ امید بندھی مگر ہر بار ہی معاملہ بگڑ گیا اس کم بخت بی پی کی وجہ سے۔ اب تو ڈاکٹر سختی سے کہہ رہے ہیں کہ آئندہ بچہ پیدا کرنے کی کوشش زینب کے لیے جان لیوا ہوگی۔ کل ہی ڈاکٹر سے کئی ٹیسٹ کرا کے آئی ہوں..... اللہ کا دیا بہت ہے ہمارے پاس ..... میرا بچہ افورڈ کر سکتا ہے دوسری بیوی تو کیوں ترستا رہے عمر بھر اولاد نرینہ کے لیے..... روز ہی یہ راگ الاپتی ہوں مگر تمہاری بیٹی نے الگ رو رو کر گھر میں نحوست ڈالی ہوئی ہے۔ تم الگ اینٹھے بیٹھے ہو..... بتاؤ بھلا دنیا نہیں کرتی دو، دو شادیاں اور سنبھالتی بھی ہے۔ زینب کی حیثیت وہی رہے گی جو ایک بہو کی ہوتی ہے..... اور یہ شفا کے بھی پر کاٹو ذرا..... میں تو اس کے لیے کسی کھاتے میں نہیں ہوں۔ نہ آنے کا وقت نہ جانے کا۔ نہ بات کی تمیز نہ سلیقہ کسی کام کا..... ہادی کو تو غلام بنا کے رکھا ہوا ہے اس نے..... یہ طور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

طریقے ہوتے ہیں شریف بچیوں کے۔ زینب نے بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ ہادی لڑکا ہو کر تین بجے گھر میں ہوتا ہے۔ یہ محترمہ نور لور پھر کے مغرب کے وقت گھر لوٹتی ہیں..... نور بڑی متاثر ہے اپنی شفا آپی سے..... کہیں وہ اس جیسی روش نہ اپنا لے..... تم کہو گے تو برا نہیں مانے گی..... مجھے تو دشمن سمجھتی ہے اپنا وہ ..... پہلے دن سے جو بیر باندھا ہے..... آج تک ویسے ہی قائم ہے۔" وہ تنفر سے بول رہی تھیں اور ان کے ماتھے کے بل بڑھتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

"میں نے پہلے ہی نکاح کے وقت کہا تھا کہ ہماری ماں کو اللہ نے بلا لیا۔ باپ کو چچی نے ہتھیا لیا..... اور چچی وہ عورت ہیں جو بغیر مطلب کے کسی کو اپنا بخار بھی نہیں دیتیں، وہ ایسے کیسے تمہیں بہو بنا سکتی تھیں..... کچھ سیکیورٹی کے طور پر لکھوا لو..... اس گھر کا نام لینے پر اس عورت نے مجھے میرے سگے باپ سے پٹوایا مگر میں پھر بھی اڑی رہی کہ یہ گھر نہ سہی کم از کم بیس لاکھ جرمانہ ہی لکھوالیں اگر سعدی بھائی نے دوسری شادی کی تو وہ دیں گے..... نہ ہونے دیتی نکاح اگر جو تم ستی ساوتری بن کر چچی بیگم کی ہمدردی میں کھڑی نہ ہو جاتیں..... ہونہہ اس وقت سب کو میں دشمن لگ رہی تھی..... تم نے تو مجھ سے بات چیت ہی بند کر دی تھی کہ میں خواہ مخواہ معاملے کو بگاڑ رہی ہوں۔ تمہاری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بنوں تو اگر میں تمہیں تب دشمن لگی تھی تو اب بھی میرے سامنے مت روؤ....." وہ روتی زینب کو دیکھ کر غصے سے بولی تھی۔

بہت دن سے گھر میں یہ سلسلہ تو تھا ہی..... آج صبح چچی نے الٹی میٹم بھی دے دیا تھا کہ وہ کچھ ہی دنوں میں کرن کو اس گھر میں بیاہ کر لانے والی ہیں۔ ناشتے کی میز پر خوش قسمتی سے سب بہت دنوں بعد جمع ہوئے تھے سو چچی نے وہیں یہ شوشا چھوڑا تھا۔ ابا اور سعدی بھائی تو اطمینان سے ناشتا کرتے رہے تھے۔ شفا نے ناشتا چھوڑ کر ایک کٹیلی نظر چچی پر ڈالی تھی اور پھر طنزیہ نظروں سے ہادی کو دیکھا تھا جو خود ماتھے پر بل لیے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

"جو مسئلہ بھابھی کے ساتھ ہے اماں! اس میں ان کا تو کوئی قصور نہیں ہے..... پھر آپ کیوں ناشکرے پن کی انتہا کرتے ہوئے گھر کا ماحول بھی ڈسٹرب کر رہی ہیں اور بھابھی کا دل الگ توڑ رہی ہیں..... یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ اللہ نے انہیں بے اولاد تو نہیں رکھا ناں..... دو ننھی پریاں بھیجی ہیں ہم سب کے لیے..... اس رحمت سے کیوں منہ موڑ رہی ہیں۔"

"لو بھلا..... گھر کا ماحول کیا خراب ہونا..... وہ اوپر الگ پورشن میں رہے گی..... نیچے والوں کی روٹین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا..... اور بیٹیوں کا کیا ہے، رخصت ہو کر اگلے گھر چلی جاتی ہیں۔ باپ کا بازو تو بیٹے ہوتے ہیں..... وارث ہوتے ہیں خاندان کے پھر یہ صرف میری نہیں، سعدی کی بھی خواہش ہے..... اس کے خیال میں کرن کی بددعائیں ہیں جو اس کو وارث کی خوشی نہیں دکھا رہیں..... دوسری شادی کوئی گناہ تو نہیں ہے اور اب تو وہ ایک بیوہ سے نکاح کر رہا ہے، اسے اس نیک کام سے روک کر گناہ گار تو مت بنو۔"

"ہمیں تو خیر کسی کھاتے میں رکھا ہی نہیں آپ نے کیونکہ ہماری ماں مر چکی ہے اور باپ....." اس نے ایک تنفر بھری نظر سے ان کو دیکھا اور پھر چچی کی طرف مڑی۔

"کل اگر نور کے ساتھ یہ سب ہو..... تو کیا ایسا ہی ثواب اس کے شوہر کو بھی کمانے کو کہیں گی۔"

"بیڑہ غرق ہو تیرا شفا! منہ میں خاک پڑے۔ ارے کیڑے پڑیں تیری زبان میں..... بہن نہیں ڈائن ہے..... ڈائن..... کیسے منہ بھر کے بددعا دے دی میری بچی کو....." ان کے واویلے پر بت بنے پاپا کو بھی ہوش آیا تھا۔

"آئندہ ایسی کوئی بکواس کی ناں شفا! زبان کاٹ دوں گا تمہاری۔" کھڑے ہو کر غصے سے انہوں نے کہا تھا۔ شفا بھی ڈرے بغیر کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہوئی۔ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

''کاٹ ہی دیں یہ زبان...... کیونکہ غلط بات مجھ سے برداشت ہوتی نہیں اور اس گھر میں صحیح آج تک میرے ساتھ ہوا نہیں...... سو کاٹ ہی دیں تو اچھا ہوگا...... ہاں چچی! مجھے آپ کی بد دعاؤں سے اپنے سوال کا جواب مل گیا اور سعدی بھائی......'' وہ غصے سے بل کھاتے سعدی کی طرف مڑی جس کو ایک دوسری عورت کے ساتھ اچھی خاصی جائیداد ملنے کا بھی مژدہ سنایا تھا اس کی ماں نے...... تو اب یہ کم بخت شفا ہمیشہ کی طرح رخنہ ڈالے کھڑی تھی۔

''انسان کو سب سے زیادہ دوسرے کا دل دکھانے جیسے عظیم گناہ سے بچنا چاہیے...... کیونکہ آزمائش کا تو وعدہ ہے اس رب کا ہر انسان سے...... اور پھر وقت کچھ بھی اور کبھی نہیں بھولتا...... انسان بھول جاتا ہے مگر دنیا میں' یہ جو مکافات کا عمل ہے' ہر ذی روح کے ساتھ ہے...... وقت آپ کے کیے کو کبھی نہ کبھی لوٹاتا ضرور ہے' وہ بھی دگنا کرکے۔''

''شفا! میں کہہ رہا ہوں...... اندر جاؤ...... یہ نہ ہو کہ میں بھول جاؤں کہ میں تمہارا باپ ہوں۔''

''وہ تو آپ سترہ سال سے بھولے ہوئے ہیں...... ورنہ ایک باپ کے گھر میں بیٹیوں کے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہیں ہوسکتا۔'' ایک بار پھر وہ مسکرا کر بولی تھی۔ان سب میں صرف ہادی تھا جو اس مسکراہٹ کے پیچھے ٹوٹتے مان کی کرچیاں محسوس کررہا تھا۔

☆☆☆

تایا اور تائی کے وفات پر وہ پہلی بار پاکستان آیا تھا۔ہوش سنبھالتے ہی اس نے جن افراد کو اپنے ماں باپ کے طور پر دیکھا تھا' انہوں نے شعور میں آتے ہی اسے باور کرادیا تھا کہ انہوں نے اسے پاپا کی بہن سے گود لیا تھا۔اس پر اس بات کا کوئی خاص اثر نہ پڑا تھا کہ اس کے نزدیک اس کے پاپا اور مام ہی جان لٹانے والے والدین تھے...... نہ کبھی اس نے اپنے والدین کے بارے میں مزید جاننے کی ضرورت محسوس کی تھی نہ ہی مام ڈیڈ نے کچھ بتانے کی کیونکہ سرد ملکوں میں جا کر لوگوں کے رشتوں اور جذبوں کے حوالے سے شاید احساسات بھی سرد پڑ جاتے ہیں۔ مشین کی طرح چلتی اس زندگی میں کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ ایک پسماندہ سے ملک کے ان پسماندہ سے لوگوں کے حوالے سے بات چیت کرتے جنہوں نے اپنے خون جگر سے اس کے وجود کو سینچا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی اس کے ماں باپ چاہتے ہی نہ تھے کہ اس سے اس حوالے سے کوئی بات کریں۔ہاں کبھی کبھار مام' پاپا فون پر پاکستان والوں سے بات کرلیا کرتے تھے۔مگر خود حسن نے کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

ان ہی دنوں اس نے مام سے لینا کے لیے بات کی تھی۔وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔دونوں ساتھ ہی پڑھتے تھے اور پھر دونوں لینا کے پاپا کے ریسٹورنٹ میں پارٹ ٹائم جاب بھی تو کرتے تھے۔ ان کو بھلا کیا اعتراض ہوتا۔تعلیم مکمل کرتے ہی ان کی شادی ہوگئی اور شادی کے پہلے سال زینی اور دوسرے سال شانی نے آکر ان کی ہنستی کھیلتی زندگی میں مزید رنگ بکھیر دیے تھے۔

تمام عمر اپنے ملک کی پسماندگی' غربت اور دیگر مسائل کا راگ الاپنے والے مام اور پاپا کی اب ایک ہی خواہش تھی کہ عمر کا باقی حصہ وہ اپنے ملک جاکر گزارنا چاہتے تھے آنے والے وقت میں نہ تو وہ کسی اولڈ ہوم کا حصہ بننا چاہتے تھے نہ ہی چاہتے تھے کہ بچیوں کی تربیت ایسے ماحول میں ہو۔معاشی جدوجہد کی دوڑ میں بہو اور بیٹا اتنے مصروف تھے کہ صبح ان کی شکل دیکھنے کو ملتی یا رات گئے۔بچوں کے لیے الگ سے میڈ تھی مگر جو کچھ مستقبل کے حوالے سے وہ دیکھ رہے تھے' وہ کچھ ایسا خوش آئند نہیں تھا۔

☆☆☆

شفا کا واویلا' ہادی کی ناراضی' کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ کرن بیاہ لائی تھیں۔اوپر والا پورشن شاید تائی نے پچھلے دنوں اسی مقصد کے لیے تعمیر کرایا تھا۔شفا نے بطور احتجاج زینب آپی سے بات

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چیت بالکل بند کر رکھی تھی۔ گزشتہ تین دنوں سے ناشتے کے بغیر یونی جا رہی تھی مگر آج زینب اسے زبردستی پکڑ لائی تھی۔

''میری زندگی میں پہلے کیا کم پریشانیاں ہیں جو تم بھی غصے میں اینٹھ کر بیٹھ گئی ہو۔'' ان کی بات سے زیادہ شفا کو ان کے آنسوؤں نے کمزور کیا تھا۔

''اور میں کہتی ہوں کہ آپ کی زندگی میں آدھی سے زیادہ پریشانیاں آپ کی اپنی وجہ سے ہیں۔ نہ آپ ان لوگوں سے اتنا دبتیں نہ یہ لوگ آپ پر حاوی ہوتے۔ پڑھائی آپ نے ادھوری چھوڑ دی تھی۔ میں نے کہا بھی تھا کہ علم ایک عورت کے لیے ہتھیار کی مانند ہوتا ہے جو زندگی کی ہر مشکل میں اس کے لیے ڈھال ہوتا ہے اور سب سے زیادہ معاشی حوالے سے۔

اول تو سعدی بھائی آپ کی اور بچوں کو کفالت کر کے احسان نہیں کر رہے، یہ ان کا فرض اور آپ کا حق ہے، پھر بھی مرد جب اپنی ذمہ داری نہ پہچانے تو عورت کی تعلیم اور ہنر اس کے کام آتا ہے۔ اب میاں نئی بیوی پا کر سب بھول گیا ہے اور آپ نیچے بیٹھ کر ستی ساوتری بنی آنسو بہاتی رہیں گی تو کچھ بھی نہیں ہونے والا آپ کا اور آپ کی ساس بیگم کے فرمودات ہفتے بھر میں ہی ہوا میں تحلیل ہو گئے جو انہوں نے کہا تھا کہ بڑی بہو کا مقام وہی ہو گا جو پہلے تھا تو بھئی پہلے بھی کوئی مقام نہیں تھا اور اب تو رینٹنگ میں آپ اور بھی نیچے چلی گئی ہیں۔'' وہ زینب آپی کے ساتھ باتیں کرتی کچن میں آئی۔ وہاں نور کو سکون سے چائے پیتے دیکھ کر زینب آپی تو خواہ مخواہ شرمندہ ہو گئیں جب کہ شفا کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''شفا ٹھیک کہہ رہی ہے آپی! آپ بیوی ہیں ان کی۔ دوسری شادی سے آپ کا ان سے رشتہ تو ختم نہیں ہو گیا۔'' نور نے بھی تائید کی۔ یقیناً وہ سب کچھ سن چکی تھی جو شفا نے کہا تھا۔ اسی پل ہادی بھی کچن میں داخل ہوا تھا۔

''اور میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ ہر بار جب بھی گھر میں کوئی مسئلہ ہوتا ہے یہ محترمہ مجھ سے بات چیت بند کر دیتی ہیں...... جیسے جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے، میرے ہی حکم سے یا مشورے سے ہو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے بھی اتنا ہی دکھ یا تکلیف ہوتی ہے جتنی ان کو کیونکہ میرا بھی اس گھر سے اور اس گھر کے مکینوں سے ویسا ہی رشتہ ہے جیسا ان کا۔''

''اور میرا ایسے ہر معاملے میں دل کرتا ہے تم سمیت تمہارے سارے گھر والوں کو گولی سے اڑا دوں...... بات کرنا تو دور کی بات ہے۔''

''اچھا چھوڑو شفا! ایسا شاید میری قسمت میں لکھا گیا ہو گا...... تم نہ تو غصہ کرو نہ کسی اور کو الزام دو...... ناشتا کرو شاباش سب۔'' زینب آپی سے ایسا تناؤ بھرا ماحول برداشت نہ ہو سکا تو انہوں نے ناشتے کے لوازمات لا کر میز پر رکھنے شروع کیے۔

''کیا ہو گیا ہے زینب! ابھی تک اوپر ناشتا نہیں پہنچایا تم نے...... یہ وطیرہ تو کبھی بھی نہیں رہا اس گھر کا کہ اس وقت تک گھر میں ناشتا ہی نہ بنا ہو......'' چچی بولتی ہوئی اندر آئی تھیں۔

''کیوں' اوپر والوں کے ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں کیا...... خود بنا لیں' میری بہن نوکر نہیں ہے کسی کی۔'' چائے پیتے ہوئے اطمینان سے کہا گیا جملہ چچی کو آگ لگا گیا۔

''تم سے جو کہا گیا ہے زینب! وہ کرو...... اس کے تو میں منہ بھی لگنا گوارا نہیں کرتی۔''

''اماں! مجھے آج کالج نہیں جانا! میں دے آتی ہوں بنا کے ناشتا اوپر...... زینب آپی نیچے سب کو دے رہی ہیں نا ناشتا!'' نقص امن کا خطرہ محسوس کرتے ہی نور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اماں آپ چلیں اپنے کمرے میں...... ناشتا مل جاتا ہے آپ کو۔'' اس سے پہلے کہ چچی اس کی حسب معمول گوشمالی کرتیں۔ ہادی نے اٹھ کر ان کو کندھوں کو تھاما اور باہر لے جانے لگا۔

''میں نے تجھے پہلے بھی کہا ہے ہادی! مت اس لڑکی کو اتنا سر چڑھا کہ سر پر ہی چڑھ کے ناچنے لگے...... ورنہ اس کے لیے تیرے باپ کی ایک مار ہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

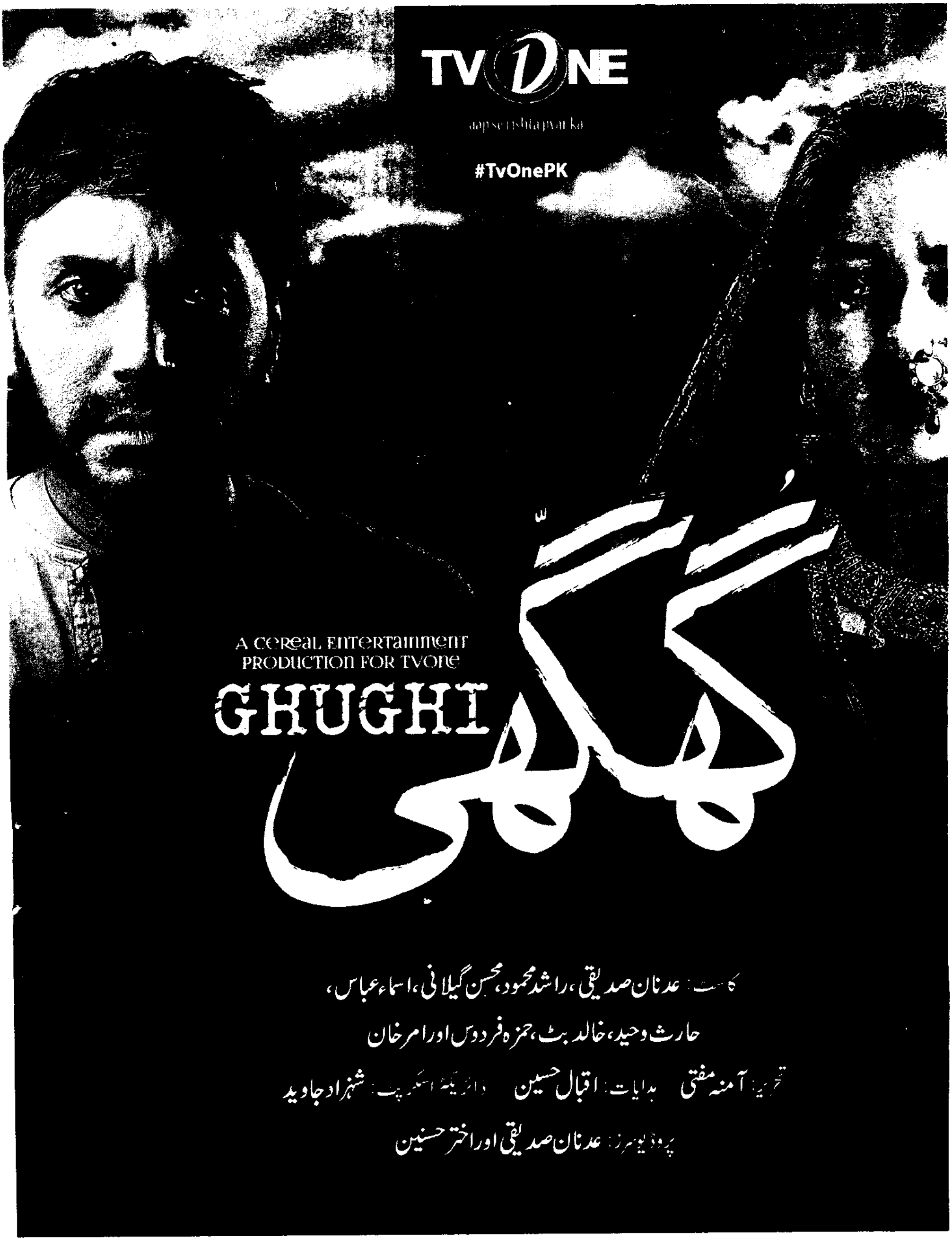

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ایک محبت، ایک داستان

1940 کی دہائی میں لاہور کے قریبی دیہات میں مسلمان شیخ اور ہندو ساہوکار برادریاں رہتی تھیں۔ شیخ ساہوکاروں کے قرض دار تھے۔ عدم ادائیگی پر پنچایت نے شیخوں کی لڑکی کو تین دن کے لیے ساہوکاروں کے حوالے کردیا۔ لٹی پٹی برباد کی گئی عنایت بی بی شیخوں کے دل کا ناسور بن گئی۔ کافی عرصے بعد شیخوں کے لڑکے رشید نے ماں کے طعنوں سے تنگ آکر عین بیاہ کے دن ساہوکاروں کی لڑکی نمو کو اغوا کرلیا مگر پہلی ہی نظر میں اسے نمو سے عشق ہوگیا۔ رشید نے نمو کو اپنی برادری کے حوالے کرنے کے بجائے گاؤں سے دور ایک جگہ اپنی ذاتی قید میں رکھا۔ رشید نے نمو کی عزت پہ ہاتھ نہیں ڈالا بلکہ اس کے لیے سائبان بن گیا۔ مگر نمو ایک دن موقع پا کر قید سے نکلی اور اپنے گاؤں کی طرف بھاگ گئی ماں باپ نے اسے رکھنے سے انکار کردیا کہ پندرہ دن گھر سے باہر رہنے والی عورت کو کون واپس لیتا ہے نمو رشید کے پاس واپس لوٹ گئی۔ رشید نے اسے مسلمان کرکے اس کے ساتھ شادی کرلی۔ اور اب نمو کا نام فاطمہ ہوگیا مگر اپنے منگیتر ٹیک چند کی یاد اس کے دل میں بسی رہی۔ اس سارے کھیل میں نمو کی اپنی حیثیت صفر ہوکر رہ گئی۔ اس کا جسم پامال، روح زخمی اور دل وحشت زدہ تھا جبکہ اس کا وجود صرف ایک ایسا جسم بن کر رہ گیا تھا جیسے گدھ بھی نہیں کھاتے۔ رفتہ رفتہ رشید سے نمو کا گریز اور صرف سمجھوتے کا رشتہ رشید کی شدید محبت اور بہترین سلوک کی وجہ سے ایک شوہر سے محبت کرنے والی بیوی میں بدلنے لگا۔ رشید کے دل میں یہ بات کانٹے کی طرح چبھی ہوئی تھی اور اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہتا تھا کہ اس نے بے قصور نمو کو ماں باپ بھائی بہنوں، سکھی، سہیلیوں اور اس کے منگیتر سے جدا کرکے بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ احساس ہمیشہ ستاتا رہتا کہ ابھی تک وہ نمو کا دل جیتنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اور پھر قسمت نے رشید کو یہ موقع دے ہی دیا۔ وقت اسے ایک ایسے موڑ پہ لے آیا جہاں اسے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ نمو کو اپنے پاس رکھے یا اپنے جرم کی تلافی کے لیے اسے اس کے [illegible] دے اور نمو بھی ایک دوراہے پہ کھڑی تھی کہ [illegible] دیتے ہوئے سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے گھر والوں کے پاس واپس چلی جائے جو اسے دل سے قبول کرنے اور سینے سے لگانے کے لیے تیار تھے یا رشید کا ہاتھ تھامے رہے۔ ایک سسکتی بلکتی نمو اس کہانی کا انجام ہے۔

#TvOnePK

Thursday 8:00pm

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کافی ہوتی۔"

"اماں ...... میری پیاری اماں ...... ایسے نہیں ہوتا ناں ...... مار کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتی ...... میں تو جانوروں کو بھی مارنے کے حق میں نہیں ہوں۔ اور آپ نے اور چچا نے یہ غلط رواج ڈالا ہے ...... بہت غلط، بیٹیاں تو بہت پیاری ہوتی ہیں' رحمت۔" آہستہ آہستہ اس کی آواز مدھم ہوتی جا رہی تھی شفا نے تنفر سے سر جھٹکا۔

بہت بار ایسا ہوا تھا کہ چچی' پاپا کو کچھ انداز میں بھڑکاتیں کہ وہ زینب اور شفا کو ایک آدھ تھپڑ جڑ دیا کرتے تھے۔ زینب تو تب سے اتنی خوف زدہ ہوئی تھی کہ ان کی غلام ہی بن گئی تھی گویا مگر شفا ڈھیٹ بن گئی تھی ...... ہر مار کے بعد وہ تہیہ کرتی کہ زندگی میں ایک بار تو چچی کو ایسی زک ضرور پہنچائے گی کہ عمر بھر کی زیادتیوں کا ازالہ ہو جائے۔ پھر ذرا بڑے ہونے پر ہادی ڈھال بن گیا تھا ان کی' بچوں کے تیور دیکھ کر اب وہ بھی چیخ چلا لیتے تھے، ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتے تھے۔

☆☆☆

وہ مبہوت ہی تو رہ گئی تھی اسے دیکھ کر۔ دنیا میں بہت سے لوگ حسین تھے یقیناً وہ خود کسی سے کم تھی کیا مگر اس کا حسن عجیب کھینچ لینے والا تھا۔ جب جب اس پر نظر پڑی تھی' وہ ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھے چلی گئی تھی۔ پھر چونکی تب جب علی نے کسی بات کے لیے اس کا باقاعدہ بازو ہلا کر اسے متوجہ کیا تھا۔ اس نے چونک کر خالی خالی نظروں سے اپنے خاوند کو دیکھا تھا۔ لمحے میں ہی یہ تلخ حقیقت اس پر کھلی تھی کہ وہ شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں ہے' ایسے کسی غیر شخص جو یقیناً اس کے لیے نامحرم ہے' دیکھنا تو ایک طرف اس کے بارے میں سوچنا بھی گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ مگر اگلے پل جس سوچ نے اس کے ذہن کو جکڑا تھا وہ یہ تھی کہ اس شخص کو اس جیسی حسین لڑکی کا ہی نصیب ہونا چاہیے تھا۔ اس معمولی لڑکی کے ساتھ وہ ہرگز بھی نہیں جچ رہا تھا۔ یہ سوچ زیادہ طاقتور تھی ...... پھر وہ سر جھٹک کر اس محفل سے ہی اٹھ گئی تھی۔

وہ اس کا جیٹھ تھا جس کے پیدا ہوتے ہی تائی نے اپنے بے اولاد بھائی کو دے دیا تھا۔ بہت کم ہی سہی مگر ٹیلی فونک رابطہ رہا تھا، وہ بھی بڑوں کے درمیان۔ اب وہ لوگ تایا، تائی کی وفات پر آئے تھے۔ ویسے بھی وہ اب مستقل پاکستان میں رہنے کا سوچ رہے تھے کیونکہ بچیاں بڑی ہو رہی تھی اور ان کے والدین نہیں چاہتے تھے کہ لڑکیوں کی تربیت اس مادر پدر آزاد معاشرے میں ہو۔ ویسے بھی لینا کے والد کی وفات کے بعد ان لوگوں کا ہوٹل بیچ کر یہاں کوئی کاروبار کرنے کا ارادہ تھا۔

حسن کو فی الحال اپنی فیملی کو پاکستان چھوڑ کر ایک بار پھر واپس جانا تھا کہ کچھ لین دین کے مسائل ابھی سلجھانے والے رہتے تھے۔ یہ سب سن کر علی بضد ہو گیا تھا کہ اتنے بڑے گھر میں وہ دو افراد ہی تو ہیں تایا اور تائی کی وفات سے بھی بہت دل گرفتہ ہیں۔ سو یہیں رہ جائیں۔ حسن جو اتنی کم عرصے میں گھر کے حوالے سے اور اس کے پیچھے ان سب کو کون دیکھے گا، جیسے مسائل کا سوچ کر پریشان تھا، پاپا اور مام کے حامی بھرتے ہی وہ بھی چپ ہو گیا۔ تاہم علی کی بیوی کا رویہ اسے کچھ الجھن میں ڈال رہا تھا جس کی نظریں عجیب سا والہانہ پن لیے ہوئی تھیں۔

اس لیے چار دن وہاں رہ کر وہ واپس سدھار گیا تھا دوبارہ واپس آنے کے لیے اس وقت علی کے بچے پانچ چھ سال کے اور حسن کی بچیاں تین اور چار سال کی تھیں۔

☆☆☆

"کیا بات ہے آج ہماری بیگم صاحبہ کوئی خاص بات سوچ رہی ہیں کیا ......" بڑی دیر سے وہ نوٹ کر رہے تھے کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہیں۔ رفاقت کے اتنے سال گزرنے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف تھے اور سب سے بڑی بات ...... آج بھی ان کی محبت کا وہی والہانہ پن برقرار تھا جو آج سے کئی سال قبل تھا۔ وہ چونک کر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سیدھی ہو بیٹھیں۔

"ہوں...... میں سوچ رہی ہوں کہ ہادی کی شادی کر دی جائے اور نور کے لیے بھی دو چار لوگوں نے کہا تھا۔ ان کے بارے میں بھی سوچ لیا جائے۔"

"ہادی کے لیے...... ابھی تو اس کے امتحانوں میں کچھ دن ہیں...... پھر لڑکی بھی نہیں دیکھی آپ نے ابھی تک اور نور بھی ابھی چھوٹی ہے...... پہلے شفا کا سوچنا چاہیے ہمیں۔"

"ہم...... وہی تو سوچ رہی ہوں...... نور کے لیے جو رشتہ آیا ہے وہ کسی طور پر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ کھاتے، پیتے، شریف لوگ ہیں۔ لڑکے کی اچھی جاب ہے۔

ماں باپ حیات نہیں ہیں...... بس ایک بھائی، بھابھی ہیں...... سوچ رہی ہوں ان سے مل ہی لیا جائے تو پھر ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی...... یہ بتائیں کچھ دنوں سے آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے...... کچھ کھوئے کھوئے سے ہیں...... کوئی پریشانی ہے کیا؟" کچھ دنوں سے انہوں نے جیسا محسوس کیا تھا...... وہی کہہ دیا تھا...... وہ چونک سے گئے۔

"نہیں وہم ہے تمہارا...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سر جھٹک کر انہوں نے کہا تو تمکنت خاموش ہو گئی تھیں مگر یقین ہو چلا تھا کہ کوئی بات ہے ضرور اور وہ اس سوچ میں تھے کہ کیا بتائیں ان کو کہ ان کو گزرتے وقت میں اپنی کرنی کے پچھتاوے اب ستانے لگے ہیں — کسی کی آہیں ان کو اپنا پیچھا کرتی محسوس ہونے لگی ہیں۔ کوئی انہیں خوابوں میں بددعا دیتا ہوا اپنے پیچھے بھاگتا نظر آتا ہے...... اب تو انہیں اٹھتے، بیٹھتے یہی وہم ستانے لگا تھا کہ جو کچھ انہوں نے ماضی میں کسی دوسرے کے ساتھ کیا تھا، وہ حال میں کوئی اور بھی تو ان کے ساتھ کر سکتا ہے...... آخر کو انسان کی سرشت میں حرص اور بے صبری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

ایک کے بعد دوسری خواہش پوری کرنے چل پڑتا ہے یہ دیکھے بغیر کہ اس خواہش کی تکمیل میں کسی کا دل گیا تو کسی کا گھر اور کبھی کبھی تو جان بھی جا سکتی ہے۔

اگر اب ایسی ہی کسی جان لیوا خواہش نے دوسرے فریق کا دامن ایک بار پھر پکڑ لیا تو اس بار نشانے پر وہ بھی آسکتے ہیں......؟ ایسا ہر بار سوچنے پر وہ جھرجھری لے کر رہ جاتے۔

تمکنت ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر دل ہی دل میں الجھن محسوس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

"ارے اماں! آپ آئیں، اندر آئیں...... باہر کیوں کھڑی ہیں؟ مجھے بلا لیا ہوتا......" وہ اپنے نوٹس سنبھال رہا تھا جب تمکنت بیگم کو باہر کھڑے دیکھ کر اس نے ان کو ہاتھ سے پکڑا اور اندر لے آیا۔

"نہیں، کچھ خاص کام نہیں تھا...... تمہیں دیر ہو رہی ہے تو جاؤ۔ پھر بات کر لیں گے۔" شفا اور زینب تو نہیں تھیں جو زبان اور آنکھیں انگارے برساتیں یہاں تو ان کی سب سے عزیز اولاد تھی، ان کے سامنے...... اور جب سے اس کے ساتھ حادثہ ہوا تھا، وہ دل کے اور قریب ہو گیا تھا ان کے۔

"آپ سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے اماں میرے لیے...... بتائیں کیا حکم ہے؟ ان کو صوفے پر بٹھا کر وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"جیتے رہو...... آباد رہو ہمیشہ...... کوئی حکم نہیں ہے...... بس اب تمہارے سر پر بھی سہرا سجا دیکھنا چاہتی ہوں...... کوئی لڑکی ہے تو بتاؤ نہیں تو پھر میں اپنی مرضی سے لے آئی تو گلہ مت کرنا۔" وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

ہادی نے ان کی گود میں سر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔ لگتا نہیں تھا اس پل کہ وہ زینب اور شفا کی بھی تھیں۔ اس پل وہ ایک ماں تھیں...... صرف ایک ماں — ماں اور بیٹے کی محبت کے وہ آفاقی پل بے حد حسین تھے...... اب وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

"جب اس کی وجہ سے عمر بھر کی محرومی میرا مقدر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بنی تو میں نے اس کے لیے شدید نفرت محسوس کی......اس واقعے کے بعد جب میں اسکول گیا تو سب منظر، لوگ اور رویّے میرے لیے بدل چکے تھے۔ اس روز میں اپنے دوستوں تک کے نزدیک ہادی نہ رہا تھا......ایسا لڑکا تھا جو باسکٹ بال میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔" اس کی آواز بھیگ گئی۔ تمکنت بیگم کے چہرے کے نقوش تن گئے۔ دل میں ایسا درد ابھرا جیسے یہ ابھی کی بات ہو......

"پھر ان میں سے ایک کے منہ سے ایسا فقرہ نکلا جو میرے اندر تک کھُب گیا تھا۔ اس فقرے میں ان گنت زہریلے کانٹے تھے جنھوں نے میرا وجود نیل ونیل کردیا تھا۔ جانتی ہیں وہ فقرہ کیا تھا۔" وہ رک رک کر بولا۔

"ابے یہ لنگڑا تو اب چل پائے تو بڑی بات ہے' کھیل میں کیا خاک حصہ لے گا؟

"اماں......! ابھی میں پوری طرح افسردہ بھی نہ ہوا تھا کہ وہ آئی۔ اس پل اور لمحوں میں میری بیساکھی بن گئی' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ان سب کو وہ سنائیں کہ عمر بھر یاد رکھیں گے شاید اور جس لڑکے نے مجھے لنگڑا کہا تھا اس کو۔" وہ گیلی سی ہنسی ہنسا۔ گویا چشم زدن میں وہ منظر سامنے ہو۔

"اس کو بالوں سے پکڑ کر نیچے گرایا اور مکوں اور لاتوں سے وہ تواضع کی کہ میں بمشکل اسے لنگڑا ہونے سے بچاسکا۔"

"آئندہ کسی نے ہادی کو لنگڑا بولا تو اسے میرے ہاتھوں سے لولا، لنگڑا، کانا اور گنجا ہونے سے کوئی نہیں بچا سکے گا......"وہ لڑکی ہو کر کسی سپہ سالار کی طرح للکار رہی تھی جیسے میدان جنگ میں دشمنوں کے درمیان کھڑی ہو...... اور وہ سب بھاگ گئے تھے......وہ عمر کے اس حصے سے لے کر آج تک میری بیساکھی ہی ہے۔ اب تو میں اس کے بغیر خود کو دیکھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ آپ سے میری پہلی اور آخری فرمائش اتنی ہے کہ بے ضابطہ تو وہ میری زندگی کے ہر فیصلے میں شامل ہے ہی......باضابطہ بھی اسے میرا کر

دیں......اور......اور ایک اور بات۔" ان کی گود سے سر اٹھا کر بڑی آس سے وہ ان کو دیکھ رہا تھا' تمکنت اسے مسکراتی نظر آئیں۔ اس کا مطلب وہ سب جانتی تھیں کہ ان کی مسکراہٹ بہت حوصلہ افزا تھی۔

"میں نے آپ سے جھوٹ کبھی نہیں بولا......نہ بول سکتا ہوں......نہ آج بولوں گا۔ آپ دونوں کی ہر جھڑپ میں بے شک تکلیف دونوں کو ہی ہوتی ہو گی لیکن دل پر چوٹ میرے پڑتی ہے کہ آپ دونوں ہی مجھے بے حد عزیز ہیں......کسی ایک سے بھی زیادتی میری برداشت سے باہر ہے۔ اس سے بھی کہتا ہوں اور آپ سے بھی درخواست ہے کہ کبھی بھی اس کو کچھ کہنے سے پہلے ایک لمحے کو میرا سوچ لیا کریں۔ میری تکلیف کا سوچ لیا کریں کیونکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے کچھ نہیں مانگا جب بھی لڑی اپنے سے منسلک رشتوں کی جنگ لڑی......وہ دل کی بری نہیں ہے۔ حالات نے اسے زبان کی کڑوی بنادیا ہے۔"

"بس......بس میرے وکیل بچے......بس۔"

انہوں نے اسے ٹوک دیا۔ پھر فوراً ہی سنجیدہ ہوگئیں۔

"جس طرح تمہارا اور اس کا رشتہ ایک الگ طرز کا رشتہ ہے ناں ہادی' میں اور وہ بھی ایک ایسے رشتے کی ڈور سے بندھے ہیں جس میں ندی کے دو کناروں کی مانند ساتھ ساتھ تو چلتے ہیں۔ باہم مل نہیں پاتے۔ وہ میری سوکن کی بچیاں تھیں......اور سوکن اور اس سے جڑا رشتہ دنیا کی کوئی عورت بھی برداشت نہیں کرتی......مگر مجھے کرنا پڑا کہ ان کا باپ میرا شوہر بھی ہے اور وہ میرے بچوں کے لیے خاص ہیں تو میں بھی ان کو برداشت کررہی ہوں اور کروں گی......مگر وہ لڑکی......ایسے لگتا ہے مجھے نیچا دکھانے کے لیے، مجھے ستانے کے لیے مجھ سے خود الجھتی ہے۔ اسے سمجھا لینا تو میں بھی خود کو سمجھا لوں گی۔ کہ میرے لیے میرے بیٹے کی خوشی دنیا میں سب سے زیادہ اہم ہے۔" مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

”تھینک یو اماں ......تھینک یو سو مچ......میں کوشش کروں گا آپ دونوں کے درمیان تکرار کی نوبت ہی نہ آئے اور سوری‘ بھائی کو بھی سمجھائیں کہ دوسری شادی ہر مرد کر سکتا ہے مگر دونوں کے درمیان توازن قائم صرف ایک مومن مرد ہی کر سکتا ہے۔ کم ازکم کسی ایک معاملے میں ہی صحیح مسلمان بن کے دکھا دیں کہ حقوق العباد سے کوتاہی کی سخت پکڑ ہے۔ بچیاں الگ باپ کے پیار کو ترس گئی ہیں۔“

”سمجھاؤں گی......ضرور سمجھاؤں گی......مگر ایک نصیحت تمہارے لیے بھی کہ مردوں کو اتنا حساس نہیں ہونا چاہیے......مرد تو مضبوط اعصاب کے ہی اچھے لگتے ہیں۔“ وہ اس کے کندھے تھپتھپا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ جو اس سے کوئی ٹاپک سمجھنے آئی تھی، تمکنت بیگم کو کھڑا ہوتا دیکھ تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

☆☆☆

”کیا بات ہے نیلی! بہت دنوں سے میں نوٹ کر رہا ہوں کہ تم کچھ کھوئی کھوئی سی ہو......مجھ سے بھی کھنچی کھنچی اور بچوں سے بھی دور دور......کوئی بات کوئی غلطی ہوئی ہے مجھ سے تو بتا دو......تم جانتی ہو......تمہاری ناراضی مجھ پر گراں گزرتی ہے۔“ وہ کھانستے ہوئے بولا کہ دمہ کا مرض سردیوں میں زور پکڑ جاتا تھا۔ ہر بار اس مرض کی شدت میں وہ اس سے بڑھ کر تکلیف میں ہوتی......ایک پیر پر کھڑی ہو کر وہ اس کی ایسی تیمارداری کرتی کہ آدھے مرض پر تو وہ اس کے بل پر قابو پایا کرتا تھا۔

رفاقت کے ان نو سالوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ بیماری سے اکیلے ہی لڑ رہا تھا۔ وہ اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس نہیں تھی۔ نہ وہ ہمیشہ کی طرح اس کی کمر سہلا رہی تھی، نہ اس کے مانگنے سے پہلے اس کو ان ہیلر کر دے رہی تھی۔ نہ ہی وہ احتیاطی تدابیر اور تراکیب اسے یاد تھیں جن پر وہ ہمیشہ خود بھی سختی سے عمل کرائی اور اس سے بھی کرواتی تھی اور تو اور بچے بھی آج کل اس کی غفلت کا شکار ہو رہے تھے۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے! بس کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنے کو دل کر رہا ہے۔ آخر میں بھی انسان ہوں، میری بھی کچھ خواہشات اور خواب ہیں......آپ مرد لوگ تو چاہتے ہیں عورت بس آپ کی ہی پوجا پاٹ میں لگی رہے۔ آپ کے بچے پیدا کر کے پالتی رہے۔“ وہ گویا کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

وہ اس کے رویے پر گنگ ہی تو رہ گیا۔ واقعی وہ شروع سے ہی گھر والوں کی لاڈلی تھی۔ اس کی کسی بات کو آج تک رد نہیں کیا گیا تھا۔ تایا، تائی کی وفات کے بعد تو علی نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا۔ وہ غصہ بھی کرتی تھی، ناراض بھی ہو جاتی تھی مگر ایسا بے رخی اور بے گانگی والا رویہ تو کبھی بھی نہ رکھا تھا اپنی بیماری بھول کر وہ اس کے لیے پریشان ہو گیا تھا۔ مگر اس کا بار بار کا التفات اور استفسار اسے اور اشتعال دلا رہا تھا۔

”کچھ دیر کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو علی! ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔“ وہ اس قدر زور سے چلائی کہ اس کا گلا بیٹھ گیا۔ علی تاسف سے اسے دیکھ کر کھانستا ہوا باہر نکل گیا۔ اس پر جان قربان کرنے والی بیوی اس پل بھول گئی تھی کہ کسی بھی پریشانی کی صورت میں اس کا مرض اور زور پکڑتا تھا۔

☆☆☆

”ہم ایسے کب تک ملتے رہیں گے......چھپ چھپ کر......“ اس نے بے قراری سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

”اور میں سارا دن یہ سوچ کر کڑھتی ہوں کہ کیا ہوتا اگر ہم کچھ سال پہلے مل گئے ہوتے......“ وہ اس سے بھی زیادہ بے قراری سے بولی۔

پاکستان شفٹ ہونے کے بعد ہی اسے نیلی کا انداز اور رویہ کھٹکا تھا۔ پھر اس کی طرف سے تحریک پاتے ہی اس نے بھی اس پاکیزہ رشتے کو فراموش کر کے اس کے جذبوں کو پذیرائی بخشی تھی۔ بات ذومعنی جملوں سے شروع ہوئی تھی اور اب ملاقاتوں تک آن

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پہنچی تھی۔

وہ بہت تیزی سے قریب آئے تھے۔ لینا بے چاری تو ویسے بھی شروع سے بہت لگی بندھی زندگی گزارنے کی عادی تھی۔ یہاں آنے کے بعد ایک مہینہ بمشکل گھر پر فراغت سے گزار پائی تھی۔ اس کے بعد اس نے ایک اچھی ساکھ والے پرائیویٹ اسکول میں جاب کر لی تھی۔ شام کے اوقات میں ایک اکیڈمی بھی جوائن کر لی تھی۔ ساس سسر کے ساتھ دو بچیوں کی ذمہ داری میں اس کا خاوند اگر بے حد مصروف تھا تو وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ بھی اس کی طرح معاشی جدوجہد میں مصروف ہے...... پھر ساس، سسر بھی گھر پر کم ہی ہوتے تھے۔

عرصہ بعد پاکستان آنا ہوا تھا تو قریبی رشتہ داروں کے ہاں کے چکر ہی ختم نہیں ہو رہے تھے۔ ایسے میں حسن اور نیلی تھے جن کو کھل کر شیطانی کھیل کا حصہ بننے کا موقع مل گیا تھا۔ ایسے میں علی ہی تھا جس کے دل کو پنکھے لگے ہوئے تھے۔ نیلی کی بے گانگی اسے کسی ان ہونی کا پتا دے رہی تھی۔ اور بہت سے اندیشے اس کی طبیعت مزید خراب کر رہے تھے۔

☆☆☆

دو تین روز سے اس کا موڈ بے حد خوش گوار تھا۔ سو گھر کا راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ زینب آپی، بچیاں، ہادی اور نور سب کو لگائے گھر کی سیٹنگ بدلنے میں مصروف تھی۔ اونچی آواز میں ڈیک لگا رکھا تھا۔ نصرت فتح علی خان کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ ابا ڈاکٹر کے پاس گئے تھے کہ کچھ دنوں سے طبیعت بہتر نہیں تھی۔ تمکنت البتہ آتے جاتے مسکرا کر ان سب کو دیکھ کر کبھی کچن تو کبھی کمرے میں چلی جاتیں کہ آج انہوں نے کہا تھا کہ بہت دن بعد گھر کا کھانا وہ خود بنائیں گی...... اوپر سے اترتے سعدی بھائی حیرت سے ٹھٹک کر رہ گئے پھر ہادی کے ساتھ ساتھ وائپر چلاتی ننھی سونیا کو بے ساختہ اٹھا کر گود میں بھر لیا۔

''ارے...... ارے بھئی! یہ کیا ظلم ہو رہا ہے اس گھر میں...... یہ ضرور شفا کے کام ہوں گے...... اسے ہی آئے دن صفائی کا بھوت چڑھتا ہے۔ اچھی بات ہے مگر بھئی میری گڑیاؤں کو کیوں کام پر لگایا ہوا ہے......'' وہ اسے اٹھائے اٹھائے ہال کمرے کی طرف آ گئے...... سونیا کو اس کی گود میں دیکھ زینب آپی نے بے ساختہ دل میں شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ ورنہ کئی دنوں سے وہ کرن کو جو پیارے ہوئے تھے۔ ایک بار بھی بچی کی خبر نہیں لائے تھے۔

''جی ہاں...... شفا کا ہی کام ہے اور گھر کے کام کرنے پر کسی مرد، عورت اور بچے، بچی کی تخصیص نہیں...... کیونکہ گھر کے مکینوں کی محبت سے ہی گھر بنتے ہیں۔ میں نے آپ کے لیے بھی کام رکھا ہوا ہے۔ یہ صوفہ اٹھا کر رائٹ سائیڈ میں آپ کو رکھنا ہے...... نور! تم وہ والی وال پینٹنگ اتار کے یہاں ٹیبل پر رکھو۔'' شفا کا انداز وہی پرانا تھا...... سعدی بھائی نے جھٹ سونیا کو گود سے اتارا اور لگے صوفہ گھسیٹنے...... زینب جھٹ مجازی خدا کی مدد کو آئی تھی۔

''تم اپنا کام کرو بی بی! جو تمہیں کہا ہے...... ماشاء اللہ سے مرد ہیں۔ کر لیں گے۔'' شفا نے کڑی نظروں سے زینب آپی کو ٹوکا۔

''دیکھو شفا! ایک مشرقی عورت اپنے مجازی خدا کو کسی بھی مشکل میں اکیلا نہیں چھوڑتی۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولے۔

''ہاں ایک مشرقی مجازی خدا آرام سے اپنی نصف بہتر کو ایک مشکل تو کیا مشکلات کے سمندر میں اکیلا چھوڑ سکتا ہے۔'' آگے بھی شفا تھی اس نے فوراً حساب برابر کیا۔

''بھائی! ابھی تو حیرت کا جھٹکا تب لگے گا جب عرصہ بعد چچی کے ہاتھ کا کھانا تناول فرمائیں گے آپ...... اور نیچے تشریف لے آئیے گا تھوڑی دیر کو کہ آج ہماری نور کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں...... اب بیٹھ کر تھوڑا سانس درست کر لیں۔ زینب آپی سے آپ کی اتنی مشقت برداشت نہیں ہوئی، مجھے اشارہ کر گئی ہیں، آپ کو بٹھاؤں، جوس لینے گئی ہیں۔'' شفا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"اور ایسے ہی پرسکون ماحول کا ہم میں سے ہر ایک نے خواب دیکھا تھا۔" نجانے کیوں سعدی بھائی کے منہ سے نکل گیا۔

"اور اس کی تعبیر اور پروالی کو لائے بغیر بھی ہوسکتا ہے، مل ہی جاتی۔" وہ بھی ان کے سامنے بیٹھ کر آرام سے بولی تھی۔ ابھی وہ جواب بھی نہ دے پائے تھے کہ پینٹ گھٹنوں تک گیلی کیے۔ وہ اندر داخل ہوا تھا۔

"ہاں بھئی شفا! لاؤنج سے لے کر گیٹ تک پانی کا ایک قطرہ بھی مل جائے تو نام بدل لینا ہادی کا۔" لنگڑاتا ہوا وہ سعدی بھائی کے ساتھ ہی جا کر بیٹھ گیا۔ پھر چچی نے آ کر زندگی میں پہلی بار شفا سے شاید پیار سے بات کی تھی کہ جا کر کچن میں سلاد دیکھ لے، وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اٹھ گئی۔

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آسان ہوگئیں کہ مصداق اب اس پر یہ رویے اثر نہیں کرتے تھے۔ اس کے جانے کے بعد زینب آپی سب کو جوس دے کر گئی تھیں۔ اس کے بعد چچی نے سعدی بھائی کو بتایا تھا کہ وہ نور کے ساتھ ساتھ ہادی کی بھی شفا سے شادی کا ارادہ رکھتی ہیں۔ سعدی بھائی تو یہ بات سن کر خوشگوار حیرت میں گھر گئے تھے۔

"واہ بھائی! مستقبل میں تو میں ہادی کو ایک باورچی، ایک دھوبی اور تو اور بچوں کے ایک کیئرٹیکر کے روپ میں دیکھ رہا ہوں...... جس کی ایک آدھی جھلک تو آج دیکھ ہی لی ہے۔" سعدی بھائی اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر ہنس کر کہہ رہے تھے جبکہ ان کی بات سن کر وہ خود مسکرادیا۔ چچی بھی ہنس دی تھیں۔

☆☆☆

"دیکھیے مسٹر حسن......! دنیا میں انسان کے لیے سب سے بڑی عدالت ضمیر کی عدالت ہے۔ اس عدالت میں کھڑے ہونے کا اگر حوصلہ کر ہی لیا ہے تو اس کو آخری دم تک نبھاؤ...... کیونکہ اس میں کوئی بھی وکیل یا جج آپ کی مدد نہیں کرسکتا...... کیونکہ اس میں گواہ، مدعی، وکیل اور جج آپ خود ہوتے ہیں۔ اس میں انسان کو سب سے پہلے اپنے اعصاب مضبوط کرنے پڑتے ہیں اور پھر اللہ سے مدد مانگنی چاہیے...... معافی کا طلب گار ہونا چاہیے...... پانچ وقتی نماز آپ کی وکیل ہوتی ہے بس اور اگر کفارے کی کوئی صورت بچی ہو تو اس میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کا کیس تھوڑا مختلف ضرور ہے مگر جو ہو چکا ہے اس پر سوچنے کے بجائے اس کی بدترین شکل کو بہترین میں نہیں تو بہتر میں بدلنے کی کوشش تو کرسکتے ہیں آپ۔ ابھی تو بہت کچھ باقی ہے آپ کی اولاد کی صورت میں...... لیکن آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے ضمیر کی عدالت میں کھڑے ہونے کی ہمت تو کرلی مگر اپنے اعصاب مضبوط نہیں کر پا رہے...... اولاد سے بھی آپ کے تعلقات واجبی سے ہیں اور مذہب کو بھی آپ نے اپنی زندگی میں آخری ترجیح کے طور پر رکھا ہے۔

ایسا مت کریں مسٹر حسن! ضمیر نے جس دن آپ کو باعزت بری کردیا سمجھو آخرت میں بھی اس معاملے میں باعزت بری ہونے کی توقع بندھ گئی مگر اس کے لیے نماز پنج گانہ کو اپنا معمول بنائیں، استغفار کا ورد مسلسل رکھیں...... دوائیاں بغیر ناغے کے استعمال کرتے ہوئے صلہ رحمی کریں۔ اپنی اولاد کے ساتھ تعلقات بہتر کریں اور پندرہ دن کے بعد دوبارہ سیشن کرائیں۔" ڈاکٹر اپنی پیشہ ورانہ باتیں دہرا رہا تھا۔

یہ ان کا اس ماہر نفسیات کے پاس تیسرا سیشن تھا۔ دماغ کی بدلتی کیفیات اور پچھتاووں کی آگ تھی جو مسلسل ان کو جھلسا رہی تھی۔ نیند بے حد کم ہوگئی تھی۔ اب تو وہ اپنے سے منسلک رشتوں کو شک کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ اگرچہ وہ کیفیت وقتی ہوتی مگر وہ چند پل ہی ان کے لیے بے حد جان لیوا ہوتے۔ پھر نجانے کیا سوچ کر وہ اس ڈاکٹر کے پاس آئے تھے جس کے بارے میں کبھی ایک دوست سے سن رکھا تھا۔

ایک دو سیشن سے کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھا ان کو جب ہلکی ہلکی کھانسی اور سانس کے مسئلے کے ساتھ انہوں نے کچھ ٹیسٹ کروائے تو پتہ چلا کہ دمے کا موذی مرض وراثت میں چلتا ہوا ان تک آن پہنچا ہے۔ رپورٹس ہاتھ میں لیے ڈاکٹر کی باتیں ان کی سماعت تک کم پہنچ رہی تھیں......شور تھا، باتیں تھیں، آہیں اور کراہیں تھیں جو ان کو بری طرح سے جکڑ رہی تھیں......کوئی بے حد اپنا بے حد یاد آ رہا تھا۔

☆☆☆

پاپا اور مام ناشتا کرتے ہوئے باتیں کر رہے تھے......لینا اور بچے اسکول گئے ہوئے تھے......اسے ایک پارٹی سے ملنے جانا تھا......سو جلدی اٹھ گیا تھا۔ من میں نجانے کیا سمائی کہ دل کیا کہ ایک نظر اس ستم گر پر ڈال آئے جو دو دن سے اس سے ناراض تھی......اس کے خیال میں وہ اس کو صرف دل بہلانے کا سامان سمجھ رہا تھا اور کچھ نہیں ......روزانہ ہی وہ سینکڑوں منصوبے بناتے اور پھر ختم کر دیتے تھے......اپنا پورشن عبور کر کے وہ ان کی طرف آیا تھا۔

ہر طرف عجیب سے سناٹے اور خاموشی کا راج تھا۔ اچانک اسے کسی نے بازو سے کھینچ لیا تھا۔ وہ گرنے سے بمشکل بچا تھا۔ بکھرے بال، ستا چہرہ اور سرخ آنکھیں لیے وہ اس کے سامنے تھی......ابھی وہ اس کی اس حرکت سے سنبھل نہ پایا تھا کہ وہ اس سے لپٹ کر عجیب طرح سے رو دی تھی۔ پھر جو کچھ اس نے بتایا وہ اس کا دماغ ماؤف کر دینے کے لیے کافی تھا۔

''اسے پتا چل گیا تھا......اس نے ہمیں ہوٹل میں ملتے دیکھ لیا تھا پھر پرسوں ہماری باتیں بھی سن لی تھیں۔'' وہ رک رک کر پھولی سانسوں کے درمیان سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔

''اس کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی......سانسیں اکھڑ گئی تھیں اس کی......زندگی میں پہلی بار اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا......مجھے گالیاں دیں۔ کہا کہ وہ مجھے طلاق دے دے گا......بچے چھین لے گا......پھر عمر بھر ان کی شکل نہیں دیکھنے دے گا۔'' وہ عجیب وحشت بھرے انداز میں بول رہی تھی۔

''بہت برا ہوا نیلی! بہت برا' ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' پریشانی سے اس نے اپنی پیشانی مسلی۔

''پہلے میری بات پوری سن لو......'' وہ ہیجانی انداز میں زور سے بولی۔

''مجھے بھی غصہ آ گیا......میں نے اس کا ان ہیلر چھپا دیا......میں اسے مارنا نہیں چاہتی تھی......بس خود پر ہاتھ اٹھانے کی سزا دینا چاہتی تھی مگر وہ برداشت نہیں کر پایا......اور اب جب میں نے جا کر کمرہ کھولا تو وہ......وہ۔''

''تم نے اسے مار دیا نیلی......!'' حیرت و خوف سے اس کی آواز پھٹ گئی جب کہ خوف سے نیلی کا چہرہ بھی زرد ہوا تھا۔

''خدا کی قسم حسن! میں اسے مارنا نہیں چاہتی تھی......میں تو ناراض ہو کر کمرے سے باہر چلی گئی تھی......ہاں ان ہیلر چھپا دیا اور کمرے کو باہر سے لاک بھی کر دیا......یہ میری غلطی تھی۔''

''اف نیلی! یہ کیا کر دیا تم نے......'' وہ تیزی سے اسے ہٹاتا ہوا ان کے بیڈروم تک آیا۔ وہ صوفے کے پاس ہی آڑھا ترچھا پڑا تھا۔ شاید اس نے ان ہیلر تلاش کیا ہوگا......دروازہ بجاتا رہا ہوگا۔

''کچھ کرو حسن! مجھے بچا لو......اللہ کے واسطے مجھے بچا لو۔'' وہ اپنے شوہر کی ایسی سفاکانہ موت کو بھولے اپنے بچاؤ کی فکر میں تھی۔

☆☆☆

پھر نور کی بات آناً فاناً طے ہوتے ہی وہ ایک روز شفا کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔ زینب آپی بھی وہیں موجود تھیں۔ پھر رسمی سی چند باتوں کے بعد انہوں نے وہ موضوع چھیڑا تھا جس کے لیے آئی تھیں۔

''بہت کم ٹائم دیا ہے نور کے سسرال والوں نے' یہ تو تم لوگوں کو معلوم ہے......پنجاب میں اپنی ننھیال میں رکے ہوئے ہیں سب، شادی کرتے ہی بلوچستان چلے جائیں گے۔ بیٹیوں کو تو ایک روز اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے۔ اب جو بھی تیاری ہے تم لوگوں کو ہی کرنی ہے۔ تمہارا ساتھ ضرور دیتی مگر تمہارے پاپا کی طبیعت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دیکھ رہی ہو، کچھ اچھی نہیں ہے تو میرا ان کے ساتھ رہنا بے حد ضروری ہے۔

اور نور کی کمی محسوس نہ ہو، اس لیے میں نے ایک اور بیٹی لے آنے کا سوچا ہے..... میں چاہتی ہوں نور کے ساتھ ہی ہادی اور شفا کی بھی شادی کر دی جائے..... بس اب تم لوگ جانو، تمہارا گھر اور یہ دونوں شادیاں..... مجھے کوئی شکایت نہ ملے..... ہادی اور سعدی بھی ہوں گے ساتھ..... بچیوں کو میں گھر پر سنبھال لیا کروں گی۔ کھانا وانا کرن نیچے آ کر دیکھ لے گی اور ہاں نور کو بھی ساتھ لے لینا۔ دونوں بچیاں اپنی پسند کی ہی شاپنگ کریں تو بہت اچھا ہے کہ برتنا بھی تو انہوں نے ہی ہے۔''

ان کی طویل بات کے درمیان کوئی نہیں بولا تھا۔ البتہ زندگی میں پہلی بار مان ملنے پر اور شفا ہی اس کی دیورانی بن رہی ہے، یہ خبر سن کر زینب کا چہرہ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا جبکہ شفا کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ نہ خوشی کا نہ ناگواری کا' چچی کو بھی زینب کے تاثرات نظر آ گئے تھے مگر شفا کے منہ سے ابھی تک ایک لفظ نہ نکلا تھا۔

''کیوں شفا! ٹھیک ہے ناں.....؟'' انہوں نے دوستانہ انداز میں پوچھا جیسے کبھی اس سے تلخ رویہ رکھا ہی نہ ہو۔

''میں اور زینب آپی آج سے ہی نور کے لیے تیاری شروع کر دیتے ہیں مگر کرن بی بی کو نیچے تشریف لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اور زینب آپی کچھ نہ کچھ کر کے ہی جایا کریں گے جب بازار جانا ہوگا۔''

کوئی اور موقع ہوتا تو ابھی ان دونوں کے درمیان ایک معرکہ شروع ہو جاتا، مگر زندگی میں پہلی بار چچی نے خاموش بیٹھ کر اس کی بات سنی تھی۔

''اور سب سے اہم بات چچی!'' وہ اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی اور پشت ان کی طرف کر لی۔

''آپ اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ضرور کریں..... مگر اس کے لیے آپ نے مجھے کیسے سوچ لیا۔ مجھے تو خود حیرت ہو رہی ہے۔ وہ میرا دوست ہے' کزن ہے، مجھے اس سے ہمدردی بھی ہے..... کوئی اس کی معذوری کے بارے میں کچھ کہے مجھے بے حد برا لگتا ہے..... مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے ناں چچی!'' وہ اب ان کے سامنے آ بیٹھی تھی۔ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔

''کہ میں اس ہمدردی کو عمر بھر گلے میں ڈھول بنا کر لٹکائے پھروں جسے پھر چاہتے نہ چاہتے ہوئے' مرتے دم تک مجھے ہی بجانا ہی پڑے۔''

چچی کا چہرہ پتا نہیں غصے سے سیاہ پڑا تھا یا حیرت سے، وہ جان نہ سکی۔ تاہم شفا کو دل میں ایک کمینی سی خوشی ضرور محسوس ہوئی تھی۔

''آپ ایک ماں ہیں چچی! اس لیے بیٹے کی اتنی بڑی محرومی کو نظر انداز کر رہی ہیں۔ میں نے زندگی میں بہت سی محرومیاں دیکھی ہیں۔ اب کم از کم زندگی کا ساتھی پرفیکٹ دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ اپنے بیٹے کی جہاں چاہے شادی کر سکتی ہیں۔ مجھ سے کوئی امید مت رکھیے۔'' کھورپن کی انتہا کر دی تھی اس نے۔ نجانے کیوں زینب آپی کی آنکھیں بھر آئیں۔

''وہ..... وہ تم سے بے حد محبت کرتا ہے شفا! وہ جی نہیں پائے گا تمہارے بغیر۔'' ان کے منہ سے سرسراتے ہوئے آواز نکلی تھی۔

''اور میں اس کے ساتھ رہ کر جی نہیں پاؤں گی چچی..... آپ سمجھ کیوں نہیں پا رہیں..... آج آپ کی نور کے لیے ایک ایسے شخص کا رشتہ آ جائے جو لنگڑا ہو تو کیا آپ مان لیں گی۔'' ایسا کہتے ہوئے ایک پل کو اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ چچی کے دل پر بھی ضرب پڑی تھی اس لفظ سے۔

''تم تو ایسا کہنے والوں کا منہ توڑ دیا کرتی ہو شفا! کوئی ناراضی ہے یا شکوہ ہے تو مجھ سے کہو۔ میرے بچے کو تو زندہ درگور مت کرو.....'' وہ رو ہی پڑی تھیں۔ برسوں سے دل میں جلتی آگ پر ابھی چند چھینٹے ہی پڑے تھے ان کے بندھے ہاتھ اور آنسو دیکھ کر۔

''نہیں چچی..... آپ کو ہارتے دیکھنا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ اس پر ایسے سو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دل اور محبتیں قربان۔" دل کو ڈپٹ کر دور ہٹاتے وہ بولی۔

"چچی! جو حقیقت ہے میں نے وہ ہی بیان کی ہے۔ اس کے لیے میرے منہ سے کچھ نا مناسب الفاظ نکلے اس کی معذرت چاہتی ہوں۔ میں اب بھی اس کے لیے ایسا ویسا کہنے والوں کا منہ توڑ سکتی ہوں۔ مگر عمر بھر کا آزار مول نہیں لے سکتی۔"

"شفا ٹھیک کہہ رہی ہے اماں! آپ اسے مجبور مت کریں...... غلطی میری ہے میں ہی شاید اپنی اوقات بھول گیا تھا...... اس کی ہمدردی کو نجانے کیا سمجھ بیٹھا تھا۔ مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ ایک لنگڑے شخص کو کیا حق حاصل ہے جو وہ ایک صحت مند، خوب صورت اور پڑھی لکھی لڑکی کے خواب دیکھے...... سوری شفا! تمہیں اگر دکھ پہنچا ہو تو میں اماں کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔" وہ لنگڑاتے ہوئے اچانک داخل ہوا تھا۔

ایک پل کو تو شفا بھی ساکت رہ گئی تھی اس کی بات سن کر' نجانے کیوں وہ اس کا ایسا ٹوٹا لہجہ اور پژمردہ انداز برداشت نہیں کر پا رہی تھی، اس کی طرف دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں پر قابو پایا اور جلدی سے بیڈ پر بیٹھ کر نظریں جھکا لی تھیں۔ وہ اب ماں کو کندھوں سے پکڑ کر باہر لے جا رہا تھا۔

"تم دل چھوٹا مت کرو ہادی......! شفا کا پتا ہے ناں تمہیں...... جلدی غصے میں آجاتی ہے۔ اب بھی کوئی بات بری لگ گئی ہوگی......" وہ اب اس کا دل رکھ رہی تھیں۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہادی نے سر ہلایا تھا۔ شفا کو اپنا دل اس کے پیروں سے لپٹتا دکھائی دے رہا تھا...... پھر ایک منظر دماغ کی سطح پر ابھرا۔

"کرو گی آئندہ ایسے...... بتاؤ کرو گی ایسے......" وہ زور زور سے اس کے ننھے ہاتھوں پر لکڑی سے ضرب لگا رہی تھیں۔

چھوٹی سی بچی کو انہوں نے چائے بنانے کو کہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طریقے سے بنا کر تو لے آئی تھی مگر نجانے کیسے کارپٹ پر پاؤں رپٹا اور وہ چائے سمیت زمین بوس ہو گئی۔ گرم چائے نے اس کے پاؤں جلائے تھے۔ کانچ بھی چبھا تھا۔ مگر چچی جو چائے کا انتظار کر رہی تھیں، نے بہت بری طرح سے مارا تھا اسے۔ ان کے خیال میں اس نے جان بوجھ کر ایسے کیا تھا۔ اس نے مدد طلب نظروں سے پاپا کو دیکھا تھا، مگر وہ ایسے اخبار میں مگن تھے جیسے وہاں تھے ہی نہیں۔

اس روز اس نے پہلی بار تہیہ کیا تھا کہ زندگی اور وقت نے اگر موقع دیا تو وہ اس سے بھی بڑی مار انہیں دے گی۔ پھر ہر ہر ایسے موقع پر اس کے عزائم پختہ ہوتے گئے تھے۔

"نہیں ہادی! میں تمہاری اور تمہارے جذبوں کی گناہ گار ضرور ہوں مگر میں عمر بھر کی زیادتیوں اور محرومیوں کی گناہ گار نہیں بننا چاہتی۔ اس عورت کو روتے دیکھنا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ جس کے پورا ہونے کے وقت پر میں خود کو کمزور نہیں پڑنے دوں گی۔" حلق تک آئے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے اس نے خود سے کیا گیا عہد دوبارہ دہرایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

وہ عدت میں تھی سو حسن سے رابطہ نہیں تھا۔ لینا بیچاری ہی گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ اپنے بچوں کے ساتھ اس کے بچوں کا خیال رکھنا، کھانا وغیرہ دیکھنا، پھر اکیڈمی کے ساتھ گھر کو بھی دیکھنا...... ایسے میں نیلی کے اندر کا زہر ویسا ہی تھا۔ وہ جان لٹانے والے شوہر کو مار کر بھی خوش نہیں تھی...... جس مقصد کے لیے اس نے علی کو راستے سے ہٹایا تھا، وہ مقصد ابھی بھی پورا نہیں ہوا تھا۔

اس دن جب لینا اسے کھانا دینے آئی تو اس نے کہا کہ وہ حسن سے ملنا چاہتی ہے بزنس کے حوالے سے کچھ بات چیت کرنی ہے۔ مزید اس نے کہا کہ وہ جانتی ہے کہ وہ عدت میں ہے مگر پھر بھی حسن سے اس کا ملنا بہت ضروری ہے۔ وہ پردے میں ملے گی۔ اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وقت ان کا بزنس کچھ مسائل کا شکار ہے۔ تو اس کے لیے کسی مرد کی سپرویژن بہت ضروری ہے۔"

یہ اس کے اندر کا چور تھا جو وہ اس کو وضاحتیں اور توجیہات دے رہی تھی...... حالانکہ لینا بیچاری کو وہ کچھ نہ بھی کہتی تب بھی وہ ایک سادہ دل عورت تھی' اپنی نیت کے آئینے میں سب کو شفاف دیکھنے والی۔ نیلی کو وہ ایک مظلوم عورت سمجھتی تھی جس کا بھرا پرا گھر اُجڑ چکا تھا۔ جو بھی وقت ملتا اس کے دل جوئی میں گزار دیتی۔ نہیں جانتی تھی کہ اپنا گھر اجاڑنے والی وہ خود تھی اور اب اس کا بھی گھر اجاڑنے کے درپے تھی۔

☆☆☆

"میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا حسن۔ اب تمہاری باری ہے۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹتا ہے کہ اب تم اپنا وعدہ کب نبھاؤ گے؟ نبھاؤ گے بھی یا......؟"

"ایسا کچھ نہیں ہونے والا...... جیسا تم سوچ رہی ہو...... میں بھی تمہیں جلد از جلد اپنی زندگی میں لانے کا خواہاں ہوں...... پاپا اور مام کو کوئی اعتراض نہیں ہے تمہیں نکاح میں لینے پر...... مگر......" وہ رکا...... نیلی کی سانس رک گئی تھی۔

"مگر...... مگر کیا حسن! ایسی کوئی بات مت کہنا جیسے سن کر میرا دل بند ہو جائے۔ میں صرف تمہارے لیے اپنا سب کچھ لٹا چکی ہوں...... اور اب کوئی راستہ نہیں ہے میرے پاس۔" وہ ہنوز خوف زدہ تھی۔

"اب وقت بدلنے والا ہے نیلی...... کچھ نہیں ہو گا...... لیکن میں لینا کو نہیں چھوڑ سکتا وہ بہت ہمدرد عورت ہے۔ میرے لیے سب کچھ چھوڑ کر یہاں آئی ہے...... اس کا میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میری بچیوں کی ماں ہے وہ...... میں اس سے بات کروں گا...... وہ مان جائے گی۔"

"تم اسے نہیں چھوڑ سکتے......! پھر علی کون تھا۔ وہ بھی تو میرے بچوں کا باپ تھا...... مجھے کیوں اتنی جلدی فیصلے پر مجبور کیا۔" وہ چلائی۔

"میں نے کوئی راستہ ڈھونڈنے کو کہا تھا نیلی! ایسے اسے مار دینے کو نہیں کہا تھا...... اور میں اپنی کمٹمنٹ سے پھر نہیں رہا۔ میں اب بھی تمہیں اپنانے کو تیار ہوں۔ لیکن میں لینا کو نہیں چھوڑوں گا۔" وہ جتنا ہذیانی انداز اپنا رہی تھی۔ وہ اتنا ہی نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

ان کی وہ ملاقات ایک ناخوشگوار موڑ پر اختتام پذیر ہوئی تھی۔ وہ بولتا رہا تھا۔ نیلی منہ موڑے بیٹھی رہی تھی۔

"جاؤ...... چلے جاؤ! مجھے اکیلا چھوڑ دو...... تم سب میرے دشمن ہو......! مجھے مارنا چاہتے ہو...... کسی پر اعتبار نہیں رہا مجھے......" نور سے دودھ کا گلاس لے کر انہوں نے دور پھینک دیا۔ جو اندر آتی تمکنت بیگم کے پاؤں میں گر کر کرچی کرچی ہو گیا تھا۔

"یہ عورت...... یہ خود کو میری بیوی کہتی ہے۔"

وہ مزید بھی نہ جانے کیا کیا کہہ رہے تھے مگر انہوں نے نور کو فوراً وہاں سے جانے کو کہہ دیا تھا اور اس کے جانے کے بعد خود نڈھال ہو کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

ہادی کی مرجھائی صورت دیکھ کر دل دھک سے رہ جاتا، ادھر حسن کی دن بدن بگڑتی ذہنی کیفیت سے بھی سب پریشان تھے۔ دمے کا مرض تو تھا سو تھا، ڈپریشن بھی بڑھنے لگا تھا۔ ایسے میں نہ جانے کیا اول فول بولتے رہے...... ایسی حالت میں کسی بھی گھر کے فرد کے ہاتھ سے نہ تو کھانے کی کوئی چیز لینا گوارا کرتے نہ ہی دوائی لینا' الٹا دل آزاری کر دیتے تھے۔

ایسے میں گھر کے دو افراد ہی ثابت قدم رہتے جو اس کیفیت میں ان کی باتوں کو بھی برداشت کرتے اور باتوں باتوں میں ان کو کھانا بھی کھلا دیتے اور دوائی بھی' وہ دو افراد تھے تمکنت بیگم خود اور شفا۔

☆☆☆

"اللہ کے لیے اپنی سوچ کو بدلو...... اپنی حالت کو بھی...... بیٹی کی شادی سر پر ہے۔ ایسے میں میرا ساتھ دینے کے بجائے میری پریشانیوں کو بڑھا رہے ہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہو۔ حسن! ہم سب تمہارے اپنے ہیں.....کوئی تمہارا دشمن نہیں ہے۔"

وہ ایک بار پھر وہ باتیں دہرا رہی تھیں جو کچھ دنوں سے دہرائی آ رہی تھیں۔ ایک دو سیشن میں ڈاکٹر نے ان کو بھی ساتھ بلایا تھا' وہ گئی تھیں۔ جتنی احتیاط و ہدایت۔ مریض کے لیے تھیں اس سے بڑھ کر ان کے لیے تھیں مگر دوائیوں سے اور تھراپی سے ان کے ڈپریشن کے دوروں میں وقفہ تو آ گیا تھا مگر اس کیفیت میں وہ سب رشتے اور حالات بھول کر صرف خود آگاہی اور خود احتسابی کی کیفیت میں ہوتے جو کہ ان سے زیادہ تمکنت بیگم کے لیے کڑا وقت ہوتا تھا۔

☆☆☆

اس نے سوچ لیا تھا کہ زندگی بنانے کے لیے اب بھی انتہائی قدم اس کو ہی اٹھانا تھا۔ پہلی غلطی کے لیے پہلا قدم اٹھانا بے حد دشوار ہوتا ہے پھر منزل پانے کے لیے انسان بہت بار غلطی کی لکیر عبور کر کے جرم تک بھی جا پہنچتا ہے مگر اسے خبر ہی نہیں ہوتی۔ جنون کسی بھی جائز اور ناجائز خواہش کی تکمیل کے لیے بعض دفعہ بہت تباہی لے کر آتا ہے مگر اس وقت انسان اسے اپنی خوشی کے تناظر میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

حسن ابھی گھر میں بات کرنے کا سوچ ہی رہا تھا اور وہ اسے پانے کے لیے ایک بار گزر رہی تھی' دوسری بار گزرنے کو تھی۔ بس موقع کی تلاش میں تھی۔ اس کی عدت ختم ہوئے ہفتہ بھر ہونے کو تھا۔ حسن کے ماں باپ دوسرے شہر کسی عزیز کی فوتگی پر گئے تھے۔ حسن نے سب بچوں کو تیار کیا اور پارک لے گیا تھا۔ ایسا اسے نیلی نے کرنے کو کہا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے پیچھے اس کا کیا کرنے کا منصوبہ ہے۔

اس نے تو کہا تھا کہ بچوں کو ان کا باپ ہر چھٹی والے دن پارک لے کر جاتا تھا.....سو وہ چاروں بچوں کو لے کر گیا تھا۔ لینا نے صبح سے گھر میں مشین لگائی ہوئی تھی۔ حسن کے گھر سے نکلتے ہی اس نے ملک شیک کے دو گلاس تیار کیے اور وہیں لینا والے پورشن میں لے آئی تھی۔ لینا بیچاری نے شکر گزاری کے احساسات کے ساتھ وہ گلاس ختم کیا تھا اور لمحوں میں ہی اپنا گلا پکڑ لیا تھا۔

"نیلی ......میری طبیعت خراب ہو رہی ہے......اس دودھ میں۔" وہ کچھ بول بھی نہیں پا رہی تھی۔ آگ اگلتی کوئی چیز تھی جس نے لمحوں میں اس کے گلے، معدے اور دل تک رسائی پا کر اندر حشر برپا کر دیا تھا۔

"نیلی! حسن کو کال کرو۔ مجھے ڈاک......ڈاکٹر۔"......اس کی بات بھی پوری نہ ہوئی تھی کہ اس کے اندر سے نکلنے والے خون نے لمحوں میں ماربل کا فرش سرخ کر دیا۔

"حسن گھر پر نہیں ہے لینا......میں، میں کسی اور کو بلاتی ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا اور دھڑکتے دل کے ساتھ باہر نکل آئی اور اس دفعہ بھی اس نے وہی ترکیب آزمائی تھی......اوپر سے دروازہ بند کر کے مشین کا بزر آن کرنے کے ساتھ ہی کچن میں آئی اور بار بار جوسر چلاتی رہی......وہ جانتی تھی کہ وہ اتنا تیز زہر تھا کہ اسے کچھ بولنے کی مہلت نہیں دے گا مگر پھر بھی رسک لینا نہیں چاہتی تھی۔ ایک بار حسن آ جاتا تو ہو سکتا ہے اسے ہسپتال لے جاتا اور ایسا وہ نہیں چاہتی تھی۔

ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا جب اس نے سخت سردی میں اپنا پسینہ خشک کیا اور خشک حلق کچھ تر کرتے اس نے لاؤنج کا دروازہ کھولا۔ ایک طویل سانس اس کے حلق سے نکل گئی۔ چھوٹے سے خون کے تالاب میں وہ اوندھے منہ پڑی تھی......عادی مجرم کی طرح اس نے فرش صاف کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے کپڑے تبدیل کیے تھے۔ انہیں جا کر اپنے کمرے کے واش روم میں رکھا پھر کسی طرح لینا کے مردہ جسم کو گھسیٹ اس نے واشنگ مشین کے پاس لا ڈالا۔ دودھ والے گلاس دھو کر کچن میں رکھنے کے بعد اس نے اپنے کمرے میں واش روم میں جا کر اس کے خون آلود کپڑوں کو آگ لگا کر اس کی راکھ فلیش میں بہا کر واش روم کو دھو کر اپنا حلیہ درست کیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جو اس اٹھا پٹخ میں عجیب بکھرا بکھرا سا ہو گیا تھا۔ جرم کی ساری نشانیاں مٹا کر اور خوب تسلی کر لینے کے بعد اس نے اطمینان سے لینڈ لائن نمبر سے حسن کا نمبر ملایا تھا۔

"حسن ...... حسن! غضب ہو گیا ہے...... جلدی آؤ...... لینا کو کپڑے دھوتے ہوئے واشنگ مشین سے کرنٹ لگا ہے...... پتا نہیں وہ بے ہوش ہے یا مر گئی ہے۔ جلدی آؤ۔" لہجے میں جتنی پریشانی سمو سکتی تھی سموئی تھی اور اطمینان سے چلتی ہوئی نیچے پڑی لینا سے لپٹ کر رو دی تھی۔

"سوری لینا! مجھے معاف کر دینا...... میں نے بہت کوشش کی تھی کہ اس کو پانے کی خواہش کو دل سے نکال دوں۔ مگر وہ کسی آکاس بیل کی مانند مجھ سے لپٹ کر میرے اوپر حاوی ہوتی چلی گئی...... میں تمہارے ساتھ اس کو شیئر نہیں کر سکتی تھی۔"

دروازے میں کھڑے حسن نے ساکت نظروں سے نیچے بے سدھ پڑی لینا کو دیکھا جس کا چہرہ عجیب طریقے سے بگڑ گیا تھا اور نیلا پڑ چکا تھا۔ نیلی اس سے لپٹ کر زار و قطار رو رہی تھی۔ قطار در قطار آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر چاروں بچوں کے سر پر گر رہے تھے جو سہمے ہوئے اس منظر کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

☆☆☆

نور کی رخصتی تک گھر کا ماحول ایسے ہی رہا تھا' عجیب افسردہ اور رویا رویا سا۔ سعدی بھائی کو بھی خدا نے عقل دے دی تھی کہ اب کچھ وقت زینب کے ساتھ بچیوں کو بھی دینے لگے تھے۔ شاید اوپر والی نے دن میں تارے دکھا دیے تھے ان چند دنوں میں تب ہی نیچے والی بیگم کی یاد آ گئی تھی جو ان کے صبح اٹھنے سے لے کر رات سونے تک ان کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے ایک پیر پر کھڑی رہتی تھی۔ پھر کرن جو امید سے تھی تو الٹرا ساؤنڈ سے پتا چل چکا تھا کہ بیٹی تھی۔

☆☆☆

"ہادی! ...... یہ، یہ کیا ہے......؟" صدمے سے ان کے منہ سے لفظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے۔ وہ دونوں امتحانات سے فارغ ہو چکے تھے۔ شفا نے تو ایک کالج میں انٹرن شپ لے لی تھی۔ جب کہ ہادی جس کے ۔۔ عزائم بھی بہت بلند تھے اب سب کچھ بھول کر اپنے کمرے میں بند پڑا نجانے کیا کرتا رہتا...... کیا سوچتا رہتا...... آج کل حسن کی طبیعت کچھ بہتر تھی تو ان کی طرف سے تسلی کر کے لاڈلے کے پاس آئی تھیں۔

ستا چہرہ، بڑھی شیو...... سرخ آنکھیں...... اور اب دل میں اس کی حالت پر کڑھتے وہ اس کی تمام بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگیں پھر الماری کھول کر بے ترتیب چیزوں کو سنبھالتے انہیں سگریٹ کی کئی ڈبیا ۔۔ اور سفید پاؤڈر کی دو تین تھیلیاں ملی تھیں۔

"چرس...... ہیروئین...... کیا ہے یہ...... ایسی ہی کوئی بلا ہے ناں یہ ہادی؟ ایسے مت کرو ہادی! ماں مر جائے گی بیٹا۔" وہ تڑپ ہی اٹھی تھیں۔

وہ چپ چاپ نظریں جھکائے ہاتھوں میں ہاتھ پھنسائے بیٹھا رہا تھا۔ تمکنت نے ایک لمحے کو کچھ سوچا اور بھاگ کر شفا سے نجانے کیا کہا تھا کہ وہ پھولی پھولی سانسوں کے ساتھ بھاگی چلی آئی تھی۔

"کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو تم اس قسم کی گھٹیا حرکتیں کر کے۔" سگریٹیں ڈبیوں سے نکال کر اس نے ایک ایک کر کے توڑیں اور چیخ کر بولی۔ وہ بغیر کسی تاثر کے بیٹھا رہا۔

"سن لو میری بات تم...... تمہیں کچھ کہنے پر میں لوگوں کا حلیہ بگاڑ سکتی ہوں تو تمہیں خود کو نقصان پہنچانے پر میں تمہارا بھی حشر نشر کر دوں گی۔" وہ اس کے کان کے پاس آ کر چیخی تھی۔

"پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس...... نہا دھو کے یہ مجنوں والے گیٹ اپ سے باہر آؤ' میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ زینب آپی شاید نگٹس بنا رہی تھیں۔ وہیں کچن میں آ جاؤ...... وہیں تمہاری انٹرن شپ کے حوالے سے ڈسکس کرنا ہے...... غضب خدا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کا!! تین دن میں نے خبر نہیں لی تو موصوف آ گئے لڑکوں والے مخصوص اوچھے ہتھکنڈوں پر...... یاد رکھنا تم! آئندہ یہ فضول چیز میں تمہارے پاس بھی نہ دیکھوں اور اگر دیکھی تو پھر یقین رکھنا کہ میں بھی یہ ٹرائی کر کے دیکھوں گی کہ کیا ایسی انوکھی چیز ہے جس کو تم جیسے عقلمند بھی چیک کیے بنا نہ رہ سکے...... اچھا ہے مل بیٹھیں گے دیوانے دو اور سوٹے لگائیں گے سگریٹ کے۔"

"بکواس بند کرو شفا! ہر وقت اول فول مت بکا کرو...... چلو میں آ رہا ہوں باہر...... فضول نہ ہو تو۔" وہ ناگواری سے بولا۔ اور سر جھٹکتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ الماری سے کپڑے نکالے اور واش روم میں چلا گیا...... تمکنت بیگم نے سکون کا سانس لیا۔ انہیں پتا تھا کہ اب شفا اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کرے گی۔

☆☆☆

خوش گوار سا دن تھا۔ نور اپنے خاوند کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ شفا اور زینب آپی کچن میں لگی ہوئی تھیں...... اللہ پاک نے بہت عرصہ بعد زینب آپی پر اپنا کرم کیا تھا اور وہ امید سے تھیں اور چونکہ سعدی بھائی مسلسل ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہے تھے تو اب تک ان کا کیس نارمل ہی تھا ورنہ اس سے پہلے تو چچی کا برا رویہ، سعدی بھائی کی بے گانگی و بے رخی کے ساتھ ساتھ علاج کا بھی تصور نہ تھا تو دونوں میں ہی ان کا کیس بگڑ جاتا تھا...... بلڈ پریشر بھی مسلسل ہائی رہتا تھا جو کہ اب نہ تھا۔

"سو آپا! طے ہوا کہ بہت سی ناگوار باتیں جب وقوع پذیر ہوتی ہیں تو ان میں کوئی نہ کوئی پہلو خوش گوار بھی ہوتا ہے۔ میں نے ایک بار پڑھا تھا۔ "تقدیر کے لکھے پر کبھی شکوہ نہ کرنا اے انسان! تو اتنا عقل مند نہیں کہ رب کے رازوں کو سمجھ سکے۔" تمہاری زندگی کے سدھار کے لیے شاید یہ شادی ہوئی ہو گی۔ بھائی کو بھی ایسے ہی احساس ہوتا تھا آپ کا اور بچیوں کا۔" وہ پتیلے میں چمچ چلاتے ہوئے بولی۔

"اور بھئی نور! تم سناؤ...... خوش تو ہو ناں؟ تھوڑا سا نئی دلہنوں والا جوش و خروش اور خوشی کچھ مسنگ لگ رہی ہے۔" نور کو سامنے کھڑا کر کے ناقدانہ نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتی ہوئی بولی۔

"توبہ ہے شفا! تم تو ہر معاملے میں پولیس والوں کی طرح شک کرنے لگتی ہو۔" زینب آپی نے اسے ٹوکا۔

"نہیں آپی! اللہ کا شکر ہے میں خوش اور مطمئن ہوں مگر شفا بھی سچ کہہ رہی ہے میری لائف میں واقعی کچھ مسنگ ہے۔" اس کے بجھے بجھے لہجے نے ان دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"کیا ہوا؟ خاقان اچھا نہیں ہے کیا؟" شفا نے تشویش سے پوچھا۔ تمکنت بیگم سے اختلافات ایک طرف، نور تو سب کو پیاری تھی۔

"نہیں نہیں شفا! اچھا ہے، بہت اچھا ہے...... مگر میری جٹھانی کا ہولڈ ہے پورے گھر پر...... اچھی بات ہے وہ بھی...... بڑی ہیں وہ گھر کی...... ساس کی جگہ...... مگر۔" وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی...... دونوں بہنیں پریشانی سے نور کو دیکھ رہی تھیں جبکہ دروازے میں کھڑی تمکنت بیگم ساکت کھڑی تھیں۔

"ان کی بے تکلفی سے صرف مجھے تکلیف ہوتی ہے...... بھائی اور خاقان تو محسوس بھی نہیں کرتے...... ہماری بہت سی ذاتی باتوں تک میں ان کی دخل اندازی بہت تکلیف دہ ہے...... اور...... یہ پتا نہیں میں نے محسوس کیا ہے یا حقیقت ہے کہ ہماری بے تکلفی یا خوشی ان سے برداشت نہیں ہوتی...... خاقان کا اٹھنا، بیٹھنا میرے ساتھ برداشت نہیں کرتیں۔" نور اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ تمکنت بیگم لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگیں۔ مکافات عمل شروع ہونے کو تھا۔ انسان ببول کی فصل بو کر گلاب کی خواہش کیسے کر سکتا ہے اور اولاد کو تو آزمائش کہا گیا ہے۔

☆☆☆

سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا...... اس کی خواہش کے مطابق...... بس وہ دونوں لڑکیاں تھیں جو اس کی نظر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

میں خار بن کر کھٹکتی تھیں...... پتا نہیں ان میں اسے ان کی ماں کی شکل نظر آتی تھی یا احساس جرم جاگ اٹھتا تھا ان کو دیکھ کر، جسے دبانے کے لیے اس نے ان پر زندگی تنگ کر کے رکھی تھی۔ پھر شادی کے سال بعد ہی نور آ گئی تھی ان کی زندگی مکمل کرنے۔

حسن البتہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ پھر ایک دن اسے نجانے کیا سوجھی کہ اس نے اس کا ہاتھ نور کے سر پر رکھا اور پوچھا کہ وہ سچ بتائے کہ کیا لِنا کی موت ویسے ہی ہوئی تھی جیسے اس نے بتایا تھا؟ اس کی بات سن کر وہ ششدر رہ گئی تھی۔ اس نے ایسے غیر متوقع طور پر اتنے عرصہ بعد اسے پکڑا تھا کہ وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر پائی تھی اور سر جھکا کر سب سچ بول دیا تھا۔

یہ سن کر وہ کچھ دیر چپ چاپ اسے دیکھنے رہنے کے بعد اٹھ گیا تھا اور کچھ دن بالکل بات چیت بند رکھی تھی مگر پھر ٹھیک ہو گیا تھا سب۔

☆☆☆

"تم عورت نہیں ناگن ہو...... جو اپنے بچوں تک کو کھا جاتی ہے...... تم نے — خود سے جڑا کوئی رشتہ سلامت نہیں رہنے دیا...... کھا گئیں سب کو...... من پسند زندگی اور مرد کو اپنا بنانے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ ایک ایک کر کے سب ختم کر دیا...... تم ایسی ڈھیٹ عورت کہ میرے بھائی کو مار ڈالا...... میرے بچوں کی ماں کو بھی تڑپا تڑپا کر اذیت ناک موت دی...... مگر تمہارے اندر احساس ملال تک کبھی نہیں جاگا۔" وہ زور زور سے رو رہے تھے۔

"اور یہاں میں ہوں' پل پل مر رہا ہوں...... وہ دونوں میرے خوابوں میں آ کر روتے ہیں' شکوہ کرتے ہیں۔ میں تو جرم کا شریک بھی نہیں تھا پھر بھی میرا یہ حال ہے۔ تم کیسی عورت ہو؟ کیسے روز محشر ان لوگوں کا سامنا کرو گی جن کی تم مجرم ہو......؟ خدا کو کیا منہ دکھاؤ گی۔"

عمر بھر جن رازوں کو انہوں نے خود سے بھی چھپا چھپا کر رکھا تھا۔ آج بیماری کی حالت میں وہ سب راز انہوں نے کھول کر نہ صرف سب کے سامنے بیان کر دیے تھے بلکہ ان کے ہاتھ سے دوائی لے کر ان کے منہ پر ہی مار دی تھی۔ تمکنت بیگم کسی بت کی مانند ساکت بیٹھی تھیں۔ ان میں نظریں اٹھا کر اپنے بچوں کی آنکھوں میں چھپی نفرت دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

وہ ایک ایک پل کی داستان جیسے جیسے انہوں نے علی اور لینا کے ساتھ کیا تھا، اپنے عزیز از جان شریک حیات کے منہ سے ایسے سن رہی تھیں جیسے وہ خود ان کے ساتھ شریک رہے ہوں۔

نجانے کیوں تب اتنی سفاکی سے کام لینے والی تمکنت عرف نیلی آج وہ سب سن کر ان انسانوں کی اذیت — اپنی رگ رگ میں اترتی محسوس کر رہی تھیں...... وہ ان کو روکنا چاہ رہی تھیں کہ بس کر دیں۔ وہ اس سے زیادہ برداشت نہیں کر پا رہی...... اگر ان کو سن کر اتنی تکلیف ہو رہی ہے تو ان کو سہتے ہوئے کتنی اذیت ہوئی ہو گی۔" ایک پل کو ان کے اندر پھریری سی دوڑ گئی تھی۔

"ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ایسے ہر پل میں ان کی کیفیت' ان کا کتھارسس ہوتی ہے...... ان کے سچ کو سننا اور برداشت کرنا سیکھیں۔ مگر اماں! میں اس سچ میں چھپا آپ کا مکروہ چہرہ نہیں دیکھ پا رہا۔ اپنے نفس کے بہکاوے میں اتنا آگے بڑھ گئیں کہ آپ نے اپنے شوہر کو مار ڈالا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ وہ ہمارا باپ بھی ہے اور ان دو معصوموں کی ماں کو...... اتنی سفاکی پر تو شیطان بھی شرما گیا ہو گا...... شرم سے ڈوب مرنے کو دل کر رہا ہے یہ سوچ کر کہ آپ میری ماں ہیں۔"

سعدی بھائی چیخ چلا کر چلے گئے جب کہ ہادی جیسا حساس بندہ تو ایسا کڑوا سچ اور ایسی تلخ حقیقت سن کر نجانے کیسے اپنے قدموں پر کھڑا تھا مگر نظروں میں ماں کے لیے صرف اجنبیت ہی تھی، حیرانی تھی...... صرف شفا تھی جس کو اگرچہ صدمہ ویسے ہی پہنچا تھا جیسے سب کو مگر وہ باپ کی ایسی دگرگوں حالت برداشت نہ کر سکی۔

ڈپریشن کے ساتھ ساتھ ان کو دمے کا اٹیک بھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہو رہا تھا۔ سو ہمیشہ کی طرح وہی آگے آئی اور بڑی مشکل سے ان کی بری بھلی سن کر ان کو ان ہیلر دیا۔ دوائی دی...... سکون آور دوا کھلانے کے بعد تب تک ان کی کمر سہلاتی رہی جب تک وہ سو نہ گئے۔

بہت سے الفاظ تھے جو زبان کی نوک پر مچل رہے تھے مگر چچی کی ہارے ہوئے جواری جیسی بدتر حالت دیکھ کر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی اور آہستہ سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

اگلا روز اس سے بھی زیادہ عجیب تھا کہ چچی نے رات کسی پہر خودکشی کرلی تھی۔ یا تو نفس کی شہ پر اتنی بہادری کہ دو جیتے جاگتے نفوس کو موت کی نیند سلا دیا تھا اور اب ایسی بزدلی کہ جرم کے آئینے میں اپنی کریہہ صورت برداشت نہ کر پائی تھیں۔ حسن کسی بت کی مانند بیٹھے لوگوں سے پرسہ لے رہے تھے۔ گزری زندگی کسی فلم کی طرح کبھی دماغ کی سطح پر دکھائی دینے لگتی تو کبھی اس کے مناظر نظروں کے سامنے گھوم گھوم جاتے۔

☆☆☆

چالیسویں کے بعد وہ ایک روز اس کے کمرے میں آئی تو اس کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ وہ سب ایک جیسے دکھ سے گزر رہے تھے مگر ہادی کی حالت سب سے خراب تھی۔

اس کے ـــــ پاس بیٹھ کر اس نے اس کے دونوں ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ بالکل ساکت بیٹھا رہا تھا۔ ہاں پلکوں کی سطح پر نمی ضرور چمکنے لگی تھی۔

''مالک کے راز تو وہی بہتر جانتا ہے۔ وہ تو ایک طریقے سے 'توازن' سے سب کچھ چلا رہا ہے...... ہم انسان ہی بے صبرے ہیں۔ بعض دفعہ اتاؤلے ہو کر اس کے کام میں دخل اندازی کر کے خود کو عقل کل سمجھنے لگتے ہیں۔'' وہ بھیگی ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔

''جو ہوا اس میں ہم سب کا برابر نقصان ہوا...... ہم سب ہی متاثر ہوئے...... اس کو بھلانے میں سب کو ہی ایک دوسرے کا سہارا بننا ہوگا...... عمر بھر میں نے ہمیشہ ایسے کسی کام سے بچنے کی کوشش کی جس سے کسی کی دل آزاری ہو...... مگر مجھے افسوس ہے میں اس میں کامیاب نہیں ہوسکی۔'' وہ اذیت سے بولی۔

''چچی سے بدلہ لینے کی دھن میں' میں نے تمہارا سونے جیسا دل دکھایا...... تمہیں کانٹا بھی چبھتا تھا تو درد مجھے ہوتا تھا ہادی ......! یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں تمہارا' اپنے ہادی کا دل ہی توڑ دیتی اور مجھے تکلیف نہ ہوتی۔'' ایک آنسو ہادی کی آنکھ سے نکل کر اس کے ہاتھ کی پشت پر گرا۔

''تمہیں ہارتا دیکھ کر میرا دل کٹ رہا تھا...... مگر ان کو ہارتے دیکھ کر اس جلن پر پھوار سی پڑنے لگی...... میں نے انتقام کو اپنے دل کی خوشی پر فوقیت دی تھی۔ میں نے اپنے دوست کا...... اپنے ہادی کا دل دکھایا تھا...... مجھے معاف کردو ہادی......!''

ان دونوں کے آنسوؤں ان کے ہاتھوں کو بھگونے لگے۔ ان کے چہروں کو بھگونے لگے، ان کے دلوں کو بھگونے لگے۔

''انسان ہوں ناں...... بھول گئی تھی کہ سزا اور جزا کا اختیار تو اس پاک ذات کے ہاتھ میں ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں کسی کی سزا اور معافی کا فیصلہ کرنے والے۔ وہ بھی کسی کا دل توڑ کر...... شکر ہے ابھی بھی وقت ہمارے پاس ہے۔ ابھی پچھتاووں کے بیج نہیں بوئے تھے...... انہیں پھینک کر ہم لالہ کی فصل اگائیں گے...... سب بھول کر صرف گل لالہ بوئیں گے اور کاٹیں گے...... ٹھیک ہے ناں ہادی...... میرا ساتھ دو گے نا۔'' وہ چمکتی آنکھیں لیے پوچھ رہی تھی۔

آنکھیں صاف کرتا وہ گیلی سی ہنسی ہنس دیا تھا۔ سارا گیلا سا منظر مسکرا اٹھا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہم اہلِ دل کو بھی کردار کیا دیے گئے ہیں
کہ زخم کھاتے گئے ہیں، دعا دیے گئے ہیں

ہم اپنی آبلہ پائی پہ منفعل تو نہیں
جو تیز رو تھے، انہیں راستا دیے گئے ہیں

جہانِ عشق سے کیا دل سا تاجدار گیا
جو شہرِ درد کے پرچم جھکا دیے گئے ہیں

تو کیا کوئی بھی تعلق نہیں رہا باقی
تو کیا وہ جتنے دیے تھے، بجھا دیے گئے ہیں

سو شہرِ علم کا کیا حال اب کہیں کہ وہاں
محبتوں کے صحیفے جلا دیے گئے ہیں

نئے زمانے میں آتے رہیں گے لوگ نئے
ہمارے نقشِ قدم بھی مٹا دیے گئے ہیں

احمد فراز

آئی ہے اب یاد کیا رات اک بیتے سال کی
یہی ہوا تھی باغ میں یہی صدا گھڑیال کی

مہک عجیب سی ہو گئی پڑے پڑے صندوق میں
رنگت پھیکی پڑ گئی ریشم کے رومال کی

عمر کے ساتھ عجیب سا بن جاتا ہے آدمی
حالت دیکھ کے دکھ ہوا آج اس پری جمال کی

دیکھ کے مجھ کو غور سے پھر وہ چپ سے ہو گئے
دل میں خلش ہے آج تک اس ان کہے سوال کی

منیر نیازی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

محرابِ خوش قیام سے آگے نکل گئی
وحشت دیے کی شام سے آگے نکل گئی

فارغ نہ جانیے مجھے، مصروفِ جنگ ہوں
اس چُپ سے جو کلام سے آگے نکل گئی

تم ساتھ ہو تو دُھوپ کا احساس تک نہیں
یہ دوپہر تو شام سے آگے نکل گئی

جب معرکہ ہوا تو مری تیغِ درگزر
شمشیرِ انتقام سے آگے نکل گئی

مرنے کا کوئی خوف نہ جینے کی آرزو
کیا زندگی دوام سے آگے نکل گئی

عاصم وہ کوئی دوست نہیں تھا جو ٹھہرتا
دُنیا تھی اپنے کام سے آگے نکل گئی

لیاقت علی عاصم

الاؤ

دُھند کی اوڑھنی کو سرکاتی
دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی
گاہے رُکتی ہے، گاہے چلتی ہے
رات اپنے کسی سفر پہ ہے
سُوکھی، گیلی سُلگتی سانسوں سے
ناگہاں ایک شعلہ اُٹھتا ہے
جیسے وہ شب کے شامیانے میں
کوئی گہرا شگاف ڈالے گا
شعلگی۔ نارسائی کی سوتن
بجھتے بجھتے بھڑکنے لگتی ہے
سرد مہری کی جامنی چادر
خواب کے تن پہ کسمساتی ہے
آرزو۔ بانسری کی مدھم لے
دل پہ چپکے سے پاؤں دھرتی ہے
دفعتاً دھیان کے جھروکے سے
ایک کوندا لپک دکھاتا ہے
کاش یہ شبنمی خمار سی آنچ
دُھند کی آنکھ لَو سے بھر دے
رات کی عرفیت بدل جائے
پھول جھڑنے لگیں ستاروں سے
آگ ٹپکے رگِ محبت سے
وقفے وقفے سے لکڑیاں ڈالیں
اس الاؤ میں آشنائی کی
اور پھر دل کی آنکھ سے دونوں
آج اک دوسرے کا چہرہ پڑھیں

شازیہ مفتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ادارہ

اسے ہاں مسکرانا ہے

پھر بھی

عطاء الحق قاسمی امریکہ گئے تو ایک لڑکی نے ان سے حیرانی سے پوچھا۔

کیا سچ مچ آپ کے ملک میں شادیاں دولہا، دلہن کے بجائے ان کے والدین کی مرضی سے طے ہوتی ہیں اور لڑکا‘ لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کی صورت آشنا بھی نہیں ہوتے۔

عطاء الحق قاسمی نے کہا۔ ”بات صرف ایک حد تک درست ہے، یعنی شادیاں طے تو دولہا، دلہن کے والدین ہی کرتے ہیں، مگر طے کرنے سے پہلے وہ لڑکے یا لڑکی سے اس کی رائے ضرور لیتے ہیں۔“

”انکار کردیں تو کیا ہوتا ہے؟“ لڑکی نے اشتیاق سے پوچھا۔

”پھر بھی کردیتے ہیں۔“ عطاء الحق قاسمی نے ٹھنڈی سانس بھر کر بتایا۔

نشان

امریکی خفیہ پولیس کے ادارے ایف بی آئی کے ڈائریکٹر نے اپنی جوان بیٹی سے پوچھا۔

”آج شام کس لڑکے کے ساتھ سیر کرنے گئی تھیں۔“

”پاپا! معلوم نہیں۔ میں نے اس کا نام بہت پوچھا، لیکن اس نے کچھ نہ بتایا، لیکن آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں نے اس کی انگلیوں کے نشان حاصل کرلیے ہیں۔“

ترکیب

اگر کسی اسٹیشن پر ٹرین صرف ایک منٹ کے لیے رکتی ہو اور وہاں انسان کا دل چائے پینے کو چاہے

تو کیا کرنا چاہیے؟“

”گارڈ کو ساتھ لے جانا چاہیے۔“

فوائد

بروکر مکان کے متوقع خریدار سے کہنے لگا۔

”یہ گھر فوائد اور نقصان دونوں رکھتا ہے۔ میں ایک دیانت دار انسان ہوں۔ اس لیے پہلے آپ کو نقصان بتاتا ہوں۔ گھر کے مغرب میں ایک میل دور بھینسوں کا باڑا ہے۔ مشرق کی طرف ربڑ بنانے والا کارخانہ ہے۔ شمال کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر کوڑے کرکٹ سے کھاد بنانے والا پلانٹ ہے اور جنوب کی طرف سینمنٹ فیکٹری ہے۔“

متوقع خریدار نے کڑوا گھونٹ نگلتے ہوئے کہا۔

”اور فوائد کیا ہیں؟“

”آپ ہمیشہ آسانی سے جان سکتے ہیں کہ ہوا کا رخ کس طرف ہے۔“

بدذوق

کیسے بدذوق لوگ فلم دیکھنے آجاتے ہیں۔ کل میرے ساتھ بیٹھا ہوا آدمی متواتر خراٹے لیتا رہا۔“

”لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟“

”اس کے خراٹوں سے کئی مرتبہ میری اپنی آنکھ کھلی۔“

تدبیر

ایک بحری جہاز میں اتفاق سے سارے مسافر پولینڈ کے رہنے والے تھے۔ نہ جانے کیا ہوا کہ سارے مسافر ڈوب کر مر گئے۔ لیکن جہاز صحیح

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سلامت کھڑا رہا۔ جس ملک کی سمندری حدود میں یہ حادثہ رونما ہوا، وہاں کی انتظامیہ نے تحقیقات کا حکم دیا۔
تحقیقاتی ٹیم جائے وقوعہ پر پہنچی تو پتا چلا کہ جہاز کسی خرابی کے باعث سمندر میں رک گیا تھا۔ تمام پولش مسافروں نے تدبیر سوچی اور اسے دھکا دینے کے لیے جہاز سے نیچے اتر گئے۔

بالائے ستم

دو شکاری ایک بارہ سنگھے کو شکار کرنے کے بعد دُم سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ ایک اور شکاری نے انہیں دیکھا تو مشورہ دیا۔ ''اگر تم اسے دُم کے بجائے سینگوں سے پکڑ کر کھینچو گے تو بہت آسانی رہے گی، سینگ بھی جھاڑیوں میں نہیں پھنسیں گے۔''
انہوں نے اس مشورے پر عمل کیا۔ نصف گھنٹہ چلنے کے بعد ایک شکاری بولا۔ ''سینگوں سے پکڑ کر چلنے والے طریقے سے واقعی بہت آسانی ہوگئی ہے...... بہت کم زور لگانا پڑ رہا ہے۔''
دوسرا شکاری بولا۔ ''تمہاری بات درست ہے...... لیکن اب ہم اسی سمت میں جا رہے ہیں، جدھر سے آئے تھے۔''

دست بردار

یوسف کی بیگم فل ٹائم ملازمت، بچوں کی پرورش اور گھریلو ذمہ داریوں سے ایک ساتھ نبرد آزما رہتی تھیں۔ ایک روز جھلا گئیں اور شوہر سے لڑنے لگیں۔
یوسف نے اپنی بیوی کی دل جوئی کرنے کے لیے کہا۔ ''دیکھو بیگم...... تم ایک اچھی بیوی، اچھی ماں اور اچھی لیکچرار ہو، لیکن انسان ہر وقت ہر محاذ پر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کبھی کبھی کسی محاذ پر اس سے کوتاہی بھی ہوجاتی ہے۔ اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں، بلکہ عارضی طور پر کچھ دیر کے لیے کسی ایک ذمہ داری سے دست بردار ہوجانا چاہیے۔''
بیگم نے کچھ دیر سوچا پھر بولیں...... ''ٹھیک ہے! میں اچھی بیوی ہونے کی ذمے داری سے دست بردار ہوجاتی ہوں۔''

باکمال لوگ

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔ بھئی یہ پراپرٹی ڈیلر بڑے کمال کے لوگ ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک ڈیلر نے گوادر کی دو ایکڑز مین مجھے بیچ دی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہاں زبردست فلیٹ تعمیر ہوں گے اور میں چند لاکھ ادا کر کے کروڑوں کما لوں گا۔ جب میں نے وہاں جا کر دیکھا تو وہاں دس فٹ پانی کھڑا تھا۔''
''اوہ حد ہوگئی...... پھر تم اس سے اپنی رقم واپس لینے گئے؟'' دوست نے اظہار افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔
ہاں گیا تھا...... پیسے تو نہیں ملے، البتہ اس نے مجھے ایک لانچ دلوا دی۔'' ان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

نہلے پہ دہلا

آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں ایک پادری نے شہری انتظام کے محکمے کو فون کیا۔ ''میرے گھر کے دروازے پر ایک گدھا مرا پڑا ہے۔ براہ کرم اسے اٹھوانے کا بندوبست کیجیے۔''
فون اٹھانے والے نے ازراہ مذاق کہا۔ ''جناب مرنے والے کے کفن دفن کا انتظام تو آپ نے کرنا ہے۔''
پادری نے جواب دیا۔ ''بے شک! مگر مرنے والے کے عزیزوں کی اجازت کے بغیر میں، کیسے کفن دفن کا انتظام کرسکتا ہوں۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

رضوانہ شکیل راؤ ——— لودھراں

چند خوابوں کے عطا کر کے اُجالے مجھ کو
کر دیا دُنیا نے وقت کے حوالے مجھ کو
جن کو سورج میری چوکھٹ سے ملا کرتا تھا
اب وہ خیرات میں دیتے ہیں اجالے مجھ کو

مدثرہ سلیم ——— نوشہرہ جملیرا

ردّی کے بھاؤ بیچنے نکلے ہوئے ہیں لوگ
زندگی پڑھا ہوا اخبار ہی تو ہے

ملائکہ کوثر ——— بسم اللہ پور

سارے سخن اس لب سخن کے اسیر
سارے موسم گلاب ہیں جیسے

ثمرہ جاوید ——— بسم اللہ پور

لہجہ بدل بدل کے نہ کر مجھ سے گفتگو
پہچانتا ہوں رنگ تیری بات بات کا

تسیم اسحٰق انجم ——— کنگن پور

ایسا ٹوٹا ہے تمناؤں کا پندار کہ بس
دل نے جھیلے ہیں محبت میں وہ آزار کہ بس
ایک لمحے میں زمانے میرے ہاتھوں سے گئے
اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہ بس

عندا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— کراچی

یاد آتا ہے سکوتِ شب میں وہ اکثر مجھے
کھینچ لاتا ہے میرے اندر سے وہ باہر مجھے
کچھ خبر لے آؤ اس کی فردی کی بارِ شو!
اب بہت سونا لگے اس کے بنا یہ گھر مجھے

یاسمین کنول ——— پسرور

سات رنگوں سے کھیلنے والا
اک نیا رنگ اُبھار سکتا ہے
زلف ہو یا غریب کی قسمت
دوسرا کب سنوار سکتا ہے

فرزانہ مغل ——— واہ کینٹ

مسافر راہ میں تھک جاتے ہیں
خیمہ کوئی تو لگائے کہیں

زرتاشہ شیرازی ——— جڑانوالہ

رو پڑا ہوں تو کوئی بات ہی ایسی ہوگی
میں کہ واقف تھا تیرے ہجر کے آداب سے بھی
کچھ تو اس کی آنکھ کا شیوہ تھا خفا ہو جانا
اور کچھ بھول ہوئی دلِ بے تاب سے بھی

توقیر ہاشمی ——— منڈی بہاؤالدین

ملنے ہجر کی رات کہ وصل کی رات گزار کے آئے ہو
آنکھیں نیندوں نیند بھری ہیں، جسم ہے خوابوں خواب بھرا
برسوں گزرے ہم نے فراتؔ کو تنہا تنہا دیکھا تھا
اب بھی وہی تنہائی ہے گو شہر تو ہے احباب بھرا

عائشہ جہانگیر ——— مرالی

غم زندگی تیری راہ میں، شب آرزو تیری چاہ میں
جو اُجڑ گیا وہ بسا نہیں، جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں
جو دل و نظر کا سرور تھا مرے پاس رہ کے بھی دور تھا
وہی اک گلاب امید کا مری شاخِ جاں پہ کھلا نہیں

سیّدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

برسوں سے پھر رہا تھا میں جس کی تلاش میں
وہ مل گیا تو اس سے ستارا نہیں ملا

صدف عمران ——— کے ڈی اے سوسائٹی

اس سے کیا کچھ چھپاتے شکیب
اس کو سب کچھ بتا دیا میں نے

آسیہ جاوید ——— علی پور چھٹہ

راہِ وفا کے موڑ پر کب سے کھڑے ہوئے
میں رو رہا ہوں اب بھی تجھے ڈھونڈتے ہوئے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شگفتہ جاہ

حسنِ عمل
بزرگوں کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسولؐ! مسلمانوں میں سے کون افضل ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"

عرش کا سایہ،

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے سائے میں دیکھا اور اس کے اعلیٰ مقام کی آرزو کرتے ہوئے سوچا کہ حق تعالیٰ کے پاس اس کا بڑا درجہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ "الٰہی اس شخص کا نام کیا ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے نام ظاہر نہیں فرمایا لیکن فرمایا۔

"میں اس کے عمل کی تم کو خبر دیتا ہوں کہ اس نے کبھی حسد نہیں کیا، ماں باپ کی نافرمانی نہیں کی اور نہ غمازی کی۔"

غمازی کے معنی ہیں ایک کی بات دوسرے سے لگانا یعنی چغلی کرنا۔ کسی شخص کے ایسے کام یا ایسی بات کو ظاہر کرنا جس سے وہ آزردہ ہو۔

خوفِ الٰہی،

لوگوں نے شیخ یحییٰ بن معاذ رازی سے دریافت کیا۔ "کل قیامت میں کون شخص بے فکر رہے گا؟"

انہوں نے فرمایا: "وہ جو آج دنیا میں ہراساں رہے۔"

زہد و قناعت،

اسباب خانہ، گھر کے ساز و سامان میں سب سے اعلا درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب سے اعلا درجے پر فائز تھے۔ وہ سوائے ایک کنگھی اور کوزے کے اور کچھ سامان نہیں رکھتے تھے۔ جب انہوں نے ایک روز ایک شخص کو دیکھا کہ انگلیوں سے داڑھی میں خلال کر رہا ہے تو کنگھی پھینک دی۔ جب ایک شخص کو چلو سے پانی پیتے دیکھا تو کوزہ بھی پھینک دیا۔

اعتدال،

کھانے پینے میں اعتدال وہ ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرزند سے فرمایا۔

"کبھی کبھار گوشت کھا لیا کرو، ایک بار دودھ، ایک بار سرکہ، ایک بار بغیر سالن کے روٹی کھاؤ۔ (اس کو اپنا معمول بنالو)"

(کیمیائے سعادت۔ امام غزالیؒ)

کیمیائے سعادت،

حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے پیچھے ان کے کئی شاگرد چل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو ان کے شاگردوں کو کئی درّے مارے۔ انہوں نے کہا۔

"اے امیر المومنین! آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

اس طرح ان لوگوں کے لیے ذلت ہے جو پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور جو ان کے آگے چل رہا ہے۔ اس کے لیے یہ غرور و نخوت کا سامان ہے (یعنی اس سے اس کے اندر غرور پیدا ہوگا)

نام و شہرت کی خواہش،

حضرت ابراہیم ادہم کا ارشاد ہے جو شخص شہرت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کا طالب اور نام و نمود کا خواہاں ہے۔ وہ اللہ کے دین میں صادق نہیں ہے۔

کا ازالہ موجود تھا۔

(طبقات ناصر سے اقتباس)

خاموشی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

"عبادتیں دس ہیں، ان میں سے نو تو خاموشی ہیں اور دسویں لوگوں سے بچنا اور گریز کرنا ہے۔"

(کیمیائے سعادت، امام غزالیؒ)

محمود غزنویؒ کے شبہات کا نبویؐ جواب

معروف فارسی مؤرخ قاضی منہاج سراج جوزجانی نے لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنویؒ کو تین شبہات تھے

پہلا شبہ اس حدیث کی صحت کے متعلق تھا کہ "علماء انبیائے کرامؑ کے وارث ہیں" یہ واقعی حدیث ہے یا نہیں؟

دوسرا شبہ قیامت کے بارے میں تھا کہ قیامت واقعی آئے گی یا نہیں؟

تیسرا شبہ اس ضمن میں تھا کہ حقیقت میں سبکتگین میرا باپ ہے یا نہیں اور میں اس کا بیٹا ہوں یا نہیں؟

ایک رات محمود غزنوی قیام گاہ سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شاہی شمع روشن کیے ہوئے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک ایسا طالب علم ملا، جو دیا جلانے کے لیے روغن نہ ہونے کے باعث اندھیرے میں بیٹھا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ جب کتاب میں دیکھنے کی حاجت ہوتی تو قریب میں ہندو کے چراغ کے پاس جا کر دیکھتا اور واپس آجاتا۔ محمود کو اس نادار طالب علم کی حالت پہ بڑا رحم آیا۔ ترس کھا کر انہوں نے وہ شمع دان جو فراش نے اٹھا رکھا تھا، طالب علم کو دے دیا۔

جس رات یہ واقعہ پیش آیا، اسی رات خواب میں محمود غزنویؒ کو جناب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ سرورِ کونینؐ نے محمود سے فرمایا۔

"اے ناصر الدین سبکتگین کے فرزند! خداوند تعالیٰ قیامت میں تجھے ویسی ہی عزت سے نوازے جیسے تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے۔"

لبِ مبارک سے نکلی ہوئی مذکورہ نبوی دعا میں سلطان محمود غزنویؒ کے تمام شبہات کا جواب اور اس

کمزوروں پر ظلم

حضرت شیخ سعدیؒ عجم کے ایک بادشاہ کی کہانی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی رعایا پر اس قدر ظلم کرتا تھا کہ اس کی رعایا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک میں آباد ہونا شروع ہو گئی۔ جب ملک میں عوام کی تعداد کم ہو گئی تو ملک کی آمدنی بھی کم ہو گئی اور پھر ایک وقت آیا کہ تمام خزانہ خالی ہو گیا۔

اس ملک کے دشمنوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ان کے دل میں اس ملک کو فتح کرنے کی خواہش بے دار ہو گئی۔

ایک بادشاہ کی محفل میں ایک شاہنامہ پڑھا گیا جس میں ضحاک بادشاہ اور فریدون کا ذکر تھا۔ ضحاک ایران کا ظالم بادشاہ تھا جس نے جمشید کی حکومت پر قبضہ کیا جبکہ افریدون عادل اور منتظم بادشاہ تھا۔ اس نے ضحاک کو شکست دے کر اس کی حکومت پر قبضہ کیا۔

وزیر نے بادشاہ سے پوچھا "کیا آپ جانتے ہیں کہ افریدون کے پاس خزانہ تھا اور نہ ہی اس کے پاس کوئی بڑا لشکر تھا۔ اس کے باوجود وہ حکومت حاصل کرنے میں کیوں کامیاب ہو گیا"

پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا "عوام اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔"

بادشاہ نے وزیر سے پوچھا "تم مجھے کوئی طریقہ بتاؤ جس سے رعایا پھر سے اکٹھی ہو جائے۔"

وزیر نے کہا "ان پر لطف و کرم کیا جائے تاکہ وہ آپ کے زیرِ سایہ رہنے میں خوف محسوس نہ کریں۔ ظالم کبھی حکومت نہیں کر سکتا۔ جو بادشاہ ظلم کی بنیاد رکھتا ہے، وہ خود اپنی حکومت کی تباہی کی بنیاد رکھتا ہے۔"

بادشاہ کو وزیر کی نصیحت پسند نہ آئی۔ اس نے اس وزیر کو غصہ میں آکر قید کروا دیا۔

کچھ عرصے بعد بادشاہ کے چچا زاد بھائی نے اس سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مطالبہ کیا کہ اس ملک میں ہمارے باپ کا بھی حصہ ہے۔ ملک کی رعایا نے بھی اس کا ساتھ دیا اور انہوں نے ایک بڑے لشکر کے ذریعے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔

بادشاہ ہو کر کمزوروں پر جو ظلم کرے تو مصیبت کے وقت اس کا دوست بھی اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر۔ گلستان جوہر

یاد رکھیے

٭ بہار کی بے داری اور صبح کی آمد پر غور کرو، کیونکہ "حسن" غور کرتے والوں کے نصیب میں ہے۔ (خلیل جبران)

٭ زندگی کو سادہ مگر خیالات کو بلند رکھو۔

٭ خوش نصیبی ایک ایسا پرندہ ہے جو تکبر کی منڈیر پر کبھی نہیں بیٹھتا۔

(مستنصر حسین تارڑ)

لفظوں سے لفظ ملتے ہیں

٭ رشتے اور سودے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ رشتے قائم کیے جاتے ہیں، جبکہ سودے طے کیے جاتے ہیں۔

٭ دوسروں کی خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر یہ مت سمجھ لیجیے کہ آج جس عمارت کی بنیاد آپ نے چوری کی اینٹ پر رکھی ہے وہ کبھی نہ کبھی ضرور گرے گی۔ کسی اور کے نہیں آپ کے اپنے اوپر۔

٭ اتنے غلط انسان نہیں، جتنے غلط رویے ہوتے ہیں۔

٭ امید ایک ایسی چھاؤں ہے جو اپنے دامن میں انسان کو پناہ دے کر مایوسی کے گہرے سمندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے۔

٭ لوگ مخلص دوست تو تلاش کرتے ہیں، مگر خود مخلص ہونے کی زحمت نہیں کرتے۔

٭ بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں نبھاتے ہوئے پل صراط پر سے گزرنے کا گماں ہوتا ہے۔

٭ جب آپ کو اپنی شخصیت کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے تو سمجھ جائیے کہ آپ خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

٭ آنسو بہاؤ اور خوب روؤ، یہ سوچ کر نہیں کہ ہماری خواہشات پوری نہیں ہوتیں، بلکہ یہ سوچ کر کہ ہم اتنے زیادہ گناہ گار ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک ہماری دعائیں نہیں پہنچ پاتیں۔

صدف عمران۔ کے ڈی اے سوسائٹی

حکمت

٭ غم کی ہم سفری، انکشاف کا در وا کرتی ہے۔

٭ غلطی پر اعتماد، حادثات کا سبب بنتا ہے۔

٭ جس صبر میں جبر ہو، اس کا اجر نہیں ملتا۔

٭ وقت نے تاریخ کے صفحات پر بے شمار داستانیں رقم کر رکھی ہیں۔ ان داستانوں کو رنگین بنانے کے لیے ان پر خون کے چھینٹے پھینکے گئے تو کبھی محبت کے رنگ بکھیرے گئے۔

٭ خاموشی ایک ایسا پردہ ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی۔

حورین زینب۔ کہروڑ پکا

اقوال

٭ جب کسی انسان کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ وہ اپنے فرائض بخوبی سر انجام نہیں دے رہا تو وہ اس کام کو چھوڑ دے۔

٭ جہاں عزت نفس اور احترام آدمیت کو مجروح کیا جائے وہاں سے چپ چاپ چلے جانا چاہیے۔

٭ اپنے خیالات اور تجاویز کو اپنی زبان دو۔

٭ خوش گوار زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تلخ یادوں کو اپنے دل ـــــ سے مٹا دو۔

٭ ملاوٹ اور منافقانہ رویوں سے خود کو بچاؤ۔

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر۔ کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خط آپ کے

رخسانہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جواب لیے حاضر ہیں
آپ کی سلامتی، عافیت اور راحت کے لیے دعائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت کی ہر نعمت سے نوازے، ہمیں اور ہمارے ملک کو شیطان کے شر اور فساد پھیلانے والوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

اب آتے ہیں آپ کے خطوط کی طرف

پہلا خط کراچی سے مسرت الطاف احمد کا ہے، لکھتی ہیں

''نہ تو آئے گا نہ ہی چین آئے گا'' کے مصداق بالآخر کافی انتظار کے بعد چھ تاریخ کو شعاع نے اپنا مکھڑا دکھایا۔ ماڈل گرل کا ہیر اسٹائل کافی پسند آیا' مستقل سلسلے ''باتوں سے خوشبو آئے'' پر جب نظر پڑی تو حیرت کا شدید جھٹکا لگا' میری بھیجی ہوئی تحریر' سچی باتیں'' نمرہ، اقرا کے نام سے شائع ہوئی تھی اور یہ پہلی بار نہیں ہوا پہلی بار تو میں نے اگنور کر دیا لیکن ہر بار......

سلسلے وار ناول میں ''شہرزاد' بہت ہی سبک روی سے آگے کی جانب رواں دواں ہے۔ درشہوار کی خودغرضی دیکھ کر کافی افسوس ہوا صرف ہادی کے لیے انابیہ کے مستقبل کا بھی نہیں سوچا۔ شہرزاد اور ہم زاد کی لکا چھپی والی بورنگ لو اسٹوری ایک آنکھ نہیں بھائی۔ ایسی بھی کیا پردہ داری...... بزدل نہ ہو تو۔ ''خواب شیشے کا'' مائی آل ٹائم فیورٹ' یہ اپی سوڈ تو مائنڈ بلوئنگ تھا۔ ''سنہری دھوپ'' کی یہ قسط پڑھ کر سچ میں نہ صرف منہ کڑوا ہو گیا بلکہ ایک آدھ دن موڈ بھی آف رہا۔ دعا کا نکاح والا سین تو بہت زیادہ اکتاہٹ اور بورنگ لگا۔ ''محبت کا راج'' آؤٹ اسٹینڈنگ تھی جتنی تعریف کروں کم ہے انصار بابا کا مہربان کردار بہت پسند آیا۔ راشدہ رفعت نے کمال کر دیا اور ہاں گل خنداں کے بے نیاز رویے اور مغرور حسینہ نے تو ہمیں بھی اپنا اسیر کر لیا۔ ''تیری مہربانی'' بہترین تحریر تھی۔ نیلو کی دادی نے بہت انجوائے کروایا۔ ایک پل بھی مسکراہٹ ہونٹوں سے جدا نہ ہو سکی یا مائنڈ فریش ہو گیا سچ میں......! ''عشق برہنہ پا'' ٹاپک بہت ہی جان دار اور متاثر کن تھا۔ طرز تحریر بھی پسند آئی۔ مزمل کا کردار بہت اسٹرانگ تھا۔ امیرہ اور مزمل کی سوفٹ سی لو اسٹوری پسند آئی۔

افسانوں میں ''ہم نے نہ جانا'' بہت ہی انٹرسٹنگ تحریر تھی۔ ''نین تو ساون بنتے'' ٹاپک متاثر کن اور سبق آموز تحریر تھی اور ''نیت'' موضوع پسند آیا۔ دیگر سلسلے بھی قابل تعریف تھے۔ ''کتاب کہانی'' سمیرا احمید نے قارئین کو بہت اچھا گائیڈ کیا ہے۔

ج: پیاری مسرت! آپ بھی مغرور حسینہ کی اسیر ہو گئیں' یہ جان کر حیرت ہوئی۔ مغرور لوگ بھی بھلا کسی کو اچھے لگتے ہیں۔ ہیرو کی تو خیر ہے۔ اس کا تو فریضہ ہے یہ۔

آپ کا انتخاب کسی اور نام سے شائع ہوا، اس کے لیے معذرت' آئندہ خیال رکھیں گے۔

عنبر حسین، مریم حسین گجرات سے لکھتی ہیں

موسم خزاں میں شعاع پر تو بہار اتری ہوتی ہے۔ اللہ کرے یہ بہار سدا بہار ہو۔ آمین۔

سال نو کی ''پہلی شعاع'' ہم بھی آپ کی دعاؤں اور امیدوں کے پورا ہونے کی امید میں آپ کے ساتھ ہیں۔ حمد و نعت کے اشعار بہت عمدہ، پیارے نبی کی پیاری باتوں سے ہم جیسے پراگندہ طبع لوگوں کا بہت بھلا ہو جاتا ہے۔ ''سمیرا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

صاحبہ" نے "کتاب کہانی" لکھ کر ہماری رہنمائی کی۔

"جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" ایک بہترین سلسلہ جس کے بارے میں کہنے کو بہت کچھ ہے لیکن مختصر ترین یہ کہ جو بھی لکھا جا رہا ہے حقیقت پر مبنی ہے۔ ہم حال ہی میں گاؤں سے "شہر" شفٹ ہوئے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا اپنی بہوؤں سے صرف برا سلوک نہیں' بلکہ باقاعدہ مظالم ہیں اگر ان کی کہانیاں لکھی جائیں تو یہی سوال اٹھے گا آج کے دور میں یہ سب؟ لیکن یہ آنکھوں دیکھی ہے۔ آج بھی' عورت مظلوم ہے' ہزار طرح کی ان دیکھی زنجیروں میں مقید۔ بہرحال اچھے لوگ بھی ہیں لیکن اکثریت میں نہیں۔

"خواب شیشے کا" دلچسپ موڑ پہ آ گیا ہے۔ مزا آنے لگا ہے۔ تنقید کرنا بھی فن ہے اور ہم قطعی نابلد' نہیں تو یہ ضرور کہتے کہ کہانی اچھی ہے۔ لیکن کردار مضبوط نہیں ہیں۔

"شہرزاد" میرا پسندیدہ ترین ہے آج کل۔ بہت انتظار رہتا ہے اگلی قسط کا۔ مضبوط کرداروں اور مضبوط لوگوں کی کہانی۔

"ہم نے نہ جانا" بہت اچھا لکھا، یہی تو بدگمانی ہے جس کے بارے میں منع کیا گیا ہے۔ موضوع کے لحاظ سے سب سے اچھا افسانہ نیر فہیم کا افسانہ لگا۔ "محبت کا راج"

ہلکے پھلکے لہجے میں بڑی بات اچھی تحریر تھی۔ بے غرضی، اپنائیت اور خلوص کے رنگوں سے رنگی ہوئی۔ "انصار احمد" کا کردار بہت اچھا لگا، ہیرے لوگ سچے اور سچے۔

"صدف آصف" کی نادانیاں پرانا موضوع لیکن کیا کریں یہ موضوع تو ہر گھر کا ہے "سنہری دھوپ" کہانی اچھی ہے، لیکن تحریر ابھی اتنی پختہ نہیں۔ الغم کے کردار سے ایک بات تو سمجھ میں آ گئی کہ انسان تو اپنے آپ کو، اپنی عادتوں کو ہی سمجھ نہیں پاتا تو کسی دوسرے سے سمجھنے، سمجھانے کا کیا گلہ، اپنے بارے میں اتنی خوش گمانی ہے موصوفہ کو کہ سوتن پہ راضی ہو گئیں۔ دوسروں کی زندگی میں زہر گھولتے ہوئے یہ کب دھیان ہوتا ہے کہ ہمارے اپنے حصے کی مٹھاس بھی جا رہی ہے۔ "عشق برہنہ پا" فرح بخاری کی بہت اچھی تحریر، بہت مزا آیا لیکن یہ کیا اتنا المیہ اختتام ــــ زبردست، دکھ ہوا لیکن اچھی تحریر۔"

"تاریخ کے جھروکوں میں" تو ہمیشہ ہی پسندیدہ رہا ہے۔ لیکن اس دفعہ تو بہت ہی دلچسپ اور معلوماتی تھا۔ خاص طور پر نئے سال کے بارے میں۔ موسم کے پکوان میں روسٹ چکن کی مختلف ریسپیز دیں ناں پلیز اور سنگاپورین رائس کی۔

یہ بتانا تو رہ گیا کہ آپ کے جواب خط سے بھی زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔

ج: پیاری عنبر اور مریم! آپ نے صاف ستھری موتیوں جیسی لکھائی میں نہایت عمدہ لیٹر پیڈ پر خط لکھا، پھر تبصرہ بھی نہایت جامع اور مفصل' ہر کہانی پر تلی رائے اور الفاظ کا مناسب استعمال۔ سچ کہیں تو مزہ آ گیا پڑھ کر۔

عورت اگر مظلوم ہے تو ظالم بھی عورت ہی ہے۔ عورتوں پر ہونے والے ستر فیصد مظالم کی ذمہ دار خود عورتیں ہیں۔ نہ ہم خود خوش رہتے ہیں نہ کسی کو خوش رہنے دیتے ہیں جب تک عورتوں میں شعور نہیں آئے گا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔

آپ کی فرمائش پر سنگاپورین رائس کی ترکیب ضرور دیں گے۔ تھوڑا انتظار کریں۔

جمیلہ شاہ کھگہ نے کھگے والا ملتان سے شرکت کی ہے۔ لکھا ہے

اس دفعہ شعاع بہت اچھا تھا' "خواب شیشے کا" بہت اچھا لگتا ہے۔ اینڈ پڑھ کر مزا آ گیا۔ میرا اندازہ ٹھیک تھا۔

موحد ہی نمبر ہے مکمل ناول دونوں ہی بہت اچھے تھے۔ راشدہ رفعت پلیز' ہر ایک دو ماہ کے بعد ایسا ہی اچھا سا ناول لکھا کریں۔ فرح بخاری کا ناول بھی بہت اچھا تھا اور سرائیکی پڑھ کر مزا آ گیا بالکل ہمارے جیسی تھی ورنہ ہر جگہ کی زبان میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے۔ مزمل کا رول بہت اچھا تھا اور ایک بھائی کی بے بسی پر رونا آیا۔ ایسا حقیقت میں' میں نے دیکھا ہے۔ نازیہ جمال کی بھی اچھی کاوش تھی۔ نیر فہیم کے افسانے کا اچھا میسج تھا۔ سائرہ رضا پلیز کوئی اچھا سا ہنستا مسکراتا ناول لکھ ڈالو میں تو اکتوبر سے ویٹ کر رہی تھی۔ اینکر کاشف عباسی کا انٹرویو دیں۔ سب بہنوں کو سلام اور جویریہ صدف جتوئی! پلیز یار جلدی سے میرے گمشدہ کے عنوان سے لکھ ڈالو' شاید تمہارے کہنے سے کسی پرانی رائٹر کو ہم سب کا خیال آ جائے۔

ج: پیاری جمیلہ! راشدہ رفعت تک آپ کی فرمائش

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پہنچا رہے ہیں۔ سائرہ رضا نے آپ کے لیے ناولٹ لکھا ہے جو آئندہ ماہ شامل ہوگا۔ کاشف عباسی کے انٹرویو کی فرمائش نوٹ کرلی ہے۔ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ شعاع کی محفل میں آپ کی شرکت سے خوشی ہوئی۔

امائمہ اور حفصہ اسد ڈی جی خان سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

میرے گھر والوں کا تعلق بھی ان لوگوں جیسا ہے جو بیٹیوں وغیرہ کو ڈائجسٹ پڑھنے نہیں دیتے۔

بہنوں کی محفل مجھے بہت پسند ہے اور میرے لیے حوصلہ افزا خطوط تو ہر ماہ ہی پڑھتی ہوں ناولوں میں ''شہرزاد'' بہت اچھا اور مزے دار لگ رہا ہے۔ پلیز صائمہ جی طوبیٰ اور شاہ میر کو الگ مت کیجیے۔

ج: پیاری امائمہ اور حفصہ! ہمیں ——— بہت افسوس ہوا کہ آپ کے گھر والوں کے خیالات جان کر۔ ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ کسی چیز کو جانے، پرکھے بغیر اس کے بارے میں رائے قائم نہیں کرنا چاہیے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے گھر والوں نے ہمارے پرچے نہیں پڑھے ورنہ وہ آپ کو ہرگز منع نہ کرتے بلکہ خود خرید کر دیتے۔ شعاع آپ کو پسند ہے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے۔ کبھی اپنے گھر والوں کو بھی ہمارے پرچوں میں سے کچھ پڑھ کر سنائیں۔

لاہور سے شبنم حنیف نے لکھا ہے

سرورق ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھ کر اپنے دل کو ایمان کی روشنی سے منور کیا۔ عفت سحر طاہر کا ناول ''خواب شیشے کا'' اس بار ایک الگ موڑ کر لے کر آیا۔ تزئین تو زہر لگتی ہے۔ مکمل ناول میں فرح بخاری کا ''عشق برہنہ پا'' سب سے زیادہ اچھا تھا۔ افسانوں میں قراۃ العین سکندر کا ''نیت'' دل کو بھا گیا۔ زہرہ بیگم کی نیت اچھی تھی تب ہی تو انہوں نے بروقت درست فیصلہ کیا۔

''خط آپ کے'' میں سب کے خط اچھے تھے۔ اپنا خط نہ پا کر تھوڑی دیر کے لیے دل اداس ہوا۔ آپی شعاع، خواتین اور کرن سب سے بہترین رسالے ہیں۔

میری دونوں بہنیں نسیم اور ثمرین بھی بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔

ج: پیاری شبنم! ہمیں احساس ہے کہ ہماری قارئین کتنی محبت سے ہمیں خط لکھتی ہیں۔ کتنے جتنوں اور کوششوں سے اسے پوسٹ کرواتی ہیں۔ پرچا آتا ہے تو کتنی امید سے اپنا خط تلاش کرتی ہیں اور جب ان کا خط شامل نہیں ہوتا تو انہیں کتنی مایوسی ہوتی ہے۔ آپ ہمیں خط اس طرح لکھیں کہ 18 تاریخ تک ہمیں موصول ہو جائے تاکہ ہم اسے شامل کرسکیں۔

ہمارے ادارے کے تینوں پرچے آپ کو پسند ہیں' یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔

صدف اور شفیقہ جھنگ سے لکھتی ہیں

ہماری خاموشی کو زبان ''شہرزاد'' سے ملی اور ہمیں خط لکھنے کا حوصلہ کتاب کہانی (سمیرا حمید) سے ملا۔ ہم پرائیویٹ اسکول میں ٹیچر ہیں۔ شعاع پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہر کہانی پہ تبصرہ بھی لازمی ہوتا ہے۔ شہرزاد کے ہیرو کا شدت سے انتظار ہے۔ نجانے صائمہ اکرم نے اسے کس کال کوٹھری میں چھپایا ہوا ہے۔ فرح بخاری کا ''عشق برہنہ پا'' حقیقت سے دور لگا۔ کیونکہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں وہاں مرد میں اتنا حوصلہ نہیں کہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلے (معذرت) باقی تمام رسالہ سپرہٹ تھا۔

ج: پیاری صدف! یہ حقیقت ہے کہ زیادہ تر مرد اتنے اعلاظرف نہیں ہوتے لیکن دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ کچھ لوگ اتنے اعلاظرف ہوتے ہیں کہ وہ انسان کو اس کی خوبیوں خامیوں سمیت قبول کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ویسے بھی مزمل اپنی بہن کے کردار کی وجہ سے پشیمان تھا۔ اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ اس سارے قصے میں امیرہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔

راحیل شریف والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ کسی کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ دنیا چلتی رہتی ہے۔ کوئی بھی شخص ناگزیر نہیں نہ ہی کوئی جگہ خالی رہتی ہے۔ ہاں اگر کسی شخص میں کوئی غیر معمولی خوبی ہو تو الگ بات ہے۔

ناظمہ زیدی نے چوک اعظم سے شرکت کی ہے، لکھا ہے

دسمبر کے جاتے دن، کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے جیسے ان جاتے دنوں کے ساتھ ہم بھی پچھم میں کہیں غروب ہو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جائیں گے۔ اداسی' بے پناہ اداسی، مایوسی بے وجہ مایوسی' اگر زندگی کا چکر لمحہ بہ لمحہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے تو یہ زندگی کی رنگینیاں کیوں؟ کیوں یہ کام دھندے، بچے اور روزمرہ کی مصروفیات، عبادت اگر قبولیت کے درجے پر نہ پہنچے تو کیا ہوگا؟ بہرحال ...... کبھی عدنان بھائی سے یہ مسئلہ ڈسکس کروں گی۔

دسمبر کا شمارہ ملا۔ ماڈل گرل کی خوش شکل سی تصویر نے لمحہ بھر کے لیے اردگرد سے بے گانہ کر دیا۔ سلیقے سے کیا ہوا میک اپ بہت متوازن اور طبیعت کو اچھا لگا۔

ہمارے پیارے آقا کا بیٹیوں کے بارے میں فرمان' ماشاءاللہ سبحان اللہ۔ بہت پسند آیا عمیرا احمد آپ بہت اچھا سکھا رہی ہیں۔ بندھن اچھا لگا۔ ''دستک'' بھی اچھا تھا۔ سعدیہ خان کا مکمل انٹرویو کریں بھی۔ مجھے بہت پسند ہیں۔ ''ناتا'' پڑھ کر دل پر بوجھ سا آن گرا۔ اتنا سب کر کے بھی کوئی صلہ نہیں لیکن انت بھلا تو سب بھلا ''خواب شیشے کا'' اچھا جا رہا ہے۔

بی سحر کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ کچھ اداس اداس سا۔ (شاید میں ہی زیادہ اداس ہو رہی ہوں) ہاجرہ ریحان کا افسانہ سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر دوست کو چھوڑ دیا تو پھر اداسی کیسی؟ ''سنہری دھوپ'' شکر ہے دعا کے ساتھ کچھ اچھا ہوا۔ دعا اور احسن کا ہلکا پھلکا رومینس مزہ دے گیا تو ساتھ ہی النعم کے ساتھ ہونے والی صورت کا خود سے موازنہ کیا جیسے دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ یہ تبدیلی بہت اچھی لگی۔

''نیت'' اچھا افسانہ تھا۔

''شہزاد'' بھی آگے بڑھ رہا ہے۔ درشہوار کی حرکتیں چھچھوری کیونکہ ہمارے مذہب میں اس رشتے کا کوئی نام نہیں' مسکراہٹیں پھیکی سی تھیں۔ ''باتوں سے خوشبو اچھا تھا۔'' کوثر خالد کا شعر بیسٹ، سچ پر مبنی۔

''تاریخ'' پڑھ کر مزہ آیا۔ ڈنمارک کے لوگوں کی چھلانگ پہ ہنسی۔

بہرحال ہمارا سورس آف انفارمیشن لندن میں قیام پذیر بڑے بھائی ڈاکٹر کاظم (میڈیسن اسپیشلسٹ) ہیں اور کچھ نہیں۔ آپ بڑے لوگ ہیں بس اور کیا کہوں۔

ج: پیاری ناظمہ! دسمبر کے آخری دنوں میں ایک تو سال کے رخصت ہونے کا احساس، دوسرے موسم سرما کے دن دھند بھرے ہوتے ہیں تو راتیں' خاموش سنسان ہوتی ہیں۔ ایسے میں دل پر خود بخود ایک اداسی سی چھا جاتی ہے۔ زندگی کی بے ثباتی تو حقیقت ہے اور دل میں بہت سارے سوالات اٹھتے ہیں رائیگانی کا احساس ستاتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ اچھی امید کے ساتھ اچھے اعمال کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔

تبصرہ کے بارے میں کیا کہیں' حسب معمول بہت عمدہ اور جامع ہے۔ اور یہ آخر میں کیا لکھ دیا۔ چھوٹے لوگ، بڑے لوگ کوئی نہیں ہوتے۔ بڑا اور اچھا وہی ہے جو اللہ کی نظر میں اچھا ہو۔

تارہ سحرین سید لکھتی ہیں

میں نے جولائی 2015ء سے شعاع پڑھنا شروع کیا تھا۔ لیکن گھر والے پڑھنے نہیں دیتے۔ ٹائٹل پیارا تھا ہمیشہ کی طرح، سب سے پہلے اپنی فیورٹ کہانی پڑھی ''خواب شیشے کا'' عفت آپی آپ مجھے بہت پسند ہیں یہ ناول میرا فیورٹ ہے ''شہزاد'' کہانی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ''سنہری دھوپ'' سلویٰ باجی کی کہانی کچھ متاثر نہیں کر سکی۔ پلیز اینڈ کر دیں۔ مکمل ناول ''محبت کا راج'' اچھی تحریر تھی جبکہ ''عشق برہنہ پا'' فرخ بخاری نے بھی بہترین لکھا، ناولٹ مجھے زیادہ اچھے لگتے ہیں پلیز ناولٹ دو یا تین کریں۔ ''تیری مہربانی'' نازیہ جمال کا ناولٹ بہت خوب صورت تھا۔ نازیہ باجی آتی رہا کریں۔ افسانے سارے اچھے تھے۔ لیکن صدف آصف، ہاجرہ ریحان اور قرۃ العین سکندر نے بہت اچھا لکھا۔ تبصرے سب کے لاجواب تھے۔ پلیز عفت سحر آپی ''خواب شیشے کا'' کے بعد کوئی اور تحریر ضرور لکھیے گا۔

ج: تارہ! آپ نے خط لکھا بہت خوشی ہوئی۔ ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے جب لڑکیاں لکھتی ہیں کہ گھر والے ڈائجسٹ پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ جبکہ آج کل موبائل عام ہے اور اس پر جو کچھ بہ آسانی دستیاب ہے، اس کے بارے میں کیا کہیں۔ آپ اپنے گھر والوں کو شعاع کے سلسلے پڑھ کر سنایا کریں تاکہ انہیں علم ہو کہ سب ڈائجسٹ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ شعاع آپ کو پسند ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ثناء ذوالفقار۔ نورے والی رحیم یار خان سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

جنوری کا ٹائٹل اچھا تھا۔ ''بندھن'' میں اقبال بانو سے ملاقات اچھی رہی۔ پلیز بندھن میں دوسری رائٹرز کے بھی انٹرویو لیں۔ ''دستک'' اس دفعہ بس سرسری سا ہی پڑھا۔ افسانے اس دفعہ کچھ خاص اچھے نہیں تھے۔ ''نیت'' اور ''نین تو ساون بنتے'' کے علاوہ کوئی بھی افسانہ پسند نہیں آیا۔

''زندگی ہو جیسے'' ہاجرہ ریحان کا طرز تحریر اچھا تھا لیکن کہانی جان دار نہیں تھی۔ ''سنہری دھوپ'' پلیز اسے جلدی ختم کریں۔ ''محبت کا راج'' راشدہ رفعت نے بہت اچھا لکھا۔

ہمیشہ نہیں رہتے چہرے نقابوں میں
سب ہی کردار کھلتے ہیں کہانی ختم ہونے پر

کہانی تو ختم نہیں ہوئی لیکن نمیر وقار آفندی کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ اب اگلی قسط میں دیکھتے ہیں کہ مہر ماہ کیا فیصلہ سناتی ہے۔

میری امی لڑیاں (جس سے سیج سجاتے ہیں) بناتی ہیں۔ آج کل شادیاں زیادہ ہو رہی ہیں تو میں امی کی مدد کروا دیتی ہوں کیونکہ پیچھے سے آرڈر زیادہ آتا ہے ان شاء اللہ تفصیلی تبصرہ آئندہ ماہ کروں گی۔

ج: پیاری ثناء! آپ کی امی کام کرتی ہیں تو آپ ان کی مدد کرتی ہیں، ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں، یہ جان کر بہت اچھا لگا۔ ہمیں خوددار اور محنتی لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔
بہت اچھا خط لکھا ہے آپ نے۔ کوشش کریں کہ ہمیں خط 15 تک پوسٹ کر دیں۔ بیس اکیس تک ملے گا تو شامل ہو جائے گا۔

شمائل انور، دیا انور، سحر انور نے سدوال سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

ہم شعاع دس، گیارہ سال سے پڑھ رہے ہیں۔ اس کی تمام کہانیاں اور سلسلے بہت اچھے ہیں۔ ہمیں نمرہ احمد عمیرہ احمد، سمیرا حمید، سائرہ رضا، ثمرہ بخاری، فرحت اشتیاق بہت پسند ہیں۔ ثمرہ بخاری ''ہم سے ہے زمانہ'' کی سیریز ہمیں بہت پسند تھی۔ پلیز اس کی جو اقساط خواتین میں شائع ہوئی ہیں ان کو شعاع میں بھی شامل کریں۔
یہ غالباً ہمارے علاقے سے لکھا جانے والا پہلا خط ہے۔ اور یہ بھی بتائیں کہ شاعری کرنا اسلام میں پسندیدہ عمل ہے یا ناپسندیدہ۔

ج: شمائل، دیا اور سحر! ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ گیارہ سال بعد سہی' آپ نے ہماری محفل میں شرکت تو کی۔
شاعری کرنا اسلام میں پسندیدہ عمل ہے یا ناپسندیدہ' اس کے لیے آپ کسی مفتی سے رہنمائی لیں۔ آپ کی نعتیں بے وزن اور بے ربط ہیں۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔

صائمہ مشتاق نے بھاگٹانوالہ سرگودھا سے لکھا ہے

اس دفعہ شعاع 3 کو ملا۔ ٹائٹل گرل اچھی لگی۔ حمد و نعت کے بعد پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں اچھی بلکہ بہت اچھی لگیں۔ اقبال بانو سے ملاقات اچھی رہی۔
''دستک'' میں فیروز خان' شاہ جاوید اور سعدیہ خان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ فرح بخاری کا مکمل ناول ''عشق برہنہ پا'' زبردست بہت اچھی اسٹوری تھی۔ ویسے مزمل میرے شوہر کا بھی نام ہے آخر کار مزمل اور امیرہ مل ہی گئے' رجب جیسے انسانوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ صدف آصف کا افسانہ ''نادانیاں'' ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتی تحریر تھی بہت اچھی لگی۔ بی سحر ملک کا افسانہ ''ہم نے نہ جانا'' اچھی اسٹوری تھی۔ اس ماہ کی مسکراہٹیں ساری ہی اچھی تھیں۔ ''موسم کے پکوان'' بیسن کی مٹھائی بنائی جو بہت اچھی بنی میری طرف سے میری پھینی سی کزن اقرا امتاز کو سلام اور بہت زیادہ پیار آنٹی کوثر خالد کے لیے۔

ج: پیاری صائمہ! آپ کی پھینی سی کزن اقراء امتاز کو سلام پہنچا رہے ہیں۔ پھینی سی ناک تو سنا تھا، پھینی سی کزن پہلی بار سنا ہے۔ کیا مطلب ہے اس کا، شعاع پسند آیا یہ جان کر خوشی ہوئی۔

مہناز، رمشاء شیرازی مانانوالہ ضلع شیخوپورہ سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

حمد و نعت پڑھ کر سکون مل جاتا ہے۔ پیاری پیاری احادیث ہر بار پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ ''سنہری دھوپ'' سلویٰ علی نے کہانی کو عجیب موڑ دے دیا ہے۔ ''محبت کا راج'' بہت اچھی کہانی ہے۔ ''عشق برہنہ پا'' بہت دکھی بھی کیا امیرہ کی داستان نے۔ ''تیری مہربانی'' دادی اور نیلی کی لڑائی پر بہت ہنسی بھی آئی اور نیلی کی دادو کے ساتھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ضد تو بالکل ہماری طرح ہی ہے۔سب افسانے بہت اچھے رہے۔''نین تو ساون بنے'' نیر خان نے بہت اچھا سبق دیا ہے۔بہنوں کو بھی حیا جیسا ہی ہونا چاہیے۔

''خواب شیشے کا'' پلیز اب نمیر کا بھی بتا دیں۔اب ملاحہ بھی لگتا ہے بہن والی غلطی کو دہرانے جا رہی ہیں۔محبت کرنے کی غلطی۔

''شہزاد'' پلیز ہم زاد کو سامنے لے آئیں۔

ج: مہناز اور رمشاء! تھوڑا انتظار کریں۔صائمہ جلد ہی سارے کرداروں کو سامنے لے آئیں گی۔عفت سحر کا ناول بھی اب اختتام کی جانب بڑھ رہا ہے۔

الفت زہرہ ہراج اور اقصیٰ ماموں نے داؤد والا تلمبہ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

اس ماہ کا شعاع بہت زبردست تھا اور اس میں شامل فرح بخاری کی تحریر نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔واہ ماشاءاللہ شاباش فرح بخاری۔میری عمر بائیس سال ہے۔اور میں تقریباً بارہ تیرہ سال کی عمر سے شعاع پڑھ رہی ہوں۔لیکن ایسی بہت سی تحریریں میں پڑھ چکی ہوں کہ ان کو ذہن سے مٹایا نہیں جا سکتا۔لیکن ''عشق برہنہ پا'' پڑھ کر بہت اچھا لگا۔رجب جیسے گھٹیا لوگ ہیں تو مزمل جیسے بھی دنیا میں موجود ہیں۔بہت سادہ اور دل پر نقش ہونے والی تحریر تھی۔میری دادو رحمت خاتون کی طرف سے فرح بخاری کو شاباش۔اقبال بانو سے مل کر اچھا لگا۔فیروز خان اینڈ ثنا جاوید کی باتیں اچھی لگیں۔''شہزاد'' ناول میرا پسندیدہ ناول اینڈ ''شہزاد'' کا کردار مجھے بہت پسند ہے۔عفت سحر طاہر کا ناول ''خواب شیشے کا'' بہترین جا رہا ہے۔

یہ موحد اور نمیرہ والا چکر ختم ہو رہا ناں؟ باقی سب ناول، ناولٹ اور افسانے شاندار تھے۔آپی اکثر قاری بہنیں کہتی ہیں کہ شعاع کا معیار وہ نہیں رہا۔یہ ہے وہ ہے۔لیکن مجھے لگتا ہے شعاع کا معیار دن بدن اچھا ہو رہا ہے۔میری دادو جان جن کو میں اور اقصیٰ (سسٹر) شعاع پڑھ کر سناتی ہیں، وہ کہہ رہی ہیں کہ میرا بھی انٹرویو شعاع میں لکھو۔(جب تجھ سے ناتا جوڑا والا سلسلہ) امبر گل (جھڈو سندھ) کدھر ہو آپ؟ خطوط میں حنا سلیم اخون بانڈی کا خط اچھا لگا۔سونیا ربانی (قاضی محلہ بالا پل) واپس آ گئی ہو آپ کا آنا بہت اچھا لگا۔آپی سجل علی کا تفصیلی انٹرویو شائع کریں پلیز۔اور آپی شاہین رشید کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے وہ بے شمار لوگوں کے انٹرویوز کر چکی ہیں تو پلیز خود شاہین رشید کا انٹرویو شائع کریں۔

ج: پیاری الفت شاہین رشید کا انٹرویو ہم ضرور شائع کریں گے اگر انہوں نے انٹرویو دینا پسند کیا۔سجل علی کا انٹرویو شائع ہو چکا ہے شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔

اپنی دادو جان کو ہمارا اسلام کہیں اور آپ ہمیں ناتا جوڑا ہے میں ان کا سلسلہ بھی لکھ کر بھجوائیں اور آپ دونوں بہت پیاری بچیوں کو ہماری طرف سے شاباش کہ آپ دونوں اپنی دادو کو خوش رکھتی ہیں۔بزرگوں کے دل سے نکلی دعائیں زندگی کو روشن اور کامیاب بناتی ہیں۔

عائشہ مرزا نے شہر فیصل آباد سے لکھا ہے

خوب صورت ٹائٹل کے پار ہر رکاوٹ عبور کر کے ''سنہری دھوپ'' پر جا کے بریک لگایا۔سلویٰ صاحبہ کمال مہارت سے ناول کو آگے لے کر چل رہی ہیں۔بہت خوب صورت قسط رہی۔

''محبت کا راج'' شروع میں کافی بوریت ہوئی مگر آخر میں ہنسی کا تڑکا بھی لگا اور منفرد انداز میں اختتام ہوا۔اچھا ناول تھا۔''عشق برہنہ پا'' فرح بخاری صاحبہ نے میلہ لوٹ لیا۔کہیں کوئی جھول نہیں تھا یک ٹک پڑھتی گئی۔اس مہینے کی بہترین تحریر ''عشق برہنہ پا'' رہی۔بی سحر ملک کا افسانہ بہت خوب صورت تھا۔نین تو ساون بنتے منفرد مگر سبق آموز تحریر تھی۔کتاب کہانی میں سمیرا حمید لکھاریوں کی اچھی برین واشنگ کرتی ہیں۔آج تک اقبال بانو کو پڑھا ہی تھا۔آج دیکھ کر اچھا لگا۔دستک کی شخصیات سے ملاقات دلچسپ رہی۔''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' ا۔ب۔ج آپ کے بیٹے کے نمبر بہت اچھے ہیں آپ کو مبارک ہو بہت بہت۔حنا سلیم اعوان آپ بہت خوش قسمت ہیں جو ایم اے اسلامیات کر رہی ہیں۔شاعری بہت اچھی۔مسکراہٹیں پڑھ کر بالکل مسکراہٹ نہیں آئی۔

ج: پیاری عائشہ! ہم کوشش کریں گے کہ مسکراہٹیں پڑھ کر آپ کو مسکراہٹ ہی نہیں ہنسی بھی آئے۔ویسے ایک بات کہیں۔جب دل خوش ہوتا ہے تو چھوٹی سی بات پر بھی ہنسی آتی ہے اور دل اداس ہو تو بڑے سے بڑا لطیفہ بھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خوش نہیں کر سکتا۔ آپ خوش رہا کریں۔ چار دن کی تو زندگی ہے۔ اس میں پانا کیا اور کھونا کیا۔
سمیرا احمید برین واشنگ نہیں کر رہی ہیں۔ وہ نئے لکھنے والوں کی رہنمائی کر رہی ہیں۔

اقراء ممتاز نے سرگودھا سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

اس دفعہ شعاع 2 تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل گرل اچھی لگ رہی تھی۔ بندھن میں اقبال بانو۔ سعدیہ خان سے ملاقات بیسٹ رہی۔ سب سے پہلے ''سنہری دھوپ'' پڑھا۔ انعم نے دل پر پتھر رکھ کر شادی تو احسن کی دعا کے ساتھ کردی ہے لیکن اب پچھتا ضرور رہی ہے۔
''شہزاد'' بہت زبردست ناول جا رہا ہے۔ آخر کار برہان اور انابیہ کی شادی ہونے ہی والی ہے۔ مکمل ناول ''محبت کا راج'' ایک اور انصیار بابا کی باتیں ہنسنے پر مجبور کرتی رہیں۔ اچھی اسٹوری تھی۔ ''عشق برہنہ پا'' کیا کمال اسٹوری تھی۔ رجب بڑا کمینہ انسان نکلا۔
ناولٹ ''تیری مہربانی'' یہ اسٹوری خاص پسند نہیں آئی۔
افسانہ ''نادانیاں'' سبق آموز اسٹوری تھی۔ شکر ہے ہمارے گھر والے رسالہ پڑھنے پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ میری دادی اماں تو مجھے رسالہ ہر ماہ لے کر دیتی ہیں۔ کنول شہزادی اگر ہو سکے تو میری کزن اقراء مشتاق کو شعاع جون 2017ء کا رسالہ تو دے دینا۔

ج: پیاری اقراء! آپ کا پیغام کنول شہزادی تک پہنچا رہے ہیں۔
اپنی دادی کو ہمارا سلام کہہ دیں اور ان کا شکریہ بھی ادا کر دیں کہ وہ ہر ماہ آپ کو شعاع لا کر دیتی ہیں۔

روبینہ امجد نے جھنگ سے لکھا ہے

جی آپ نے کہا کہ ام مریم کا سکول بدل دو ان کے بابا جان کہتے ہیں۔ میں اور میری دو بہنوں نے اس اسکول سے پڑھا ہے تو میرے بچے بھی اسی سکول سے پڑھیں گے چاہے کچھ ہو جائے ام مریم پرائیویٹ اسکول میں نہیں گورنمنٹ اسکول میں پڑھتی ہے۔ یہ جھنگ میں ایک قصبہ ہے باغ۔ اسکول میں نئی ٹیچر آئی ہیں دوسری جماعت کی دو بچیاں تین ماہ میں چھوڑ چکی ہے پڑھائی کہ ٹیچر ڈنڈے بہت مارتی ہے اور والدین کی مجبوری یہ ہے گھر کے قریب ہے۔ یہی اسکول ہے اور پرائیویٹ ہیں جن کی ہم لوگ فیس بھر نہیں سکتے سو سب والدین کہتے ہیں مجبور ہیں ہم لوگ کیا کریں۔ پانچویں تک ہے آگے دوسرے اسکول میں چلی جائیں گی بچیاں تو ایسی ٹیچروں سے جان چھوٹے گی ہماری، اور بارہ سے تیرہ سال کے لڑکے بھی داخل کر لیے پرائمری سکول میں' جو بچیوں کو مارتے' تنگ کرتے ہیں۔ اب آتے ہیں شعاع کی طرف سب سے پہلے تو دوڑ لگائی ''سنہری دھوپ'' دعا اور احسن کے ساتھ شادی ہوگئی ہے تو اچھا ہی ہوا ہے۔ انعم کا رویہ اچھا تو نہیں لگ رہا مگر مجبور ہے یہ رشتہ ہی ایسا ہے۔ ''نیت'' قرۃ العین سکندر نے بہت خوب صورت' نیز فہیم نے سمجھایا ہے ان بہنوں بیٹیوں کو جو رات بھر لڑکوں کے ساتھ فون پہ لگی رہتی ہیں۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت سے دل کو خوش کیا پیاری نبی کی باتیں جو مشعل راہ ہیں ہمارے لیے اقبال بانو اور ان کے میاں سے مل کر دستک میں فیروز خان اور فیورٹ ثنا جاوید کا انٹرویو دل میرا باغ باغ گل گلستان ہو گیا۔ ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' بہن کے ساتھ جو ہوا سسرال میں جان کر دل برا ہوا' میری پروردگار سے دعا ہے اب آپ کو اللہ خوشیوں سے ہی نوازے ''خواب شیشے کا'' بہت زبردست جا رہا ہے۔
''عشق برہنہ پا'' مزمل اللہ کی کائنات میں ایسے بھی فرشتے نما انسان ہیں الحمد اللہ

ج: روبینہ! ہمیں احساس ہے کہ پرائیویٹ اسکولوں کی فیسیں ہر شخص افورڈ نہیں کر سکتا۔ اب ایک حل تو یہ ہے کہ آپ دوسری بچیوں کے والدین سے بات کریں اور سب والدین مل کر ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کو درخواست دیں تا کہ ان ٹیچرز اور ہیڈ مسٹریس کا تبادلہ کیا جائے یا نہیں نوٹس دیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو آپ اپنی بچی کو خود پڑھائیں۔ ہفتے میں ایک بار اس کے اسکول کا چکر لگائیں اور ٹیچر سے اس کی رپورٹ لیں۔ شاید ٹیچر کو آپ کی توجہ کا احساس ہوگا تو وہ مار پیٹ میں تھوڑی احتیاط کرے۔ ویسے یہ یقینی بات نہیں ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ گورنمنٹ ملازم اگر کلرک بھی ہو تو اپنی جگہ بادشاہ ہے۔ ان کی ملازمت مستقل ہوتی ہے' اس لیے ان کو کسی کی پروا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہیں ہوتی۔
شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

شازیہ ہاشم میوانی نے لکھا ہے

سب سے پہلے "پہلی شعاع" کو پڑھا۔ویلڈن آنٹی رضیہ جمیل اللہ آپ کے الفاظ نے مسحور سا کر کے رکھ دیا۔ان الفاظ میں زندگی کی حقیقتوں کا روشن عکس نظر آیا۔
سمیرا احمید کی کتاب کہانی پر بھی نظر ڈال لی جو بہت دلچسپ بھی تھا اور افسانہ لکھنے کا طریقہ بتایا ڈیئر سمیرا آپی ویلڈن!!! "بندھن" اقبال بانو کو پڑھ کر اک مسکان سی لبوں پر بکھر گئی اور اچھا لگا ان کے بارے میں جان کر۔ پھر چھلانگ لگائی عفت سحر طاہر "خواب شیشے کا" اس دفعہ کی اپی سوڈ زبردست رہی شروع میں جو نظم تھی دل میں گھر کر گئی۔تھوڑی اسپیڈ بڑھا دیں۔ پھر جمپ لگائی "سنہری دھوپ" اوہو! ڈیئر سلوی آپی یہ کیا کر دیا عمیر کو اس کی محبت سے دور کر دیا۔ پڑھی "محبت کا راج" ویلڈن راشدہ آپی گل خنداں نام منفرد سا اور منفرد سا موضوع لیے ہوئے آپ کی تحریر دل میں سما گئی۔
ج: پیاری شازیہ! بہت خوشی ہوئی آپ نے شرکت کی۔آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا۔شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ ہانیہ عمران' آمنہ رئیس گجرات سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

سال نو کا شعاع ٹائیٹل پہلی ہی نظر میں بھا گیا۔پہلی شعاع اور حمد باری تعالیٰ نعت شریف سب سے پہلا توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔
"بندھن" میں اقبال بانو سے ملاقات اچھی لگی۔ڈرامہ سیریز خانی اور شاید کی ہیروئین ہیرو سے ملاقات بھی پسند آئی۔
جب سے تجھ سے ناتا یہ سلسلہ بھی اچھا چل رہا ہے۔
لگتا ہے ملاحہ کا پرپوزل موحد کبیر کا ہی لایا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے۔"شہرزاد" کی اس بار کی قسط مزے کی رہی۔"سنہری دھوپ" لگتا ہے۔ دعا اپنی زندگی کی تمام محرومیوں کا بدلہ انعم سے لے گی۔عمیر نے دعا کو تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی ورنہ تو ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔
نازیہ جمال کا ناولٹ تیری مہربانی بہت اچھا تھا۔
دادی پوتی کی مزے کی نوک جھونک کہانی کا لطف دوبالا کرتی رہی۔
"عشق برہنہ پا" فرح بخاری کی کمال کی تحریر......رجب جیسے شیطان کا ہی ایسا حشر ہونا چاہیے تھا۔امیرہ کی بربادی پر دل خون کے آنسو رویا۔مزمل مرد مومن کو داد دی۔راشدہ رفعت کا مکمل ناول "محبت کا راج" مزاح کی ملکہ تسی گریٹ ہو راشدہ جی! ہیرو ہیروئین کے نخرے۔مثالی اور زندہ دل ابا حضور سچ میں یہ تحریر پڑھ کر ہنسی کے فوارے چھوٹے۔گل خنداں کا یہ جملہ سگے دادا کا سوتیلا پوتا۔شعاع کی طرف سے نئے سال کا پہلا مزاحیہ گفٹ مجھے تو یہی تحریر لگی۔اس ماہ ہر تحریر میں دو رشتے خاص رہے۔دادی اور نانی۔ان رشتوں سے ہی گھروں میں رونقیں اور برکتیں ہوتی ہیں۔افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔نادانیاں اور نیت دونوں انعام یافتہ رہے۔
تاریخ کے جھروکے مزے کے ہوتے ہیں۔مصر کی تاریخ کے متعلق ضرور لکھیے۔"خط آپ کے" پڑھا۔یہ پیاری سی محفل میرے بنا سونی سی لگی۔سمیرا احمید — بھی صرف شعاع یا کرن میں لکھیں کیونکہ خواتین میں نہیں لیتی۔

ج: پیاری فوزیہ! ہمیں بھی یہ محفل آپ کے بنا سونی سونی لگتی ہے۔سمیرا احمید آج کل مصروف ہیں۔وہ بہت جلد شعاع کے لیے ناول لکھیں گی۔تبصرہ تو آپ ہمیشہ ہی بہت اچھا کرتی ہیں۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما' ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

فروری 2018ء
کے شمارے کی ایک جھلک

- "جھوٹی" نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- "اسے ہم فرض کرتے ہیں" صدف نثار کے ناول کی دوسری اور آخری قسط،
- "کب ٹھہرے گا دردِ دل" فاخرہ جبیں کا مکمل ناول،
- "محبت تیرے رنگ" بشریٰ احمد کا ناولٹ،
- "وحشتِ جنوں" آمنہ ریاض کا ناول،
- "عالم" نمرہ احمد کا ناول،
- راشدہ رفعت، حیا بخاری، عطیہ خالد، مصباح علی سید، اور روزینہ معرفت شاہ کے افسانے،
- مشہور سائیکالوجسٹ "مدیحہ" سے ملاقات،
- باتیں "علی شاہمین خان" سے،
- "کرن کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- ہمارے نام اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا فروری 2018 کا شمارہ آج ہی خریدلیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

مزے دار چکن قورمہ بریانی

ضروری اشیا:-

مرغی کا گوشت	ایک کلو
باسمتی چاول	ایک کلو
پیاز	ایک عدد
دہی	ایک کپ
سرخ مرچ	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
ثابت گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
پسا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
بادیان کے پھول	دو عدد
جائفل، جاوتری پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	آدھا گٹھی
ہری مرچیں	چھ سے سات عدد
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
کیوڑا	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:- دیگچی میں تیل ڈال کر پیاز کو سنہری ہونے تک فرائی کر کے نکال لیں اور ایک بڑی پلیٹ میں پھیلا کر رکھ دیں۔ ٹھنڈی ہونے پر ہاتھوں سے مسل کر چورا کر لیں۔ اسی تیل میں گوشت اور ادرک، لہسن پیسٹ ڈال کر فرائی کر لیں۔ پسی سرخ مرچ، دھنیا، ہلدی، ثابت گرم مسالا اور نمک ڈال کر بھون لیں۔

ایک پیالے میں دہی، گرم مسالا پاؤڈر، چھوٹی الائچی پاؤڈر، بادیان کے پھول اور جائفل، جاوتری پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ گوشت میں شامل کر دیں۔ تھوڑا سا پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر گوشت گلنے تک پکائیں۔ گوشت گل جائے تو اتنا بھونیں کہ روغن اوپر آ جائے۔

ایک بڑی پتیلی میں پانی ڈال کر اس میں چاول اور دو کھانے کے چمچے نمک شامل کر کے ایک کنی رکھ کر ابال لیں اور چھلنی میں ڈال کر اوپر سے ٹھنڈا پانی ڈال کر چھان لیں۔

ایک علیحدہ بڑی دیگچی میں تھوڑا سا تیل لگائیں اور تیار قورمہ آدھا ڈال دیں۔ اس کے اوپر آدھے چاولوں کی تہہ لگائیں۔ یہ عمل ایک دفعہ دوبارہ دہرائیں۔ سب سے اوپر ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر کیوڑا اور زردہ رنگ چھڑک دیں اور پندرہ منٹ کے لیے درمیانی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔

کھوپرے کی برفی

ضروری اشیا:-

کھوپرا (پسا ہوا)	چار کپ
چینی	دو کپ
پانی	ڈیڑھ کپ
الائچی (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستے	حسب ضرورت
کھانے کا رنگ	ایک چٹکی

ترکیب:- گھی گرم کریں، اس میں الائچی ڈال کر بھون لیں۔ پھر کھوپرا ڈال کر ہلکی آنچ پر 2 منٹ بھونیں۔ اب دوسری پتیلی میں دو کپ چینی، آدھا کپ پانی اور چٹکی بھر کوئی سا بھی فوڈ کلر ڈال کر ایک تار کی چاشنی بنائیں اور چولہے سے اتار کر کھوپرے میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔

آمیزہ گاڑھا ہونے لگے تو پہلے سے گھی لگے ہوئے تھال میں برفی کو جما دیں اور گرم میں ہی کٹ کے نشان لگا دیں، ٹھنڈا ہونے پر تیز چھری سے پیس کاٹ لیں اور بادام پستے سے گارنش کریں۔

☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بقیہ دستک

''وہ تو خیر تمہارا رنگ وروپ دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا ہے۔ کوئی خاص بات اس فیلڈ کی جو شیئر کرنا چاہتی ہو؟''

''جی...... میرا ایک کمرشل علی ظفر کے ساتھ شوٹ ہونا تھا مگر کچھ وجوہات کی بنا پر وہ کمرشل کے لیے دستیاب نہ ہو سکے تو ''عاطف اسلم'' کو بک کر لیا گیا۔ اس وقت عاطف اسلم نے صرف ایک ہی گانا گایا تھا۔ تو جب مجھے معلوم ہوا کہ میری شوٹ علی ظفر کے ساتھ نہیں ہے تو مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔ مگر اب اس کمرشل پہ فخر کرتی ہوں کہ میں نے عاطف اسلم کے ساتھ کمرشل کیا۔ سچ ہے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وقت انسان کو کب اور کیسے آسمان کی بلندیوں پہ پہنچا دے۔''

''کوئی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو؟''

''ارے کوئی ایک خواہش نہیں ہے۔ ڈھیروں خواہشیں ہیں ان ہی میں سے ایک خواہش یہ تھی کہ میں محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ سے ملوں۔ مگر افسوس کہ یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ بس ان ہی کی وجہ سے مجھے سیاست سے بھی لگاؤ تھا مگر اب نہیں۔''

''شاپنگ کرنے کا لطف کہاں آتا ہے' ملک میں یا ملک سے باہر؟''

''مجھے خود سے شاپنگ کرنے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ میری زیادہ تر شاپنگ میری امی ہی کرتی ہیں کیونکہ وہ میرے مزاج سے واقف ہیں۔ چاہے ملک میں ہوں یا ملک سے باہر۔''

''کہاں کہاں جا چکی ہو ملک سے باہر اور شاپنگ میں پہلی ترجیح کیا ہوتی ہے؟''

''مجھے' سچ پوچھیں تو گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے۔ دبئی' ترکی' تھائی لینڈ' اور ملائیشیا جا چکی ہوں۔ اور شاپنگ میں میری پہلی ترجیح جوتے' بیگز ہوتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ یہ چیزیں میری کمزوری

ہیں۔''

''بہت خوش رہو نیلم' ان شاء اللہ پھر بات کریں گے۔''

''جی...... ضرور۔''

☆☆☆

عثمان خالد بٹ

''کیا حال ہے؟ کیسے ہیں۔''

''جی الحمدللہ۔ دعائیں ہیں سب کی۔''

'''دیار دل' کے بعد نظر نہیں آئے؟''

''اچھا......! ایسا ہو نہیں سکتا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کام نظر نہیں آتا۔ چینل بھی تو بہت سارے آ گئے ہیں شاید اس وجہ سے۔''

''عثمان آپ صحافی' اسکرپٹ رائٹر' تھیٹر کے نامور اداکار' کوریوگرافر اور ٹی وی کے نامور اداکار۔ یوں کہیں کہ آل ان ون ہیں۔ کہاں ایزی فیل کرتے ہیں؟''

''مجھے بچپن سے ہی ہر کام کرنے کا شوق ہے۔ شاید اللہ نے مجھ میں ہر کام کرنے کی صلاحیت یا لگن ڈالی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو صرف ایک ہی کام نہیں بلکہ کئی کام ایک ساتھ کرنے چاہئیں۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"تو کچھ بتائیں کہ کس طرح قدم بہ قدم آگے آئے۔"

"دیکھیں جی...... جب میں نے صحافت میں بیچلرز کیا تو جنگ گروپ کے انگریزی نیوز پیپرز میں "آرٹس" کلچر اور انٹرٹینمنٹ کے لیے لکھتا تھا۔ اور ایسا اب بھی ہے مگر کم ہے۔ جب اسلام آباد میں تھا تو 2005 سے 2012 تک تھیٹر کیا۔ تو میرا دل چاہا کہ اسکول کے بچے بھی اسے سیکھیں چنانچہ لاہور گرامر اسکول کے بچوں کو تھیٹر میں کام کرنا سکھایا اور جو بندہ تھیٹر کرلے پھر اسے کہیں بھی اداکاری کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی خواہ فلم ہو یا ٹی وی...... ان سب کاموں کے ساتھ ساتھ مجھے اسکرپٹ رائٹنگ کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ تھیٹر کے لیے بھی اور فلموں کے لیے بھی اسکرپٹ لکھے اور فلموں کی ڈیمانڈ ہوتی ہے کوریوگرافی 'تو اسے بھی سیکھا۔ اور ساتھ ساتھ ڈائریکشن بھی۔"

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

زرد موسم
راحت جبیں

قیمت -/1000 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

"گڈ...... اور اچھا یہ ہوا کہ آپ کو سب کچھ کرنے کا موقع بھی ملا۔ یہ ساری خوبیاں کیا آپ میں اپنے والد خالد سعید بٹ' کی وجہ سے آئیں؟"

"جی...... بالکل' میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ والد صاحب کی وجہ سے مجھ میں یہ تمام خوبیاں آئی ہیں۔ ان میں بے پناہ تخلیقی صلاحیتیں تھیں۔ والد صاحب کی وجہ سے بچپن میں ہی بہت سے سینئر فنکاروں سے ملاقات کا موقع ملا۔ اور جب گھر کا ماحول ایسا ہو تو پھر آگے بڑھنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ تو بچپن میں بھی ہر چیز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتا تھا۔"

"ماشاء اللہ آپ اپنے والد کی طرح ایک خوب صورت نوجوان ہیں۔ لوگ آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ہیرو کو آپ کی نظر میں کیسا ہونا چاہیے؟"

"پڑھا لکھا، محنتی' خوبرو...... کام کی لگن اور بہت کچھ......"

"اور ایک اداکار کے لیے کیا ضروری ہے؟"

"ایک اداکار کو کبھی یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اتنے ڈراموں میں کام کرلیا ہے' اب میں مکمل ہو گیا ہوں۔ بلکہ اس میں ہر وقت سیکھنے کی لگن ہونی چاہیے۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے۔ جہاں آپ کو مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور خود بھی تجربات کریں اور ہمیشہ اپنی غلطیوں پہ نظر رکھیں۔ جائز تنقید کو ہمیشہ پوزیٹو لیں۔"

"عام زندگی میں کیسے ہیں؟"

"میں عام زندگی میں عام انسان ہوں اور اس فیلڈ میں رہ کر بھی عام انسان ہوں۔ خدا نے اگر رتبہ دیا ہے تو اس پہ غرور کیسا؟ کامیاب انسان وہی ہے جو اپنے آپ کو ساتویں آسمان پر نہ سمجھے۔"

عثمان خالد بٹ صاحب کا تفصیلی انٹرویو بھی ان شاء اللہ جلد لیں گے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آئیے جانیں

واصفہ سہیل

شکرقندی

شکرقندی غذائی اجزا سے مالا مال ہے۔ شکر قندی میں پائے جانے والے قدرتی اجزا میں پروٹین، کیلشیم، کاربوہائیڈریٹس، فولاد، فاسفورس شامل ہیں۔

شکرقندی میں سب سے زیادہ مقدار نشاستے کی پائی جاتی ہے، جو متوازن غذا کا ایک اہم جز ہے۔ یہ تین سے پانچ گھنٹے میں ہضم ہوتی ہے۔ اپنے بیش بہا غذائی اجزا کے باعث شکرقندی جسم انسانی کو پوری غذائیت فراہم کرتی ہے۔ ڈیڑھ پاؤ شکرقندی میں دو چپاتیوں کے برابر غذائیت موجود ہوتی ہے۔

جن لوگوں کو بھوک زیادہ لگتی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ شکرقندی کھائیں، کیوں کہ شکرقندی کھانے سے بھوک مٹنے کے ساتھ ساتھ جسم کی غذائی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں۔

جدوجہد

جاوید شیخ کا کہنا ہے کہ ''ابھی ہمیں بولی وڈ کا مقابلہ کرنے کے لیے مزید محنت کی ضرورت ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں ہماری فلموں نے اچھا بزنس ضرور کیا ہے۔ (ہیں جی! کی کہہ رہے ہو جی؟) مگر بولی وڈ کا زور توڑنے کے لیے یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ (فلاپ فلموں کا یا؟) انہوں نے مزید کہا کہ ''انہوں نے ہمیشہ فلم انڈسٹری کی کامیابی کے لیے جدوجہد کی ہے۔'' (جی ہاں! برے وقت میں بولی وڈ چلے گئے تھے فلم کرنے۔) اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ (کیا......؟ انڈین فلموں میں کام یا......؟)

خوشی

چونتیس سالہ سالہ انوشہ اشرف نے بالآخر شادی کا فیصلہ کرلیا۔ ان کے منگیتر کا نام سالار فاروقی ہے۔ انوشہ اس بارے میں کہتی ہیں کہ ''سالار فاروقی بہت اچھے ہیں، لیکن ان کی اصل خوبی یہ ہے کہ یہ بہت جولی ہیں۔ میری دعا ہے کہ ہم ایک ساتھ سیاحت کا مزا لیں، درخت لگائیں اور جانوروں کی زندگی بچائیں۔ (یہاں انسانوں کی زندگی نہیں بچائی جا سکتی، آپ جانوروں کی بات کرتی ہیں۔) انوشہ اپنے والدین کی بھی شکرگزار ہیں کہ انہوں نے اتنے عرصے ان پر شادی کے لیے دباؤ نہیں ڈالا۔ وہ کہتی ہیں کہ ''وہ تمام خواتین جن پر شادی کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے، لیکن وہ فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ میں عمر کی اس حد سے نکل آئی ہوں جو ہمارے یہاں شادی کے لیے رائج ہے۔ شادی کا تعلق عمر سے نہیں ہے۔ (آپ دو فیصد کی بات نہ کریں۔ ہمارے یہاں شادی کا تعلق عمر سے

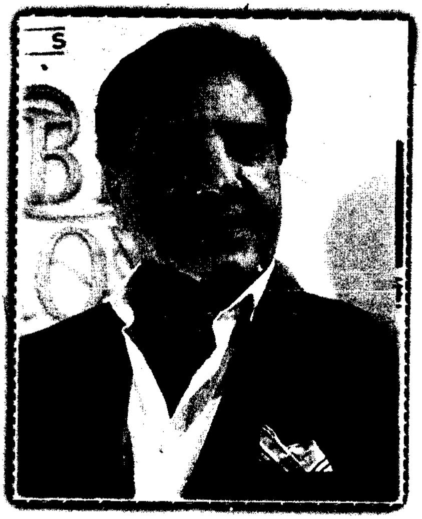

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہی ہے۔) میں بھروسے، محبت اور عزت کے ساتھ اپنی زندگی کا نیا باب شروع کرنے جا رہی ہوں۔ تھوڑی سی گھبرائی ہوئی ضرور ہوں۔ (ہیں......! انوشہ جی! تسی اور گھبراہٹ؟) مگر بہت خوش ہوں۔" (اللہ ہمیشہ خوش رکھے جی!)

شرط

کبریٰ خان نے اپنے شوبز کیریئر کا آغاز فلم "نامعلوم افراد" سے کیا۔ اس کے بعد ٹی وی ڈراموں میں اپنی اداکاری کے ذریعے اپنی ایک شناخت بنائی۔ (جی ہاں! ہر ڈرامے میں ان کا انداز سپاٹ اور ایک ہی رہتا ہے، چاہے وہ رومینٹک ہو، ناراضی والا ہو یا مظلوم۔) کبریٰ خان کو کچھ عرصہ پہلے ایک بھارتی فلم میں کام کی بھی آفر ہو چکی ہے۔ (کس نے کی؟ بھئی پروڈیوسر، ڈائریکٹر کا پوچھ رہے ہیں ہم، ورنہ تو......؟) مگر کبریٰ خان نے کچھ شرائط رکھ دیں، جن میں سب سے کڑی شرط تھی کہ اس فلم میں پاکستان سے متعلق کچھ منفی نہیں ہونا چاہیے۔ (یقیناً اس شرط پر تو پروڈیوسر بھاگ گیا ہوگا بولی ووڈ کا۔) اس کے علاوہ قابل اعتراض سین اور آئٹم نمبر نہ کرنے کی شرط بھی رکھی گئی۔ (اب بھلا پھر وہ آپ سے کیا کام لیتے سو؟)

شعیب منصور کی فلم "ورنہ" کے بارے میں کبریٰ کہتی ہیں کہ "اس میں میرا انتخاب نہ ہونا ہی اچھا ہوا۔" (ورنہ میں ماہرہ کی عدم دستیابی پر شعیب منصور نے کبریٰ کو ہی رکھا تھا بطور ہیروئن، لیکن......؟) کبریٰ خان ایسے کردار کرنا پسند کرتی ہیں جس سے معاشرے میں سدھار کا پہلو اجاگر ہو سکے۔ وہ ایک معذور لڑکی کا کردار ادا کرنا چاہتی ہیں۔ (کیوں......؟)

ادھر ادھر سے

☆ طاہر القادری اور شیخ رشید کی سیاست میں زیادہ فرق نہیں ہے، دونوں کی سیاست ایک جیسی ہے۔ دونوں کی زبان روانی کے ساتھ چلتی ہے۔

(اعجاز منگی......آوازِ حق)

☆ میڈیا نے لیڈی ڈیانا سے بھی پوچھا تھا کہ کیا اس کے کسی مرد کے ساتھ مراسم رہے ہیں؟ اور اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ یہ اعتراف کیا تھا۔ "ہاں" اور اس "ہاں" کی وجہ سے ڈیانا کی عزت میں کمی نہیں آئی۔ اس اعتراف کی وجہ سے لوگ اس سے زیادہ محبت کرنے لگے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ جسے چاہتے ہیں، وہ جس شخص سے محبت کریں۔ وہ جھوٹ نہ بولے، سچ بولے۔

(اعجاز منگی......آوازِ حق)

☆ فی الحال تختہ الٹے جانے کا امکان اس لیے نظر نہیں آ رہا کہ ججوں نے جرنیلوں کا کام سنبھال لیا ہے اور جنرل جمہوریت کے نئے علم بردار نظر آ رہے ہیں اور جہاں تک جمہوریت کے اصل علم برداروں کا تعلق ہے۔ وہ ہر ایک سے لڑنے میں مصروف ہیں اور آپس میں بھی دست و گریباں ہیں۔

(وجاہت ایس خان......انڈیا ٹوڈے)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

امتہ الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

کسریٰ کے کنگن

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو بشارت دی کہ ایک دن آنے والا ہے کہ قیصر و کسریٰ ان کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ ان کی دولت اور قوت پاش پاش ہو جائے گی۔

قریش نے ایک کان سے سنا اور دوسرے سے اڑا دیا۔ کسی نے مذاق کیا، کسی نے ٹھٹھا اڑایا اور کسی نے کہا کہ ”دیکھا! ہیں نا دیوانوں جیسی باتیں۔“

لوگوں کے نزدیک قیصر و کسریٰ کو مغلوب کرنا ناممکنات میں سے تھا، ان کو چیلنج کرنا، ان پر غالب آنے کی بات کرنا' ایک دیوانے کی بڑ سے زیادہ نہ تھا۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوست ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک دن چھپتے چھپاتے رات کے اندھیرے میں ایک غار میں جا پہنچے۔ یہاں پناہ لی۔ یہاں سے نکلے تو کھجوروں کی سرزمین کا رخ کیا کہ وفا شعاروں کی ایک جماعت پہلے سے وہاں موجود تھی۔ وہ آپ کے منتظر تھے۔

سو اونٹوں کا لالچ بہت بڑا لالچ ہے۔ سراقہ بن مالک پیچھا کرتا ہے۔ وہ گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ (معاذ اللہ!) وہ آپؐ کے خون کا پیاسا ہے اور پھر اس کے کانوں میں ایک پرعزم آواز گونجتی ہے۔

”سراقہ! اس دن تمہاری کیسی شان ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟“

سراقہ یہ سن کر مرعوب تو ضرور ہوا، مگر دل کو یقین نہ آیا۔

کفر اور اسلام کی کشمکش اب مکمل لڑائی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ سعد بن ابی وقاص کو ایک ایسی سعادت اور شرف حاصل ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کسی کو یہ سعادت اور تمغہ جرات حاصل نہیں ہوا۔

اسلام کے دفاع میں چلایا جانے والا پہلا تیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان سے نکلتا ہے اور ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا اعزاز ملتا ہے۔

بار بار تیر چلا رہے ہیں اور کانوں میں یہ خوش خبری سنائی دیتی ہے۔

”سعد تجھ پر میرے ماں، باپ قربان ہوں، تیر چلاؤ۔“

یہ اعزاز تاریخ میں محض سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہے کہ ان کے علاوہ آپ نے کسی شخص کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ رب العزت نے ایک ایسے عظیم معرکے کی سپہ سالاری بخشی کہ جس نے عراق کے دروازے اسلام کے لیے کھول دیے اور اسلام کا نور ایران کی سرحدوں سے آگے نکل گیا۔

دنیا کے نقشے پر اسلامی ریاست کا وجود پھیلتا گیا۔

اس عدل و انصاف اور نور ہدایت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی عراق کی حدود میں لے کر داخل ہوتے ہیں، تاکہ یہاں کی خلق بھی اس رحمت کے سائے تلے آجائے۔ مگر ان کا ایک قدیم اور ازلی دشمن فارس جو کسریٰ کے نام سے معروف تھا، ان کی راہ میں آڑے آجاتا ہے۔ ان کا راستہ پوری قوت اور جاہ و جلال سے روکتا ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ان دو گروہوں کا اختلاف بڑا عجیب اور نرالا ہے۔ نہ تو کرسی کا جھگڑا ہے، نہ ہی اقتدار کی خواہش، نہ زمین پر قبضہ اور نہ اپنی حدود بڑھانے کا جنون۔ اختلاف دراصل دو نظریات کے درمیان ہے۔

ایک گروہ واحد رب ذوالجلال کے سامنے اپنی پیشانی کو جھکانے والا اور دوسرا جھوٹے معبودوں کو پوجنے والا۔

اپنے آباؤ اجداد کے ورثے پر نازاں، آگ کے پجاری اور پھر یہ دونوں گروہ قادسیہ کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل آ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک طرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صفیں باندھے کھڑے ہیں۔ شہادت کے متوالے، جذبہ جہاد سے سرشار، یہ اپنی مرضی اور خواہش سے یہاں آئے ہیں، بغیر کسی جبر اور اکراہ کے۔ زاد راہ کی کمی ہے، مگر ایمانی جذبہ فراواں ہے۔ ان مجاہدین کے کیا کہنے، ان کے دن گھوڑوں کی پشت پر اور راتیں رب کی بارگاہ میں سجدے کرتے گزرتی ہیں۔

ان کے مقابل ایک دوسرا گروہ ہے، جس کی تعداد چار گنا زیادہ ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار، یہ منظم و مرتب ہے، ہر سپاہی کے لیے کھانے پینے کی چیزیں، لباس اور اسلحہ ہے۔ یہ دنیاوی مال و متاع سے لیس ہے۔

اہل فارس کی طرف سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ''اپنا ایلچی بھیجو! تاکہ ہم سے گفتگو کرے، ہمیں بتائے کہ یہاں کیا لینے آئے ہو، کیا مقاصد ہیں؟''

پھر ایک شخصیت کا انتخاب ہوتا ہے اور وہ ہیں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سادگی اور خودداری کے پیکر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خیموں کو سجایا جا رہا ہے۔ ریشم و کمخواب کی چادریں، بیش قیمت پردے، قالین، خادم زرق برق لباس میں...... مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پیوند لگے لباس میں آ رہے ہیں۔ معمولی سا پرانا لباس، تلوار کے لیے میان تک نہیں۔ اس پر چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں۔

دروازے پر دربان نے نیا لباس پیش کیا۔ تلوار اپنے پاس رکھنے کے لیے اصرار کیا۔ گویا ہوئے۔

''جس حالت میں آیا ہوں، اسی حالت میں تمہارے بادشاہ سے ملوں گا، نہ لباس تبدیل کروں گا، نہ اپنی تلوار تمہارے حوالے کروں گا۔ اگر ملنا ہے تو اسی حالت میں ملوں گا۔''

یہ تھے سرفروش، دنیا سے مکمل بے رغبتی رکھنے والے مجاہد۔

رستم نے کہا کہ ''جس طرح آتا ہے آنے دو۔''

یہ اپنی تلوار کی نوک ان قالینوں میں چبھوتے ہوئے نہایت بے پروا انداز میں آگے بڑھتے ہیں۔ رستم کے تخت پر جا کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ درباریوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کر دیں۔

''کتنا غیر مہذب ہے۔ اس کو تہذیب کا علم نہیں۔''

''یہ جاہل عرب ہوتے ہی ایسے ہیں۔ آداب کا پاس و لحاظ نہیں۔''

آوازیں بلند ہوتی گئیں۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رستم کی طرف دیکھا، درباریوں سے مخاطب ہوئے۔ ''اے عجم کے لوگو! ہم تمہارے بارے میں بڑے وہم کا شکار تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ تم نہایت ذہین، ہوشیار اور گہری سوچ اور فکر کے مالک ہو، مگر آج تمہارے پاس آ کر اندازا ہوا کہ تمہارے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں۔ تمہیں اپنے امرا کی غلامی پسند ہے۔ جب کہ ہمارے ہاں امیر اور رعیت میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ ہمارا امیر تو سب سے مصروف تر اور مسلسل کام کرنے والا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں حکمرانی ایک اضافی بوجھ اور ذمے داری ہے۔ اس میں کوئی عیش و آرام اور سعادت والی بات نہیں ہے۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رستم کے لیے یہ انداز، یہ بے خوفی بڑی عجیب تھی۔ اس نے آج تک ان عربوں سے ملاقات کی تھی جو اس کے عامل کے طور پر مختلف بستیوں پر حکومت کرتے چلے آرہے تھے۔ اس کے پاس عربوں کا بادشاہ نعمان آیا تو وہ اس سے غلے اور اناج کا طلب گار تھا۔ وہ رستم سے سونے اور چاندی کی بھیک مانگنے آیا تھا۔ اس کا خیال تو یہ ہی تھا کہ یہ عرب بھوکے اور کمزور ہیں۔ ان کو تھوڑی سی دولت، معمولی سا لالچ دے کر خریدا جاسکتا ہے۔

رستم، مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہوا۔

''ہمیں تمہاری مالی حالت کا خوب اندازہ ہے، تمہارا ملک دنیا کے غریب ترین ملکوں میں سے ہے۔ تم مفلس اور قلاش ہو۔ تمہارا لباس اور تمہاری حیثیت اس کا واضح ثبوت ہے۔ مگر میں تمہارے اوپر رحم کرتے ہوئے تمہارے ہر نوجوان کو غلہ، گندم اور کھجور وافر مقدار میں دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ جتنا ایک اونٹ بوجھ اٹھا سکتا ہے تمہارے ہر ساتھی کو ملے گا اور دیکھو یہ تم نے جو ہمارے مقابلے میں آنے کی جرأت کی ہے، اس کے لیے ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔''

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوابی تقریر کی۔ ''اے بادشاہ! تم نے ہمارے فقر، ہماری حالت کا جو ذکر کیا ہے وہ بالکل درست اور بجا تبصرہ ہے۔ بلاشبہ ہم فقیر ترین قوم تھے، بھوک کے مارے جو ملتا اس کو کھا لیتے۔ ہم جہالت اور گمراہی میں تھے، اپنے اعزہ کو قتل کر دیتے کہ ان کا مال ہڑپ کر سکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اپنا احسان فرمایا اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نعمت سے نوازا۔ انہوں نے سیدھی راہ اور خیر کے دروازوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔۔۔ چنانچہ ہمارے دلوں میں نفرتوں کی جگہ محبت کے چشمے ابلنے لگے۔''

رستم نے حقارت بھری نظروں سے مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار کی طرف دیکھا۔

''اس پر بھروسا کرتے ہو؟ اس پر میان تک موجود نہیں۔''

درباری کو اشارہ کیا، خوب صورت مرصع تلوار پیش کی اور کہا کہ ''اپنی تلوار کے بدلے اس کو لے لو۔''

مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تلوار گھمائی، یہ بجلی کی طرح کوندگئی۔ ایرانی تلوار پر اس زور سے اپنی تلوار ماری کہ مرصع تلوار دو ٹکڑے ہوگئی۔ پھر رستم سے مخاطب ہوئے۔

''تمہارے پاس تین راستے ہیں۔ اسلام قبول کرلو یا جزیہ دینے پر رضا مندی ظاہر کردو یا پھر ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ جنگ کرے گی۔''

رستم نے جزیہ کا نام سنا، ناک بھوں چڑھائی۔ اپنے درباریوں کو دیکھا، پھر نخوت بھری نظروں سے مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم نے جس گستاخی کا ارتکاب کیا ہے، اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔ مگر سنو! کل کا دن...... ہاں کل میں تم سب کو نیست و نابود کر کے رکھ دوں گا۔''

اگلے دن لڑائی کا آغاز ہوا۔ ایرانی اپنے ہمراہ ہاتھی لے کر آئے تھے۔ جس طرح آج ٹینک سوار محفوظ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھی تھے۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ مسلمانوں کا خاصا نقصان ہو رہا تھا، وہ سوچ رہے تھے کہ ان کو کیسے روکا جائے۔ بالآخر مجاہدین اسلام آگے بڑھتے ہیں۔ ہاتھیوں کی سونڈوں کو تلواروں سے کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ ہاتھی چیختے چلاتے پیچھے کو مڑے۔ اب ایرانی روندے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف ایرانیوں کی سازش ناکام ہو کر رہ گئی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔

''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس روز عرق النساء کے مرض میں مبتلا تھے۔ چلنے پھرنے سے معذور، ایک اونچے مکان کی چھت پر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ سامنے میدان جنگ تھا۔ احکامات لکھ لکھ کر کمانڈروں کے حوالے کر رہے ہیں۔ ترکیبیں بتا رہے ہیں۔ دشمن بھی خوب مقابلہ کر رہا ہے۔

ایک گھڑ سوار پر نظر پڑی۔ دیکھا وہ صفوں کو الٹ رہا ہے۔ کبھی دائیں، کبھی بائیں، کبھی سامنے جاتا ہے۔ دشمن کی صفیں درہم برہم ہو رہی ہیں۔

"یہ کون ہے؟ اس کی شکل صورت تو ابو محجن جیسی ہے۔" سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوچتے ہیں۔

"مگر وہ تو قید میں ہیں۔"

ابو محجن نے شراب نوشی کی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پاداش میں ان کو مکان کے اندر بند کر دیا تھا۔ معرکہ شروع ہوا، یہ بہادر تو تھے ہی۔ معرکے کو کھڑکی سے دیکھا تو بے چین ہو گئے، جذبۂ جہاد عود کر آیا۔ سامنے کافر ہیں جن کے مقابلے میں اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے مسلمان سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔ نہایت بے بسی سے کہا۔

"میں پابند سلاسل ہوں، کاش! میں بھی ان میں شامل ہو سکتا۔"

وہ سوچ رہے ہیں۔ کیسے نکلوں، کون نکالے گا، کون مجھ پر اعتبار کرے گا؟ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو بلایا۔

"دیکھو! رب کو گواہ بنا کر وعدہ کرتا ہوں، مجھے آزاد کر دو۔ جہاد میں حصہ لینا چاہتا ہوں، اگر زندہ رہا تو واپس آ کر اپنے ہاتھوں میں خود ہتھکڑیاں پہن لوں گا اور اگر شہید ہو گیا تو اللہ معاف کرے۔"

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو ترس آ گیا۔ ایک مجاہد اور پابند سلاسل؟ بیڑیاں اتاریں، سعد کا گھوڑا دیا اور پھر ایک مجاہد اپنے کمانڈر انچیف کے گھوڑے پر بیٹھا، اس کا حق ادا کر رہا ہے۔

حضرت سعد اس نوجوان کی بہادری کے جوہر دیکھ رہے ہیں۔ "ارے! یہ تو ابو محجن ہی ہے۔ اتنا بہادر، اتنا دلیر اور اتنا شجاع۔ اچھا! آج کے بعد اس کو قید نہیں کروں گا۔"

اور ادھر ابو محجن کہہ رہے ہیں۔ "آج کے بعد بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

اور پھر میدان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

یہ فتح کوئی معمولی نہ تھی۔ غنیمت کا مال جمع کیا گیا، مجاہدین میں تقسیم ہوا۔ بیت المال کا حصہ مدینہ منورہ بھیجا گیا۔ اتنا زیادہ مال غنیمت کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان میں ایک قالین تھا جس کی لمبائی 60 ہاتھ اور چوڑائی بھی اتنی ہی تھی۔ اس میں خوب صورت باغ کی تصویر تھی، نہریں، پھول تھے۔ یہ ساری تصویر دیباج سے بنی ہوئی تھی۔ اس میں خالص سونے اور موتی جیسے جواہرات سے درخت بنے ہوئے تھے۔

مال غنیمت میں انواع و اقسام کی چیزیں تھیں اور ان میں خاص اور اہم چیز کسریٰ کا تاج تھا اور اس کے ساتھ سونے کے کنگن، جو کسریٰ اپنے ہاتھوں میں پہنتا تھا۔ مسجد نبوی میں مال غنیمت کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ لوگ تعجب سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ فاروق اعظم مسلمانوں کی امانت اور دیانت پر تعجب کر رہے ہیں۔ اتنا زیادہ مال و دولت اور اس قدر امانت داری سے اس کو پہنچایا گیا۔

کسریٰ کے تاج اور کنگن اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہیں۔ الٹ پلٹ کر دیکھا، مسجد میں ان کی آواز گونجی۔ "سراقہ کہاں ہے؟"

ہاں وہی سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس نے ہجرت کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کیا تھا، حاضر ہوا۔ اب اس کے ہاتھ میں کنگن اور سر پر تاج رکھا جا رہا ہے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ رقت بھری آواز میں فرمایا۔

"اس رب کا شکر ہے کہ اس نے ان چیزوں کو کسریٰ بن ہرمز سے چھینا اور بنو مدلج کے ایک بدو کو ان کا مالک بنا دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی۔"

یہ قادسیہ کی جنگ تھی، جس نے مسلمانوں کے لیے عراق کے دروازے وا کر دیے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قافلے کے سالار تھے۔

(سنہرے اوراق۔ عبدالمالک مجاہد)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آگاہی

خوب صورت بنیے

ہماری ایک قاری بہن صائمہ نے منڈی بہاؤ الدین سے اپنی زندگی کا ایک قیمتی تجربہ بیان کیا ہے۔ ممکن ہے ہماری کچھ قارئین بھی ان مسائل کا شکار ہوں اور اس سے مستفید ہوسکیں، لکھتی ہیں۔

میری صحت بچپن سے ہی اچھی نہیں تھی۔ کمزوری، لیکوریا، ناف کے نیچے درد، خون کی کمی، یہ سب بیماریاں میری ساتھی رہیں۔ بہن، بھائی کوئی نہیں۔ خوراک کی کمی کی تو بات ہی نہیں کی جاسکتی۔ دودھ، پھل، اچھی خوراک بچپن سے ہی روٹین کا حصہ رہی۔ شادی کے بعد مسائل بڑھتے گئے۔ پہلی ڈلیوری نارمل ہوئی۔ اس کے بعد مجھے یہ خوراک کھلائی گئی۔ سوجی میں خوب دیسی گھی اور میوہ جات ڈال کر دینا۔ گائے یا بکرے کے گوشت کو خوب تر بتر دیسی گھی میں فرائی کرکے سالن دینا۔ صرف میوہ جات اور دوائیاں ڈال کر دینا۔ دودھ، وٹامنز، پانی اور پھل بالکل بند، پانی پینا بھی ہے تو بالکل تھوڑا سا۔ وہ بھی گرم۔ اگست کی خوب گرمی میں سارے دن میں چار گلاس گرم پانی اور اتنی ہیوی ڈائٹ، پنکھا نہیں چلانا۔ گرم پانی سے نہانا۔ دیسی گھی کی مالش، نو کلو دیسی گھی میں مجھے نہلا دیا، پر صورت نہیں بنی۔ بلکہ

”درد بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔“

جسم کے نچلے حصے میں اتنا درد رہنے لگا کہ بی پی لو ہوجاتا۔ کھڑا ہونا اور چلنا پھرنا دشوار۔ لیکوریا اتنا کہ پیڈ استعمال کرنا پڑتا۔ چھائیاں الامان۔ صرف ٹھوڑی سے پتا چلتا کہ ”کھنڈر بتاتے ہیں کہ عمارت حسین تھی۔“

دوسرے بچے کی دفعہ بھی یہ ہی روٹین رہی اور میں تو گئی کام سے۔ چکر آنا، معدے کی گرمی حد سے زیادہ۔ دل خراب اس طرح ہوتا جیسے پریگنینٹ ہوں۔ کھانا کھانے کو پہلے تو دل ہی نہ کرتا۔ کھالیتی تو ہضم کرنا مشکل۔ صبح و شام واک کر کر کے اٹھارہ، اٹھارہ گلاس پانی پی پی کے قہوے اور پھلیاں کھا کھا کے بُرا حال۔ لوگوں کی باتیں الگ کہ کھایا پیا نظر نہیں آتا۔ 48 کلو سے 43 کلو وزن ہوگیا۔

ڈاکٹر کہتے کمزوری ہے۔ خون کی کمی ہے۔ وہ دیتے آئرن اور وٹامن سی کی ٹیبلٹ اور یہ چیزیں یوں لگتیں جیسے بندوق کی گولی۔ لیکوریا بہت بڑھ گیا۔ کمزوری اتنی کہ روزے مشکل، گھر کے کام تو کیا ہوتے۔ اپنی امی کے گھر ہوں۔ میاں گھر داماد ہیں، کبھی ”تجھ سے ناتا“ میں اپنے میاں کا ناتا لکھوں گی۔ (ہاہاہا)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

منڈی بہاؤ الدین کے ڈاکٹرز کے پاس جا جاکے تھک گئے' سوچا اسلام آباد چلتے ہیں۔ اسلام آباد کی ایک میجر لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی۔ اس نے بتایا کہ بچہ دانی کا سائز بڑا ہے۔ جس کی وجہ سے درد ہوتا ہے۔ پھر کہا کہ بچہ دانی ہی الٹی ہے۔ یعنی کہ حد ہی ہوگئی اور دوائیاں اتنی دیں کہ کھانے والا کھا نہ سکے۔ اٹھانے والا اٹھا نہ سکے، دس ہزار خرچ ہو گئے صرف دوائیوں پر اور آرام نہ آنا تھا، نہ آیا۔

پورے خاندان کے لوگ، حج وعمرہ پہ جانے والے میرے لیے خاص الخاص دعائیں مانگتے کہ ماں، باپ کی اکلوتی اولاد ہوں۔ سب ہی محبت کرتے ہیں۔ پھر دعائیں کام آ گئیں۔ شعاع میں حدیث پڑھی کہ......

"کوئی بیماری جو ٹھیک نہ ہو رہی ہو۔ اس کے لیے کہیں پانی کی کمی کی جگہ پر زیادہ پانی کا انتظام کروا دیں۔"

میرے میاں نے گاؤں میں ہی ایک یتیم بچیوں کے گھر میں (جہاں پانی کی بہت تنگی تھی) نلکا لگوا دیا۔ پھر محمد یوسف اصلاحی صاحب کی کتاب "آداب زندگی" میں صحت کے آداب میں صحت کے آداب میں احادیث پڑھیں۔

اس دن سے میں نے معدے پر توجہ دینی شروع کی۔ کھانے کی روٹین اس طرح سیٹ کی۔

صبح نہار منہ ایک یا تین کھجوریں۔ پھر ایک گلاس پانی۔ ایک گھنٹے بعد ایک پراٹھا۔

دوپہر بارہ بجے تک دو گلاس پانی (وقفے وقفے سے)

دو بجے دوپہر کا کھانا، ایک چپاتی تھوڑے سالن کے ساتھ۔

شام تک تین گلاس پانی۔

رات کو دو لقمے روٹی یا دودھ کا ایک گلاس۔

صبح اور شام ہلکی پھلکی واک۔

تین دن بعد رات کو ایک ابلا ہوا انڈا۔

تین دن بعد دودھ میں دیسی گھی اور ایک چٹکی ہلدی لیتی ہوں۔ کبھی کبھار یہ قہوہ بھی پی لیتی۔

قہوے کی ترکیب:۔ ایک کپ پانی میں حسب ذائقہ چینی اور نمک ڈال لیں۔ ایک چٹکی چائے کی پتی، ایک سفید الائچی ڈال کر اس کو تین یا چار ابال دیں۔ زیادہ ابالنا نہیں ہے۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو آدھا لیموں نچوڑ کر' ڈال کر پی لیں۔

گھر کے سب افراد کو دیں۔ شیر خوار بچوں کے لیے تو بہترین ہے۔ بس ان کو لیموں نہیں دینا۔ اس سے معدہ ٹھیک ہوتا ہے۔ میرا بھی ٹھیک ہونے لگا۔ کھانا پینا ہضم ہونے سے معدہ گرم نہیں رہا، جس سے صحت بھی بہتر ہوئی اور لیکوریا بھی ٹھیک ہو گیا۔ آج الحمدللہ فٹ ہوں۔ سب کچھ کھاتی پیتی ہوں۔ لیکن حدیث کے مطابق پیٹ کے تین حصے کر لیتی ہوں۔ ایک حصہ خوراک کا۔ ایک پانی کا اور ایک خالی میری چھائیاں 30 فیصد ختم ہو گئی ہیں۔

اپنے جسم، اس کی ضروریات اور بیماریوں کو خود سمجھیں۔ کیا چیز سوٹ کرتی ہے کیا نہیں؟ یہ آپ کو خود پتا کرنا ہے۔ ڈاکٹرز کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا کہ وہ پہلے آپ کی روٹین پوچھیں، پھر دوا دیں۔ بچوں کے کھانے کی روٹین ٹھیک کریں۔ آج کل کمزوریاں، بیماریاں آئرن کی کمی وغیرہ وغیرہ۔ خوراک کی کمی کی وجہ سے نہیں۔ خوراک کی زیادتی اور ٹائم ٹیبل نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ بچپن سے ہی روٹین ٹھیک ہو گی، تو ان کو عادت ہو جائے گی اور بچے صحت مند رہیں گے۔

☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	عروج
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM